جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ

خیر الفتاویٰ

جلد اوّل

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ

و دیگر مفتیان خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاوی کا منتخب مجموعہ

باہتمام

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہٗ

مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

مرتبہ

حضرت مولانا مفتی محمد انور مدظلہٗ

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان

نام کتاب	:	خیر الفتاویٰ (جلد اول)
باہتمام	:	حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ
مرتب	:	مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ
کل صفحات	:	٦١٦ صفحات
ناشر	:	مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۸ (Phone No 061-4544965)

لاہور میں ملنے کا پتہ

مکتبہ رحمانیہ .... غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

کراچی میں ملنے کا پتہ

قدیمی کتب خانہ .... آرام باغ کراچی

ضروری گزارش

اس کتاب کی تصحیح کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔

اگر اس کے باوجود کہیں کتابتی اغلاط نظر آئیں تو

مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کی تصحیح کی جاسکے۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین (ادارہ)

فہرستِ مضامین "خیر الفتاوی" جلد اوّل

مَا یَتَعَلّقُ بِالاِیْمَانِ وَالعَقَائد

مَایَتَعَلَّقُ بِالْقُرْآنِ

مَا يَتَعَلَّقُ بِالحَدِيث

ما یتعلق بالانبیاء والصلحاء

ذکر و اوراد، دعاء اور تعویذات

مَایتعلق بالسُلوک

نمبر شمار	مَا يتعلقُ بالفِرَقِ المختلفۃ	صفحہ نمبر

مَایتعلّق بالتّاریخ

مایتعلق بالسُنّۃ والبدعۃ

عرضِ مرتب

بندۂ عاجز نے صرف یہ سوچ کر اس علمی مجموعہ کو بزعمِ خویش ترتیب دینے کی کوشش کی ہے کہ اللہ علیم وخبیر کے ہاں حسنِ نیت اور حسبِ ہمت سعی وکوشش کی بھی بڑی قدر ہوتی ہے ورنہ میں اپنے علم وفہم کی بنا پر ہرگز ہرگز اس ذمہ داری کا اہل نہ تھا۔

لعل وجواہر جہاں بھی ہوں اور جیسے بھی ہوں اہلِ نظر کے لئے متاعِ دل وجان ہوتے ہیں اس عاجز نے بھی اہلِ علم وفضل کے لئے علم وتحقیق کے یہ جواہر خیر المدارس کے قدیم رجسٹرِ فتاویٰ سے منتخب کئے اور جیسے کیسے ہوسکا ہدیۂ ناظرین کر دیئے۔ اس ساری کدوکاوش میں نہ تو کسی صلہ کی تمنا پیشِ نظر تھی اور نہ ہی کوئی ستائش مقصود تھی، اور ہوتی بھی تو کس بنا پر؟ بلکہ صرف اور صرف یہ نیت تھی کہ حضراتِ اساتذۂ کرام کا یہ علمی وتحقیقی ورثہ اور علوم ومعارف کا یہ گنجینہ رجسٹروں ہی تک محدود نہ رہے۔

ترتیب سے متعلق حتی الوسع ہر امر میں تصحیح کا پورا خیال رکھا گیا ہے تاہم ناظرینِ کرام سے گزارش ہے کہ کسی غلطی پر مطلع ہوں تو متنبہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے۔

راقم السطور

خاکپائے درویشاں ومحبِ ایشاں

فقیر ابوتراب

محمد انور عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء والحدیث بجامعہ خیر المدارس ملتان

کلمۂ تشکر

از: حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری مدظلہ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

جامعہ خیر المدارس (ملتان) کے دارالافتاء کو اندرون و بیرون ملک ایک مرکزی مقام حاصل ہے اس سے جاری ہونے والے فتاویٰ کو علمی تحقیقی وقعت کے پیشِ نظر تمام دینی حلقوں میں سندِ اعتماد حاصل ہے جامعہ کی نشاۃ ثانیہ سے تادمِ تحریر تمام جاری کردہ فتاویٰ رجسٹروں میں محفوظ ہیں۔ حضرت جدِ امجد مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نور اللہ مرقدہٗ نے بڑے التزام و اہتمام کے ساتھ "نقلِ فتاویٰ" کا کام اپنی نگرانی میں کرایا جس سے آپ کے حسنِ انتظام کے ساتھ اس منشاء پر بھی دلالت ہوتی ہے کہ آپ اس علمی ذخیرہ کو افادۂ عام کے لئے محفوظ کرا رہے تھے۔

میرے والد حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی دلی خواہش و تمنا تھی کہ یہ علمی خزینہ رجسٹروں کی زینت نہ رہے بلکہ منظرِ عام پر آکر اہلِ علم اور عامۃ الناس کے استفادہ کا باعث بنے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے حضرت مفتی محمد انور صاحب مدظلہ کو متوجہ فرمایا۔ اس سلسلہ میں پیشرفت آپ کے دورِ اہتمام ہی میں ہوئی لیکن آپ کی زندگی میں اس تمنا کی تکمیل نہ ہو سکی۔ اب ان کی وفات کے بعد بہ نیت ایصالِ ثواب ان کی اس نیک تمنا کی تکمیل کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

"خیر الفتاویٰ" کی اہمیت اور اس میں شامل فتاویٰ کے علمی و تحقیقی ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رح حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہٗ، حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہٗ، حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہٗ جیسے مفتیانِ عظام کے فتاویٰ اس کی زینت ہیں۔

اس عظیم علمی خدمت کی تکمیل پر حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہٗ کا صمیم قلب سے ممنون ہوں کہ جنہوں نے شبانہ روز محنت کر کے اس کٹھن و مشکل ترین کام کو تن تنہا سر انجام دیا ہے۔ فجزاہم اللہ عنا و عن سائر المسلمین۔

علاوہ ازیں حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہٗ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہٗ کا بھی شکر گزار ہوں کہ جن کی سرپرستی و راہنمائی سے جامعہ کو یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ ناسپاسی ہوگی اگر مولانا محمد ازہر صاحب "مدیر الخیر" و دیگر رفقاء کا شکریہ ادا نہ کروں جن کے تعاون کی وجہ سے "خیر الفتاویٰ" منصہ شہود پر آیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بقیہ جلدوں کی جلد اشاعت کی توفیق عطاء فرمائیں اور اسے مقبولیتِ عامہ عطاء فرمائیں۔ آمین

پیش لفظ

از
محمد ازہر۔ مدیر "الخیر" خیر المدارس
(ملتان)

نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم

فقہ عربی زبان میں کھولنے اور پھاڑنے، تحقیق وجستجو، غور وتأمل، ذہانت وفطانت اور فہم وادراک وغیرہا معانی میں استعمال ہوتا ہے، اصطلاحِ شریعت میں اپنے دینی فرائض ومناصب کا علم، رسوخ فی العلم، رسوخ فی الدین، حدود ومقاصدِ شریعت سے آگہی، اصولِ اربعہ پر فروعی مسائل وحوادث کے تطابق وغیرہا کو فقہ کہا جاتا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے معرفۃ النفس مالہا وما علیہا کے جامع الفاظ سے "فقہ" کی تعریف فرمائی ہے علمِ فقہ کی حیثیت واہمیت اور عظمت ووقعت اس کی تعریف ومعانی سے عیاں ہے۔

یہ علم جتنا وسیع، عظیم اور عمیق ہے اتنا ہی نازک پیچیدہ اور حزم واحتیاط کا متقاضی ہے علماء راسخین فی العلم وفقہاء کرامؒ نے اس کے ذریعے شریعت کے رموز وغوامض کی نقاب کشائی کے ساتھ کتاب وسنت کی بنیاد پر متنوع مسائل وحوادث، مختلف جزئیات اور حالات وطبائع کے تغیرات کو ملحوظ رکھتے ہوئے احکام صادر فرمائے۔

اَلحمدُللہ جو مسلمان اپنے دل میں احساسِ مسئولیت اور دین پر عمل کی کچھ تڑپ رکھتے ہیں وہ پیش آمدہ مسائل وجزئیاتِ متفرقہ کے احکام معلوم کرنے کے لئے عصر حاضر کے "دانشوروں" دین ودنیا کے علوم سے آشناؤں" "علوم اسلامیہ میں ------ ڈاکٹریٹ کے ڈگری ہولڈروں" اور ملکی وبیرونی یونیورسٹیوں میں تعلیم پانے والے وسیع النظروں" کی "تحقیقات واجتہادات" پر اعتماد کرنے کی بجائے مساجد ومدارس کے ان بوریا نشین علماء کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں جن کے وجود سے اس مایوس کن مادی ماحول میں بھی دین کی کچھ آبرو قائم ہے۔ مدارسِ عربیہ کے دار الافتاء اس کے شاہد ہیں جن سے اب تک لاکھوں افراد مسائل ونوازل میں تحقیق وتفتیش کر کے عمل کی دنیا سنوار چکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ روزِ اوّل کی طرح جاری ہے۔

لیکن اس سلسلہ سوال وجواب میں یہ بات شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ اس کا نفع انفرادی لازم

اور سائل و مفتی تک محدود رہتا ہے۔ اگر یہ تمام علمی ذخیرہ منصۂ شہود پر آئے تو ایک ایک استفتاء سے سینکڑوں افراد مستفید ہو سکتے ہیں۔ متعدد اہل علم حضرات نے اس کا احساس فرمایا اور اُن نوادرات و مخطوطات کو جو رجسٹروں اور فائلوں کی زینت تھے افادۂ عام کے لئے شائع فرمادیا، امداد الاحکام، امداد الفتاویٰ فتاویٰ خلیلیہ، کفایت المفتی، فتاویٰ دار العلوم دیوبند اور احسن الفتاویٰ اس سلسلہ کی روشن مثالیں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ متفرق و منتشر اوراق میں بکھرے ہوئے ان موتیوں کو ایک لڑی میں پرونا مہارت و حذاقت، دیدہ ریزی، محنت و سلیقہ اور حوصلے کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان سے اب تک اُن متعدد اہم عربی مدارس جو دینی علمی ملّی خدمات میں مصروف و معروف ہیں کی جانب سے اس قسم کی علمی دستاویزات سامنے نہیں آئیں، (جو بہرحال ایک تسامح اور کسی قدر غفلت ہے) اوّل الذکر تمام فتاویٰ کا تعلق بھی ہندوستان کے تعلیمی اداروں یا شخصیات سے ہے۔

الحمد للہ پاکستان میں اس سلسلہ کی اوّلین سعادت ملک کے ممتاز دینی ادارہ جامعہ خیر المدارس کو حاصل رہی ہے جس کا دار الافتاء افراط و تفریط میں مسلکِ اعتدال، علمی تحقیق و تدقیق میں مثال اور مسلکِ اہلِ سنت والجماعت دیوبند کے ترجمان کی حیثیت سے ملک گیر شہرت کا حامل ہے۔

دار الافتاء مذکور میں قیام پاکستان سے اَب تک تقریباً ۴۰ سال کے فتاویٰ جو عارف باللہ فقیہ عصر حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ، فاضل محقق حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحبؒ اور دیگر مفتیانِ خیر المدارس کی نادر علمی تحقیقات کا ماحصل ہیں محفوظ تھے متعدد اہل علم حضرات نے انکی اشاعت و طباعت کی خواہش کی لیکن اس گرانقدر علمی خزانہ کو منظرِ عام پر لانے کے لئے کئی ہفت خواں سر کرنے پڑتے ہیں، فتاویٰ سے انتخاب، اصل سے مراجعت، حوالوں کی تصحیح، صفحات کی درستگی، عبارت کی نوک پلک، جوابات پر نظر ثانی، مکرّرات کا حذف، ناگزیر اضافے، مآخذ سے مطابقت ان خالص علمی کاموں کے علاوہ، کاغذ، کتابت تصحیح، طباعت، اشاعت وغیرھا متعدد مراحل کی وجہ سے یہ کام اپنی اہمیّت کے باوجود نہ ہو سکا۔

کل امرٍ مرھونٌ باوقاتہا کے تحت بتوفیقِ ایزدی مخدومی حضرت مولانا محمد شریف صاحب قدس سرہٗ کے دَورِ اہتمام میں اس کی تحریک اور مخدوم زادہ مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری کے دَور میں تکمیل ہوئی اس سلسلہ میں مذکورہ بالا تمام امور برادرِ محترم مولانا مفتی محمد انور صاحب زید مجدہم نائب مفتی جامعہ ھذا کے سپرد ہوئے یہ ایک حقیقت ہے کہ موصوف مکرّم نے اپنی تعلیمی و تدریسی مصروفیات کے باوجود یہ فریضہ باحسن طریق انجام دیا ہے اور ہزاروں صفحات پر مشتمل اس علمی خزینہ سے خیر الفتاویٰ کا حسین انتخاب فرما کر علمی جواہر و فقہی نوادر کو طعمۂ کرمان بننے سے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ علمی کاوش مفتی صاحب کی محنتِ شاقہ کے بعد ہدیۂ ناظرین بن

رہی ہے، جس میں ایمان وعقائد، القرآن وما یتعلق بہ، الحدیث وما یتعلق بہ، بدعات، تاریخ، مختلف جماعتیں اور کتاب السلوک کے ابواب کے تحت سینکڑوں مسائل اور ان کے حل آ گئے ہیں۔

کتاب کی افادیت اور علمی مقام کے اندازہ کے لئے چند سرخیاں ملاحظہ ہوں۔

(۱) "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو نورِ خداوندی کا جزء کہنا صحیح نہیں"۔
(۲) "ائمہ مذہب سے نفی سماع موتیٰ صراحۃً منقول نہیں"۔
(۳) سُنّت کی توہین کفر ہے،
(۴) حیات انبیاء پر خرور سلیمان علیہ السلام کی وجہ سے وارد ہونے والے شُبہ کا شافی جواب۔
(۵) "ان اللہ علیٰ کل شیئ قدیر کے عموم میں ہر ممکن داخل ہے۔
(۶) یزید کے بارے میں عادلانہ رائے،
(۷) تفسیر بلغۃ الحیران کے متعلق معتدل رائے،
(۸) تفسیر بالرائے کا حکم۔
(۹) بذریعہ فلم تبلیغ قرآن، توہینِ قرآن ہے۔
(۱۰) ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ حدیث ہے،
(۱۱) تعظیمِ اہل بیت سے متعلق چند موضوع احادیث،
(۱۲) سب سے پہلے کیا چیز پیدا کی گئی ؟
(۱۳) زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا یا نہیں،
(۱۴) حضرت عمرؓ کا بنت فاطمہؓ سے نکاح کا ثبوت۔
(۱۵) حضرت معاویہؓ کاتبِ وحی اور امین تھے۔
(۱۶) حلیمہ سعدیہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس سواری پر لے گئی تھیں۔؟
(۱۷) روافض کو سُنیوں کی مساجد میں نہ آنے دیا جائے۔
(۱۸) مودودی صاحب کے ساتھ علماء کرام کے اختلاف کی وجہ،
(۱۹) بریلویوں سے مراسم رکھنے کا حکم۔
(۲۰) وجوب تقلید ائمہ اور ترکِ تقلید کے نتائج
(۲۱) سوا لاکھ آیت کریمہ کا شرعی حکم

بطور نمونہ مشتے از خروارے، چند عنوان ذکر کئے گئے ہیں۔ اسی طرح باقی تمام فتاویٰ بھی وقیع علمی

مضامین پر مشتمل ہیں ۔ حسبِ ضرورت بعض مواقع پر مفصّل کلام کیا گیا ہے ۔ اہل بدعت اور منکرین تقلید کے اختلافی مسائل کافی بسط سے لکھے گئے ہیں جو ان شاء اللہ اہل علم کے لیے موجب انبساط و اطمینان ہوں گے فتاویٰ کا یہ مجموعہ علمی دنیا میں گرانقدر اضافہ اور طلباء و فضلاء بالخصوص شعبہ افتاء سے متعلق حضرات کے لئے بیش بہا نعمت ہے ۔

اس میں شک نہیں کہ فاضل مرتّب نے اس علمی خزینہ کو عام استفادہ کے لائق بنانے کے لئے انتھک محنت اور صبر و ہمت سے کام لیا ہے اور جو کام ایک معتد بہ جماعت کے کرنے کا تھا اُسے بعونہٖ تعالیٰ تکمیل تک پہنچا دیا ہے ۔

فاضل مرتب کو اس سلسلہ میں ایک مشکل یہ پیش آئی کہ ان فتاویٰ کے نقل کے وقت یہ بات کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھی کہ ایک وقت یہ دفاتر فتاویٰ کے مستند اور وقیع علمی مجموعہ کی بنیاد بنیں گے ، اس لئے ناقلین سے متعدد فروگذاشتیں ہوئیں ۔ کہیں سائل کی عبارت میں کمی بیشی ، کہیں عربی عبارتوں میں غلطیاں ، کسی جگہ حوالے میں نقص ، بعض مقامات پر صفحے غلط ۔ غرضیکہ " غلطی ہائے مضامین نہ پوچھ " والا معاملہ تھا ۔ چنانچہ تمام ایسے مقامات پر خصوصی احتیاط کی گئی ہے ۔

سوالات کی عبارات حتی الامکان واضح کی گئیں ، عبارتوں کو اصل کتابوں سے درست کیا گیا ، حوالوں کے لئے اصل مصادر و مآخذ سے مراجعت کی گئی ، صفحات کے نمبر درست کئے گئے ۔ بہر حال اب یہ مجموعہ مسمّٰی بہ ۔ خیر الفتاویٰ ۔ اس قابل ہے کہ اصحابِ علم و فضل اور اربابِ افتاء کی نظر میں ایک مقام حاصل کر سکے ۔

خیر الفتاویٰ سے جہاں قدیم و جدید انفرادی و اجتماعی مسائل کے سمجھنے میں مدد ملے گی وہاں اس حسین علمی مرقع سے فقہ حنفی کی عظمت ، گہرائی اور گیرائی کا بھی اندازہ ہوگا ۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جملہ مسلمانوں کے لئے نافع اور ذریعۂ عمل بنا دیں ۔ آمین ۔

خیر المدارس کے اربابِ افتاء

محمد ازہر مدیر ماہنامہ "الخیر" جامعہ خیر المدارس ملتان

بیتُ اللہ زادھا اللہ شرفاً وعزاً کے انوار و برکات اور رُوحانی جذب وکشش اور کیفیات کی کمی حاجت نظر اہلِ دل نے بڑی حسین توجیہ و تعبیر کی ہے کہ ؎

کعبہ را ہر دم تجلّی می فزود
زانکہ از اخلاصاتِ ابراھیمؑ بود

جس طرح بیتُ اللہ کے انوار و تجلیّات کی پیہم زیادتی میں ابراھیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کے صدق وصفا اور اخلاص و وفا کا حصّہ ہے، اسی طرح ہر وہ نیک عمل جس کی آبیاری خلوص وللھیت تعلق مع اللہ اور خشیت وتقویٰ کے پاکیزہ پانی سے کی جائے، روز افزوں ترقی پذیر رہتا ہے۔

ع چراغِ مقبلاں ھرگز نہ میرد

آج سے نصف صدی قبل ایک عارف کامل، عالم ربّانی درویشِ خدامست حضرۃ مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرّہٗ نے جالندھر میں خدمتِ دین کا جو بیج بویا تھا آج وہ تناور درخت بن چکا ہے جس نے الحاد وزندقہ اور کفر وفسق کی چلچلاتی دھوپ، بادِ صرصر کے تھپیڑوں اور آگ برساتی فضا میں ہزاروں انسانوں کو اپنی ٹھنڈی اور میٹھی چھاؤں میں پناہ دی۔ آج بھی سینکڑوں افراد اس کے شیریں ثمرات سے مستفید ہو رہے ہیں۔

مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ جامعہ کے بانی، مہتمم، شیخ الحدیث صدر مدرس، اور دار الافتاء خیر المدارس کے صدر مجلس تھے۔

(۱) عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہٗ

؎ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مفتیٔ اوّل

آپ ۱۳۱۳ھ بمطابق ۱۸۹۵ء بمقام عمروالہ تحصیل نکودر (ضلع جالندھر) میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام الٰہی بخش تھا، ددھیال کا پیشہ زراعت تھا، ننھیال میں آپؒ کے ماموں میاں شاہ محمد ولد میاں شیر محمد ذاکر شاغل اور حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے بیعت تھے، بچپن کے دس سال حضرت والاؒ نے انہی کی تربیت و نگرانی میں گزارے اور قرآن پاک بھی انہی سے پڑھا، بعد ازاں بالترتیب مدرسہ رشیدیہ نکودر، مدرسہ رشیدیہ رائے پور گجراں، مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی، اور مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں تعلیم پائی، اساتذہ میں حضرۃ مولانا مفتی فقیر اللہؒ، حضرۃ مولانا فضل احمد صاحبؒ حضرۃ مولانا محمد یٰسین صاحب سرھندیؒ اور حضرۃ مولانا سلطان احمد صاحب پشاوریؒ کے اسمائے گرامی ممتاز ہیں۔

۱۳۴۳ھ سے ۱۹۳۱ء تک متحدہ ہندوستان میں تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۹۳۱ء میں حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے مشورہ و اجازت سے اپنے ادارہ "خیر المدارس" کا آغاز فرمایا۔ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد یہ مدرسہ قدیم شہر ملتان میں منتقل ہوا، ۸/اکتوبر ۱۹۴۷ء سے باقاعدہ تعلیم کا اجراء کیا گیا، اُس سال پورے پاکستان میں صرف یہی واحد ادارہ تھا جس میں دورۂ حدیث پڑھایا گیا۔ باقی مدارس ابتدائی مراحل میں تھے یا ابھی وجود ہی میں نہ آئے تھے۔

دارالافتاء کا قیام

حضرۃ والاؒ نے جامعہ کی نشاۃ ثانیہ کے متصل بعد ہی عامۃ الناس کی دینی مسائل سے واقفیت و آگاہی کے لئے "دارالافتاء" قائم فرمایا مگر یہ "دارالافتاء" آپ ہی کی ذات کا نام تھا، نہ مستقل عمارت تھی، نہ نائب، نہ معین، نہ ناقل، اپنی تمام تر تعلیمی، انتظامی، اصلاحی و تبلیغی مصروفیات کے ساتھ یہ کام، جو کئی افراد کا مقتضی ہے حضرتؒ تن تنہا انجام دیتے تھے، خود ہی جوابات تحریر فرماتے، خود ہی انہیں رجسٹر میں نقل فرماتے اور اپنی ذاتی مُہر سے مزیّن فرما کر سپرد ڈاک کرتے۔

حضرت والاؒ علوم نبوت کے وارث و امین اور اخلاق نبوت کا آئینہ تھے، ارشاد و ہدایت، خلوص و للّٰہیت، تقویٰ و طہارت، تدبر و فراست، اعتدال و استقامت، زہد و قناعت جیسے اُن گنت محاسن و محامد کی تصویر تھے۔

حسن تعلیم و تقریر

آپؒ انتہائی شفیق استاذ اور مربی تھے، سبق کی تقریر دریا بکوزہ

کی مثال ہوتی اسلوب بیان سلیس اور دلنشین ہوتا تھا، لمبی لمبی تقاریر و مباحث کو نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ طلبہ کو ذہن نشین کرا دینا حضرت والاؒ کا خصوصی کمال تھا۔ بسا اوقات منطق و فلسفہ کی بعض ادق مباحث پڑھانے سے ایک دن قبل طلبہ سے فرماتے کہ "کل کا سبق کچھ مشکل ہے اس کا اچھی طرح مطالعہ کر کے آئیں"۔ لیکن دوسرے دن ایسی ترتیب و تسہیل سے بیان فرماتے کہ طلبا اُسے نہایت سہل پاتے اور ایک دن قبل کی تنبیہ پر متعجب ہوتے۔ حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ تفہیم و تعلیم کے سلسلہ میں استاد خود مشقت برداشت کرے، طلبہ پر بوجھ نہ ڈالے، حدیث پاک کی تدریس میں حضرت والاؒ، ائمہ مجتہدینؒ کے مستدلات کا ایسا محمل بیان فرماتے یا ایسا معنیٰ خیز ترجمہ بیان فرماتے کہ وہ حدیث حنفیہؒ کی دلیل معلوم ہوتی۔

مشہور حدیث "البیعان بالخیار ما لم یتفرقا" معرکۃ الآراء حدیث ہے اسی حدیث کی بناء پر حضرت امام شافعیؒ احناف سے "خیارِ مجلس" کے مسئلہ پر اختلاف فرماتے ہیں، اساتذہٴ حدیث احناف کی طرف سے اس حدیث کی متعدد توجیہات بیان فرماتے ہیں۔ "تفرّق بالابدان" اور "تفرّق بالاقوال" کی تقسیم اور "تفرّق بالاقوال" کے نظائر اور قرائن وغیرہ وغیرہ۔

حضرت والاؒ اتنی تطویل کی بجائے ایسا جچا تُلا ترجمہ فرماتے کہ توجیہات کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ آپؒ فرماتے "البیعان بالخیار ما لم یتفرقا" کا مطلب یہ ہے کہ سودا کرنے والوں کو اختیار ہے جب تک سودا چکا کر الگ الگ نہیں ہو جاتے، ظاہر ہے اس ترجمہ کے بعد یہ حدیث "خیارِ مجلس" کی دلیل نہیں بن سکتی اور غور کیا جائے تو یہ "تفرّق بالاقوال" کی موجز و حسین تعبیر ہے۔ فللّٰہ درہ،

علمی تبحر اور فقہی ژرف نگاہی

۱۹۴۹ء میں خیر المدارس میں افتاء کا شعبہ مستقل کر دیا گیا اور اس کے مسئول عنہٗ عارفِ کامل حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب رحمہ اللہ مقرر ہوئے تاہم حضرت مفتی صاحبؒ تمام فتاویٰ بعد از عصر حضرت والاؒ کی خدمت میں پڑھ کر سناتے، آپ کمال توجّہ سے سنتے، حسب ضرورت آپؒ کی ترمیم و تصحیح یا تصدیق کے بعد سپردِ ڈاک کئے جاتے، بعض جوابات پر حضرت والاؒ مرتبت کچھ اضافہ بھی فرماتے، جو آپؒ کی دقّتِ نظر، تبحرِ علم، تعمق فکر اور فقہ میں نگاہِ دوررس کا شاہکار ہوتے۔ صرف ایک مثال ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ ہزارہ سے ایک عالمِ دین نے اس مضمون کا استفتاء بھیجا کہ "تفسیر بلغۃ الحیران" کے مختلف مقامات پر آیات کی ایسی تفاسیر کی گئی ہیں جو سلفِ صالحین اور اہلِ سنّت والجماعت کے عقائد و نظریات کے خلاف ہیں۔ اس کے ثبوت میں مستفتی نے ۶ مقامات باحوالہ بقید صفحہ نقل کر کے پوچھا

کہ کیا یہ اہل سنّت والجماعت کے مسلک سے علیحدگی اور اعتزال کا اظہار تو نہیں ؟

حضرۃ مولانا مفتی محمد عبداللہ رحمہ اللہ نے اس کا جواب تحریر فرمایا جس کے شروع میں آپؒ نے تمہیداً لکھا۔ " ہمارا مسلک علماء دیوبندؒ کے اصول کے مطابق احتیاط پر مبنی ہے ، ہم عبارات مشکوکہ و مشتبہ کی بناء پر تکفیر و تفسیق میں جلدی نہیں کرتے ، افراط و تفریط ... یہی دو ایسے امر ہیں جن کی بناء پر اُمّت میں فساد پیدا ہوتا ہے ، اگر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور اُن کی جماعت آپ کی نظر میں اکثر مسلمانوں کی تکفیر کرتی ہے (جس کا ہمیں پورا یقین نہیں) تو یہ ایسا ہے جیسا بریلوی حضرات علماء دیوبند کی تکفیر کرتے ہیں لیکن ہمارے اکابر نے اس بارہ میں ہمیشہ احتیاط برتی ہے اس لئے ہم بھی تکفیر کے بارے میں ہمیشہ احتیاط کرتے ہیں ۔ اور اپنے بھائیوں کو بھی احتیاط کرنے اور عبارات مشکوکہ کی جب تک اصل عبارات کفر کے معنی کی تصریح نہ کریں ، تاویل ہی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں ۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے لکھا کہ ہم نے آپ کی محولہ عبارات کے بارے میں مولانا غلام اللہ خانصاحب سے تحقیق کی ہے وہ ان تمام عبارات کی ایسی توجیہ یا تاویل کرتے ہیں جو تکفیر و تفسیق سے مانع ہے لہذا ہمیں قول مالا یرضیٰ بہ القائل لے کر کفر یہ احتمال کو ترجیح دینے کی ضرورت نہیں اگر یہ لوگ تشدد کرتے ہیں تو ہمیں احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے ۔"

بظاہر یہ جواب مکمل تھا مگر حضرت والاؒ نے اپنی خداداد بصیرت و فراست یہ محسوس فرمالیا کہ اس فتویٰ سے بعض اہل غرض یہ تأثر بھی دے سکیں گے کہ خیر المدارس نے تفسیر بلغۃ الحیران کی من وجہ تائید و توثیق کردی ہے ۔ آپؒ نے اس تأثر کے ازالہ کے لئے درج ذیل عبارت کا اضافہ فرمایا جو آپ کی فقہی ژرف نگاہی اور حالات و عواقب پر گہری نظر کا واضح ثبوت ہے ۔

" حضرت العلام حضرت مفتی صاحب دام فیضہ نے مصنّف بلغۃ الحیران اور جامع کے متعلق جو پہلو احتیاط اور عدم تکفیر کا اختیار فرمایا ہے وہی راجح اور صواب اور احوط ہے مگر جس کتاب کی عبارات جمہور اہل سنّت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہوں یا عوام کو ان سے ایہام و مغالطہ ہوتا ہو ایسی کتاب کی اشاعت اور مطالعہ کرنا جائز نہیں ، اور اس کے جامع و ناشر تاویل یا اعتراف غلطی کرکے تکفیر و تفسیق سے تو بری ہو سکتے ہیں مگر اس کے ضرر اور اثم سے براءت کے لئے ضروری ہے کہ موجودہ کتاب کی اشاعت کو بند کیا جائے ۔ جب تک اس کی اصلاح نہ کی جائے یا غلط مقامات کا اظہار بالتصریح نہ کیا جائے ۔ واللہ الموفق ۔

از احقر خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۹/۶/ ۱۳۷۰ ھ

مندرجہ بالا اضافہ سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت والاؒ فتاویٰ کا محض سرسری سماع نہیں فرماتے تھے بلکہ پوری ذمہ داری اور احساسِ مسئولیت کے تحت تصدیقی دستخط ثبت فرماتے تھے۔

باکمال منتظم

اللہ جل شانہٗ نے حضرت اقدسؒ کو بے مثال اور قابلِ رشک علم و عمل کے ساتھ انتظامی صلاحیتوں سے بھی مالا مال فرمایا تھا۔ مردم شناسی اور کمالِ فراست کے مالک تھے۔ ایک نظر میں آدمی کی حقیقت و حیثیت کا جائزہ اور اس کی خوبیوں اور خامیوں کا اندازہ فرما لیتے تھے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد " اتقوا فراسۃ المؤمن فانہٗ ینظر بنور اللّٰہ " کے مصداق کامل تھے۔

کمالِ تواضع

حضرتؒ میں غایت درجہ تواضع و بے نفسی پائی جاتی تھی جو اہل اللہ کی علامت اور اصحابِ معرفت کا امتیاز خاص ہے۔ ایک دفعہ علامہ مولانا سید سلیمان ندویؒ جامعہ کے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے، برآمدہ میں چارپائی پر آرام فرما تھے، حضرت قدس سرہٗ سب کے سامنے سید صاحبؒ کے پاؤں دباتے رہے۔ یہ خدام کو ادب و تواضع اور اکرامِ ضیف کا عملی درس تھا۔

بانی وفاق المدارس

قیامِ پاکستان کے بعد عامۃ المسلمین کی رشد و اصلاح اور دینی رہنمائی کے لئے بلاد و قصبات میں متعدد دینی جامعات اور مکاتب و مدارس وجود میں آئے لیکن یہ سینکڑوں ادارے بکھرے ہوئے موتیوں کی مانند تھے۔ جو اپنی اپنی جگہ آبدار و تابناک تو ضرور تھے لیکن مجموعی حیثیت سے انہیں قابلِ ذکر حیثیت و مقام حاصل نہ تھا۔ عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ نے اس کمزوری کو محسوس فرمایا اور خیر المدارس کی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۲۰ شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۲ مارچ ۱۹۵۷ء میں یہ تجویز پیش فرمائی کہ تمام مدارسِ عربیہ میں انضباط و ارتباط اور معیارِ تعلیم اور امتحانات میں یکسانیت کے لیے عملی قدم اٹھایا جائے، اس تجویز کی افادیت و اہمیت اور تقاضائے وقت کے پیشِ نظر اکابر علمائے اس کی توثیق فرمائی۔ شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تجویز کو خصوصیت سے سراہا، چنانچہ اجلاس میں موجود حضرات، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہم اللہ پر مشتمل ایک مجلس (کمیٹی) تشکیل دی گئی۔ جس کے ذمہ ابتدائی مراحل کی تیاری اور اسے عملی جامہ پہنانے کا کام تھا آج "وفاق المدارس العربیۃ" کی لڑی میں ایک ہزار سے زائد مدارس منسلک ہیں۔ جن کا نصاب، طریقِ امتحان سندات وغیرہا یکساں ہیں، حکومت پاکستان نے "وفاق" کی تیس سالہ وقیع علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر شہادۃ العالمیۃ کو ایم اے عربی و اسلامیات کے برابر تسلیم کیا۔[1]

---

[1] اگرچہ بانیانِ "وفاق" کا اخلاص و مقام اس قسم کے رسمی اعزازات سے کوسوں بلند ہے اور ایسے پیمانوں سے اُن کے علم و فضل کو ناپنا بے قدری اور ناشناسی میں داخل ہے (از مرتب)

یہاں اس بات کا تذکرہ ناگزیر ہے کہ بعد ازاں مختلف مذہبی طبقات کی طرف سے اپنے اپنے حلقۂ اثر کے مدارس کی شیرازہ بندی میں وفاق ہی کی پیروی میں تنظیمیں بنائی گئیں، جو حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ اور علمائے دیوبند کی اصابتِ رائے، ندرتِ فکر اور حقیقت شناسی کا عملی اعتراف ہے والفضل للمتقدم

سفرِ آخرت آپؒ کی پوری زندگی اصلاح وارشاد اور خدمتِ دین میں صرف ہوئی، ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ کو مختصر علالت کے بعد رحلت فرمائی، آج وہ ہستی دار الحدیث (خیر المدارس) کے عقب میں محوِ آرام ہے جس کے احسانِ تعلیم وتربیت سے ہزاروں کی گردنیں خم ہیں۔

خیر الباری — خیر الاصول — خیر التنقید فی اثبات التقلید — خیر الوسیلہ — خیر الارشاد فی اثبات التقلید والاجتہاد — خیر المصابیح — جیسی علمی یادگاروں کے ساتھ — اب — خیر الفتاوٰی بھی آپؒ کی باقیات حسنات سے ہے۔

سطور بالا میں حضرت والاؒ کی کتابِ زندگی کے بعض جلی ابواب کا کچھ مختصر و ناتمام سا تذکرہ ہوا ہے اس کی فصول وعناوین، متن اور بین السطور میں ہزاروں علمی دُرر و فقہی جواہر مستور ہیں۔ صفحات کی تنگ دامانی

"ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے"

کا اعتراف کر رہی ہے۔

(۲) فاضل محقق حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب رحمہ اللہ

تھی وہ اِک شخص کے تصوّر سے — اب وہ رعنائی خیال کہاں

۱۳۶۹ھ میں خیر المدارس میں دار الافتاء کا شعبہ حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب رحمہ اللہ کی نگرانی میں مستقل کر دیا گیا، حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ معین مفتی مقرر ہوئے۔

حضرت مفتی صاحب کا آبائی وطن ڈیرہ غازی خاں تھا۔ دار العلوم دیوبند کے جید فاضل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے شریعت وطریقت میں شاگرد تھے، قیامِ پاکستان سے قبل مراد آباد اور بعد میں خیر المدارس اور قاسم العلوم ملتان میں حسبۃً للہ بلا معاوضہ دینی تعلیم کا آغاز فرمایا، جو آپ کی وفات سے چند سال پیشتر تک حالات کے تغیر وتبدل، گردشِ لیل ونہار اور عوارض وموانع کے باوصف کسی انقطاع یا تعطل کے بغیر جاری رہا، حدیث شریف کی تدریس کے ساتھ فقہ کی جزئیات پر کامل دسترس تھی۔ فتاوٰی کے جوابات حضرت مفتی صاحبؒ کے تبحرِ علمی، تعمقِ نظر اور وفورِ علم وذکاوت کا شاہکار ہوتے۔ آپ نے خیر المدارس میں تقریباً ۲۲ برس اس خدمت کو انجام دیا، بانی جامعہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ مفتی صاحبؒ کے کمالِ علم وعمل، بے نفسی

وللّٰہیت، ذاتی اخلاق، تواضع وانکسار دینی وعلمی مناقب اور دین کی راہ میں اُنکے مجاہدانہ اخلاص کی بناء پر اُن کا امتیازی احترام واکرام فرماتے۔

حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ "مفتی صاحبؒ کی زندگی، صحابہ کرامؓ کی پاکیزہ زندگیوں کی طرح ہے۔ بعض دفعہ فرماتے، جس نے جنّتی کو دیکھنا ہو وہ مُفتی صاحبؒ کو دیکھ لے،

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت والاؒ کا معمول رہا کہ جامعہ میں عیدین کی نماز حضرت مفتی صاحبؒ ہی کی اقتداء میں ادا فرماتے، اور حضرت مفتی صاحبؒ کو "امام الدعاء" فرمایا کرتے۔

جس سال افتاء کی خدمت آپؒ کے سپرد ہوئی انہی دنوں حکومت کی طرف سے ۳۶ سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء آیا، جس کا نہایت وقیع علمی تحقیقی تفصیلی جواب حضرت مُفتی صاحبؒ نے رقم فرمایا۔ حسبِ معمول حضرت والاؒ نے سُنا تو فرمایا، ماشاء اللہ اب ہمارے مُفتی صاحب، مُفتی ہوگئے ہیں۔

مُفتی صاحبؒ کا استثناء

حضرت مولانا خیر محمّد صاحب قدس سرہٗ زمانۂ تعلیم میں اساتذہ اور طلبہ کی غیر تعلیمی مصروفیات کے قائل نہ تھے، اہلِ مدرسہ کو عملی سیاست سے الگ رکھتے تھے، تقسیمِ کار کے قائل اور اُس پر کاربند تھے، آپؒ فرماتے تھے کہ تعلیم وسیاست کے اجتماع سے ایک شعبہ لازمی طور پر ناقص رہ جائے گا مگر حضرت مفتی صاحبؒ خیر المدارس کے اہم مدرّس اور مُفتی ہونے کے باوصف عملی سیاست میں حصہ لیتے رہتے تھے۔ یہ حضرت مفتیؒ صاحب کی خصوصیت تھی جس میں حضرت والاؒ کے نزدیک کوئی اور شخص اُن کا شریک نہ ہو سکتا تھا۔

حضرت مُفتی صاحبؒ ایک جامع کمالات شخصیت تھے، علم وعمل، زہد واتقاء، فضل وکمال اور طریقت وشریعت کے مجمع البحرین — حلم ومتانت اور صورت وسیرت میں نمونۂ سلف، بیک وقت جامعہ خیر المدارس ملتان اور قاسم العلوم کے شیخ الحدیث، تبلیغی جماعت کے کارکُن، دینی مجلّہ "الصدیق" کے مدیر، ادارہ نشر واشاعت اسلامیات کے بانی، جمعیت علماء اسلام کی مجلس شوریٰ کے رُکن رکین، وفاق المدارس العربیہ کے خازن، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے دین کے تمام شعبوں کی صلاحیتیں اور خوبیاں حضرت مُفتی صاحبؒ میں جمع فرمادی تھیں۔

؎ لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

سانحۂ وفات

حضرت مُفتی صاحبؒ اپنے مرضِ وفات میں کئی ماہ صاحبِ فراش رہے، پاؤں پر ایک پھوڑا تھا جو ذیابیطس کی وجہ سے شدّت اختیار کر گیا، شدّتِ تکلیف کے ان ایّام میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ نے بے صبری کی کوئی آہ اور رضا بالقضاء کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا۔ کوئی نماز

ترک نہیں ہوئی، ایک لمحہ کے لئے بھی صبر وشکر کا دامن نہیں چھوٹا۔ آخری دنوں میں تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی اور پھوڑے کے اثرات پوری ٹانگ پر غالب آ گئے، حضرت مفتی صاحبؒ کی تکلیف سے دیکھنے والوں کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے، مگر اس مجسمہ صبر ورضا کی زبان آخر تک شکوہ وشکایت اور آہ وفغاں سے ناآشنا رہی تاآنکہ ۶۳ برس کی عمر میں ۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ شب جمعہ کو تہجد کے وقت خدا کے حضور پہنچ گئے۔

ع عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

۲۔ فاضل اجل حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ

ہر کسے را بہر کارے ساختند،
میل او در دلش انداختند

استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ ۱۳۷۰ھ سے جامعہ خیر المدارس کے دار الافتاء سے منسلک ہیں، ۱۳۹۵ھ سے صدارتِ افتاء کا منصب آپ کے پاس ہے۔

قرآنِ پاک کے حفظ کے بعد ۱۹۴۷ء میں مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد فیصل آباد میں ایک سال میں ابتدائی کتابیں کافیہ، کنز اور اصول الشاشی تک پڑھیں، دوسرے سال ہدایہ مختصر المعانی، دیوان حماسہ اور متنبی وغیرہ کتب ختم کیں، تیسرے سال جامعہ خیر المدارس ملتان میں درجہ مشکوٰۃ شریف میں داخلہ لیا، چوتھے سال مدرسہ اشرف العلوم ٹنڈو الٰہیار سندھ سے دورۂ حدیث شریف کیا۔ ۴ سالہ قلیل مدت میں درسِ نظامی کی تمام کتب بالاستیعاب پڑھ لینا آپ کی ذکاوت وجودتِ طبع اور خداداد حفظ وصلاحیت کی دلیل ہے۔

۱۳۷۰ھ میں واپس آ کر تکمیل خیر المدارس میں کی، آپ کے اساتذہ میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ ابتداءً حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ کے ادارہ نشر واشاعت اسلامیات میں کام کیا۔ بعد ازاں خیر المدارس کے جز وقتی اور پھر مستقل مدرس مقرر ہوئے،

خیر المدارس میں ابتدائی اسباق سے بخاری شریف تک بتدریج تعلیمی ترقی نصیب ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا اندازِ تعلیم و تفہیم نہایت دلنشین، عمدہ اور قابلِ تقلید ہے، تقریرِ درس میں روانی سلاست اور متانت نمایاں ہوتی ہے۔

خدمتِ افتاء حضرت مفتی صاحب مدظلہ تقریباً ۲۷ برس سے خدمتِ افتاء سے وابستہ ہیں۔ اس دوران سینکڑوں فتاویٰ آپ کے قلم سے نکل چکے ہیں۔ آپ کے فتاویٰ علم و تحقیق میں پورے پاکستان میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ علم و عمل، صلاح و تقویٰ اور زہد و عبادت میں سلف کا نمونہ ہیں۔ تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ پاکستان کے معروف دینی مجلہ "الخیر" میں آپ کے وقیع، علمی و تحقیقی مضامین اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان تمام صفات کے ساتھ تواضع اور کسرِ نفسی آپ کی نمایاں خصوصیت ہے اپنے چھوٹوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے ساتھ بھی فروتنی اور انکسار کا معاملہ فرماتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں نمود و شہرت اور خود نمائی کے مروّج حیلوں اور طریقوں سے ناآشنا ہیں۔

سلسلۂ بیعت آپ کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلویؒ اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ (رائے پوری) سے رہا۔ حضرت مخدومی صوفی محمد اقبال صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب مدظلہٗ اور مولانا علی مرتضیٰ صاحب مدظلہٗ (ڈیرہ غازی خان) کی طرف سے مجازِ بیعت بھی ہیں۔ آپ کے اصلاحی مواعظ و نصائح طلبہ کے لئے نہایت مفید اور نافع ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر اہلِ علم پر قائم رکھیں۔

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب زید مجدھم (مرتّبِ خیر الفتاویٰ)

آپ جامعہ خیر المدارس کے دارالافتاء میں بارہ سال سے افتاء کا کام کر رہے ہیں۔ آبائی قصبہ پیر اسکندر (مضافات بہاولنگر) ہے۔ ابتدائی دینی کتابیں والدِ محترم حضرت مولانا علی احمد صاحب اسکندری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو مظاہر العلوم سہارنپور کے فاضل اور مخزن العلوم خان پور کے شیخ الحدیث تھے، وسطانی کتابیں جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں پڑھیں۔ دورہ حدیث جامعہ خیر المدارس میں استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر ۱۳۹۱ھ میں کیا، فراغت کے بعد چیچہ وطنی اور بہاولنگر میں افتاء اور تدریس کی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۹۵ھ میں مہتمم ثانی حضرت مولانا محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ نے نیابت افتاء اور تدریس کے لئے

طلب فرمایا۔ تاحال جامعہ کی خدمات انجام دے رہے ہیں مشکوٰۃ شریف اور دورہ حدیث شریف کی کتابیں زیرِ درس ہیں۔ خیر الفتاویٰ کی ترتیب کے علاوہ مشکوٰۃ شریف کی ایک بیش قیمت علمی شرح "انوار المصابیح" اردو زبان میں تالیف فرمائی ہے۔

خیر الفتاویٰ مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ استاذِ محترم حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ، حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مدظلہ، مولانا اصغر علی صاحب مدظلہ، اور بعض دیگر اساتذہ خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاویٰ سے مزین ہے، مؤخر الذکر تینوں حضرات نے دارالافتاء میں بحیثیت نائب مفتی کئی کئی برس کام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی علمی کاوشوں کو مقبولیت سے نوازیں۔ اور ذریعہ ہدایت بنائیں۔ امین۔

از فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب زیدمجدہم

مُقَدِّمَہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین :

اسلام فلاحِ انسانیت کا ضامن ہے، انسانی زندگی کے متعدد شعبے ہیں، افکار و نظریات، اخلاق و عادات و معاملات، معاشرت و مناکحات حدود و تعزیرات، میراث و ترکات، نجی اُمور، اجتماعیات، ملکی و بین الاقوامی سیاسیات، اسلام ان تمام شعبوں میں بھرپور رہنمائی مہیا کرتے ہوئے زندگی کا رشتہ مکمل طور پر وحیِ الٰہی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔

اتباعِ شریعت کیوں ؟ یہ وابستگی کیوں ضروری ہے؟ اور اس کا فائدہ کیا ہے؟ نوعی اعتبار سے انسان، نباتات، اور حیوانات سے برتر و مکرم مخلوق ہے۔ مذکورہ انواع اپنے نشو و نما اور کمالِ نوعی کی تحصیل میں مادی غذا کی محتاج ہیں لیکن انسان کی تکمیلِ نوعی کے لئے مادی غذا کافی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر روحانی ومعنوی غذا وحی خداوندی کی بھی حاجت ہے، جیسے پانی کے بغیر نباتاتی و حیوانی زندگی کا تصور نہیں اسی طرح وحی خداوندی کے بغیر "انسانی" زندگی کا امکان نہیں اسی لئے قرآن و حدیث میں وحی الٰہی کو پانی، بارش اور روح سے تعبیر کیا گیا ہے تو انسانیت کے لئے وحی الٰہی ایسے ہی حقیقی ضرورت ہے جیسے حیات کے لئے پانی، جیسے پانی کے بغیر درخت پھل لانے کی بجائے سوکھ کر ایندھن کی جگہ کام آتا ہے اسی طرح اتباع وحی کے بغیر کمالِ نوعی سے محروم ہو کر اِنسان دوزخ کا ایندھن بن جاتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہا ——————

نیستند آدم جو لوگ وحی الٰہی سے محرومی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ مردم شماری کے اعتبار سے گو یہ انسان ہیں لیکن دَرحقیقت انسان نہیں' انسانی ڈھانچے ہیں، عارف رومی فرماتے ہیں : نیستند آدم غلاف آدم اند

لامحدود ترقی کمالِ نوعی کی تحصیل کی ضرورت میں انسانیت کی ترقی ایسی غیر محدود ہوجاتی ہے کہ عام انسانی ترقی اِسکی گرد کو بھی نہیں پاسکتی۔

موجودہ اور متوقع مادی ترقیات وتنعمات کا مجموعہ، انسان کی حقیقی ترقی سے حاصل ہونے والے

انعامات کے مقابلے میں وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جو قطرے کو سمندر کے ساتھ ہے اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مادی ترقیات کا مجموعہ ایک قطرہ ہے جبکہ اخروی انعامات سمندر ہیں۔ انسانی ضمیر کی اجتماعی اور فطری خواہش اور آرزو ہے۔ دوام صحت، دوام راحت اور دوام حیات' اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود انسان ان میں سے کسی ایک کو بھی حاصل نہیں کر سکا اور نہ کر سکے گا لیکن اسلام کی اتباع کے نتیجہ میں یہ سب کچھ حاصل ہو گا جس سے محرومی دوزخ کا ایندھن بننے کا سبب ہے اور اس کا حصول ہمیشہ ہمیشہ کی سلطنت اور بادشاہی کا ذریعہ ہو اسکی ضرورت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

اسلام شریعت' دین، حاکمیت اعلیٰ، احکام خداوندی اور انکی اتباع کا نام ہے

کائنات کی خالق و مالک اللہ رب العالمین کی ذات پاک ہے۔ اس لئے اصولی طور پر تکوینی و تشریعی حاکمیت اعلیٰ کا استحقاق بھی صرف اسی ذات عالی کے لئے ہے۔

۱۔ الا لہ الخلق والامر۔	یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔
۲۔ ان الحکم الا للہ	حکم خدا ہی کا ہے۔
۳۔ الا لہ الحکم وھو اسرع الحاسبین۔	خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا۔ اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا۔

خلافت ارضی زمین میں حق جل شانہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو اپنا خلیفہ ونائب مقرر فرمایا:

واذ قال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خليفة ـــــ البقرہ۔	جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب۔
یداؤد انا جعلنک خليفة فی الارض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله۔	اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ خدا کے رستے سے تم کو بھٹکا دے گی۔

آئین خداوندی اور اپنے دستور اساسی کے طور پر حضرات انبیاء علیہم السلام پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں ـــ جن میں نور، ہدایت حق و باطل کا مکمل امتیاز، انسانی فلاح کی مکمل ضمانت ہے۔

انا انزلنا التوراة فیها هدی و نور ۔	ہم نے تورایت نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت اور نور تھا ۔
و قفینا بعیسی بن مریم مصدقا لما بین یدیہ من التوراة ۔ و آتیناہ الانجیل فیہ هدی و نور ۔	اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اس حالت میں بھیجا کہ وہ اپنے قبل کی کتاب یعنی توراۃ کی تصدیق فرماتے ہیں اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا ۔
.. ..	
تبٰرک الذی نزل الفرقان علٰی عبدہٖ ۔	بڑی عالی شان وہ ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی ۔
.. ..	

حکمرانی کے اختیارات | حضرات انبیاء علیہم السلام کو حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے لئے حکمرانی کے اختیارات بھی تفویض کیئے گئے ۔

یحکم بہا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شہداء	انبیاء علیہم السلام، جو کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع اس کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی بوجہ اسکے کہ ان کو اس کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اسکے اقراری گواہ ہو گئے تھے ۔
انا انزلنا علیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ـــــ	بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق تاکہ آپ ان لوگوں کے درمیان اسکے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا ۔

ختمِ نبوت | سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جنہیں قرآن مقدس سے سرفراز فرمایا گیا ۔ جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انکی تعلیمات کا محافظ ہے ۔

و انزلنا علیک الکتاب بالحق مصدقا لما	ہم نے یہ کتاب آپکے پاس بھیجی جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اس

بین یدیه من الکتاب ومهیمنا علیه فاحکم بینهم بما انزل الله ۔ — پہلے جو کتابیں ہیں انکی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کی محافظ ہے۔ تو ان کے باہمی معاملات اپنی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے۔

طاعت رسول قرآن کریم کے دستور اساسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق مفترض الطاعت قرار دیا گیا۔

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون۔ — اور خوشی سے کہنا مانو اللہ تعالیٰ اور رسول کا اُمید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے۔

وما آتکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا ۔ — رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو، اور جس چیز سے تم کو روک دیں، تم رُک جایا کرو۔

بلکہ اس سے بڑھ کر اطاعت خداوندی کا معیار اطاعت رسول کو مقرر فرما دیا گیا۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۔ — جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔

قرآن کریم کے مطالعہ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر احکامات خداوندی کا نزول وحی جلی اور وحی خفی دونوں طرح پر ہوتا تھا، اور اگر کوئی حکم اپنے اجتہاد سے ارشاد فرماویں۔ وہ بھی وحی کے تابع تصور کیا جاتا ہے۔ ورنہ حق جل شانہٗ کی طرف سے اس میں مناسب ترمیم کر دی جاتی تھی ارشاد بما اراک اللہ میں ارارت خداوندی کے تحت فیصلہ کرنے کا حکم مصرح ہے۔ اور آپ کے علی الاطلاق مفترض الطاعۃ ہونے کا بھی یہی مقتضا تھا کہ حق تعالیٰ آپ کے اقوال واعمال کو اپنی خصوصی نگرانی میں لے کر آپ کے مطاع مطلق ہونے کا اعلان فرما دیتے۔

سُنت خلفائے راشدین آیت استخلاف کے تحت، حضرات خلفائے راشدین کی سُنت بھی دین و شریعت کا حصہ ہے۔

امام سرخسی فرماتے ہیں:

قال تعالیٰ (ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم) وفیہ تنصیص — اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ضرور جما دے گا ان کے لئے انکا دین جسے اللہ تعالیٰ نے

علیٰ ان الدین المرتضیٰ عند اللہ ما ھم علیہ حقیقۃ" [۱]	ان خلفائے راشدین اور صحابہ کے لئے پسند کر لیا ہے ۔

اس آیت میں تصریح ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین وہی ہے جس پر خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی نسبت خلفائے راشدین کی طرف کرتے ہوئے اسے "اپنا پسندیدہ دین" قرار دیا ہے ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم، معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کے فیصلے اور سنت، دینِ خداوندی ہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے پسند کیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں،

"دوم آنکہ از باب عقائد و عبادات و معاملات و مناکحات و احکام آنچہ در عصر مستخلفین ظاہر شود و ایشاں باہتمام تمام سعی در اقامت آں کنند دین مرتضیٰ است [۲]

حدیثِ پاک میں بھی سنت خلفاء راشدین کو لازم العمل اور واجب التمسک قرار دیا گیا ہے ۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین وعضوا علیھا بالنواجذ [۳]	میری سُنّت اور سُنّت خلفائے راشدین مھدیین کو لازم پکڑو اور خوب مضبوطی سے اسے تھام لو ۔

جب خلافتِ رُشد و ہدایت کے اوصاف کو لزومی اور دوامی طور پر ان حضرات کے لئے ثابت کر دیا گیا ہے تو ان کے جاری کردہ احکامات، رشد و ہدایت قرار پائیں گے کیونکہ یہ اوصاف ترتب حکم کے لئے بمنزلہ علت کے ہیں چنانچہ اُمت نے سُنّتِ خلفائے راشدین کی اس شرعی حیثیت سُنّیت کو واضح طور پر تسلیم کیا ہے شامیہ میں ہے:

السنۃ ما واظب علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او الخلفاء الراشدون [۴]	سُنّت نام ہے اس چیز کا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاء راشدین نے ہمیشگی کی ہو ۔

اصول سرخسی میں ہے :

والسنۃ فھی الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین. والمراد بہ شرعاً ما سنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ بعدہ ۔	سُنّت نام ہے دین میں چلے ہوئے طریقے کا اور شرعاً اس سے مراد وہی طریقہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے اختیار کیا ہو ۔

تسہیل الوصول میں ہے :

والسنۃ قد تقع عند الاطلاق علی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ	لفظِ سنت جب مطلق ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور صحابۂ کرام رضی

---

[۱] اصول سرخسی ص ۲۹۷ ج ۱ [۲] ازالۃ الخفاء ص ۱۹ [۳] ترمذی ص ۹۲ ج ۲ ابوداؤد ص ۲۷۹ ج ۲ مشکوٰۃ ص ۳۰
[۴] شامیہ ص ۹۷ ج ۱ [۵] ص ۱۱۳ ج ۱

وسلم وغیرہ من الصحابة [1] کے طریقہ پر محمول ہوتا ہے۔

موافقات میں ہے:

ویطلق ایضاً لفظ السنة علی ما عمل علیه الصحابة وجد ذلك فی الکتاب او السنة او لم یوجد لکونه اتباعاً للسنة تثبت عندهم لم تنقل الینا [2]

لفظِ سُنّت کا اطلاق ایسے عمل پر بھی ہوتا ہے جو صحابہ کا معمول ہو خواہ وہ عمل کتاب و سُنّت میں بھی موجود ہو یا نہ۔ اس لئے کہ وہ عمل نبوی سُنّت کی پیروی ہی ثابت ہوا ہے البتہ وہ ہم تک نقل نہیں کیا گیا۔

سُنّتِ شیخین

حدیث پاک کی روشنی میں شیخین کے فیصلے خصوصیت سے جزءِ شریعت اور واجب الامتثال ہیں۔

اقتدوا بالذین من بعدی [3]

تم ان دو کی پیروی کرتے رہنا جو میرے بعد ہوں گے۔

کل ما ثبت فیه اتفاق الشیخین یجب الاقتداء به [4]

ہر وہ حکم جس میں شیخین (ابوبکرؓ عمرؓ) کا اتفاق ثابت ہوچکا ہو اسکی پیروی واجب ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں خُلفائے راشدین کا مقام تشریع سے نیچے اور اجتہاد سے اُوپر ہے۔

حضراتِ صحابہ کا اجماع

حضرات صحابہ کا اجماع ناطق، کتاب اللہ کی ایک آیت کی طرح قطعی اور انکا سکوتی اجماع حدیث متواتر کی طرح واجب العمل اور شریعت کا حصہ ہے

اجماع الصحابة نصاً فانه مثل الآیة والخبر المتواتر حتی یکفر جاحده [5]

صحابہ کا صریح اجماع یہ آیت قرآنی کی اور خبر متواتر کی مانند ہے یہاں تک کہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا۔

ائمہ اصولیین کے سرتاج امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

ان ما اجمع الصحابة فهو بمنزلة الثابت بالکتاب والسنة

جس بات پر صحابہ کا اجماع ہو جائے وہ قطعی ہونے میں کتاب اللہ اور سُنّت سے

---

[1] ص ۲۴۶ [2] ص ۲ ج ۴ [3] ترمذی ص ۲۰۷ [4] توضیح ص ۴۴۷ ج ۲ [5] نور الانوار ص ۲۲۲

في كونه مقطوعاً به حتى يكفر جاحده كما يكفر جاحد ما ثبت بالكتاب [1]

ثابت شدہ چیز کی طرح ہے جس کے منکر کو ایسے ہی کافر قرار دیا جائے گا جیسے کتاب اللہ سے ثابت شدہ چیز کے منکر کو۔

آثار موقوفہ بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں خصوصاً جبکہ وہ غیر مدرک بالرای ہوں۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنی کتاب الانصاف میں تحریر فرماتے ہیں:

ويستدل باقوال الصحابة والتابعين علما منهم انها احاديث منقولة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اختصروها فجعلوها موقوفة (الى ان قال) او يكون استنباطا منهم من المنصوص (الى ان قال) فتعين العمل بها

اقوال صحابہ و تابعین سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ درحقیقت یہ بھی احادیث مرفوعہ ہی ہیں بوجہ اختصار انہیں موقوف بیان کیا ہے یا اس لئے کہ انہوں نے منصوص سے استنباط کیا ہے...... تو ان پر عمل واجب ہے۔

وراثتِ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خصوصی فرامین کے ذریعہ علماء کرام کو انبیاء علیہم السلام کا علمی وارث مقرر فرمایا۔ ارشاد ہے۔ العلماء ورثة الانبياء جبکہ قرآن پاک میں اولو الامر کی طاعت کو واجب کیا گیا ایک تفسیر کے مطابق اولوالامر سے مراد حضراتِ علماء اور فقہاء ہیں۔

اور اسی طرح بعض دوسری آیات میں علماء کی طرف مراجعت اور انکی اتباع کو واجب قرار دیا گیا۔

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون ۝

اگر تم لوگوں کو علم نہیں ہے تو یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو۔

واتبع سبيل من اناب الى

ارشاد ہے: اے مخاطب پیروی کر اس شخص کے طریقہ کی جس نے میری طرف توجہ کی۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں:

وفي الآية دلالة على وجوب المراجعة الى العلماء فيما لا يعلم۔ [2]

آیت کریمہ میں اس بات پر دلالت ہے کہ جو مسئلہ معلوم نہ ہو علماء کی طرف آنے میں رجوع کرنا واجب ہے۔

---

[1] اصول سرخسی ص ۳۱۸ ج ۱ [2] بیضاوی

قیاس مظہر حکم ہے مثبت حکم نہیں ۔!

یہ وراثت کئی طرح پر ہے۔ تعلیم کتاب و سنّت تربیت و تزکیہ، حفاظتِ دین اور استنباط و اجتہاد وغیرہ۔ جب معاشرے میں کسی حادثہ کے متعلق دینی رہنمائی مطلوب ہو تو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم کرنے کے لئے حضرات علماء کی طرف مراجعت کرے، جیسے کہ حضرات صحابہ اپنے مسائل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے۔ مفتی نے اگر بعینہٖ حکم منصوص بتایا ہے تو یہ تبلیغ ہے۔ اور اگر نص سے استنباط کر کے بتلایا ہے، تو یہ خلافت ہے، کیونکہ قیاس و اجتہاد کے ذریعہ مجتہد نصوص کی تہ میں پہلے سے موجود احکام خداوندی کو ظاہر کر دیتا ہے۔ خود حکم وضع نہیں کرتا۔ اصول فقہ کا مُسلّمہ ضابطہ ہے کہ قیاس مظہر احکام ہے مثبتِ احکام نہیں جیسے زمین کی تہ میں موجود پانی کو جدّ و جہد سے نلکے وغیرہ کے ذریعہ حاصل کر لیا جاتا ہے یہ پانی نکالنے والا پانی کا موجد اور خالق نہیں بلکہ صرف سطح زمین پر اسے ظاہر کرنے والا ہے۔ دریا اور نل دونوں پانی خدائے تعالیٰ کے ہیں، مستری کے پیدا کردہ نہیں، اسی طرح نصوص کے احکام "ظاہرہ اور مستنبط" دونوں اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں مجتہد کے نہیں۔

اس لئے اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک قیاس و اجتہاد بھی احکامِ خداوندی کے لئے ماخذ ہے۔

شریعت کا حصّہ

اور قیاس صحیح سے ثابت شدہ احکام، شریعت کا حصّہ ہیں، بالکل اسی طرح جیسے پھل، درخت کا حصّہ اور خُلاصہ ہوتا ہے۔

امام بخاریؒ سے منقول ہے کہ فقہ، حدیث کا ثمرہ ہے (مقدمہ اوجز ص ۵۰) درخت میں موجود صلاحیتی اجزاء ہی پھل کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں، درخت ہی کے ذریعہ پھل کا نشو و نما مکمل ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ پھل پہلے ظاہر نہ تھا بلکہ درخت میں پوشیدہ تھا، کوئی عقلمند صرف اس بنا پر کہ اس کا ظہور بعد میں ہوا پھل کی جزئیت سے اِنکار نہیں کر سکتا، احکامِ قیاسیہ کا قرآن وسنت سے استخراج و استنباط عمل میں لایا گیا ہے۔ قرآن وسُنت کے پانی سے ان کا نشو و نما مکمل ہوا۔ اور قرآن وسنت کے چاند و سورج کی روشنی نے ہی انہیں رنگ و پختگی کا حُسن بخشا ہے۔

اس لئے استنباطی احکام کی حجیت و شرعی حیثیت سے انکار ممکن نہیں۔ حضرات صحابہ تابعین ائمہ مجتہدین سب کا یہی مذہب ہے۔

روافض نے اجماع و قیاس کی حجیت اور انکی شرعی حیثیت کا اِنکار کیا ہے۔ رفض کی بُنیاد ہی اجماع سے انکار پر ہے، اگر وہ اجماعِ صحابہ کو حجت تسلیم کر لیتے ہیں تو ان کا مذہب ہی منہدم ہو جاتا ہے۔ اجماع کی حجیت سے گریز انکی مذہبی ضرورت ہے اور قیاس کا انکار انکے باطل عقیدۂ امامت پر مبنی ہے۔ جب روافض

امام حاضر کے لئے تحلیل و تحریم کے اختیارات اور ائمہ پر وحی کا آنا اور ان کا انبیاء علیہم السلام کے برابر مفترض الطاعۃ ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ تو "وحی" کی موجودگی میں قیاس کی حاجت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔ لیکن اہل سنت و الجماعت جو اس باطل عقیدہ امامت کے قائل نہیں ہیں، ان کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں کہ وہ پیش آمدہ حوادث و وقائع کے بارے میں متعلقہ احکام خداوندی کا نصوص سے استنباط کر کے اپنے اعمال کو قرآن و سنت کے تابع بنانے کی امکانی جدوجہد کریں۔

الغرض کتاب[۱] و سنت[۲] احکام شرعیہ کے لئے اوّلین ماخذ ہیں۔ علاوہ ازیں سنتِ خلفائے[۳] راشدین، تعاملِ صحابہ[۴]، اجماعِ امت[۵] اور مسلمہ[۶] ائمہ متبوعین کے استنباطی مسائل بھی شریعت کی تعریف میں داخل ہیں اور اپنے اپنے درجے میں سب ہی احکام خداوندی تصور کئے جاتے ہیں۔ منکرین حدیث نے کتاب اللہ کو شریعت قرار دیتے ہوئے باقی تمام اصول شرعیہ کا انکار کیا اور حدیث کو محض "تاریخ" کی حیثیت دیتے ہوئے یہ کہا کہ احادیث حجت نہیں ان سے بوقتِ ضرورت صرف رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اب بعض منکرین فقہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں، کہ اصول ۳ تا ۶ شریعت میں داخل نہیں ان سے صرف رہنمائی حاصل کی جائے گی۔

پس موخر الذکر ۲ تا ۶ تمام مسائل کو صرف تاریخی اور ممکنہ "رہنمائی" کی حیثیت دیتے ہوئے شریعت کی تعریف سے خارج کر دینا لامذہبیت، غفلت اور لاعلمی کے علاوہ آدھی شریعت سے دستبرداری کا اعلان ہے۔ شرعی اصولوں پر سودا بازی کی قیمت پر اتحاد، نفاذِ شریعت کے لئے کوئی مثبت اقدام نہیں ہے جس سے اچھے نتائج کی توقع کی جا سکے۔

اگر کوئی بد دین جماعت یہ کہے کہ قرآن کی فلاں فلاں آیت کو ناقابلِ عمل اور معطل قرار دیدیا جائے تو ہم نفاذ شریعت کی جدوجہد میں اہل حق کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں، تو کیا ہم اس سودا بازی کے لئے تیار ہونگے؟ ہرگز نہیں ——— ! نفاذِ شریعت کی جدوجہد بہت ہی مبارک ایک انقلابی اقدام ہے۔ جس سے "کفر اور فرنگیت" کے استیصال میں بڑی مدد ملے گی۔ لیکن اہل حل و عقد پر یہ احتیاط لازم ہے کہ یہ مہم کہیں شریعت ہی میں "تحریف و انقلاب" کا ذریعہ ثابت نہ ہو جائے۔

س:۔ اگر سب فقہی مسالک احکام خداوندی کے حکم میں ہیں۔ تو ان میں باہمی اختلاف کیوں ہے؟

ج:۔ بعینہٖ یہ سوال تو ملاحدہ اور منکرینِ حدیث، قرآن و سنت کے بارے میں بھی کرتے ہیں۔ مگر اس اعتراض سے قرآن و سنت کی آئینی و شرعی حیثیت قطعاً متاثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح فقہی مسالک کے بارے میں بھی سمجھ لیا جائے ——— تحقیقی جواب دوسرا ہے جو تفصیل طلب ہے۔

مذاہب اربعہ سے خروج جائز نہیں

ائمہ اربعہ کے فقہی مسالک مندرجہ بالا اُصول شرعیہ سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ اور سب اپنے اپنے مقام پر درست و حق ہیں۔ جن پر قدیم سے امت کا مسلسل عمل رہا ہے۔ دوسرے مجتہدین کے اقوال منتشرہ باقاعدہ کہیں مدون نہیں اور قیود و شرائط کے اعتبار سے بھی منقح نہیں اس لئے علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ مذاہب اربعہ سے خروج جائز نہیں

وماخالف الائمة الاربعة	جو مسئلہ ائمہ اربعہ کے مسلک کے خلاف
فهو مخالف للاجماع وقد	ہو وہ خلافِ اجماع ہے تحریر میں یہ مصرح
صرح فی التحریر ان الاجماع	ہے کہ ائمہ اربعہ کے مسلک کے خلاف عمل کرنا
انعقد علی عدم العمل بمذهب	بالاجماع ناجائز ہے کیونکہ ائمہ اربعہ کے
مخالف للاربعة لانضباط	مسالک منضبط ہیں اور ان کے متبعین بھی
مذاهبهم وكثرة اتباعهم[1]	بکثرت موجود ہیں۔

خارج ناری ہے

علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں:

من كان خارجاً عن هذه	جو شخص اس دور میں ائمہ اربعہ کے
الاربعة فی هذا الزمان فهو	مسلک سے خروج اختیار کرے گا، وہ
من اهل البدعة والنار[2]	بدعتی و جہنمی ہے۔

ایک مسلک کا تعین ضروری ہے

فقہی مسالک اربعہ حق ہیں۔ لیکن اصولی طور پر سہولت و احتیاط و اطمینان کی صورت یہی ہے کہ عمل کے لئے ایک ہی مسلک کی تعیین کی جائے۔ خواہ یہ عمل انفرادی ہو یا اجتماعی۔

یجب علی العامی وغیرہ ممن لم	عوام پر لازم ہے کہ وہ مذاہب اربعہ میں سے
یبلغ درجة الاجتهاد التزام مذهب	کسی ایک کا بالالتزام اتباع کریں۔
معین من مذاهب المجتهدین۔[3]	

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان اور ماوراء النہر کے شہروں میں عامۃ الناس کے لئے حنفی مذہب کی تقلید واجب ہے۔ اور حنفیت سے نکلنا حرام ہے۔ ورنہ وہ شریعت ہی سے نکل جائے۔

فاذا كان الانسان جاهلاً فی بلاد	جب ہندوستان کا کوئی باشندہ یا ماوراء النہر
الهند وبلاد ماوراء النهر وليس	کا کوئی رہنے والا خود جاہل ہے۔ اور

---

[1] الاشباہ والنظائر [2] بحوالہ خیر التنقید [3] شرح جمع الجوامع

هناک عالم شافعی و لا مالکی و لا حنبلی و لا کتاب من کتب هذه المذاهب وجب علیه ان یقلد بمذهب ابی حنیفة و یحرم علیه ان یخرج من مذهبه لانه حینئذ یخلع من عنقه ربقة الشریعة ویبقی سدیٰ مهملا[1]

کوئی شافعی یا مالکی یا حنبلی عالم بھی موجود نہیں۔ اور نہ ان مذاہب کی کوئی کتاب ہے تو اس پر حرام ہے کہ اپنے مذہب سے نکلے ورنہ وہ شریعت ہی کو چھوڑ بیٹھے گا۔

مجبوری کے وقت معتمد علماء کے اتفاق سے دوسرے امام کے قول کو لینے کی اجازت ہے

ہاں بعض مواقع میں بوقتِ ضرورت معتمد علماء کے اتفاق سے دوسرے امام کے قول پر بھی فتویٰ دیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے متعلقہ مذہب کی وسیع معلومات کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ نہ اس پر عمل ہوگا نہ اس پر ہوگا۔

فقہی آمیزہ لیکن علی الاطلاق فقہ مشترک مدون کرنے کا نظریہ غلط ہے کیونکہ اس فقہی آمیزہ سے کوئی مثبت نتائج وفوائد حاصل نہیں کئے جا سکتے بلکہ مشکلات میں اضافہ ہوگا نہ اسکی تدوین کے ضروری بنیادی آلات وذرائع مہیا ہیں نہ اس کے بقاء، وتعمیر اور تنقیح وتفریع کے۔

ایک مسلک کے ماہرین وفقہاء کا وجود خال خال ہے۔ تو مسالک اربعہ کے ماہرین کی درآمد اور اس کا تسلسل کتنی پیچیدگیاں اور مشکلات کو پیدا کر سکتا ہے۔ اور ماہرین کے بغیر نہ کوئی قانون مرتب ہو سکتا ہے اور نہ باقی رہ سکتا ہے۔ مصارف میں اضافے کے علاوہ ملک ایک فکری، ذہنی، عملی انتشار کا شکار ہو جائے گا۔

علاوہ ازیں ہر مذہب کی آسان آسان باتیں تلاش کرتے رہنا اتباع ہویٰ اور بے دینی ہے

من تتبع الرخص — جس نے آسانیوں اور رخصتوں کو تلاش

فقد تزندق — کیا وہ بے دین ہو گیا۔

لاہور پہنچنے کیلئے ریل، بس، ویگن، کار اور ہوائی جہاز متعدد ذرائع مواصلات موجود ہیں، لیکن سفر طے کرنے کے لئے تو ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ ہر دس بیس میل پر بلا وجہ سواری تبدیل کرتے رہنا دیوانگی ہے اور غیر ضروری مشقت کا برداشت کرنا ہے۔

پاک وہند میں نفاذِ اسلام کی آسان قابلِ عمل معقول صورت یہی ہے۔ کہ ایک مسلک یعنی مسلک احناف کے مطابق قانون سازی کی جائے کیونکہ ملک کی اکثریت اسی مسلک سے وابستہ ہے۔ امام المحدثین حضرت شاہ

---

[1] الانصاف ص ۶۹

ولی اللہؒ کا فرمان ابھی مذکور ہوا۔

دلکش مگر خطرناک مغالطہ ملک کی بعض اعلیٰ ترین اسلامی یونیورسٹیوں میں اجنبی پروفیسرز اور سکالرز اس خیال کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ فقہی مسالک کی کوئی اہمیت نہیں۔ اوفق بالقرآن والسنۃ کی تلاش وتحقیق کرنا چاہیئے۔ اس خیال سے عوام وخواص کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہیں اور دین کے خلاف لامذہبیت کی تشکیکی مہم کو تقویت مل رہی ہے معلوم رہے فقہ حنفی کی تدوین بلاشبہ "اوفق بالقرآن والسنۃ کی تلاش" کے نظریہ کے تحت ہی عمل میں آئی ہے جیسا کہ آئندہ تفصیل سے ظاہر ہوگا، اور پھر ہر دور میں کتاب وسنت کی روشنی میں اسکی صحت کو جانچا پرکھا جاتا رہا ہے۔ امام محمد سرخسی، امام ابو الحسن مرغینانی ابو بکر کاسانی محقق ابن ہمام رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ حضرات نے فقہ حنفی کے مسائل کو کتاب وسنت پر پیش کر کے انکی ترجیح اور ان کا اوفق بالکتاب والسنۃ ہونا بارہا ثابت کیا ہے۔

پس غیر ملکی ڈگریوں کے حامل افراد کا اپنی آرا کو اوفقیت کے حسین ودلکش عنوان کے ذریعے ملک پر مسلط کرنا کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور تحقیق کے نام سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ یا ان غیر ملکی ماہرین کی تقلید کی بنسبت امام ابو حنیفہؒ کا اتباع عقل ونقل انصاف ودیانت کی روشنی میں بدرجہا بہتر ہے۔ کیونکہ عصری ماہرین کے علم وعمل، تقویٰ وطہارت اور نور فراست کو ائمہ سلف کے ساتھ کوئی نسبت نہیں غرضیکہ اوفق بالقرآن والسنۃ مسائل کا جو مجموعہ عصری دانشور پیش کریں گے اس کے مقابلہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کا پیش کردہ اوفق بالقرآن والسنۃ مسائل کا مجموعہ یقیناً زیادہ قابل اعتماد ہوگا۔

فقہ حنفی قرآن وسُنّت کے مقابلے میں متوازی قانون نہیں

فقہ حنفی کے مسائل چار قسم پر ہیں۔ (۱، ۲) کتاب وسُنت کے احکام صریحہ (۳) مسائل اجماعیہ (۴) اجتہادی مسائل —— یہ چوتھی قسم بھی دراصل کتاب وسنت کے ہی مسائل ہیں جنہیں قیاس واجتہاد کے ذریعے ظاہر کر دیا گیا ہے پس فقہ حنفی درحقیقت قرآن وسنت ہی کے احکام صریحہ اور غیر صریحہ کا مجموعہ ہے قرآن وسُنت کے متقابل یا متوازی کوئی دوسرا قانون نہیں۔ امت مسلمہ زائد از ہزار سال تک فقہ حنفی کو کتاب وسنت ہی کا اسلامی قانون تسلیم کرتی چلی آئی ہے۔ پس فقہ حنفی کا انکار، قرآن وسنت کے مسائل کا انکار ہے نیز قرآن وسنت اور فقہ حنفی میں تقابل کا تاثر دینا اور ایسا زہریلا پروپیگنڈہ کرنا نادانی دھوکہ دہی تعصب اور سخت بے دینی ہے۔ فقہ حنفی پر عمل کرنے سے قرآن وسنت اور اجماع پر بھی یقیناً عمل ہو جاتا ہے۔ نہ یہ کہ قرآن وسنت متروک ہو جاتے ہیں، لاہور، پشاور

کراچی کا ہر باشندہ پاکستانی ہے۔ پشاوری یا لاہوری کہنے سے پاکستانی ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

اجتہاد

حضرات ائمہ کی تصریحات کے مطابق چوتھی صدی کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے ایسے اجتہاد کا دروازہ بالکل بند ہوگیا۔ ان القیاس بعد الاربعمائۃ منقطع حالانکہ امت میں ایسے ایسے جبالِ علم اور کمالاتِ علمیہ کے شمس و قمر گزرے ہیں جنکی عظمت و جلالتِ علمی کے سامنے زبان توصیف بھی گنگ ہے لیکن کسی نے اجتہاد مطلق کا دعویٰ نہیں کیا، گنتی کے چند افراد میں یہ خیال پیدا ہوا تھا لیکن امت نے اسے قبول نہیں کیا۔ اب تک ایسے مجتہد مطلق کا وجود معدوم ہے تو اس دورِ جہالت میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود حضرات علماء مسائل جدیدہ کا حکم ہر زمانے میں بیان کرتے رہے ہیں۔ اسطرح شرعی احکام میں کبھی جمود پیدا نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

محلِ اجتہاد

ایسے حوادث و واقعات ہیں جن میں نص وارد نہ ہو یہ کام تو مجتہدین کا ہے اور ایسے علماء جو درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچے ائمہ مجتہدین کے مسائل کو نقل کر سکتے ہیں، ان میں خود اجتہاد نہیں کر سکتے کیونکہ اہلیتِ اجتہاد مفقود ہے۔

غیر المجتہد المطلق یلزمہ التقلید	غیر مجتہد مطلق پر تقلید لازم ہے۔
اذا لم یجد تلک الحادثۃ فی کتاب لیس لہ ان یفتی فیھا برأیہ بل علیہ ان یقول لا ادری	جب عالم کو کسی حادثہ کا حکم کتاب میں نہ ملے تو اسے اپنی اجتہاد سے فتویٰ دینے کی اجازت نہیں بلکہ اس پر لازم ہے اپنے لاعلمی کا اظہار کر دے۔

عصرِ حاضر کا اجتہاد

عصرِ حاضر کے دانشور جس اجتہاد کے خواہش مند ہیں وہ درحقیقت اباحیت کے قریب قریب ہے اسے اجتہاد قرار دینا لفظ اجتہاد کی توہین ہے۔ ان کے چند اجتہادی نمونے یہ ہیں۔

قمار اور سود حلال ہے۔ شراب خوری کی بھی گنجائش ہے۔ شرعی حدود ظلم ہیں۔ تعدد ازواج منع ہے۔ عورت کی گواہی اور دیت مرد کے برابر ہے۔ بے پردگی اور عورتوں مردوں کا بے محابہ اختلاط جائز ہے۔ پردہ ظلم ہے۔ وضو سے مقصود صفائی ہے، صاف ستھرے انسان کے لئے وضو ضروری نہیں، نماز سے مطلوب تہذیب اخلاق ہے، مہذب کے لئے نماز کی حاجت نہیں، روزہ سے قوت بہیمیہ کو مغلوب کیا جاتا ہے۔ جس کی قوت بہیمیہ پہلے سے مغلوب ہو اس سے روزہ ساقط ہے مصارف زکوٰۃ کی کوئی تعیین و تحدید نہیں حکومت جہاں چاہے خرچ کر سکتی ہے۔ و غیر ذلک من الخرافات

یہ اجتہادات نہیں بلکہ کفریات ہیں۔ خلاف نص ایسے اجتہاد کی اجازت تو حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں چہ جائیکہ کسی دوسرے کو حاصل ہو۔ نیز ان خرافات پر نظر کرنے پر کوئی شخص یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ؎

عصرِ نو میں آوازۂ تجدید ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

واضح رہے کہ نص صریح کے خلاف اجتہاد جائز نہیں۔

۲۔ منصوص فی المذہب مسائل میں بحث و اجتہاد کی اجازت نہیں۔ غیر مجتہد کا وظیفہ شروط معتبرہ کے ساتھ صرف نقلِ مسائل ہے نہ کہ اجتہاد علامہ شامی لکھتے ہیں:

والبحث فی المنقول غیر مقبول — منقول مسائل میں بحث ناقابلِ قبول ہے

محقق ابن الہمام جیسی علمی شخصیت کی خلاف مذہب ابحاث مقامِ پذیرائی حاصل نہیں کر سکیں بلکہ انہی کے شاگرد رشید فقہ و حدیث کے امام، علامہ قاسم بن قطلوبغا نے ان ابحاث کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے فرماتے ہیں:

لاعبرۃ بابحاث شیخنا التی خالفت المنقول۔ — ہمارے شیخ کی وہ بحثیں غیر معتبر ہیں جو منقول کے خلاف واقع ہوئی ہیں۔

(۳) عام حالات میں انفرادی اجتہاد کے ذریعہ دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ بلکہ یہ ایک قسم کا دھوکہ ہوگا کیونکہ سائل مذہب حنفی کے مطابق مسئلہ معلوم کرنے کے لئے آیا ہے۔ مفتی کے ذاتی اجتہاد سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں، اسی لئے یہ بتلانا ضروری ہوگا کہ ابوحنیفہ یوں فرماتے ہیں۔ اور میں یوں کہتا ہوں۔ حافظ ابوعمرو ابن الصلاح نقل کرتے ہیں۔

امام ابوبکر قفال شافعی فرماتے تھے کہ اگر میں اجتہاد کروں اور میرا اجتہاد امام ابوحنیفہ کے مذہب کے ساتھ موافق ہو جائے۔ تو میں مستفتی کو یوں جواب دوں گا کہ اس مسئلہ میں مذہب شافعی یہ ہے لیکن میں مذہب حنفی کے مطابق فتویٰ دے رہا ہوں تاکہ مستفتی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے

اپنی آراء کو مذہب حنفی کے نام سے رائج کرنا انصاف و دیانت کے خلاف ہے۔ اور مستفتی سے دھوکہ ہے خصوصاً جبکہ وہ ذاتی رائے مذہب حنفی کے خلاف بھی ہو۔

اس دور میں یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ کسی حالت میں بھی مذاہب اربعہ سے باہر نہ نکلے۔

اس میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ امت اسوقت بے عملی بلکہ اباحیت کا شکار ہے۔ صحیح یا غلط کچھ نئی راہیں نکال دینا مرض کا علاج نہیں۔ بلکہ اصل علاج ذہنی انتشار و افتراق کے دروازے بند کرتے ہوئے

صراطِ مستقیم پر اُمت کو گامزن کر دینا ہے، چاروں فقہی مسالک کی حقانیت امت کے نزدیک مسلمہ امر ہے اور پاکستان میں اکثریتی فقہی مسلک کا تعین بلاشبہ معقول بلکہ نفاذ شریعت کی اپنی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر نفاذ شریعت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

پس جدید عصری اجتہاد کے ذریعہ اختلاف در اختلاف کی صورتیں پیدا کر دینا کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں۔

اسلامی معاشرے کے لئے تعلیماتِ نبوت اور شریعت مقدسہ سرچشمۂ ہدایت ہے بلاتخصیص مرد و زن تمام اہلِ اسلام کو اس امر کا مکلف بنایا گیا ہے کہ وہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں مرضیاتِ خداوندی سے تجاوز نہ کریں۔

احکامِ خداوندی کا احاطہ اور علومِ دینیہ میں تبحر معاشرہ کے ہر ہر فرد کے لئے ممکن نہیں، ورنہ باقی سب نظامِ معاش و حیات معطل ہو کر رہ جانے گا۔ آیت کریمہ فلولا نفر من کل فرقۃٍ منھم طائفۃ، میں اسی طرف اشارہ ہے۔

پس ضابطۂ تقسیم کار اور آیت بالا کے تحت لازم ہوا کہ اُمتِ مسلمہ کی ایک بڑی جماعت علومِ قرآن و سنت اور تفقہ فی الدین میں مہارتِ کاملہ اور تبحر حاصل کر کے باقی طبقاتِ اُمت کی رہنمائی کے فرائض سرانجام دے تاکہ امت کا ہر فرد اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں بسہولت ہدایات حاصل کر کے وظیفۂ عبودیت اور طاعتِ خداوندی کے فریضہ سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اسلامی معاشرے کی فلاح و سعادت، تعلیماتِ نبویہ اور حاملینِ دینِ متین حضرات علماء کرام کے ساتھ مکمل وابستگی میں ہے۔ اور اس کی بدبختی حضرات علماء کرام سے کٹ جانے میں ہے۔

اُمت کی اسی رہنمائی کا نام "افتاء" ہے۔ یہ انتہائی اہم نازک اور عظیم الشان ذمہ داری ہے۔ کیونکہ افتاء کی حقیقت دراصل بندوں اور خدائے تعالیٰ کے درمیان سفارت اور واسطہ بننے کی ہے۔ مستفتی حق جل شانہٗ کا حکم معلوم کرنے کی غرض سے مفتی و عالمِ دین کے پاس آتا ہے اور مفتی اپنی مرضی و منشاء یا اپنی ذاتی رائے سے حکم بتلانے کی بجائے اس حادثہ میں حق جل شانہ کے حکم کیطرف رہنمائی کرتا ہے کہ اس حادثہ میں حکمِ خداوندی یہ ہے جس مفتی میں اپنی اس ذمہ داری کا احساس و شعور جتنا زیادہ ہوگا۔ اسی اعتبار سے افتاء میں اس کا مقام بلند و برتر ہوگا۔

نیابتِ نبوت

امام شاطبی نے موافقات میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ امام موصوف نے یہاں تک صراحت فرما دی ہے۔ کہ مفتی، امت میں افتاء اور تعلیم و تبلیغ کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

المفتی قائم فی الامۃ مقام النبی — مفتی امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

صلی اللہ علیہ وسلم والدلیل علی ذلک
امور (احدھا) النقل الشرعی
فی الحدیث ان العلماء ورثۃ الانبیاء
وبُعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم نذیراً
لقولہ تعالیٰ فلو لا نفر من کل فرقۃ
والثانی انہ نائب عنہ فی تبلیغ
الاحکام ...... والثالث ان المفتی
شارع من وجہ لان ما یبلغہ من
الشریعۃ اما منقول عن صاحبہا
واما مستنبط من المنقول فالاول یکون
فیہ مُبلّغا والثانی یکون فیہ شارعاً
من وجہ ...... فھو من ھذا الوجہ
واجب اتباعہ والعمل علی وفق
ما قالہ وھذہ ھی الخلافۃ علی التحقیق
...... وقد جاء فی الحدیث ان من
قرأ القرآن فقد استدرجت النبوۃ
بین جنبیہ
وعلی الجملۃ فالمفتی مخبر عن اللہ تعالیٰ
کالنبی ونافذ امرہ فی الامۃ بمنشور
الخلافۃ کالنبی ولذا سُمّوا اولی
الامر وقرنت طاعتھم طاعۃ اللہ
وطاعۃ الرسول فی قولہ تعالیٰ
(یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا
الرسول واولی الامر منکم)

قائم مقام ہوتا ہے۔ اس پر کئی دلیلیں ہیں۔
ان میں سے پہلی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا فرمان ہے۔ العلماء ورثۃ الانبیاء
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نذیر بنا کر مبعوث کیے گئے
ہیں ایسے ہی اللہ پاک نے یہ وصف علماء کی
جماعت کا ذکر فرمایا جو تفقہ فی الدین حاصل
کرنے کے بعد اپنی قوم کو احکامات خداوندی
کی مخالفت سے ڈرائیں گے۔ ولینذروا قومھم اذا
رجعوا الیھم الآیۃ۔ دلیل ثانی:۔ مفتی بھی احکامات
خداوندی کو لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کا بھی یہ فریضہ تھا۔ دلیل ثالث:۔
مفتی مجتہد احکام خداوندی میں ناقل اور
شارع کی طرح ہے۔ کیونکہ احکام دو طرح
پر ہیں ۱۔ جو صراحتاً صاحب شریعت سے منقول ہیں ۲۔ نصوص
سے اجتہاد و استنباط کے ذریعہ حاصل شدہ ہوں اول
میں مفتی مبلغ ہے اور ثانی میں بمنزلہ شارع کے ہے۔
اس اعتبار سے مفتی کی اتباع اور اسکے قول پر عمل کرنا
واجب ہوا۔ یہی درحقیقت خلافت نبوت ہے ایک حدیث
پاک میں وارد ہے جس شخص نے قرآن سیکھ لیا نبوت گویا
اسکے دونوں پہلوؤں کے درمیان داخل ہو گئی ہے۔
الحاصل مفتی احکامات خداوندی کی لوگوں کو خبر دیتا ہے
اور ارشادات ربانیہ کو لوگوں پر نافذ و جاری کرتا ہے
یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے فقہاء و علماء کو اولی الامر کا لقب
عنایت فرمایا اور ان کی اطاعت کو اپنی اور اپنے رسول پاک
صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ ذکر کیا۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ یاایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول
واولی الامر منکم۔

اولی الامر کی تفسیر

اختلف فی تاویل اولی الامر فروی عن جابرؓ بن عبداللہ و ابن عباسؓ روایۃ والحسنؒ وعطاءؒ ومجاہدؒ فہم اولوالفقہ والعلم یہی وجہ ہے کہ اعلم واتقی مفتی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، سائلین کے دل میں اگر یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ فلاں عالم و مفتی بے لاگ اللہ و رسول کا حکم بتلانے کی بجائے اپنی ذاتی خواہش کے مطابق فتویٰ دیتا ہے یا اسے خریدا جا سکتا ہے تو عوام الناس کا اعتماد اس سے اٹھ جاتا ہے۔

شریعت کی بالادستی

بہرحال افتاء کی حقیقت احکام خداوندی کی تبلیغ و ترجمانی ہے۔ افتاء کی یہ حیثیت سمجھ لینے کے بعد یہ تسلیم کر لینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، کہ شرعی فتویٰ کو کسی عدالت یا اسمبلی میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا —— ملکی و قومی ادارے احکام شرعیہ کے پابند ہیں، اور فتویٰ صرف مطابقتِ حکمِ خداوندی کا محتاج ہے۔ اسمبلی کا فیصلہ انسانوں کا فیصلہ ہے۔ اور شرعی فتویٰ حکم خداوندی کے قائم مقام ہے۔

حافظ ابوعمرو ابن الصلاح فرماتے ہیں:

ولذا قیل فی الفتیا انھا توقیع عن اللہ تعالیٰ (ادب المفتی ص)

امام سفیان بن عیینہ محمد بن المنکدر سے نقل فرماتے ہیں:

ان العالم بین اللہ وبین خلقہ فلینظر کیف یدخل (ادب المفتی ص)

مفتی مجتہد

درحقیقت مفتی وہ ہے جو درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہو اس کے حق میں دلائل کی ترتیب وہی ہے جو قاضی مجتہد کے بارے میں ہے۔ یعنی کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع (۴) پھر قیاس و اجتہاد۔

ینبغی للقاضی ان یقضی بکتاب اللہ .... فان لم یجد فی کتاب اللہ تعالیٰ یقضی بما جاء عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فان لم یجد یقضی بما اجتمع علیہ الصحابۃ رضی اللہ عنہم لان العمل باجماع الصحابۃ واجب ..... وان لم یجئ شئ من ذلک فان کان من اھل الاجتہاد قاسہ ..... واجتھد وان لم یکن من اھل الاجتہاد یستفتی

قاضی کو چاہیے سب سے پہلے کتاب اللہ سے فیصلہ کرے اگر کتاب اللہ میں اسے حکم نہ ملے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے اگر اس میں بھی اسے حکم نہ ملے تو حضرات صحابہ کے اجماعی فیصلوں کو دیکھے اسلیے کہ حضرات صحابہ کے اجماعی فیصلے واجب العمل ہیں اور اگر اجماعی فیصلوں میں بھی حادثہ کا حکم نہ ملے تو پھر اگر مفتی و قاضی مجتہد ہے تو اجتہاد کی روشنی میں فیصلہ کرے ورنہ دوسرے مفتی حضرات سے فتویٰ لے کر اس کے مطابق فیصلہ کرے۔

عہ موافقات ج ۴ ص ۲۴۴ تا ۲۴۵، عہ احکام القرآن للجصاص ص ۲۱۰ ج ۲

فی ذلک فیاخذ بفتوی المفتی (ص ۱۴۳/۱۴۴ ہندیہ ج ۳)

فقہ حنفی اور دیگر ائمہ ثلثہ کے فقہی مسالک انہی اصولوں پر مبنی ہیں اور قرآن و سنت ہی کا خلاصہ و نچوڑ ہیں خود امام ابوحنیفہؒ سے ایسے ہی منقول ہے کہ اولاً کتاب اللہ ثانیاً سنت اور ثالثاً اجماع سے شرعی احکامات کو اخذ و استنباط کرتا ہوں (عقود الجمان ص ص ۱۷۲)

غیر مجتہد اگر مفتی درجہ اجتہاد کا حامل نہیں تو اس پر لازم ہے کہ ائمہ مجتہدین کی کتب مشہورہ و متواترہ سے شروط معتبرہ کے ساتھ مسئلہ نقل کر کے بتلائے۔ اجتہاد نہ کرے، جیسا کہ "رسم المفتی" کے عنوان کے تحت حضرات فقہاء نے اسکی تفصیلات اور ضوابط تحریر فرمائے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

مقدمہ در مختار للحصکفی و عقود رسم المفتی للعلامۃ ابن عابدین الشامی۔ ایسا عالم درحقیقت مفتی نہیں بلکہ ناقل فتویٰ ہے۔

ما یصدر عن غیر الاہل لیس بافتاء حقیقۃ انما ھو حکایۃ عن المجتہد (عقود رسم المفتی ص ۲۲)

ملازمہ اس مقام پر ضروری تنبیہ بھی لازم ہے۔ وہ یہ کہ مفتی کے لئے صرف علمی استعداد ہی کافی نہیں کہ کتاب دیکھ کر جزئیہ تلاش کر سکتا ہو بلکہ اس کے لئے معتمد ارباب فتویٰ و مشائخ کا ملازمہ طویلہ بھی ضروری ہے کہ انکی خدمت میں رہ کر فقہ کے ساتھ مناسبت بھی پیدا کر لی ہو ورنہ جزئیہ لکھنے کے باوجود مسائل میں اغلاط کا شکار رہے گا۔

اٹھارہ سال امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں بزعم خویش تکمیل علم کے بعد بصرہ گیا میرا خیال تھا کہ مجھ سے جو مسئلہ بھی دریافت کیا جائے گا میں اس کا جواب دے سکوں گا مگر جب اہل بصرہ نے کچھ سوالات کئے تو میرے پاس ان کا جواب نہیں تھا۔

فجعلت علی نفسی ان لا افارق حماداً حتی یموت فصحبتہ ثمانی عشرۃ سنۃ ثم مات ثم ما صلیت من صلوۃ منذ مات الا استغفرت لہ قبل ابوی

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ اپنے استاد حضرت حمادؒ سے انکی حیات میں جدا نہ ہونگا پس اٹھارہ سال تک آپکی خدمت میں رہا پھر آپکی وفات کے بعد میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جسمیں اپنے والدین سے پہلے ان کیلئے دعاء مغفرت نہ کی ہو۔

(تاریخ بغداد ص ۳۳۳ ج ۱۳)

امام ابویوسفؒ نے بھی اپنی الگ مجلس تدریس و افتاء قائم فرمائی تھی۔ امام ابوحنیفہؒ نے ایک سائل کو بھیج کر پانچ مسائل میں ان کی غلطیوں پر مطلع کرتے ہوئے عملاً ہر متنبہ فرمایا کہ ابھی ملازمہ شیخ کی ضرورت باقی ہے۔

(نفع السائل و المفتی ص ۲۵)

خود مفتی نہ بن بیٹھے

ستر بڑے ائمہ کرام کے فرمانے پر امام مالکؒ مسندِ افتاء پر بیٹھے۔

ما افتی مالک حتی شھد لہ سبعون اماما انہ اھل لذلک
(مقدمہ اوجز ص ۱۳)

امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں بھی ایسے ہی منقول ہے کہ فقہائے اہلِ کوفہ نے انہیں مسندِ افتاء پر بٹھایا تھا
(عقود ص ۱۲۹)

اپنی اس نازک اور عظیم ترین ذمہ داری کا احساس و شعور بھی ضروری ہے کہ وہ بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ بن رہا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے جائز و ناجائز حلال و حرام کا فیصلہ ظاہر کر رہا ہے۔ اوّل یہ کہ انتہائی غور و فکر حزم و احتیاط سے فتویٰ دے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں:

ربما وردت علی المسالۃ تمنعنی من الطعام والشراب والنوم (ص ۲۸۶ ج ۴ موافقات)

فوری جواب ضروری نہیں صحت جواب لازم ہے۔ آخرت کی جواب دہی کا استحضار رکھے۔

وکان مالک اذا سئل عن المسألۃ قال للسائل انصرف حتی انظر فیھا فینصرف ویردد فیھا فقیل لہ فی ذلک فبکی وقال لی من المسائل یوم وای یوم (موافقات ص ۲۸۶ ج ۴)

جنت و دوزخ کے درمیان

وکان مالک یقول من احب ان یجیب عن مسألۃ فلیعرض نفسہ قبل ان یجیبہ علی الجنۃ والنار وکیف یکون خلاصہ فی الآخرۃ ثم یجیب (موافقات ص ۲۸۶ ج ۴)

امام مالکؒ فرماتے ہیں جو مفتی مسئلہ کا جواب دینا چاہے اُسے چاہیئے کہ جواب سے قبل اپنے آپ کو جنت اور دوزخ پر پیش کر لے اور یہ سوچ لے کہ آخرت میں اسکی نجات کیسے ہوگی؟ پھر جواب لکھے خود امام مالکؒ کا یہی حال تھا کہ جب مجلس افتاء میں بیٹھتے تو ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتے اور جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپکا رنگ متغیر ہو جاتا۔ وقال بعضھم لکانما مالک واللہ اذا سئل عن مسألۃ واللہ واقف بین الجنۃ والنار [1]

وقال ما من شیئ اشد علی من ان اسأل عن مسألۃ من الحلال والحرام لان ھذا ھو القطع فی حکم اللہ و لقد ادرکت اھل العلم والفقہ ان احدھم اذا سئل عن المسئلۃ کان الموت اشرف علیہ۔ [2]

امام مالکؒ نے ایک سائل کو جواب نہ دیا تو اس کے شدید اصرار پر فرمایا:

ویحک ترید ان تجعلنی حجۃ بینک وبین اللہ فاحتاج انا اولاً ان انظر کیف خلاصی ثم اخلصک [3]

---

[1] (موافقات ص ۲۸۶ ج ۴) [2] (موافقات ص ۲۸۷ ج ۴) [3] موافقات ص ۲۹۹ ج ۴

لاادری | ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں۔ شرح صدر نہ ہو تو صاف کہہ دے کہ مجھے جواب معلوم نہیں ــــ قال ابن عجلان اذا اخطأ العالم لا ادری اصیبت مقاتله وقال ابن عباس ینبغی ان یورث العالم جلساءه قول لا ادری "[1]

امام مالکؒ سے پچاس مسئلے پوچھے گئے صرف پانچ سوالوں کا جواب دیا باقی میں لا ادری فرمایا۔

حافظ مسعر بن کدامؒ فرماتے ہیں:

من جعل ابا حنیفة بینه وبین الله تعالیٰ رجوت ان لا یخاف ولا یکون فرط فی الاحتیاط لنفسه [2]

امام ابو یوسفؒ جب کسی مسئلے کا جواب دیتے تو فرماتے

هذا قول ابی حنیفة ومن جعله بینه وبین الله تعالیٰ فقد استبرأ لدینه [3]

امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے یہ ارشادات ان کے فضائل کے سلسلے میں بیان نہیں کئے جا رہے۔ بلکہ ان سے مقامِ افتاء کی حیثیت واضح کرنا مقصود ہے کہ فتویٰ درحقیقت حکم خداوندی کا اظہار ہے اور مفتی خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں کے مابین واسطے کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ یہ امر امام مالک امام ابو یوسف، حافظ مسعر بن کدام رحمہم اللہ کے کلام میں مصرح ہے۔

فتویٰ اگر اپنی ذاتی رائے کا اظہار ہوتا، تو استفتاء و سوال کے وقت میں رنگ متغیر ہو جانے اور جواب سے قبل اپنی خلاصی کے فکر اور جنت و دوزخ کے استحضار کا کوئی محل نہ تھا اور اسی طرح استفتاء کے وقت سلف کی یہ حالت کیوں ہو جاتی تھی۔ گویا کہ موت آ رہی ہے۔ ان آثار سے ہم آدابِ افتاء کے سلسلہ میں بھی رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

چونکہ مقامِ افتاء نہایت اہم ہے اس لئے نا اہل "مفتی" واجب التعزیر ہے۔

واما غیره فیلزمه اذا تسور هذا المنصب الشریف التعزیر البلیغ والزجر الشدید الزاجر لامثاله عن هذا الامر [4]

مقامِ مفتی کی اس عظمت شان مفتی کا قول و عمل کی روشنی میں علامہ شاطبیؒ نے ایک نہایت وقیع بحث یہ کی ہے کہ مفتی کا صرف قول اور فتویٰ ہی واجب الاتباع نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ خلافت نبوت کے حوالے اور ناطے سے مفتی کا عمل بلکہ اس کی "تقریر" بھی قابلِ تاسی ہے فرماتے ہیں:

---

[1] موافقات ج ۴ ص ۲۸۸ [2] عقود الجمان ص ۱۹۲ [3] عقود الجمان ص ۱۹۸ [4] عقود رسم المفتی ص ۵

ان الفتوىٰ من المفتی تحصل من جہۃ القول و الفعل و الاقرار [1]

آگے چل کر علامہ شاطبی مزید لکھتے ہیں :

فحق علی المفتی ان ینتصب للفتویٰ بفعلہ و قولہ بمعنی انہ لابد من المحافظۃ علیٰ افعالہ حتی تجری علی قانون الشرع لیتخذ فیہا اسوۃ ؛ [2]

پس مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے فعل و قول دونوں کو فتوای بنائے یعنی خود بھی احکام شریعت کا پابند ہو تاکہ اس کی اقتدار کی جاسکے۔

کوئی شبہ نہیں کہ مفتی کا "عمل" اور "تقریر" حجت شرعیہ ہو یا نہ ہو۔ لیکن معاشرہ مقتدا حضرات کے "عمل" اور "تقریر" سے تمسک کرتا ہے اور یہ ایک جبلی و فطری امر ہے عموماً لوگ کہا کرتے ہیں فلاں مفتی صاحب یوں کرتے ہیں اور فلاں شیخ الحدیث صاحب کے سامنے یہ کام کیا گیا انہوں نے تو منع نہیں کیا۔

الغرض قول و فتویٰ کی طرح مفتی کا عمل بھی قرآن و سُنّت اور شریعت مطہرہ کے مطابق ہونا چاہیئے۔ ورنہ اس کا فتویٰ قبول نہیں۔

ان الفتیا لا تصح من مخالف لمقتضی العلم

احناف کے نزدیک بھی مختار یہی ہے کہ فاسق کا فتویٰ معتبر نہیں (ہندیہ) گناہ کی ظلمت سمتِ جواب سے مانع ہے جبکہ تقویٰ اور انابت الی اللہ کی نورانیت منجانب اللہ صحیح جواب القاء ہونے کا سبب ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا معمول تھا کہ جب کسی مسئلے میں جواب منکشف نہ ہوتا تو فرماتے کہ یہ میرے گناہ کی وجہ سے ہے تو استغفار کرتے۔

وربما قام فتوضاء وصلّی رکعتین ویستغفر فتفرج لہ المسألۃ فیقول استبشرت لانی رجوت انہ قد تیب علیّ حتی ادرکت المسألۃ ۔قال فلما بلغ ذلک الفضیل بن عیاض بکی بکاءً شدیداً ثم قال ، رحم اللہ اباحنیفۃ انما کان ذلک لقلۃ ذنوبہ فاما غیرہ فلا یتنبہ لذلک لان ذنوبہ قد استغرقتہ ۔ [3]

---

[1] موافقات ص۲۴۶ ج ۴ - [2] موافقات ص۲۵۱ ج ۴ [3] عقود الجمان ص۲۲۹

انصاف فی العلم ایک اہم ترین امر یہ ہے کہ اگر اپنے جواب کی غلطی ظاہر ہوجائے تو رجوع کرنے سے استنکاف نہ کرے حق کی طرف مراجعت باطل پہ اصرار سے ہزار درجہ بہتر ہے اِس سلسلہ میں سلف کی احتیاط کا یہ عالم تھا۔ ایک مرتبہ امام حسن بن زیاد لؤلوی جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں، سے جواب میں غلطی ہوگئی۔ بعد میں تنبہ ہوا، تو بہت پریشان ہوئے لیکن مستفتی کو اطلاع کی کوئی صورت نہ تھی، کوشش کے باوجود جب مستفتی کا پتہ نہ چل سکا تو آپ نے ڈھنڈورچی کو کرایہ پر لے کر پورے شہر میں اس کا اعلان کرایا کہ فلاں تاریخ فلاں وقت اس مضمون کا کوئی شخص فتویٰ لے گیا تھا وہ فتویٰ صحیح نہیں، اور اسوقت تک افتاء کے لئے نہیں بیٹھے جبتک وہ مستفتی نہیں مل گیا اور جواب کی تصحیح نہیں کرلی[۱]

ذکرِ دلیل اصولی طور پر فتویٰ میں دلائل کا ذکر کرنا ضروری نہیں تصنیف و افتاء میں فرق ہے۔ تطویل اور دلائل کا تذکرہ تصنیف میں ہوتا ہے (ادب المفتی) اور مستفتی کے لئے مطالبہ دلائل کا استحقاق بھی نہیں۔ عامی کے حق میں علماء فقہاء کا جواب ہی حجت ہے کما مر ہوا لیکن قلت علم اور عدم ممارست کی وجہ سے آجکل ضروری ہے کہ صریح جزئیہ کے حوالہ سے فتویٰ تحریر کیا جائے۔ مفتی اور مستفتی دونوں کے لئے یہ امر موجب اطمینان ہوگا (اعلام الموقعین) قواعد سے فتویٰ نہ دے بلکہ صریح جزئیہ تلاش کیا جائے۔ صحتِ فتویٰ کے لئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ قول راجح پر فتویٰ دیا جائے قول مرجوح یا محض اپنے "قول" پر فتویٰ نہ دے[۱]۔ بلکہ کسی اثرِ صحابی کی بنیاد پر منصوص فی المذہب کے خلاف فتویٰ دینا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ شروط وقیود کے لحاظ سے آثارِ صحابہ منقح نہیں[۱]

تاریخ افتاء حضرات صحابہ نے بہت سے سوالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے جن کے جوابات کی تفصیل قرآن وسُنت میں مذکور رہے۔ یہ بھی تعلیم و افتاء ہی ہیں۔ ان کے علاوہ قرآن پاک میں دو مقام پر حضراتِ صحابہ کی طرف استفتاء، اور حق جل شانہ کی طرف صراحۃً "افتاء" کی نسبت کی گئی ہے۔

ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن :	لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں مسئلہ پوچھتے ہیں۔ اللہ پاک ان عورتوں کے بارے میں تمہیں فتویٰ دیتے ہیں۔
ویستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ الایۃ	یہ لوگ آپ سے کلالہ کے بارے میں مسئلہ دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرمادیں کہ اللہ پاک کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں

---

[۱] ادب المفتی ص۸۸ -

تو اوّلین افتاء حق جل شانہ کی طرف سے اور ثانیاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ظہور میں آیا کیونکہ آپ علیہ السلام کے واسطہ ہی سے صحابہ کے استفسار کا جواب ارشاد فرمایا گیا۔

دورِ صحابہؓ عہد رسالت اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں مندرجہ ذیل حضرات صحابہ فتویٰ دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیرؓ، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، انس، ابوہریرۃ رضی اللہ عنہم، باقی حضراتِ صحابہ عموماً ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے فتویٰ لیتے تھے [۱]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی فقیہ ہیں۔ جیسا کہ مسئلہ وتر میں ایک سائل کے جواب میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا : اصاب انہ فقیہ [۲]

ابن الہمامؒ نے ایسے حضرات صحابہ کی تعداد بیس بتلائی ہے۔ جبکہ علامہ ابن القیم کے نزدیک انکی تعداد ایک سو بیس ہے۔ بکثرت فتویٰ دینے والے معروف مفتیوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں۔ معلوم ہوا کہ عورت مقامِ افتاء پر فائز ہوسکتی ہے۔

علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے امام ابوبکر کاسانی کے شیخ جو انکے سسر بھی ہیں بہت بڑے فقیہ تھے۔ اور انکی صاحبزادی بھی کامل فقیہہ تھیں۔ جو امام کاسانی کی اہلیہ بنیں۔ تو انکے گھر سے جو فتویٰ دیا جاتا تھا تو اس فتویٰ پر امام ابوبکر کاسانی، انکی اہلیہ اور انکے سسر تینوں کے دستخط ہوتے تھے۔

علیہا خطہا و خط ابیہا و خط زوجہا :

اجلہ تابعین جنہوں نے حضراتِ صحابہ کے دور ہی میں مقام افتاء میں امتیازی حیثیت حاصل کرلی تھی۔ یہانتک کہ حضراتِ صحابہ بھی انکی طرف رجوع فرماتے تھے۔ امام حسن بصری، سعید بن مسیب ابراہیم نخعی، شعبی، قاضی شریح، مسروق، علقمہ رضی اللہ عنہم اجمعین (حاشیہ توضیح تلویح ج ۱ ص ۴۴ اصح المطابع)

قابوس اپنے والد سے نقل کرتے ہیں :

لقد ادرکت ناساً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسئلون علقمۃ ویستفتونہ [۳]	میں نے حضور علیہ السلام کے صحابہ کو دیکھا ہے کہ وہ بھی علقمہؓ سے مسائل پوچھتے تھے

اجلہ تابعین کے دور میں جن اصاغر تابعین نے فتویٰ میں شہرت اور دقیع مقام حاصل کیا۔ ان میں سے

---

[۱] فتح القدیر مصری ص ۱۲۵ [۲] مشکوٰۃ ص ــــ ج ۱ [۳] مقدمہ اوجز ص

سرِ فہرست حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ہیں. متقدمین و متاخرین نے تفقہ فی الدین کے سلسلہ میں آپ کی جلالت قدر عظمت شان کا اعتراف کیا ہے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا عظیم ترین کارنامہ قرآن وسنت اور تعامل اُمت کی روشنی میں شورائی طریق پر اسلامی قانون فقہ حنفی کی تدوین ہے۔

فقہ حنفی کی صحت و عظمت کے سلسلہ میں اسکے مندرجہ بنیادی عناصر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ قرائت اور علوم قرآن کریم علم حدیث و آثار اور علم لغت و عربیت نیز تفقہ و اجتہاد کے اعتبار سے کوفہ کی مرکزیت۔

۲۔ پندرہ سو حضرات صحابہ خصوصاً حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور ان کے بے شمار شاگردوں کا کوفہ میں اقامت گزیں ہونا۔ قالہ العجلی

۳۔ حضرات صحابہ میں سے حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا علمی مقام ملاحظہ ہو

قال مسروق لقد شاهدت اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فوجدت علمهم ينتهي الى ستة عمرؓ وعليؓ وابن مسعودؓ وابيؓ وزيد بن ثابت وابي الدرداءؓ ثم وجدت علم هؤلاء الستة الى على وعبد الله رضي الله عنهم (عقود الجمان في اخبار ابي حنيفة والخيرات الحسان)

۴۔ کوفہ ایک مرکزی فوجی چھاؤنی کی حیثیت بھی رکھتا تھا تو مشرقی محاذ پر جانیوالے تقریباً تمام لشکر یہاں سے ہوکر جاتے تھے تو اس سلسلہ میں واردین اور صادرین حضرات صحابہ کی تعداد غیر محصور ہے۔

امام ابوحنیفہ کی مجلس تدوین کی جلالۃ شان کا اندازہ آپ امام وکیع کے مندرجہ ذیل بیان سے لگا سکتے ہیں جو انہوں نے اس وقت ارشاد فرمایا جب کسی شخص نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کہا کہ وہ مسائل میں غلطی کرتے ہیں۔

فقال وكيع كيف يقدر ابو حنيفة ان يخطئ ومعه مثل ابي يوسف وزفر ومحمد في قياسهم واجتهادهم ومثل يحيى بن زكريا بن ابي زائدة وحفص ابن غياث وحبان ومندل ابني على في حفظهم الحديث ومعرفتهم ومثل قاسم بن معن بن عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعودؓ في معرفته باللغة والعربية وداؤد بن نصير الطائي والفضيل بن عياض في زهدهما وورعهما. من كان اصحابه هؤلاء وجلساؤه لم يكن يخطئ لانه ان اخطأ ردوه الى الحق. ثم قال وكيع والذي يقول مثل هذا كالانعام

بل هم اضل سبیلا[1]

ہر اہم مسئلے پر باقاعدہ بحث کی جاتی تھی اور اراکین مجلس کو پوری آزادی سے اپنی رائے پیش کرنے اور بحث کی اجازت حاصل تھی کبھی مہینہ بھر بھی ایک مسئلے پر بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری رہتا جب ہر طرح سے اطمینان ہو جاتا تب مسئلہ ضبطِ تحریر میں لایا جاتا۔

مسائل کی تعداد امام صاحبؒ نے قرآن وحدیث سے جو مسائل اخذ کئے ہیں، ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ سب سے قلیل ترین تعداد تراسی ہزار ہے۔

اقل ما یقال فی مسائله انها تبلغ ثلاثة وثمانین الفاً[2]

ناقلین کی تعداد حضرت امام صاحبؒ کو اللہ پاک نے ایسے تلامذہ عنایت فرمائے، جو آپ کے علم کے صحیح جانشین ہوئے۔ آپ کے علوم کو ایسے پھیلایا کہ اکثر ممالک میں کسی دوسرے امام کے مسلک سے لوگ واقف ہی نہیں تھے۔ شامیہ میں ہے:

بل فی کثیر من الاقالیم والبلاد لا یعرف الا مذهبه کبلاد الروم والهند والسند وما وراء النهر وسمرقند[3]

علوم ابی حنیفہ کو نقل کر کے اُمت تک پہنچانے والے حضرات کی تعداد علامہ شامیؒ نے چار ہزار نقل کی ہے (ص ۳۹ ج ۱) حافظ ابن حجر مکیؒ نے بعض علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ احادیث کی تشریح اور مسائل مستنبط اور قضایا والاحکام میں جتنا فائدہ عوام وخواص کو علوم ابی حنیفہؒ اور انکے شاگردوں سے حاصل ہوا۔ ائمہ مشہورین میں سے کسی کے علم سے اتنا نفع نہیں پہنچا[4]

ہزار سال خلفائے عباسیہ کے زمانے سے لے کر گزشتہ صدی کے شروع تک قانونِ اسلامی کے طور پر اکثر ممالکِ اسلامیہ میں فقہ حنفی نافذ رہی ہے دوسری صدی میں عباسی خلفاء کی حکمرانی ممالکِ اسلامیہ میں شروع ہو چکی تھی۔ اس لحاظ سے ہزار سال سے بھی زائد عرصہ فقہ حنفی قانونِ اسلامی کے طور پر نافذ رہی ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

فالدولة العباسية وان كان مذهبهم مذهب جدهم فاكثر قضاتها و مشائخ اسلامها حنفية. يظهر ذلك لمن تصفح كتب التواريخ وكان

---

[1] عقود الجمان ص ۱۹۴ [2] مقدمہ نصب الرایہ ص ۴۰ [3] ج ۱ ص ۳۸ [4] شامی ج ۱ ص ۳۹

مدة ملكهم خمس مائة سنة تقريباً واما الملوك السلجوقيون وبعدهم الخوارزميون فكلهم حنفيون وقضاة ممالكهم غالبها حنفية واما ملوك زماننا سلاطين آل عثمان ايد الله تعالیٰ دولتهم ما كن الجديد ان فمن تاريخ تسعمائة الى يومنا هذا لا يولون القضاء وسائر مناصبهم الا للحنفية الخ

(ص ۳۹ ج ۱)

برصغیر میں تو اسلام کا تعارف ہی فقہ حنفی کی صورت میں ہوا ہے کیونکہ برصغیر میں اسلام کی دعوت لانے والے اور سلاطین سب حنفی المذہب تھے۔ اسلیئے قضاء و افتا مذہب حنفی کے مطابق تھا۔ سلطنت مغلیہ کے زوال اور انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد افتاء کی مرکزیت مدارس دینیہ کو مکمل طور پر منتقل ہوگئی۔ کیونکہ اب یہ مدارس ہی دین اور تعلیمات نبویہ کی آماجگاہ اور سرچشمہ ہدایت ورشد کی حیثیت حاصل کرچکے تھے جو تسلسل کے ساتھ اب تک جاری رہے۔

جنگ آزادی کے بعد اسلام کے تحفظ کا کام حضرت شاہ ولی اللہ کے جانشین علماء نے سنبھالا ان اکابر علمائے دیوبند میں سید الطائفہ حضرت گنگوہی حضرت سہارنپوری حضرت تھانوی حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب حضرت مفتی کفایت اللہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ اسرارھم حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جن کے فتاوی مطبوعہ شکل میں امت کے سامنے موجود ہیں۔

انھیں مدارس و اکابر کا خوشہ چین اور اسی سلسلہ ذہب کی ایک کڑی جامعہ خیر المدارس بھی ہے۔ جسکی بنیاد ۱۹ر شوال ۱۳۴۹ھ کو جالندھر میں رکھی گئی اور نشاۃ ثانیہ ۲۲ر ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ کو ملتان میں ہوئی۔

فتویٰ کے مراکز کا مثالی کردار

از مرتب

ہمارے ملک کی عدالتوں کا طریقِ کار کسی سے مخفی نہیں ۔ کون نہیں جانتا کہ انصاف کے متلاشیوں سے کتنی بے انصافیاں ہوتی ہیں ۔ خالی جیب تو عدالتوں کا تصور بھی ناممکن ہے ۔ مالی ضیاع کے ساتھ ساتھ قیمتی وقت الگ ضائع ہوتا ہے ۔ قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے فرضی گواہوں کے علاوہ بیان میں حسبِ ضرورت اور خلافِ واقعہ تبدیلی بھی ناگزیر ہوتی ہے ۔ کچھ لوگ ان سب باتوں کے باوجود مقدمہ کا فیصلہ سننے کی حسرت لئے پیوندِ خاک ہو جاتے ہیں ۔

اس کے برعکس مدارس دینیہ میں مفتی حضرات نہ کوئی فیس لیتے ہیں نہ تاریخیں اور پیشیاں دیتے ہیں ۔ عامۃ المسلمین کے لئے یہ " دارالافتاء " بسا غنیمت ہیں اگر فریقین شرعی حکم پر متفق ہو جائیں اور ان مراکز کی طرف رجوع کریں تو وہ ہزاروں پریشانیوں سے بچ سکتے ہیں ۔ بیجا نہ ہوگا اگر یہاں ایک چھوٹا سا واقعہ عرض کر دیا جائے ۔

غالباً ۱۴۰۲ھ کا واقعہ ہے کہ ہمارے پاس " دارالافتاء " میں میانوالی اور سندھ کی دو پارٹیاں آئیں ۔ جن کے مابین ایک باز کی قیمت پر جھگڑا تھا ۔ باز کی مالیت چار لاکھ روپیہ تھی ہم نے پہلی ہی پیشی پر مسلسل طویل کارروائی میں گواہوں کے بیانات بمع جرح مکمل کر لئے ۔

ان کے بیانات مکمل ہو جانے پر غور و خوض کے لیے کچھ وقت متعین کر کے ان کو تاریخ دیدی گئی کہ فلاں تاریخ کو آپ لوگ حاضر ہو کر اپنا فیصلہ سُن لیں ۔ چنانچہ متعینہ تاریخ پر وہ لوگ آئے اور شرعی حکم کے تحت فیصلہ سُنا دیا گیا ۔ اس ساری کارروائی میں فریقین کے صرف بارہ روپے خرچ ہوئے وہ بھی

ہر فریق کو فیصلہ کی کارروائی مہیا کرنے کے لئے جو کاغذات فوٹوسٹیٹ کرائے گئے ان کا معاوضہ تھا ۔ اگر یہی معاملہ ہماری کسی ملکی عدالت میں جاتا تو منشی کے محنتانے سے لے کر فیصلے کے دن تک جو کچھ فریقین کا خرچ ہوتا ، اس کا کچھ وہی لوگ اندازہ کر سکتے ہیں جن کو عدالتوں کے چکر لگانے پڑتے ہیں ۔ ہماری عدالتوں کا طریقِ کار اتنا پیچیدہ اور غیر مناسب ہے کہ لوگ مقدمے کے تصور سے بھی گھبراتے ہیں ۔ کاش ! کہ سادہ لوح عامۃ المسلمین ان مراکزِ افتاء کی اہمیت و افادیت کو سمجھتے اور ان کی طرف رجوع کرتے کہ اس سے کافی حد تک ان کا مال اور وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا ۔

دارالافتاء خیرالمدارس کی خصوصیت

افتاء و قضاء انتہائی نازک ذمہ داری ہے۔ اس کے لئے رسوخ فی العلم، رسوخ فی الدین، فقہ اور اصولِ فقہ میں خصوصی مہارت کے ساتھ ساتھ طبعِ سلیم اور فہمِ مستقیم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ مع ہذا اہل زمانہ کے طبائع اور ان کے عرف سے واقفیت بھی لازمی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت اقدس مولانا خیر محمد رحمہ اللہ کو ان اوصافِ عالیہ کا بہت کچھ حصہ عطاء فرمایا تھا۔ اور حضرت رح فتاویٰ میں جن امور کا التزام فرماتے تھے ان کا اب بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ جب تک سوال پوری طرح منقح نہ ہو جواب نہیں دیا جاتا۔ سوال دستی ہو یا بذریعہ ڈاک جب تک واقعہ کی صحیح حقیقت مع مضمرات صاف نہیں ہو جاتی جواب سے گریز کیا جاتا ہے۔

۲۲ ربیع الاوّل ۱۴۰۰ھ کا واقعہ ہے کہ کراچی سے ملک امیر عبداللہ صاحب کا ایک استفتاء موصول ہوا جس میں یہ تحریر تھا کہ۔

"زید کا دعوٰی ہے کہ خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہے۔ بعض لوگوں کو ریاضت و مجاہدہ سے اتنی ترقی نہیں ہوتی، جتنی خواب سے۔ کیونکہ انہیں خواب میں علوم صحیحہ القاء ہوتے ہیں۔ تم کوشش کیا کرو مجھے نیند زیادہ آیا کرے کیونکہ آج کل مجھے خواب میں علومِ صحیحہ القاء ہوتے ہیں"۔ نیند سے بیدار ہو کر زید نے کہا کہ کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر کی تفسیر مجھے خواب میں یہ القاء ہوئی ہے کہ تم مثل انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہو لوگوں کے واسطے۔"

زید کے متعلق حکم دریافت کیا گیا۔ نیز ساتھ ملک کے کئی مرکزی مدارس کے فتاویٰ کی نقول بھی شامل تھیں۔ جن میں زید کے بارے میں بڑے سخت الفاظ میں حکم لگایا گیا تھا بلکہ یہ بھی تحریر تھا کہ

"اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر زید مرزا قادیانی کی طرح نبوت کا دعوٰی نہ کر دے"

مکرر سہ کرر تنقیح کی گئی مستفتی نے ہر دفعہ اخفاء سے کام لیا۔ بالآخر یہ جواب لکھا گیا۔

"زید مذکور کے جو حالات آپ نے لکھے ہیں اتنے سے کسی کے بارے میں مکمل آگاہی نہیں ہو سکتی اور بغیر تحقیق کے شخصی فتوٰی دینا درست نہیں۔ فقط"

بعد میں پتہ چلا کہ ہر دو عبارتیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ بانی تبلیغی جماعت کی تھیں۔ اس طریقہ سے اللہ تعالےٰ نے لاعلمی میں بھی ان کے خلاف کوئی نازیبا کلمہ لکھنے سے محفوظ رکھا۔

ایسے ہی ایک دفعہ ایک صاحب نے مرثیہ گنگوہی رح کا ایک شعر بغیر سیاق و سباق کے لکھ بھیجا۔

اوراس پر فتوٰے جاتا مگر یہاں سے حسب معمول تنقیح کی گئی۔ جب کہ وہ سائل اسی شعر پر دارالعلوم دیوبند سے بڑا سخت فتویٰ حاصل کر چکا تھا

۲ ۔ جس فتوٰے کا تعلق کسی متعین شخص کی ذات سے ہو خواہ وہ فتویٰ تکفیر کا ہو یا تفسیق کا حتی الوسع ایسے فتوے کا جواب دینے میں بہت احتیاط کی جاتی ہے۔

۳ ۔ استفتاء میں اگر کسی کتاب کا یا کسی کی تقریر کا صرف اقتباس درج ہو، تو تاوقتیکہ اس کا سیاق وسباق اچھی طرح معلوم نہ ہو اس کا جواب نہیں دیا جاتا۔

۴ ۔ فتوٰے کے جواب میں تعجیل نہیں کی جاتی بلکہ متعدد کتب سے مراجعت کے بعد مکمل شرح صدر ہو جانے کے بعد جواب دیا جاتا ہے۔

۵ ۔ اہم استفسارات کے سلسلہ میں معمول یہ ہے کہ دیگر بڑے اساتذہ کرام سے بھی مشورہ کر لیا جاتا ہے اس کے بعد جو طے ہو جاتے اس کے مطابق جواب لکھا جاتا ہے۔ اور پھر ان حضرات کے دستخطوں کا بھی التزام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ متعدد فتاوٰی میں ناظرین کرام یہ بات ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت الاستاذ مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم جو دارالافتاء کی روح رواں ہیں ان کے فتاوٰی اس بات پر شاہد ہیں کہ تمام فتاوٰی میں متذکرہ بالا امور کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا ہے انہی امتیازی اوصاف نے " دارالافتاء " کو ملک میں ایک وقیع مقام عطاء کیا ہے۔ چنانچہ پورے ملک میں بالعموم اور اپنے علاقہ میں بالخصوص " خیرالمدارس " کے فتوٰے کو لوگ آخری سند سمجھتے ہیں۔ عدالتوں میں فیصلہ کے وقت جج حضرات خیرالمدارس کے فتویٰ ہی کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہ اہل علاقہ کی ایک بہت بڑی دینی خدمت ہے اللہ تعالٰے بانی ادارہ حضرت اقدس رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائیں۔ آمین ثم آمین۔

○

ما یتعلق
بالایمان والعقائد

وحی، کشف و الہام کی تعریف، مجدد اور مہدی کی علامات

استفتاء مندرجہ ذیل چند سوالات بطور اضافۂ علمی سمجھنا چاہتا ہوں۔ براہِ کرم مطالعہ و فرصت پر سمجھا دیئے جائیں۔

۱ : کشف۔ الہام۔ اور وحی میں کوئی فرق ہے یا نہ۔ اگر ہے تو کون سا اور کس قسم کا۔ اور وہ صوری ہے یا معنوی۔ استدلالی ہے یا یقینی۔ ان واردات کی تشریح فرمائی جائے۔

۲ : مہدی اور مجدد کے منصب میں کیا تفاوت ہے اور ان مناصب کے عاملین کو نمبرا میں سے کون سا درجہ اور وصف حاصل ہوتا ہے؟

۳ : جیسا کہ نبی کے لئے دعویٰ نبوت ضروری ہے اسی طرح مجدد اور مہدی کے لئے بھی دعویٰ مجددیت و مہدیت ضروری ہے یا نہ۔

۴ : کیا نبی اور پیغمبر کی طرح مہدی اور مجدد بھی معصوم، یا مردِ کامل، خطاء سے مبرّہ ہوتا ہے۔

۵ : مجدد اور مہدی کو نہ ماننے والے مسلمان کے لئے از روئے شرع کیا حکم ہے۔ اور ان کی بعض تعریفوں یا اوصاف کو نہ ماننے والے کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب وحی وہ علم ہے جو پیغمبر اور رسول کو بوقت انسلاخ عن البشریۃ الی الملکیۃ حاصل ہوتا ہے۔ پھر اس کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔

۱ : کسی وقت آواز مثل صلصلۃ الجرس (گھنٹہ کی سی آواز) سنائی دیتی ہے۔

۲ : کسی وقت فرشتہ اپنی اصلی صورت میں یا انسانی صورت میں آتا ہے۔

۳ : کسی وقت مکالمہ الٰہی بلا واسطہ ہوتا ہے۔

۴ : کسی وقت مکالمہ الٰہی من وراء الحجاب ہوتا ہے۔

۵ : کسی وقت رؤیا کے ذریعہ سے علم دیا جاتا ہے۔ اس لئے رؤیا انبیاء (علیہم السلام) وحی ہیں۔ نہ رؤیا غیر۔

۶ : تفہیم عینی من جانب اللہ انبیاء علیہم السلام پر ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ ان کی قوت نظریہ کو کھینچ کر رشد و صواب کی طرف لے جایا جاتا ہے۔

۷ : الہام وہ علم ہے جو قلب مبارک میں بغیر اکتساب اور استدلال کے القاء ہو۔ اگر نبی کو ہو تو وحی کہلاتا ہے۔ یعنی وہ وحی کا قسم ہوتا ہے اور وہ قطعی اور حجت ہوتا ہے۔ اور غیر انبیاء کا الہام وحی کی قسم نہیں ہوتا۔ اور وہ ظنی ہوتا ہے۔ یہی فرق نبی اور غیر نبی کے رؤیا میں ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا الہام امر ونہی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور اولیاء کا الہام کسی بشارت یا تفہیم پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء پر اپنے الہام کی تبلیغ واجب ہے۔ اور اولیاء پر نہیں۔ بلکہ اخفاء اولیٰ ہے۔ جب تک کوئی ضرورت شرعیہ دینیہ داعی نہ ہو۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہوگا کہ وحی اور الہام میں کیا فرق ہے۔ الہام وحی کی قسم ہے۔ بنا بریں وحی اور الہام میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت بن جاتی ہے۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "علم الکلام" مولانا محمد ادریس صاحب ص۱۵۴ تا ص۱۶۴۔

اسی طرح "کشف" لغۃً کھولنے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی علم کو نبی یا ولی پر کھول دینا۔ نبی کے علم کشفی اور ولی کے علم کشفی میں وہی فرق ہے جو الہام نبی اور غیر نبی میں بیان ہوا۔ کشف اور الہام مفہوم کے لحاظ سے متفاوت ہیں اور مصداق کے لحاظ سے قریب قریب ہیں۔ اور نسبت کشف اور وحی میں وہی ہے جو الہام اور وحی میں بیان ہوئی۔

یہ تفصیل اور نسبت اس کشف کے متعلق ہے جو کہ نبی پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات کشف فساق پر بھی ہوتا ہے جیساکہ ابن صیاد نے کہا تھا ارٰی عرشا علی الماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تری عرش ابلیس علی البحر۔ اور بعض اوقات بہائم پر بھی ہوتا ہے جیساکہ عذاب قبر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ثقلین کے ماسوی تمام بہائم وطیور سن لیتے ہیں۔ کشف کے اس معنی اعم کے درمیان اور وحی کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہوگی۔

۱ : مادہ اجتماعی۔ وہ کشف جو نبی کو ہو۔ وہ وحی بھی ہے اور کشف بھی۔

۲ : مادہ افتراقی۔ جہاں کشف ہو اور وحی صادق نہ آئے۔ کشف اولیاء۔ کشف بہائم وغیرہ

۳ : جہاں وحی صادق آتی ہے اور کشف نہ ہو۔ وحی کی وہ چھ قسمیں جو الہام سے پہلے نمبر۱ میں بیان ہو چکی۔

تنبیہ! عموم وخصوص مطلق کی نسبت جو بیان ہوئی۔ وہ کشف نبی اور الہام نبی۔ اور وحی انبیاء کے درمیان تھی۔ ورنہ مطلق الہام اور مطلق کشف اور وحی کے درمیان بھی نسبت عموم وخصوص من وجہ بنتی ہے۔ کما لا یخفیٰ علی المتأمل۔

۲ : مہدی ایک شخص معین ہے کوئی عہدہ نہیں ہے کہ ہر شخص کو حاصل ہو سکے۔ مہدی کے متعلق علامات حدیث نبوی میں وارد ہوئی ہیں۔ جو کہ یہ ہیں۔

۱ : اس کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوگا۔

۲ : اس کے والد کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے ہمنام ہوگا۔

۳ : اہل بیت سے ہوگا یعنی اولاد فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ہوگا۔
۴ : سات سال زمین میں خلافت کرے گا۔ اور زمین کو عدل سے پُر کر دے گا۔
۵ : بیعت کی صورت یہ ہوگی کہ کسی خلیفہ کے فوت ہونے کے بعد اختلاف واقع ہوگا۔ تو اس وقت مہدی صاحب مدینہ طیبہ میں ہوں گے۔ اس ڈر سے مدینہ سے نکل کر مکہ کی طرف روانہ ہونگے کہ ایسا نہ ہو کہ مجھے خلافت کے لئے مجبور کیا جائے۔ کیونکہ اہل مدینہ اس کے فضل وکمال سے واقف ہوں گے۔ لیکن جب مکہ معظمہ پہنچیں گے تو اہل مکہ بھی انہیں پہچان لیں گے۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ درانحالیکہ مہدی صاحب اس امر خلافت کے قبول کرنے کو مکروہ سمجھنے والے ہوں گے۔ یہ بیعت رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان ہوگی۔
۶ : اس کے بعد ایک لشکر شام سے بمقابلہ حضرت مہدی صاحب روانہ ہوگا۔ مقام بیداء میں پہنچ کر زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔
۷ : مہدی کی اس کرامت کو دیکھ کر ابدال ملک شام اور اہل عراق آئیں گے اور بیعت کریں گے۔
۸ : اس کے بعد ایک اور صاحب قریش میں سے مہدی کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوں گے اور وہ اپنے اخوال کلب سے آدمیوں کو جمع کرکے مہدی کے ساتھ لڑائی کریں گے۔ لشکرِ مہدی کو فتح ہو گی۔ یہ سب علامات ابو داؤد باب فی ذکر المہدی سے لی گئی ہیں۔

اب مُجَدِّد کے متعلق تحقیق درج کی جاتی ہے۔ جو کہ ابو داؤد اور اس کی شرح بذل المجہود صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴ سے اخذ کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر سو سال کے اوپر " من یجدد لہا دینہا " کو مبعوث کریں گے۔

اس لفظ " من یجدد " کے اوپر غور فرمایا جاوے۔ لفظ " من " معنی میں جمع کے ہے اور لفظ مفرد کا ہے۔ تو اب اس سے ایک قرن میں ایک فرد معین مراد لینا اور تیرہ قرن جو گزر چکے ہیں ان میں سے تیرہ آدمیوں کا انتخاب کرنا اور یہ کہنا کہ اس صدی کا مجدد فلاں تھا اور اس کا فلاں تکلف سے خالی نہیں۔ اس لئے معنی حدیث کی بنا پر اظہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر صدی میں اللہ تعالیٰ ایک جماعت ایسی قائم فرماتے ہیں جن کا ہر فرد ہر بلد میں تقریر وتحریر کے ذریعہ سے دین کو قائم رکھتا ہے۔ اور تحریف غالین و مبطلین سے حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رح فرماتے ہیں۔

والاظہر عندی ان المراد بمن یجدد لیس شخصا واحدا بل المراد بہ

جماعة يجدد كل واحد في بلد في فن او فنون من العلوم الشرعية ما تيسر له من الامور التقريرية او التحريرية ۔ ويكون سببا لبقائه وعدم اندراسه وانقضائه الى ان يأتي امر الله ولاشك ان هذا التجديد امر اضافي لان العلم كل سنة في التنزل كما ان الجهل كل عام في الترقي ۔

مجدد اور مہدی کے مفہوم اور مراتب کو واضح کرنے کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں ۔

۱ : ان مناصب کے حاملین کو وحیِ نبوت اور وحیِ رسالت میں سے کوئی حصہ حاصل نہیں ہو سکتا البتہ الہام اور کشف وغیرہ سے اولیاء کو ظنی علم حاصل ہوتا ہے ۔ وہ ان کو بھی حاصل ہونا ممکن ہے ۔ مگر وہ قطعی علم جو انبیاء علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے جو کہ لوگوں پر حجت ہوتا ہے ، ان کو ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہوتا ۔

۲ : نبی اور پیغمبر کو اپنی نبوت کا اعلان کرنا اور لوگوں کو اپنی نبوت کی طرف بلانا لازم ہوتا ہے لیکن مجدد کو مجددیت کا دعوےٰ کرنا ۔ اور اپنی مجددیت پر لوگوں سے بیعت کا مطالبہ کرنا ۔ اور پھر اپنے علوم کو مجددیت کی سند کے ساتھ مستند قرار دیتے ہوئے قطعی قرار دینا جائز نہیں ۔ البتہ بطور تحدیث بالنعمت کے اگر کوئی عالم ربانی اظہار کر دے ، بطور ظن کے کہ اللہ تعالےٰ نے میرے ذریعہ سے دین کی یہ اہم خدمت لی ہے ۔ اس لئے مجددین کے زمرہ میں داخل ہونے کی امید کرتا ہوں ۔ تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا ۔ لیکن یہ ادعا کرنا کہ میں فلاں صدی کا مجدد ہوں اور لوگوں کو میری مجددیت پر ایمان لانا چاہئے ۔ یا میرے ہاتھ پر بیعت ہو جانا چاہئے ۔ بالکل جائز نہیں ہے ۔

۳ : نبی اور پیغمبر معصوم ہوتے ہیں ۔ ان کے علاوہ امت کا کوئی فرد حتیٰ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں قرار دیئے جا سکتے ۔ کما هو مذهب اهل السنة والجماعة ۔

۴ : مہدی اور مجدد کو نہ ماننے سے کفر نہیں لازم آتا ۔ مجدد کے متعلق تو واضح ہو چکا ہے کہ کسی شخص معین کا نام نہیں ہے بلکہ کسی کا مجدد ہونا امر ظنی ہے ۔ اس لئے اس کے نہ ماننے میں کوئی خاص نکیر نہیں ہو سکتی ۔ البتہ مہدی کا ذکر ان صفات کے ساتھ جو احادیث میں آیا ہے اور یہ حدیثیں

ابوداؤد وغیرہ میں مذکور ہیں۔ حدیثیں صحیح اور حسن ہیں اس لئے ان صفات کا جو منکر ہوگا اس کے لئے وہ حکم ہوگا جو احادیثِ احاد کے منکر کا ہوتا ہے۔ یعنی کفر لازم نہ آئے گا۔ لیکن فسق سے خالی نہ ہوگا۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صواب

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ، خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان، مورخہ ۲۰ شعبان ۱۴۰۰ھ

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

رفع عیسیٰ و ظہورِ مہدی علیٰ نبینا و علیہم السلام کے دلائل

۱ ثابت کرو کہ عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے ہیں اور وہ واپس آئیں گے۔

۲ ثابت کرو کہ امام مہدی علیہ السلام اہل بیت سے ہوں گے اور مدینہ منورہ یا کسی اور ملک میں پیدا ہوں گے۔

۳ وہ کہتے ہیں کہ خر دجال آچکا اگر نہیں آیا تو ثابت کرو کہ پندرہویں صدی میں آئے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ چودہویں صدی آخری ہے اس کے بعد قیامت ہے۔ اسی صدی میں جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

اب آپ برائے مہربانی ہمیں تو ان سوالات کا جواب مع ثبوت یعنی مکمل صفحہ، جلد، نام، حدیث وغیرہ لکھیں جس پر وہ اعتراض نہ کر سکیں۔ اور ہمیں بھی تسلی ہو اور ان کو بھی جواب دینے کے قابل رہ جائیں ہم نے بہت سے علماء صاحبان کے پاس خطوط لکھے بلکہ دیوبند تک لکھے مگر کسی نے تسلی بخش جواب نہ دیا کسی نے مرزا صاحب کا حوالہ دے کر کسی نے کچھ، کسی نے گالیاں دے کر ٹال دیا۔ جس کی وجہ سے ہمارا دل بہت گھبرایا ہوا ہے کیوں کہ کسی طرف سے تسلی بخش جواب نہیں پایا۔ اور نہ ہمارے پاس اتنا وقت ہے کہ کسی عالم کے پاس جائیں۔ آپ خدا کے واسطے مکمل جواب لکھ کر ہمارے دل کو یقین دلائیں کہ ہمارا مذہب سچا ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

الجواب (۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اٹھایا جانا آسمان پر، قرآن مجید اور حدیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ دلائل تو بہت ہیں مگر یہاں بوجہ تنگیٔ وقت کے صرف ایک دو تحریر کئے جاتے ہیں۔

وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شك

منہ مالھم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزا حکیما۔

اس آیت میں یہود کا قول نقل فرما کر اللہ تعالےٰ نے تردید فرمائی ہے۔ یہود کہتے تھے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ انہوں نے نہ تو عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا اور نہ اس کو سولی پر چڑھایا۔ حقیقت میں ان پر شبہ پڑ گیا اور جو لوگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں سب شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔ یقینا عیسیٰ علیہ السلام کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کو تو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ اور اللہ تعالےٰ زبردست ہے۔ (اس کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لینا کیا مشکل ہے)۔ اور حکمت والا ہے (اس کے کاموں میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں اگرچہ کوتاہ نظر نہ سمجھ سکیں)۔

اس سے مرزائیوں کے تمام شبہات زائل ہو گئے۔ مرزائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر کیوں گیا کیا کرتا ہے۔ کیا کھاتا ہے وغیرہ وغیرہ شبہات پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ایک ہی جواب دیا۔ وکان اللہ عزیزا حکیما۔ اللہ تعالےٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اس کی حکمت نے یہی چاہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لے۔ پھر قیامت کے قریب زمین پر اتار دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے چاہا تو آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا۔ کیا اس پر بھی کوئی جاہل اعتراض کر سکتا ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں ہوتے تو اچھا تھا کیوں ان کو زمین کی طرف بھیج دیا۔ مسلمان کا کام یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اسے قبول کر لے۔ منافق کا کام ہے حجت بازی کرنا۔ لہٰذا یہ شبہات فضول ہیں جب بھی کوئی مرزائی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق شبہ پیش کرے تو فوراً یہی آیت پڑھیں وکان اللہ عزیزا حکیما۔ کہ اللہ تعالےٰ زبردست حکمت والا ہے۔ اس کی مرضی وہ مختار ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا کوئی اس پر کیا اعتراض کر سکتا ہے۔

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے ماتحت لکھا ہے۔ وھو حی فی السماء حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں۔ صرف مرزا غلام احمد قادیانی نے آ کر فتنہ برپا کیا۔ اور یہ صرف اس لئے کہ "میں عیسیٰ بنوں" برائے حلوا خوردن روئے باید

۲ : ابو داؤد حدیث کی کتاب ہے۔ اور صحاح ستہ میں داخل ہے۔ انہوں نے ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا نام ہے "باب ذکر المھدی" اس میں مندرجہ ذیل حدیثیں درج ہیں۔

ا : حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا

کا ایک دن بھی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کر دیں گے یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو کھڑا کریں گے جس کا نام میرے نام کے، اور اس کے والد کا نام، میرے والد کے نام کے موافق ہوگا۔ وہ شخص دنیا کو انصاف و عدل سے بھر دے گا جیسا کہ اس کے آنے سے پہلے ظلم سے بھری ہوئی تھی۔ (اب دیکھئے کہ مرزا اور اس کے باپ کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے مخالف ہے اور مرزا کے آنے سے دنیا میں ظلم و ستم زیادہ ہوگیا)۔

۲: دوسری روایت ابو داؤد میں ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ مہدی میری اولاد سے ہوگا اور فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی نسل سے ہوگا۔ (مرزا تو مغل تھا یا پٹھان یا کوئی اور قوم ہوگی سید اور فاطمہؓ کی اولاد سے ہرگز نہیں) اور بھی بہت سی روایتیں اور حدیثیں ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے مقامی علماء سے مدد حاصل کریں ورنہ ہماری طرف لکھیں۔ انشاء اللہ ان کے سب سوالوں کا جواب تسلی بخش دیا جائے گا۔

مرزائی جھوٹ بولتے ہیں کہ چودھویں صدی کے بعد قیامت ہے۔ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ نہ معلوم کہ دنیا کی عمر کتنی باقی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ضرور تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔

اور حضرت مہدی علیہ السلام مدینہ شریف سے روانہ ہوں گے اور مکہ شریف تشریف لائیں گے تو سب لوگ مکہ والے اور دوسرے مسلمان حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرینگے یہ بیعت بیت اللہ شریف کے میدان میں مقام ابراہیم کے قریب ہوگی۔ (ابو داؤد شریف)

مرزا کو تو ساری عمر حج نصیب نہیں ہوا۔ نہ مدینہ دیکھا نہ مکہ دیکھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے مقدس مقامات میں اسے گھسنے ہی نہیں دیا۔

بہر حال آپ کو جو شبہ ہو ہماری طرف تحریر فرمائیں ہم وہ جواب دیں گے جو مرزائیوں کے لئے منہ توڑ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ ۲۷ / ۱۱ / ۱۳۶۹ھ

جن پر ایمان لانا ضروری ہے انہیں جاننا بھی ضروری ہے

جو لڑکا یا لڑکی مسلمانوں کے گھر پیدا ہو، تو اس پر بالغ ہونے کے بعد سب سے پہلے ضروریات دین کا سیکھنا کہ جس سے انسان مسلمان کہلانے کا حق دار ہو ضروری تھا۔

جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت پر ایمان لانا۔ جو شخص باوجود عاقل، اور بالغ ہونے کے ان چیزوں کو نہ سیکھے اور نہ ہی ان چیزوں کے سیکھنے کو ضروری سمجھے اور نہ ہی شرم کی وجہ سے کسی کے پاس سیکھنے کے لئے جائے۔ اگر کوئی اس سے پوچھ لے کہ میاں تم کس دین پر ہو؟ تمہارے دین کا کیا نام ہے؟ اور تم کس پیغمبر کی امت ہو اور ان کا کیا نام ہے؟

تو جواب میں یوں کہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرا دین کیا ہے اور میں کس پیغمبر کی امت ہوں، اور نہ ہی ان کا نام جانتا ہوں۔ پہلے نابالغی کی حالت میں مُلّاں کے پاس نہیں گئے کہ ان باتوں کو سیکھوں۔ اور اب جوان ہیں ان باتوں کو سیکھنے اور پوچھنے میں شرم آتی ہے۔ اب بتائیے کہ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ اب بھی ضروریاتِ دین سیکھنے کو شرم و عار سمجھے، کیا وہ مسلمان کہلانے کا حق دار ہے یا نہ؟ اگر خدانخواستہ اس حالت میں مر جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہ؟

الجواب ایک عامی شخص سے ضروریاتِ دین کا سوال اس طرح سے کرنا غلط ہے۔ خواہ مخواہ اسے کافر بنانے کی کوشش کرنا درست نہیں۔ سوال کی یہ صورت ہونی چاہئے کہ کیا تمہارا دین اسلام ہے؟ کیا تمہارے پیغمبر کا نام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے؟ الخ اگر وہ ان سوالات کا جواب ہاں کے ساتھ دیدے تو وہ مسلمان سمجھا جائے گا۔ لوگوں میں دین سے بے انتہاء لاپروائی ظاہر ہو رہی ہے۔ ایسے حالات میں علماء کرام کا فرض ہے کہ وہ حُسنِ تدبیر سے لوگوں تک دین پہنچاتے رہیں۔ اور ضروریاتِ دین سے انہیں روشناس کراتے رہیں۔ جن لوگوں کا دین سے لگاؤ اس حد تک ختم ہو چکا ہو تو ان کے بارے میں فتویٰ حاصل کرنے کی بجائے ضروریاتِ دین سے انہیں آگاہ فرمائیں۔

بندہ عبدالستار نائب مفتی ۸ / ۱ / ۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح: عبداللہ عفرلہٗ

حیاتِ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں عقیدہ

زید کا عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس جسمِ عنصری کے ساتھ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ صلوٰۃ و سلام پڑھنے والوں کی آواز سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اور اپنی اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں۔

اور عمرو کا یہ عقیدہ ہے کہ نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام کے جسم قبروں میں دھڑ اور پتھر ہیں نہ صلوٰۃ و سلام اپنی قبروں میں سنتے ہیں اور نہ ان میں زندگی ہے۔ اسی طرح عمرو کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اس مٹی والی قبر میں نہ سوال ہوتا ہے نہ راحت و آرام اور نہ عذاب۔ اصلی قبر علیین یا سجین میں ہے جہاں سوال و جواب، راحت و عذاب ہوتا

ہے۔ مذکورہ عقائد میں سے کون سا صحیح ہے۔

الجواب زید کا عقیدہ صحیح اور موافق حدیث ہے۔ عن ابی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا ابلغتہ الحدیث (مشکوٰۃ ص۸۶)۔

عمرو کے ہر دو عقیدے درست نہیں کیوں کہ عذاب روح اور جسد دونوں کو ہوتا ہے۔ مردہ کا قبر میں جاکر زندہ ہونا تفسیر قرآن حکیم سے ثابت ہے۔

قال اللہ تعالیٰ حکایۃ عن قولهم ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین الآیۃ فان اللہ تعالیٰ ذکر الموتۃ مرتین وهما لا تتحققان الا ان یکون فی القبر موت وحیاۃ اھ (عمدۃ القاری ج۴ ص ۱۹۱)۔ اور حضرت علامہ سید انور شاہ کاشمیری رحمہ سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۹۲)۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۹/۵/۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

علم نجوم کے بارے میں کیا اعتقاد ہونا چاہئے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ چند ایک نجومی مرد وزن ایک خطیب وعالم پہ بے بنیاد الزام لگادیں تو کیا ان کو اس طرح کرنا درست ہے۔ نیز علم نجوم کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہئے اور اس کی حقیقت شرعا کیا ہے؟ اور کاہن کی بتلائی ہوئی باتوں پر عمل کرنا اور سچا جاننا کیسا ہے؟

الجواب علم نجوم کوئی یقینی علم نہیں ہے بلکہ محض تخمین پر مبنی ہے۔ کما فی الشامیۃ عن الاحیاء ان احکام النجوم تخمین محض (ج۱ ص۴۱)۔ اور کہانت بھی اسی طرح ہے۔ پس ان علوم سے حاصل شدہ توہمات پر یقین کرنا ہرگز جائز نہیں۔ خصوصاً کسی شخص کو مجرم قرار دینے کے لئے قطعاً حجت نہیں حدیث شریف میں کاہنوں کے پاس جانے کی ممانعت آئی ہے۔

فلا تأتوا الکهان فی حدیث طویل اخرجہ مسلم۔ نیز ارشاد فرمایا من اتی عرافا فسئلہ عن شئ لم یقبل لہ صلوٰۃ اربعین لیلۃ۔ (مشکوٰۃ، ج۲، ص۳۹۳)۔

اور علم نجوم کی ممانعت بھی حدیث میں ہے۔

من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبۃ من السحر رواہ احمد وابوداؤد۔

نیز حضرات فقہاء نے بھی اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ چنانچہ شامی فرماتے ہیں ثم تعلم مقدار

مایعرف به مواقیت الصلوٰة والقبلة لا بأس به الخ وافاد ان تعلم الزائد علی هذا المقدار فیه بأس بل صرح فی الفصول بحرمته ۔ (ج ۱ ص ۲۱) فقط۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔ ۲۷/۱۲/۱۳۸۵ھ

بسم اللہ سے استمداد بغیر اللہ کے جواز پر استدلال جہالت ہے

ہمارے محلہ کی مسجد کے خطیب درس قرآن کریم دیتے ہوئے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی تشریح کرتے وقت فرماتے ہیں کہ " اسم " اور " اللہ " علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں " اللہ " تو اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے ۔ اور " اسم " غیر اللہ ہے ۔ کیونکہ قرآن میں شروع کرتے وقت " اسم " یعنی غیر اللہ کا ذکر آیا ہے اس سے مسئلہ استنباط کیا جاتا ہے کہ غیر اللہ یعنی اولیاء سے استمداد کرنا یعنی مدد مانگنا شرعاً جائز ہے ۔ اور یہ تفسیروں سے ثابت ہے ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو نیک انسان سمجھ کر مدد طلب کی جاتی ہے ۔ نہ اللہ سمجھتے ہوئے ۔ ان کے فرمان کے مطابق یہ اہل سنت والجماعت کا صحیح مسلک ہے یا نہیں ۔ فقط۔

الجواب خطیب کا استدلال غلط ہے ۔ اسم الٰہی سے استعانت پر غیر اللہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔ خصوصاً جب کہ صریح آیت سورۃ فاتحہ میں موجود ہے ۔ ایاك نعبد و ایاك نستعین خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں " یہ ترجمہ تمام تفاسیر و تراجم میں موجود ہے ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہئے ۔ اور اللہ ہی سے مدد لی جائے ۔ حدیث میں وارد ہے ۔ اذا استعنت فاستعن باللہ ۔ جب تو مدد چاہے تو اللہ سے چاہ ۔ باقی رہے بزرگان دین اور اولیاء عظام ۔ تو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی ضروری ہے ۔ اور ان کے طریق پر چلنے میں کامیابی ہے ۔ اور اس میں ان کے لئے بھی اجر و ثواب ہے ۔ اور ان کی عبادت و پرستش کرنا اور ان کو خدائی درجہ دینا سراسر ظلم و جہالت ہے ۔ اس میں بزرگوں کو بجائے خوشنودی ، ناراضگی ہوتی ہے ۔ زندہ پیروں اور بزرگوں سے دعائیں منگوانی چاہئیں ۔ اور جو وفات پا چکے ہیں ان کے توسل سے دعاء مانگنے میں کوئی حرج نہیں ۔ مثلاً یوں کہے کہ اے اللہ بطفیل فلاں ولی کے مجھے اولاد دے ، یا میرا کام بنادے ۔ خود بزرگ کو خطاب کر کے کہنا کہ تو میرا کام کردے ، شرکیہ فعل ہے ۔
بسم اللہ میں جو لفظ اسم ہے اس سے مراد اللہ ہی ہے غیر اللہ نہیں ۔ کیونکہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں بھی آیا ہے ۔ جیسے سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلٰی ۔ کتب عقائد اہل السنۃ والجماعۃ میں صاف لکھا ہے ۔ ولیس الاسم غیر المسمی الخ (بدء الامالی) ۔ جو شخص اس کو غیر اللہ کہتا ہے وہ علم دین سے بالکل جاہل

معلوم ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ ایسا آدمی جب تک تائب نہ ہو امامت کے قابل نہیں۔

فقط واللہ اعلم — بندہ محمد عبداللہ عفرلہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان ۲۳/۶/۱۳۷۵ھ

معراج میں رؤیت باری کے بارے میں علماء دیوبند کا مسلک

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں صرف قرآن و حدیث کا مقلد ہوں اور کسی مفتی کا فتویٰ میرے لئے حجت نہیں ہے، اس شخص کا کیا حکم ہے؟

۲: معراج میں رؤیتِ باری تعالیٰ کے متعلق علماءِ احناف رح کا کیا مسلک ہے۔ کیا حضور علیہ السلام نے رؤیتِ باری تعالیٰ کا شرف حاصل کیا یا صرف حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا۔ جو شخص مطلق رؤیتِ باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کا کیا حکم ہے؟ احناف کا تو یہی مسلک ہے لیکن میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مسلم والی روایت کافی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جو رؤیت کا قائل ہو وہ اعظم الفریۃ کا مصداق ہے۔

۳: مولانا نانوتوی رح، مولانا تھانوی رح، مولانا شیخ الہند رح، مولانا حسین احمد مدنی رح، مولانا انور شاہ کشمیری رح، مولانا احمد علی لاہوری رح و دیگر علماء حاضرہ رؤیتِ باری تعالیٰ کے قائل ہیں یا منکر؟

الجواب اس مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رؤیت کا انکار کرتے ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت ثبوتِ رؤیت کی قائل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔

قال أتعجبون ان تکون الخلۃ لابراھیم والکلام لموسیٰ والرؤیۃ لمحمد

اخرجہ النسائی وابن خزیمۃ -

اختلافِ صحابہ رض کی بناء پر بعض محققین جمع کے قائل ہوئے ہیں کہ رؤیت سے مراد رؤیت قلبی ہے۔ اور نفی سے مراد رؤیتِ بصری کی نفی ہے، گویا رؤیتِ قلبی ہوئی ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت نے توقف کا قول کیا ہے۔

وقد رجح القرطبی فی المفھم قول الوقف فی ھذہ المسئلۃ وعزاہ الی جماعۃ من المحققین۔ (فتح الملھم: ج ۱: ص ۳۳۸)۔

اور امام احمد وغیرہ ترجیح اثبات کے قائل ہیں۔ کما فی الفتح الملھم۔ تفصیلِ بالا کے پیش نظر مناسب ہے کہ اس میں نزاع نہ کیا جائے۔

علامہ سید انور شاہ کشمیری رح بظاہر رؤیت کے قائل ہیں ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ کے بارے

میں رقمطراز ہیں۔

هذه ایضا شاملة للرؤیتین اما رویة جبرائیل فظاهر واما رؤیة الله تعالی فلانها لاتکون الابدنو منه تعالی اهـ وایضا نقل المروزی اخرجه احمد واسناده قوی ۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دیگر مشائخ کا بھی یہی مسلک ہوگا۔ تلاش کرنے پر تصریحات بھی مل سکتی ہیں۔

فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ خیر المدارس ملتان ۱۳۹۴/۹/۲ھ

من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے خلافتِ بلافصل کے استدلال کا جواب

بعض اہلِ تشیع آنحضرت علیہ السلام کے اس ارشاد من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت پر استدلال کرتے ہیں۔ اس بارے میں وضاحت فرماویں کہ یہ استدلال کس حد تک درست ہے؟

الجواب اس حدیث کے سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اس کا مفصل واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جب حضور علیہ السلام حجۃ الوداع سے واپس ہوئے تو راستہ میں حضرت بریدہ اسلمی نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کچھ شکایت کی۔ تو آپؐ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان غدیر خم کے مقام پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ

> میں بشر ہوں ممکن ہے کہ عنقریب میرے پروردگار کی طرف سے کوئی قاصد مجھے بلانے کے لئے آجائے (مراد قرب زمانہ وفات ہے) بعد ازاں اہلِ بیت کی محبت کی تاکید فرمائی اور حضرت علی رضی کی نسبت فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا میں دوست ہوں علی رض بھی اس کا دوست ہے۔

خطبہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مبارکباد دی اور حضرت بریدہ اسلمیؓ کا قلب بھی صاف ہو گیا۔

اس خطبہ سے حضور علیہ السلام کا مقصود یہ بتلانا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب بندہ ہیں ان سے اور میرے اہلِ بیت سے محبت رکھنا مقتضائے ایمان ہے۔ اور ان سے بغض و عداوت نفرت و کدورت، سراسر مقتضائے ایمان کے خلاف ہے۔ حدیث کا مقصد صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے محبت کا وجوب بتلانا ہے۔ امامت اور خلافت سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات اہل علم حضرات سے ڈھکی چھپی نہیں کہ محبت اور چیز ہے اور خلافت اور چیز۔ محبت اور خلافت میں تلازم نہیں کہ جس سے محبت ہو وہ خلیفہ بلافصل بھی ہو۔

محبت تو والدین، اولاد، سب دوستوں سے ہوتی ہے تو کیا سب خلیفہ ہو جائیں گے؟ حضرت عباس رضؓ حضرت فاطمہ رضؓ حضرت حسین رضؓ اور حضرت حسن رضؓ سب آپ کے نورِ لبصر اور محبوب نظر تھے۔ اگر محبت دلیل خلافت ہے تو حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ پہلے خلیفہ ہونے چاہئیں۔ بلکہ اگر قرب قرابت پر نظر کی جائے اور قرب قرابت پر دار و مدار رکھا جائے تو اس لحاظ سے تو حضرت فاطمۃ الزہرار رضی اللہ تعالیٰ عنہا مقدم ہیں۔ پھر حضرت حسن رضؓ پھر حضرت حسین رضؓ پھر حضرت علی رضؓ اس لحاظ سے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ چہارم ہی بنتے ہیں۔ اگر اہلِ سنت نے آپ کو خلیفہ چہارم بنایا ہے تو شکوہ کیوں ہے؟

نیز جب آپؐ نے غدیر خم میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا، اس وقت اہلِ بیت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی موجود تھے۔ کسی نے بھی اس جملے کا مطلب یہ نہیں لیا کہ آپؐ کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ خلیفہ بلافصل ہوں گے، اس واقعہ کے دو ماہ بعد آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات حسرت آیات ہوئی۔ اور سقیفہ بنی ساعدہؓ کے مقام پر مسئلہ خلافت زیرِ بحث آیا جس میں وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی موجود تھے جو غدیر خم کے اس خطبہ مبارک میں موجود تھے کسی نے بھی اس حدیث کو خلافت علی بلا فصل پر مستدل نہیں بنایا۔ اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور نہ ہی حضرت عباس رضؓ اور بنی ہاشم میں سے کسی نے اس حدیث کو حضرت علی رضؓ کی خلافت بلافصل پر پیش کیا۔ الحمد للہ تمام اہل سنت بہزار دل وجان اہلِ بیت رضؓ کی محبت کو اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں۔ مگر شیعوں کی طرح ایسے بے عقل بھی نہیں کہ محبت کو دلیلِ خلافت بلا فصل سمجھنے لگیں۔ محبت تو اہل بیت رضؓ کے ہر فرد سے لازم ہے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ رسولِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قریبی رشتہ داروں کو خلیفہ بلافصل بنالیں گے فافہم۔ فقط واللہ اعلم۔

عبد المصطفےٰ نام رکھنا جائز نہیں زید کہتا ہے کہ عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ نام رکھنا کفر و شرک ہے اور اس کے ثبوت میں بہشتی زیور اور فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ پیش کرتا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ یہ نام رکھنا جائز ہے۔ کس کی بات صحیح ہے؟

الجواب مذکورہ نام رکھنے جائز نہیں۔ ویؤخذ من قولہ ولا عبد فلان منع التسمیۃ بعبد النبی الی قولہ والاکثر علی المنع خشیۃ اعتقاد

حقیقۃ العبودیۃ کما لا یجوز عبد الدار۔ اھ (شامیہ ج ۵ ص ۲۷۷)۔

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۷/۱/۱۳۹۹ھ

۱۳/ صفر کو سفر کرنا شرع محمدی کے مطابق صفر المظفر کی تیرہ (۱۳) تاریخ کو گھر سے باہر جانا منع ہے یا نہیں ؟

الجواب ماہِ صفر کی تیرہ تاریخ کو سفر جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ بندہ محمد صدیق عفرلہٗ

قرآن وحدیث وفقہ کہیں سے بھی یہ ثابت نہیں کہ تیرہ صفر کو سفرنا جائز ہے۔ ومن ادعیٰ فعلیہ البیان۔ والجواب صحیح ؛

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان۔ ۲۱/ محرم ۱۳۷۶ھ

ارتداد کی وجہ سے مال ملک سے نکل جاتا ہے کیا فرماتے ہیں علماءِ دین دریں مسئلہ کہ میرا بیٹا اور اس کی بیوی دونوں قادیانی (مرتد) ہوگئے ہیں اور اپنے قادیانی ہونے کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ کیا وہ اپنے ورثاء کے مال کے وارث ہوسکتے ہیں ؟ اس کی بیوی کا جہیز اور سامان میرے پاس ہے۔ اس کا وارث کون ہے۔ میں اپنے لڑکے سے اس حالت میں تعلق رکھ سکتا ہوں یا نہیں ؟

الجواب ؛ تنبیہاً ان سے رشتہ نہ رکھیں۔ ؛ مرتد رہتے ہوئے جائداد کے وارث نہیں ہوسکتے ؛ ہردو کی ملکیت اپنے مملوکہ اموال سے زائل ہوچکی ہے۔ اگر وہ اسلام لے آئیں تو دوبارہ لے سکتے ہیں۔ اور اگر معاذ اللہ ان کا اس میں انتقال ہو جائے تو ان کا مال ہردو کے ورثاء کو منتقل ہو جائے گا۔

ویزول ملك للمرتد عن ملكه زوالا موقوفاً فان اسلم عاد ملكه و ان مات او قتل على ردته ورث كسب اسلامه وارثه المسلم (شامیہ ج ۳ ص ۳۰۳)

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۵/ ۹/ ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مرزائیت سے توبہ کیلئے مرزا غلام احمد کو جھوٹا کہنا ضروری ہے مسمی مشتاق احمد جو مرزائی جماعت سے تعلق رکھتا ہے وہ پچاس کلمہ گو مسلمانوں کی موجودگی میں میرے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ اور اس نے یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ لعنتی ہے۔ اس نے مرزا قادیانی کا نام لے کر کافر یا لعنتی نہیں کہا۔ اب شہر میں کچھ لوگ ہیں جن کا موقف یہ ہے کہ یہ آدمی مسلمان نہیں ہوا۔ کیوں کہ اس نے مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر نہیں کہا۔ صرف مدعیٔ نبوت کو لعنتی کہا ہے۔ جب کہ لاہوری مرزائیوں کے نزدیک مرزا قادیانی مدعیٔ نبوت ہی نہیں تھا جب تک یہ مرزا غلام احمد کا

نام لے کر اس کو کافر، مرتد، لعنتی نہ کہے اور اس کے پیروکار دونوں جماعتوں لاہوری اور قادیانی کو کافر نہ کہے تو یہ مسلمان نہیں۔ اس نے دھوکا دیا ہے۔ اب آپ فرمائیں کہ یہ آدمی مسلمان ہوا ہے یا کہ نہیں؟

سائل محمد اللہ دتہ جامع مسجد شاہی لودانی، خان گڑھ۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں اس شخص سے صراحۃً مرزا غلام احمد کے بارے میں پوچھا جائے۔ اگر وہ مرزا غلام احمد اور مرزائیوں کی ہر دو جماعت کو برملا کافر اور ان کے مرتد ہونے کا اعلان کردے، اور مرزائیت اور ہر دینِ باطل سے توبہ کرے تو مسلمان سمجھا جائے ورنہ اس کا صرف اتنا کہہ دینا "کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں" اس پر مسلمان کا حکم لگانے کے لئے کافی نہیں۔

وفی الخامس بہما مع التبری عن کل دین یخالف دین الاسلام بدائع واخر کراھیۃ الدرر وحینئذ یستفسر من جھل حالہ بل عم فی الدرر اشتراط التبری من یھودی ونصرانی ومثلہ فی فتاوی المصنف۔

(درمختار ۱۴۱ ۳ ج ۳، ھشتہ)۔

اگر یہ شخص مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اسلام قبول کرلے تو بھی اسے ایک عرصہ تک کوئی دینی، اجتماعی یا انفرادی ذمہ داری نہ سونپی جائے اور اس کے بارے میں محتاط رویہ اختیار کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۴ ر ۴ ر ۰ ۷ ۱۴ ھ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

تقویۃ الایمان کیسی کتاب ہے اور اس کے مصنف سنی مسلمان تھے یا وہابی؟

"تقویۃ الایمان" کا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ اور صاحبِ تقویۃ الایمان کو کافر اور بے دین کہنا درست ہے یا نہیں؟ اور صاحبِ مذکور سنی مسلمان تھے یا وہابی؟

الجواب "تقویۃ الایمان" کے مضامین کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں۔ کتاب کا اکثر حصہ آیات و احادیث کے تراجم اور ان کی تشریحات پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس کا مطالعہ کرنا اور اس پر عمل کرنا بہت مفید ہے۔ صاحبِ تقویۃ الایمان پکے اور سچے مسلمان تھے ان کے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کے مطابق اور صحیح تھے۔ چنانچہ علامہ قاری عبد الرحمٰن پانی پتی "کشف الحجاب" میں لکھتے ہیں کہ

"مولانا اسمٰعیل شہید رح امام ابو حنیفہ رح کے مقلد اور حنفی سنی تھے"

لہٰذا مولانا موصوف رح کو وہابی یا بددین کہنا غلط اور کہنے والے کے لئے موجبِ خسران ہے۔ فقط

واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۵؍۱۰؍۱؍۱۳۷۱ھ
الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔

"شیخ احمد کا وصیت نامہ" فرضی ہے اور اسے نفع و ضرر میں کوئی دخل نہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ زید نے عمرو کو ایک تحریر دی جو ہو بہو نقل کی جاتی ہے۔

"بشارت"۔ مدینہ منورہ میں ایک شخص کو بشارت ہوئی کہ قیامت آنے والی ہے نماز قائم کرو، عورتیں پردہ کریں۔ جس شخص کو یہ خط ملے وہ بیس خط ملا کر تقسیم کرے اسے بارہ دن کے اندر اندر خوشی ہوگی۔ ایک شخص نے انکار کیا۔ اس کا لڑکا فوت ہوگیا۔ اس شخص نے بیس خط ملا کر تقسیم کئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے خوشی عطا فرمائی۔ اسے ہزار روپے ملے۔ خط چار دن کے اندر اندر تقسیم کر دے۔" عمرو اس تحریر کی حقیقت جاننا چاہتا ہے۔

الجواب اس قسم کی تحریریں وقتاً فوقتاً معمولی رد و بدل کے ساتھ شائع ہوتی رہتی ہیں مگر یہ غلط محض ہیں۔ ان پر یقین کرنا جہالت ہے۔ انہیں صحیح سمجھنا بے وقوفی ہے۔ اور ایسی باتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا شدید ترین گناہ ہے۔ اس کی اشاعت کرنا سخت گناہ ہے۔ قیامت کا صحیح علم صرف اللہ کو معلوم ہے۔ اس کی اشاعت یا عدم اشاعت کو نفع و نقصان میں دخل انداز سمجھنا محض ضلالت ہے۔ دنیا میں خوشی و غم، تقدیر کے تحت پہنچتے ہیں یہی ایمان رکھنا چاہئے۔ رہا نماز قائم کرنا یا پردہ کرنا تو یہ حکم شریعت میں پہلے سے موجود ہے۔ اس پر ضرور عمل کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲؍۲؍۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

نئے مکان کی بنیاد میں جانور کا خون ڈالنا ہندوانہ رسم ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک آدمی نیا مکان تعمیر کراتا ہے تو بنیاد رکھتے وقت بکرا ذبح کرکے اس کا خون بنیاد میں ڈالتا ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب شریعت مطہرہ میں اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ایسا کرنا اور اسے مکان کی حفاظت میں مؤثر سمجھنا گناہ اور بد اعتقادی ہے۔ ایسا فعل ہندوانہ نظریات سے ماخوذ ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مؤمن ہونا قطعیات سے ہے

بخدمت جناب حضرت علامہ مفتی اعظم صاحب مدرسہ خیر المدارس

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ بعض لوگ حضرات علمائے عظام دیوبند کو مثلاً حضرت علامہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور دیگر تمام ان حضرات کے متعلقین و معتقدین سب کو بدعقیدہ و بدمذہب حتی کہ کافر بھی کہتے اور لکھتے ہیں۔

کیا ان لوگوں مثلاً بریلوی مسلک کے اور ان کے معتقدین کے ساتھ تعلق مناکحت وغیرہ کرنا اور رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کئی جگہ سنا ہے کہ علماء حقہ کو بدعقیدہ و بدمذہب یا کافر کہنے یا لکھنے والوں کیساتھ تعلق مناکحت وغیرہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

اب طلب مسئلہ یہ ہے کہ بریلوی مسلک والے علماء حضرات اور ان کے معتقدین کے ساتھ تعلق مناکحت وغیرہ رکھنا و کرنا کیسا ہے جائز ہے یا نہیں؟ بالدلیل جواب عنایت فرماویں۔

۲: خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ایمان قطعی ہے یا ظنی؟ جو قطعی نہ مانے اس پر شرعی حکم کیا ہے؟ مدلل جواب سے مستفید فرماویں۔

الجواب

۱: حضرات علماء دیوبند اکابر سے اصاغر تک اپنی تصانیف و تقاریر میں ہمیشہ یہ اعلان کرتے رہے ہیں کہ ہمارے عقائد وہی ہیں جو کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان، اور تابعین اور ائمہ دین کے رہے ہیں۔ تمام علماء حقہ کے عقائد میں کوئی عقیدہ ان کے مخالف نہیں۔ اور یہی سبق دار العلوم دیوبند میں تمام طلبہ کو دیا جاتا ہے اور وہی کتب عقائد اہل السنۃ والجماعۃ والی پڑھائی جاتی ہیں۔ جس کسی نے اس کے خلاف ان کی طرف منسوب کیا ہے یا ان کی عبارتوں کو تحریف کر کے ان پر الزام لگایا ہے وہ سب افترائے محض ہے ہم اور ہمارے اکابر اس سے بری ہیں۔

رسالہ "المہند علی المفند" وغیرہ میں ان تمام حضرات کے عقائد دربارہ مسائل مختلف فیہا خود انہی حضرات کے ذکر کئے گئے ہیں۔ جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضرات تمام اعتقادات میں جمہور امت و سلف الصالحین کے مطابق ہیں۔ ان کی تکفیر کرنا درحقیقت تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تکفیر کرنا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ، فاسق سے فاسق مسلمان کو بھی ایسے اتہامات کی بناء پر کافر کہنا حرام ہے جن اتہامات کو ان حضرات مکفرین نے اس جماعت صلحاء و فرشتہ صفت انسانوں پر عائد کیا ہے اور پھر یہ حضرات تو علم و عمل، حب خدا اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ بڑا ظالم ہے جو کہ ان حضرات پر ایسے الفاظ

استعمال کرتا ہے۔

(فتاوٰی دارالعلوم دیوبند : ج ۵ ص ۱۳۱ ؛ امداد المفتیین)

ایسے معاند و متعصب و متعنت حضرات سے قطع تعلق اور ترکِ مناکحت میں ہی احتیاط ہے۔

۲ : خلفائے راشدین کا ایمان قطعی ہے۔ احادیثِ صحیحہ کثیرہ اور اجماعِ امت سلفاً و خلفاً ان کے ایمان کی واضح دلیل ہے۔ ان کے ایمان کا منکر کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ فقہائے کرام نے حضراتِ شیخین کو گالی دینے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے۔

الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنھما والعیاذ باللہ فھو کافر...

من انکر امامۃ ابی بکرؓ فھو کافر ..... وکذالک من انکر خلافۃ

عمرؓ فی الاصح کذا فی الظھیریۃ و یجب اکفارھم باکفار عثمانؓ و علیؓ الخ

(عالمگیری ؛ ج ۲ ؛ ص ۲۸۳) واللہ اعلم۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی ایک عبارت سے علمِ غیب پر استدلال کا جواب

ایک شخص آنحضرت علیہ السلام کے علمِ محیط کلی کا مدعی ہے اور دلیل میں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔

" شدر سولِ شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت بر رتبہ متدین بدین خود کہ کدام درجہ رسیدہ۔ پس او شناسد گناہاں شمارا و نفاق شمارا و ایمان شمارا و من علومک علم اللوح والقلم ، لوحِ محفوظ کا علم آپ کے علم کا بعض حصہ ہے "

نیز وہ کہتا ہے کہ

" رطب و یابس پتہ پتہ ہر چیز کا ما کان و ما یکون کا علم باعطائے رب تعالٰی آپ کو حاصل ہے ہر گل و ہر شجر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے۔ اور جو شخص حاضر و ناظر نہ سمجھے وہ مردود ہے خارج از اسلام اور گمراہ ہے "

کیا یہ درست ہے ؟ براہِ کرم آپ حضور علیہ السلام کے علمِ غیب اور مسئلہ حاضر و ناظر پر تفصیل سے روشنی ڈالیں ؟

الجواب زید کے یہ خیالات وعقائد اہل السنۃ کے خلاف ہیں۔ سلف صالحین، ائمہ اربعہ (امام اعظم و امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ومن بعدہم کسی امام و مجتہد و بزرگ و عالم ربانی کے یہ عقائد نہیں ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ خیر اور ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ عقائد سلف صالحین کا اتباع کرے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ کی فقہ اکبر۔ اور امام طحاوی رح کی کتاب عقیدہ طحاوی اس باب میں بے نظیر ہیں۔ ان کتابوں میں ایسے عقائد کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ اس لئے یہ عقائد شریعت کے خلاف ہیں۔

باقی جو عبارتیں سائل نے پیش کی ہیں ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم الغیب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ پہلی عبارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز قیامت امت کے اوپر شاہد اور گواہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ آنحضرت علیہ السلام قیامت کے روز نور نبوت سے ہر مؤمن کے درجہ ایمانی کو پہچان کر اس کے حق میں گواہی دیں گے۔ کلام دہلوی رح سے تمام ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ اور پتہ پتہ پر محیط ہونا اور حاضر ہونا کہاں سے ثابت ہوتا ہے؟

اور من علومك علم اللوح والقلم میں علوم احکام شرائع مراد ہیں نہ کہ ریت کے ذرات اور سمندر کے قطرات اور درختوں کے پتہ جات۔ اور قرینہ اس پر وہ نصوص قرآنیہ صریحہ ہیں جن میں علم غیب کلی کو اللہ تعالیٰ کا خاصہ فرمایا گیا ہے۔ اس لئے ایسے اشعار کی تاویل کرنا اور ان کو قرآن مجید کے موافق بنانا زیادہ اسہل ہے بہ نسبت اس امر کے کہ آیات قرآنیہ میں تاویل کی جائے۔

حدیث جبریل علیہ السلام جو مشکوٰۃ شریف کے ابتداء میں مذکور ہے۔ اس میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے قیامت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے صاف اور صریح جواب دیا ما المسئول عنها با علم من السائل کہ قیامت کا علم کہ وہ کس سن اور تاریخ میں قائم کی جائے گی، نہ تجھے معلوم ہے اور نہ مجھے۔

پھر فرمایا۔ في خمس لا يعلمهن الا الله کہ قیامت کا علم ان علوم خمسہ میں داخل ہے جنہیں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ان الله عنده علم الساعة الخ

غور فرمایئے کہ ایسی صریح آیات و حدیث کے ہوتے ہوئے ایک ایسی بات پر اصرار کرنا کہاں جائز ہے کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی رفعت شان بھی نہیں ہے۔ یعنی درختوں کے پتوں کی تعداد اور ریت کے ذرات کی تعداد یا سمندر اور دریاؤں کے قطرات کا علم اگر آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطۂ علمی سے باہر ہو تو اس میں آپ کی کوئی کسر شان بھی نہیں ہے۔ بلکہ بعض علوم ایسے ہیں جن سے پاک ہونا اور آپ

کو بری اور منزہ ماننا ضروری ہے۔

مثلاً جادوگری، شعبدہ بازی، طلسمات، مسمریزم کے غلط قسم کے علوم، اور دھوکہ اور فریب دہی کے ڈھنگ اور چالیں، اور آج کل جو موسیقی اور ناچ، گانے کے علوم یورپ میں باقاعدگی سے سکھائے جاتے ہیں۔ کیا ایسے علوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اعلیٰ وارفع کے لائق ہیں؟ ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف فرمادیا ہے وما علمناه الشعر وما ینبغی له ہم نے آنحضرت کو علم شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی وہ آپ کے لائق ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایسے علوم بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور بلندیٔ مقام کے موافق نہیں ہیں۔ ان علوم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پاک کہنا ضروری ولازم ہے۔

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام علوم کلی وجزئی کا عالم مانتا ہے وہ ان علوم باطلہ محرمہ قبیحہ کی نسبت آپ کی طرف کس طرح کرے گا؟ کیا ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہ ہوگی؟

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ خادم الافتاء خیرالمدارس ملتان ۲۹/۱۱/۱۳۷۲ھ

قبر میں سوال وجواب اسی امت کے ساتھ خاص ہے

پہلی امتوں سے بھی قبر دل میں سوال وجواب ہوتا تھا یا نہیں؟

الجواب اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن قیم رح نے کہا ہے کہ یہ سوال وجواب عام ہے اس امت کے ساتھ خاص نہیں۔

وقال ابن القیم رح السوال عام للامت وغیرها ولیس فی الاحادیث ما یدل علی الاختصاص۔ (نیل الاوطار: ج ۴ ص ۷۷)

علامہ شامی رح نے راجح قول یہ نقل کیا ہے کہ یہ سوال وجواب اس امت کے ساتھ خاص ہیں۔

ونقل العلقمی فی شرحه علی الجامع الصغیر ان الراجح ایضا اختصاص السوال بهذه الامة خلافا لما استظهره ونقل ایضا عن الحافظ ابن حجر العسقلانی رح ان الذی یظهر اختصاص السوال بالمکلف وقال وتبعه علیه شیخنا الحافظ السیوطی۔ (شامی ج ۱ ص ۵۷۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ✽-✽-✽ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

انبیاء کرام علیہم السلام اور مسلمان نابالغ بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کے چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال وجواب ہوگا یا نہیں؟ اور کفار کے بچوں کے بارہ میں بھی وضاحت فرمائیں۔ صوفی محرم خان اٹک

الجواب نابالغ مسلم بچوں اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا اور کفار کے بچوں کے بارہ میں علمائے کرام نے توقف کیا ہے۔ کذا فی الشامیۃ۔

والاصح ان الانبیاء لا یسئلون ولا اطفال المؤمنین وتوقف الامام فی اطفال المشرکین اھ (ج ۱، ص ۷۹۸) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰، ۳، ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

موہم شرک اشعار کا مٹانا ضروری ہے

ہمارے چک نمبر ۱۰۵ ایف کی مسجد پر یہ شعر لکھا ہوا ہے؟

کرم کی مہربانی کی آس ہے، ہم سب کو
خدا سے مصطفےٰ سے، غوث سے، احمد رضا خان سے

جناب عالی یہ شعر ٹھیک ہے یا نہیں؟ — قاری محمد ابراہیم جامع مسجد چشتیاں

الجواب یہ شعر موہم شرک ہے اس کو مٹانا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۶، ۸، ۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ

عملیات سے معلوم کر کے کسی کو مجرم سمجھنا

چوری دریافت کرنے کے سلسلہ میں بعض لوگ عملیات کرتے ہیں اور بتا دیتے ہیں کہ فلاں چور ہے۔ کیا شرعاً اس آدمی پر چوری کا حکم لگا سکتے ہیں؟ اور ان عملیات کی حقیقت بھی واضح فرمائیں؟

الجواب ان عملیات کے ذریعہ کسی کو واقعۃً چور سمجھنا جائز نہیں۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک بالکل ناجائز ہیں۔ اس لئے کہ عوام حد احتیاط سے آگے بڑھ جاتے ہیں

امداد الفتاوی ، ج ۴، ص ۸۷

ان عملیات کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ جس کا نام معلوم ہو اس کی دوسرے ذرائع شرعیہ سے تحقیق وتفتیش

کی جائے۔ لیکن چونکہ عوام اسی کو واقعۃً چور سمجھ لیتے ہیں لہذا ایسے عمل کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۷، ۵، ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

استہزاءً مجلس علم کی نقل اتارنا کفر ہے

زید نے اپنے لڑکے کی شادی کی بہت سا سامان اکٹھا کیا۔ ڈوم مراثی ، نٹ وغیرہ بلائے۔ نیز بے ریش لڑکوں کو بلا کر انہیں زنانہ کپڑے پہنائے اور ڈانس کروایا۔ پھر ایک غنڈہ بلا کر اس کو نقلی داڑھی لگائی گئی۔ اور داڑھی کو بار بار نوچا گیا۔ پھر اسے اونچی جگہ بٹھا کر اس سے مسائل پوچھے گئے اور مذاق اڑایا گیا۔ ایسا کرنے والے اور دیکھنے والے مسلمان رہے یا نہیں ؟

الجواب مذکورہ فعل کرنے والے اور اسے پسندیدگی و رضا سے دیکھنے والے سخت ترین مجرم ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ مجمع عام کے سامنے کلمہ پڑھ کر توبہ کریں اور تجدید نکاح کریں اور اگر ایسا نہ کریں تو ان سے کسی قسم کے تعلقات نہ رکھے جائیں۔

قال فی الاشباہ الاستہزاء بالعلم والعلماء کفر وعن منیۃ المفتی تخفیف العلم والعلماء کفر وعن الخزانۃ من اذل العلماء ینفی من البلد بعد تجدید الایمان وعن مجموع النوازل اہانۃ علماء الدین کفر۔ اھ (بریقہ محمودیہ ، ج ۳)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : محمد شریف عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

کفر و الحاد کا داعی واجب القتل ہے

زید یہ کہتا ہے کہ

۱ : خدا کا کوئی وجود نہیں۔ خدا کا وجود ایک بکواس ہے۔

۲ : محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شہوت پرست انسان تھا جس نے ایک نہیں نو عورتوں سے شادی کی تھی۔

۳ : قرآن صرف دو ہڑوں اور گاندوں کی کتاب ہے۔

۴ : قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا گھڑا ہوا ہے۔ یہ کوئی الہامی کتاب نہیں۔

۵ : امام حسین (رضی اللہ عنہ) صرف اقتدار کا بھوکا تھا۔ یزید نے اس کے ساتھ بالکل ٹھیک سلوک کیا تھا۔

وگرنہ وہ بھی اپنے نانا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح دنیا میں فساد پھیلاتا۔

۶ ؛ نماز وقت کا ضیاع ہے۔ روزہ انسان کو بھوکا مارنے والا ایک عمل ہے، زکوٰۃ سرمایہ دار کو تحفظ دینے والا ایک نظام ہے۔ حج کو ممنوع قرار دے کر اس پر خرچ ہونے والی رقم کو غریبوں میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔

۷ ؛ سیدنا حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہن کی گالی دے کر کہا کہ وہ ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرتا رہا، اس سے تو اس کا بیٹا بھی مسلمان نہ ہو سکا۔ کیوں کہ اس کا بیٹا ایک پختہ کا مرتد تھا۔

۸ ؛ اسلام ایک چودہ سو سال پرانا اور فرسودہ مذہب ہے اس سے نجات حاصل کرنی چاہیئے۔

۹ ؛ سگی بہن سے نکاح جائز ہے۔ کیوں کہ وہ بھی تو ایک عورت ہے۔

۱۰ ؛ ہم سب انسان بشمول انبیاء بندروں کی اولاد ہیں۔

◎

۱ ؛ قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی رُو سے مسلمان معاشرہ میں زید مذکور کی کیا حیثیت ہے مرتد یا کافر؟

۲ ؛ کافر یا مرتد ہو جانے کی شکل میں اس کی شرعی سزا کیا ہے؟

۳ ؛ اگر وہ اعتراف جرم کر کے توبہ کر لے۔ اور از سرِ نو کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنے ایمان کی تجدید کر لے اور اپنے مذکورہ بالا خیالات کا بطلان کرے تو کیا یہ بات قابلِ قبول ہوگی؟

۴ ؛ کیا مدعی اور گواہان جن کی درخواست پر اسے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا ہے وہ اسے معاف کر دینے کے مجاز ہیں؟

۵ ؛ جب کہ مدعی اور گواہانِ واقعہ نے اپنے خدا سے یہ عہد کیا ہو کہ وہ زید مذکور کو اس گستاخی اور دریدہ دہنی کی قانون رائج الوقت کے مطابق سزا دلوانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اور اپنے بیانات میں اخفاء کے واقعات کی غرض سے کسی قسم کی سفارش، تحریص یا دھمکی میں آکر کتمانِ حق کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ تو کیا اب جذبۂ ترحم کے تحت مدعی اور گواہان غلط بیانی کرنے کے شرعاً مجاز ہیں؟

۶ ؛ الیف، آئی، آر۔ کے اندراج سے قبل زید مذکور نے اعتراف جرم کرنے، معافی مانگنے اور توبہ کرنے کے ارادے سے کچھ مہلت طلب کی تھی۔ لیکن اس نے اس مہلت سے کوئی استفادہ نہیں کیا۔ بالآخر وہ گرفتار ہو کر جیل پہنچ گیا۔ کیا اس صورت میں وہ کسی مزید مہلت کا شرعاً حقدار ہے؟

۷ ؛ اس قسم کے متمرد مجرم سے ہم چوں قسم کی دریدہ دہنی سے باز رہنے کے لئے کون سی قابل اعتماد ضمانت لی جا سکتی ہے؟ نیز ہم چوں قسم کی ضمانت پیش کرنے کے باوجود بھی وہ اس شنیع جرم

کا اعادہ کرے تو اس کے ساتھ شرعاً کیا برتاؤ ہوگا ؟

۸ : زید مذکور بر سر عام ہوٹلوں پر اس کی مثل باتیں کرتا ہے۔ نیز خلافِ اسلام ملحدین کی کتابیں نوجوانوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اور نجی محفلوں میں مباحثے کرتا ہے

نوٹ :۔ اپنے فتوے کے مختصر حوالہ جات کتاب کا نام، باب صفحہ اور یہ کہ کتاب کہاں کی مطبوعہ ہے تحریر کرکے ممنون فرمائیں۔

المستفتی : محمد عبداللہ حنیف مہتمم مدرسہ تفہیم القرآن حاجی پور راجن پور

الجواب

۱ : قرآن وسنت، اجماعِ امت اور اسلامی فقہ کی رو سے زید اپنے مذکورہ اقوال مثلاً انکارِ خدا، سبِ رسول، تکذیبِ قرآن، استخفاف بالدین، اور انکارِ ضروریاتِ دین وغیرہ کی وجہ سے کافر و مرتد ہے۔ مذکورہ امور کا موجبِ کفر ہونا محتاجِ دلیل نہیں۔

مرتد کی سزا از روئے قرآن وحدیث تعامل صحابہؓ و اجماع امت قتل ہے

مرتد کی سزا قرآن حکیم سے

قال اللہ تعالیٰ : ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعدلھم عذابا مھینا الآیۃ

قال اللہ تعالیٰ : والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم۔

وقال اللہ تعالیٰ : ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا الآیۃ

فھذہ الآیات تدل علی کفرہ وقتلہ۔ اھ (تنبیہ الولاۃ، ص ۳۱۷)

مرتد کا حکم از روئے حدیث

عن عکرمۃ قال اتی علی بزنادقۃ فاحرقھم فبلغ ذالک ابن عباس فقال لو کنت انا لم احرقھم لنھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعذبوا بعذاب اللہ ولقتلتھم لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ اھ (صحیح بخاری)۔

اخرج الطبرانی من وجہ اٰخر عن ابن عباس رضؓ رفعہ من خالف دینہ دین الاسلام فاضربوا عنقہ۔ اھ (نیل الاوطار، ج ۷، ص ۱۹۱)

واخرج سعيد بن منصور عن ابراهيم قال اذا ارتد الرجل او المرءة عن الاسلام استتيبا فان تابا تركا وان ابيا قتلا ۔ اھ

(فتح الباری : ج ۱۲ ، ص ۲۲۵)

مرتد کے بارے میں تعامل صحابہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر حضور علیہ السلام نے یمن کا علاقہ تقسیم کردیا تھا۔ دونوں اپنے اپنے حلقہ میں کام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بغرض ملاقات تشریف لائے۔ دیکھا کہ ایک شخص ان کے پاس بندھا کھڑا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مرتد ہے۔ یعنی پہلے یہودیت سے اسلام لایا، پھر یہودی بن گیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رض نے حضرت معاذ رض سے کہا کہ تشریف رکھئے۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک یہ قتل نہ کردیا جائے۔ تین مرتبہ یہی گفتگو ہوئی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قضاء الله ورسوله یعنی یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے چنانچہ وہ قتل کردیا گیا۔

مرتد کے بارے میں اجماع امت کا فیصلہ

ا : وقد اتفق الائمة على ان من ارتد عن الاسلام وجب قتله وعلى ان قتل الزنديق واجب۔ اھ (میزان شعرانی ج ۲ ، ص ۱۶۵)

ب : فاما القتل فجعله عقوبة اعظم الجنايات كالجناية على الانفس فكانت عقوبة من جنسه وكالجناية على الدين بالطعن فيه والارتداد عنه وهذه الجناية اولى بالقتل۔ (اعلام الموقعين ج ۲ ، ص ۲۱۸)۔

ج : اعلم ان المرتد يقتل بالاجماع كما في تنبيه الولاة : ص ۳۱۸)۔

د : قال القاضی عياض اجمعت الامة على قتل منتقصه من المسلمين و سابه وقال ابوبكر بن المنذر اجمع عوام اهل العلم على ان من سب النبي صلى الله عليه وسلم عليه القتل وممن قال ذلك مالك بن انس والليث واحمد واسحاق وهو مذهب الشافعي قال عياض وبمثله قال ابوحنيفة واصحابه والثوری واهل الكوفة و الاوزاعی فی المسلم وقال محمد بن سحنون اجمع العلماء على ان

شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم والمنتقص لہ کافر والوعید جار علیہ بعذاب اللہ تعالی لہ ومن شك فی کفرہ وعذابہ کفر وقال ابوسلیمان الخطابی لا أعلم احدا من المسلمین اختلف فی وجوب قتلہ ام
(تنبیہ الولاۃ ، ص ۳۱۹)

۳ ، سوال کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ زید مذکور نہ صرف کافر و مرتد ہے بلکہ کفر والحاد کی علانیہ دعوت دے کر سادہ لوح عوام کے دین وایمان کو برباد کرتا رہتا ہے۔ اور ایسے مرتد، زندیق، گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور کفر و الحاد کے معروف داعی کی توبہ سزائے موت سے نجات کا سبب نہیں بن سکتی۔

الزندیق

من ینفی الباری تعالی اھ (شامیہ ج ۳ ، ص ۳۰۵)
ثم بین حکم الزندیق فقال أعلم انہ لا یخلوا اما ان یکون معروفا داعیا الی الضلال الخ والاول ای المعروف الداعی لا یخلوا من ان یتوب بالاختیار ویرجع عمافیہ قبل ان یؤخذ اولا۔ والثانی یقتل اھ (شامی : ج ۳ ، ص ۳۰۵)۔

والکافر بسبب اعتقاد السحر لا توبۃ لہ (الی قولہ) وکذا الکافر بسبب الزندقۃ لا توبۃ لہ وجعلہ فی الفتح ظاہر المذہب لکن فی حظر الخانیۃ الفتوی علی انہ اذا اخذ الساحر او الزندیق المعروف الداعی قبل توبتہ ثم تاب لم تقبل توبتہ ویقتل اھ
(الدر مختار ج ۳ ، ص ۲۹۶)

والزنادقۃ من الفلاسفۃ لا یقبل توبتھم بحال من الاحوال ویقتل بعد التوبۃ وقبلھا لانھم لم یعتقدوا بالصانع تعالی اھ (شامی ج ۳ ص ۲۹۶)
والحاصل انہ یصدق علیھم اسم الزندیق والملحد الی قولہ وبعد الظفر بھم لا تقبل توبتھم اصلاً الی قولہ لان من ظھر منہ ذلك ودعی الناس لا یصدق فیما یدعی بعد من التوبۃ ولو قبل منہ ذلك لھدموا الاسلام وأضلوا المسلمین۔ اھ (شامیۃ : ج ۳ ؛ ص ۲۹۸)۔
وقال صاحب الخلاصۃ وفی النوازل الخناق والساحر یقتلان لانھما ساعیان فی الارض بالفساد فان تابا قبل الظفر بھما قبلت توبتھما وبعد ما اخذا

لا تقبل ويقتلان كما فی قطاع الطريق وكذا الزنديق المعروف الداعی اليها ای الی مذهب الالحاد اهـ (تنبيه الولاة ، ص ۳۴)۔

وضرر الزنديق الداعی الی الالحاد اشد لان ضرره فی الدين فانه يضل ضعفة اليقين بالحاده واظهاره لهم سمة المسلمين فلهذا قتلوا كقطاع الطريق بل هؤلاء اضر۔ (تنبيه الولاة ، ص ۳۴)۔

ان الزنديق الذی يقتل ولا يقبل توبته هو المعروف بالزندقة الداعی اليها (تنبيه الولاة ۳۴)

نعم لو كان معروفا بهذا الفعل الفظيع (ای السب) داعيا الی اعتقاده الشنيع فلا شك حينئذ ولا ارتياب فی زندقته وقتله وان تاب. اهـ (تنبيه الولاة ، ۳۴)۔

قال الفقيه ابو الليث اذا تاب الساحر قبل ان يؤخذ تقبل توبته ولا يقتل وان اخذ ثم تاب لم تقبل توبته ويقتل وكذا الزنديق المعروف الداعی والفتوی علی هذا القول. اهـ (بحر الرائق ، ج ۵ ، ص ۱۳۶)۔

۴ : وہ گواہان اسے معاف نہیں کر سکتے۔ بلکہ کوئی بھی اسے معاف کرنے کا مجاز نہیں۔

۵ : ایسا کرنے پر وہ شرعاً وقانوناً مجرم ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ۔ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۹/۶/۱۴۰۷ھ

تصدیقات

۱ : الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۲ : الجواب صحیح ، بندہ محمد صدیق غفرلہ ناظم جامعہ خیر المدارس ملتان

۳ : الجواب صحیح ، محمد حنیف جالندھری مہتمم خیر المدارس ملتان

۴ : المجیب مصیب ، بندہ محمد یسین صابر غفرلہ۔ ۵ : الجواب صحیح ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۶ : اصاب من اجاب ، بندہ محمد اسحاق غفرلہ مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان

۷ : باسمہ ، زندیق داعی الی الزندقہ کی توبہ قبول نہیں۔ جب فحاشی سے باز نہیں آیا تو اب قابل معافی نہیں ، الجواب صحیح۔
شمس الحق عفی عنہ ، مہر دار الحدیث رحمانیہ ملتان۔ ۱۴۰۷ھ

۸ : صح الجواب ، عبد القادر غفرلہ دار العلوم عبیدیہ رحمانیہ ، محلہ قدیر آباد ملتان۔

۹ : ۸۶ء۔ الجواب صحیح ، مفتی غلام مصطفی رضوی ، مہر مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم کچہری روڈ ملتان۔

کے بارے میں عالم اسلام کی مرکزی اسلامی درسگاہ "دارالعلوم دیوبند" کا مکمل مدلل اور جامع فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں۔

کیا علمائے دیوبند اور جمہور اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ ہے کہ سردارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ شریف میں دنیا کی سی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں؟

الجواب

پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ مسئلہ مستفسرہ میں بزرگانِ دیوبند کا مسلک بالکل صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے۔ نیز علمائے دیوبند کی مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سہ کرر اسے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں عام وخاص میں مشہور ہیں مثلاً۔

۱: آب حیات۔ ۲: جمال قاسمی۔ ۳: النشر الطیب۔ ۴: الشہاب الثاقب۔
۵: المصالح العقلیہ۔ ۶: فیض الباری۔ ۷: المہند علی المفند۔ ۸: تسکین الصدور۔
۹: متفقہ اعلان۔ ۱۰: اور مقامِ حیات وغیر ذلک۔

پھر مسئلہ کے آخری حل اور تصفیہ کے لئے ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ بمطابق ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو راولپنڈی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی زیرِ سرپرستی فریقین کے ذمہ داروں نے درج ذیل عبارت پر بھی دستخط فرمائے ہیں۔

"وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلقِ روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ

صلوۃ و سلام سنتے ہیں "

اس صاف اور صریح عبارت پر اقراری دستخط کے باوجود اصل اور اجماعی مسئلہ سے انحراف جہاں امانت و دیانت کی دنیا میں حیرت فزا ہے وہیں باعث صد افسوس بھی ہے با فیا للعجب و یا حسرتاہ ۔
پھر یہ المیہ اس وقت مزید دوچند ہو جاتا ہے جب باہمی اتحاد و اتفاق ، عزت و احترام کے بجائے تشتت و افتراق ، نزاع و جدال اور طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار کیا جائے جو عزت نفس اور شرافت ضمیر کے قطعاً قطعاً منافی ہے ۔ فالی اللہ المشتکی ۔ خدا اصلاح اعمال کی توفیق بخشے ۔

این دعا از من واز جملہ جہان آمین باد

اس تمہید کے بعد اصل جواب ملاحظہ فرمائیں ۔

۱ ؛ جی ہاں عام اہل السنۃ والجماعۃ کا قرآن و حدیث کی روشنی میں اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، اسی طرح دیگر تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام قبروں میں اجسادِ عنصریہ کے ساتھ حیات ہیں ۔ اور یہ حیات برزخی حیات دنیوی سے کم نہیں ہے ۔ اور تلذذاً نماز و دیگر عبادات میں مشغول ہیں ۔ یہ حیات برزخی اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۂ مؤمنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے ۔

امت کا یہ اجماعی عقیدہ اصولِ شریعت کتاب و سنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے ۔ چنانچہ ادلۂ ثلاثہ پیش ہیں ، ملاحظہ فرمائیں ۔

عقیدۂ حیات الانبیاء قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت (اشارۃً ، دلالۃً ، اقتضاءً) ملتا ہے ۔ ان سب کا احصار مشکل بھی ہے اور موجب طول بھی ۔ اس لئے اختصار کی غرض سے چند آیتوں کے ذکر پر اکتفاء کیا جا رہا ہے ۔

۱ ؛ واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الٰهة يعبدون (زخرف ۴۵)

آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے ۔ چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

يستدل به على حياة الانبياء

(مشکلات القرآن ص ۲۳۴ ۔ وھکذا فی الدر المنثور ج ۶ ص ۱۹ ۔ روح المعانی ج ۲۵ ص ۸۷ جمل ج ۴ ص ۸۸ ۔ شیخ زادہ ج ۳ ص ۲۹۶ ۔ خفاجی ج ۷ ص ۴۴۴) ۔

۲ : ولقد اٰتینا موسٰی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ (الم سجدہ پ۲۱)۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے "معراج کی رات ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار" (موضح القرآن)۔

اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں لہذا اقتضاء النص سے حیات انبیاء کا ثبوت ہوتا ہے۔ یہاں اصول فقہ کا یہ مسئلہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ جو حکم اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت انفراد قوت واستدلال میں عبارۃ النص کے مثل ہوتا ہے۔

۳ : ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (البقرۃ)۔

۴ : بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اٰتاھم اللہ من فضلہ (اٰل عمران)۔

ان دونوں آیتوں کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے فرمایا ہے کہ۔

واذا ثبت انھم احیاء من حیث النقل فانہ یقویہ من حیث النظر کون الشھداء احیاء بنص القراٰن والانبیاء افضل من الشھداء۔

(فتح الباری، ج۶، ص۳۷۹)

"جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو عقل کے اعتبار سے بھی یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام تو شہداء سے بہرحال افضل ہیں"

غور فرمائیے! حافظ الدنیا کس قدر قوت کے ساتھ آیت کریمہ سے دلالۃ النص یعنی درجۂ اولویت سے حیات الانبیاء کو ثابت فرما رہے ہیں۔

۵ : فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علٰی موتہ الا دآبۃ الارض تاکل منسأتہ۔ (سبا، پ ۲۲)۔

اس آیت سے بھی دلالۃ النص سے حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین عصائے سلیمانی کو کھا لیا تو جسم عنصری کا کھا لینا اس سے کہیں سہل تھا۔ اس کے باوجود جسم کا ٹکا رہنا بلکہ محفوظ رہنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حیات الانبیاء احادیث شریفہ کی روشنی میں

۱: حضرت انس بن مالک رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ (شفاء السقام: ص ۱۳۴) حیات الانبیاء للبیہقی)

حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں "

علامہ سبکی رحمہ اللہ اس حدیث کی سند کو نقل کرکے اس کے رواۃ کی توثیق کرتے ہیں اور اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ روایت بدوں سند خصائص الکبریٰ ص۲۸۱ میں، اور مسندِ ابویعلی کے پہلے راوی کے علاوہ بقیہ رواۃ کے ساتھ فتح الباری ج ۶، ص۳۵۲ اور فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹ میں بھی مذکور ہے۔

حدیث شریف کی صحت کے متعلق علماء اسماء رجال کی تفصیلی آراء

حافظ ابن حجر عسقلانی رحؒ فرماتے ہیں کہ وصححہ البیہقی

(فتح الباری: ج ۶: ص۳۵۲)۔ محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ووافقہ الحافظ فی المجلد السادس۔ (فیض الباری: ج ۲ ص۶۴)۔

نیز علامہ عثمانی رحؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ (فتح الملہم ج۱: ص۳۲۹)

علامہ ہیثمی رحؒ فرماتے ہیں کہ " رجال ابی یعلی ثقات" (مجمع الزوائد ج۸ ص۲۱۱) ابویعلی کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

علامہ عزیزی لکھتے ہیں " وھو حدیث صحیح۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر ج ۲ ص۱۳۴)۔

ملا علی قاری رحؒ لکھتے ہیں۔ صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم (مرقاۃ: ج ۲: ص۲۱۲)۔

الانبیاء احیاء فی قبورھم کی حدیث صحیح ہے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی لکھتے ہیں کہ۔ ھذا حدیث صحیح۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۳ ص۱۸۴)۔

یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحؒ فرماتے ہیں۔

ابویعلی بہ نقل ثقات از روایت انس بن مالک رضؓ آوردہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون۔ (مدارج النبوت: ج ۲ ص۴۴۰)

امام ابویعلی ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی شوکانی رحؒ لکھتے ہیں۔

" انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ و روحہ لا تفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین : ص۲۸)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں "

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں

" وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم رواہ المنذری وصححہ البیہقی (نیل الاوطار : ج ۳، ص۲۱۳)۔

بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ علامہ منذریؒ نے یہ روایت بیان کی ہے اور امام بیہقی رحؒ نے اس کی تصحیح کی ہے

علامہ سید سمہودی رحؒ لکھتے ہیں۔ رواہ ابو یعلی برجال ثقات ورواہ البیہقی وصححہ

(وفاء الوفاء : ج ۲، ص ۴۰۵)

ابویعلی نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقی رحؒ نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ " اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے۔ (فضائل درود ص۳۷)

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام ابویعلی کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

۲ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے

ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام۔

(ابو داؤد : ج ۱ : ص۲۷۹ واللفظ لہ۔ مسند احمد : ج ۲ : ص۵۲۷)

کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالےٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں "

حدیث کی صحت کے متعلق محدثین کرام کی آراء

امام سبکی رح فرماتے ہیں کہ وھو اعتماد صحیح ۔ (شفاء السقام : ص۵۱) ۔ (امام ابوداؤد اور امام احمد نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے) اور یہ اعتماد صحیح ہے ۔

—— حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ " رواتہ ثقات " ۔ (فتح الباری : پ ۳ ، ص۲۹۱) ۔

—— علامہ عزیزی رح لکھتے ہیں کہ " اسنادہ حسن " ۔ (السراج المنیر : ج ۳ ، ص۲۷۹) ۔

—— حافظ ابن کثیر رح فرماتے ہیں " صححہ النووی فی الاذکار " (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ، ص۵۱۵) ۔

—— امام نووی رح فرماتے ہیں " بالاسناد الصحیح " ۔ (کتاب الاذکار ص۱۰۶) ۔

—— حافظ ابن تیمیہ رح لکھتے ہیں " وھو حدیث جید " ۔ (فتاوٰی ابن تیمیہ ج ۴ ص۳۱۳) ۔

—— علامہ زرقانی رح فرماتے ہیں " باسناد صحیح " ۔ (زرقانی شرح مواھب ج ۸ ص۳۰۸) ۔

—— اور نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں " قال النووی فی الاذکار اسنادہ صحیح وقال ابن حجر رواتہ ثقات " ۔ (دلیل الطالب : ص۸۴۳) ۔

—— علامہ سمہودی رح فرماتے ہیں " رواہ ابوداؤد بسند صحیح " ۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص۴۰۴)

—— علامہ انور شاہ صاحب رح اور علامہ عثمانی رح فرماتے ہیں کہ " رواتہ ثقات " ۔ (عقیدۃ الاسلام ص۵۲ ، وفتح الملہم : ج ۱ : ص۳۲۳) ۔

—— امام سخاوی رح فرماتے ہیں ۔ روی احمد وابوداؤد والطبرانی والبیہقی باسناد حسن بل صححہ النووی فی کتاب الاذکار وغیرہ ۔ (القول البدیع ص۱۱۱)

—— اور علامہ محمد بن الناجی البوسنوی رح فرماتے ہیں ۔

قال النووی فی الاذکار و ریاض الصالحین اسنادہ صحیح وصححہ ایضاً ابن القیم ۔ (ھامش حیاۃ الانبیاء للبیہقی ، ص۶) ۔

اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں جیسا کہ آپ نے باحوالہ پڑھ لیا ۔ اور محدثین کرام کی خاصی جماعت اس کی تحسین و تصحیح کرتی ہے ۔

۳ : حضرت اوس بن اوس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

" ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علی من الصلوۃ فیہ فان صلوتکم معروضۃ علی قال قالوا وکیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت قال

يقولون بليت فقال ان الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء -

(ابوداؤد ، ج ۱ ، ص ۱۵۰ ، واللفظ له والدارمی ، ص ۱۹۵ ، والنسائی ، ج ۱ ، ص ۱۵۴ ، والمستدرک ، ج ۱ ، ص ۲۷۸ ، ج ۴ ، ص ۵۶۰ ، موارد الظمآن ، ص ۱۴۱ ، وابن ماجہ ، ص ۷۷ ، سنن کبریٰ ، ج ۳ ، ص ۲۴۹ ، ابن ابی شیبہ ، ج ۲ ، ص ۵۱۶) -

بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے ۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ اولیٰ ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا ۔ پس تم جمعہ کے دن بکثرت مجھ پر درود پڑھا کرو ۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے ۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا حبب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے ؟

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں (یعنی زمین ان کو کھا نہیں سکتی) -

اس حدیث کی صحت اور محدثین عظام کے اقوال

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں ۔ وصححه ابن خزيمة وغيره - (فتح الباری ، پ ۱۳ ، ص ۲۷۹) -

___ حافظ ابن القیم رح فرماتے ہیں ۔ ومن تأمل فی هذا الاسناد لم يشك فی صحته لثقة رواته وشهرتهم وقبول الائمة حديثهم ۔ (جلاء الافہام ص ۳۷)

___ اور یہی الفاظ اس موقعہ پر علامہ ابن الہادی کے ہیں ۔ (الصارم المنکی ، ص ۱۴۵)

___ علامہ عینی رح لکھتے ہیں ۔ صح عنه صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تأكل اجساد الانبياء ، (عمدة القاری ، ج ۶ ، ص ۷۹)

___ حافظ ابن القیم رح ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ۔

قد صح عن النبی صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تأكل اجساد الانبیاء (کتاب الروح)

___ علامہ سندی رح فرماتے ہیں ۔ " انه حسن " ۔ (القول البدیع ص ۱۱۹)

___ اور علامہ عبدالغنی النابلسی لکھتے ہیں ۔ " انه حسن صحيح " (ترجمان السنۃ ، ج ۳ ، ص ۲۹۷) ۔

___ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح فرماتے ہیں ۔ حديث صحيح (مدارج النبوت ج ۲ ، ص ۴۵۰)

___ علامہ انور شاہ کشمیری رح فرماتے ہیں ۔ فانه صح عنه صلى الله عليه وسلم انه قال

ان اللہ عز وجل حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء۔ (خزائن الاسرار ص۱۹)
اصولِ حدیث کے اعتبار سے یہ روایت بھی بالکل صحیح بلکہ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں نے اس حدیث کو صحیح علی شرط البخاری کہا ہے۔ اور ایک دوسرے مقام پر دونوں نے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے۔
(مستدرک حاکم، ص ۵۶۰)۔

۴ : حضرت ابو الدرداء رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک طویل حدیث میں) ارشاد فرمایا ہے۔ "فنبی اللہ حیٌّ یرزق"۔ (ابن ماجہ، ص۱۱۹)
"پس اللہ تعالیٰ کا نبیؑ زندہ ہے اور اس کو رزق ملتا ہے"

حدیث شریف کی صحت محدثین عظام کے اقوال کی روشنی میں

حافظ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "اسنادہ جید" (ترجمان السنۃ: ج ۳، ص ۲۹۷)۔

۶ علامہ عزیزی رحؒ فرماتے ہیں۔ "ورجالہ ثقات"۔ (السراج المنیر ج ۱: ص ۲۹۰)۔
۶ علامہ مناوی رحؒ کا ارشاد ہے۔ قال الدمیری۔ رجالہ ثقات" (فیض القدیر، ج ۲ ص۷۸۵)۔
۶ علامہ زرقانی رحؒ فرماتے ہیں۔ رواہ ابن ماجۃ برجال ثقات۔ (زرقانی شارح مواہب ج ۵ ص۳۳۶)
۶ حافظ ابن حجر رحؒ فرماتے ہیں۔ قلت رجالہ ثقات۔ (تہذیب التہذیب، ج ۳، ص۳۹۸)۔
۶ علامہ سمہودی رحؒ فرماتے ہیں۔ رواہ ابن ماجہ باسناد جید۔ (خلاصۃ الوفاء، ص۴۸)۔
۶ ملا علی قاری رحؒ کا ارشاد ہے۔ باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرۃ (مرقاۃ ج ۲ ص۱۱۲)
۶ قاضی شوکانی رحؒ لکھتے ہیں۔ باسناد جید۔ (نیل الاوطار، ج ۵، ص۲۶۴)۔
۶ اور مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں باسناد جید۔ (عون المعبود، ج ۱، ص۴۰۵)۔

۵ : حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔
"ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام"
(نسائی شریف ج ۱: ص۱۴۳، مسند احمد ج ۱، ص۴۴۱، ابن ابی شیبہ، ج ۲، ص۵۱۷، موارد الظمآن ص۵۹۴، مشکوٰۃ، ص۸۶، البدایۃ والنہایۃ، ج ۱، ص۱۵۴، الجامع الصغیر ج ۱، ص۹۲، خصائص الکبریٰ، ج، ص۲۸۰، تحریراتِ حدیث، ص۲۱۱، دارمی، ص۳۷۲)۔
بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے فرشتے مقرر ہیں جو زمین میں گھومتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

۴۔ حدیث شریف کی صحت کے متعلق علامہ عزیزی رح لکھتے ہیں۔ حدیث صحیح (السراج المنیر ص۵۱۸)۔

۴۔ علامہ ہیثمی رح فرماتے ہیں۔ رواہ البزار، ورجالہ رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص۲۴)۔

۴۔ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔ صحیح۔ (مستدرک حاکم ج ۲ ص۴۲۱)۔

۴۔ امام سخاوی رح فرماتے ہیں۔ رواہ احمد والنسائی والدارمی وابو نعیم والبیہقی والخلعی وابن حبان والحاکم فی صحیحہما وقال صحیح الاسناد۔ (القول البدیع ص۱۱۵)۔

ائمہ حدیث کے ان صاف بیانات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ بلکہ علامہ سمہودی رح اور علامہ ابن الہادی رح کے بیان کے مطابق امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضی نے مختلف طرق سے اسانیدِ صحیحہ کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص۴۰۴، الصارم المنکی ص۱۶۸)۔

یہاں تک کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔

و بتواتر رسیدہ ایں معنی۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۶۹)

---

۶ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

من صلی عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ من بعید اعلمتہ۔

(جلاء الافہام للحافظ ابن القیم رح ص۱۹)

جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں کے) بتلایا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کے سلسلہ میں بھی محدثین کرام کی آراء ملاحظہ ہوں

حافظ ابن حجر رح حدیث کی سند بطریق ابو الشیخ کے متعلق فرماتے ہیں۔ "بسندٍ جیدٍ" (فتح الباری ج ۶ ص۳۵۲)۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں۔ "وسندہ جید" (القول البدیع ص۱۱۶)۔

حضرت ملا علی قاری رح فرماتے ہیں۔ بسند جید (مرقاۃ ج ۲ ص۱۰)۔

نواب صدیق حسن خان صاحب بھی لکھتے ہیں "اسنادہ جید"۔ (دلیل الطالب ص۸۴۴)۔

اور علامہ شبیر احمد عثمانی رح بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱ ص۳۳۰)۔

ان اکابرین محدثین عظام (جن میں حافظ ابن حجر رح خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں) بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے۔ ان دونوں لفظوں (جید اور صحیح) میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

چنانچہ امام سیوطی رح فرماتے ہیں ان ابن الصلاح یری التسویۃ بین الجید والصحیح۔

(تدریب الراوی ص ۱۰۴)

چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور ان احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثبوت موجود ہے۔ (یہاں اختصار کی غرض سے چند احادیث صحیحہ کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اور امت کے ہر طبقہ میں ان کو تسلیم کیا گیا ہے) اس لئے امام سیوطی رح نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذلك وتواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذلك۔ (انباء الاذکیاء ص ۲، فتاوی امام سیوطی رح، ج ۲ ص ۱۴۷)

ایک دوسرے مقام پر تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

ان من جملۃ ما تواتر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاۃ الانبیاء فی قبورھم۔ (النظم المتناثر عن الحدیث المتواتر کذا فی شرح البوسنوی ص ۵)

غرض اس باب میں اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

○

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے اسلام

ان احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل شرعیہ سے علمائے امت نے جو کچھ سمجھا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کرنا ایک حد تک ضروری ہے۔ تاکہ احادیث شریفہ کے صحیح مطالب کی تعیین کے ساتھ امت کا اجماعی نظریہ بھی واضح ہو جائے۔ جیساکہ جواب کے آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل السنۃ والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں۔

اور اہل السنۃ والجماعۃ کلی طور پر چار طبقوں میں منقسم ہیں۔ ۱: مفسرین۔ ۲: محدثین۔ ۳: متکلمین۔ ۴: فقہاء۔ اس لئے آنے والے دلائل میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لیکن مفسرین کے اقوال تقریباً ہر آیت کے بعد تفسیر کے طور پر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اب ما بقی تین طبقوں کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محدثین عظام

حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں۔

ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت پھر وارد نہیں ہوگی۔ بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کیوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ زندگی دائمی اور مستمر ہے جس پر پھر موت طاری نہیں ہوتی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفی فرماتے ہیں۔

غیر الانبیاء علیہم السلام فانہم لا یموتون فی قبورہم بل ہم احیاء۔

(عمدۃ القاری، ج ۷، ص ۱۹۰، وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۴۰۲، زرقانی: ج ۲، ص ۳۳۲)۔

ہاں! حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں۔

حضرت امام بیہقی رح فرماتے ہیں۔

ان اللہ جل ثناءہ رد الی الانبیاء ارواحہم فہم احیاء عند ربہم کالشہداء

(حیاۃ الانبیاء: ص ۱۴)

بے شک اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح کو ان کی طرف لوٹا دیتے ہیں پس وہ اپنے رب کے یہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاری رح ارقام فرماتے ہیں۔

• للمعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورہم وہم احیاء عند ربہم وان لارواحہم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فہم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون "(شرح شفاء۔ ج ۲، ص ۱۴۲)

قابلِ اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں، اور اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور اُن کی ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے۔ جیسا کہ دنیا میں تھا۔ سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے لحاظ سے فرشی ہیں۔

اس عبارت میں حیاتِ انبیاء علیہم السلام کو قابلِ اعتماد عقیدہ قرار دیا گیا ہے۔

علامہ سید سمہودی رح لکھتے ہیں۔

لا شک فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ وکذا سائر الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورہم حیاتہم اکمل من حیاۃ الشہداء التی

اخبر الله بها فی کتابه العزیز۔ (وفاء الوفاء، ج ۲، ص۴۰۵)

وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں۔ اور اسی طرح باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی حیات سے (جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے) بڑھ کر ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

واما ادلة حياة الانبياء فمقتضاها حياة الابدان كحالة الدنيا مع الاستغناء عن الغذاء۔ (وفاء الوفاء، ج ۲، ص۴۰۸)۔

بہرکیف! حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے مستغنی ہیں۔

یعنی ان کی حیات جہاں شہداء کی منصوص حیات سے بڑھ کر ہے وہیں محض برزخی اور روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے۔ مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیوی خوراک کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس سے وہ مستغنی ہیں۔ یہی بات شیخ الاسلام دہلوی رح فرماتے ہیں۔

"ازیں احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند در قبر بعد از وفات بحیات حسی، و اجساد ایشاں نیز ثابت باشند و پوسیدہ نگردند۔ و آں حیات ہمچو حیات دنیا باشد با وجود استغناء از غذا" (تیسیر القاری، ج ۲، ص۱۲۷)۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

و قول مختار و مقرر جمہور ہم ایں است کہ انبیاء بعد از وقت موت زندہ اند بحیات دنیوی۔ (تیسیر القاری، ج ۳، ص۲۶۲)

اس عبارت میں جہاں حیات بعد الممات کو جمہور کا قول بتلایا گیا ہے وہیں حیات کی کیفیت بھی متعین کر دی گئی ہے کہ وہ حیات، دنیوی حیات کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح دنیوی حیات میں ان کو ادراک علم اور شعور حاصل ہے اسی طرح اس حیات برزخی میں بھی یہ چیزیں حاصل ہیں۔ انہیں امور کی وجہ سے اس کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علامہ تاج الدین السبکی رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

عن انس رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون فاذا ثبت ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی فالحی لا بد اما ان یکون عالمًا اوجاھلا ولا نجوز ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاھلا (معاذ اللہ) (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ، ج ۶ : ص ۲۶۹)

۸۔ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ولیعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوۃ والسلام۔ (طبقات الشافعیہ : ج ۱ ص ۲۸۲)

ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں حس و علم سے موصوف ہیں۔ اور آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں۔

غور کیجئے! حس اور علم سے متصف ہونا حیات کے لئے کس قدر واضح دلیل ہے۔

۹۔ علامہ ابوالوفاء علی بن محمد بن عقیل الحنبلی کا ارشاد ہے۔ وھو حی فی قبرہ یصلی (الروضۃ البہیہ ، ص ۱۴)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

۱۰۔ امام بدرالدین البعلی الحنبلی رح جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح کے فتاویٰ کا اختصار کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"والانبیاء احیاء فی قبورھم وقد یصلون"۔ (مختصر الفتاویٰ ، ص ۱۷)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور لبسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔ یعنی تکلیفی زندگی تو رہی نہیں بلکہ وہ حضرات نماز تلذذ کے طور پر پڑھتے ہیں اس لئے پابندی لازم نہیں اور وقد یصلون کہہ کر اسی حقیقت کو آشکارا کر دیا گیا ہے۔ کیوں کہ قد مضارع پر داخل ہو کر اکثر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے۔ (رضی ، ج ۲ ، ص ۳۸۹ ، تمرینتین ، ص ۳۸۱)

علامہ عزیزی رح حدیث ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ الا رد اللہ علی روحی ، ای رد علی نطقی لانہ حی دائما وروحہ لاتفارقہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ (السراج المنیر : ج ۳ ، ص ۲۷۵)۔

اور روح سے مراد نطق ہے کیوں کہ آپ دوامی طور پر زندہ ہیں۔ آپ کی روح مبارکہ آپ سے الگ نہیں ہوتی کیوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاری رح فرماتے ہیں

فمحصل الجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ (مرقاۃ : ج ۲ : ص ۲۰۹)۔

پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
اور علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفیؒ حدیث شریف سے مسئلہ حیات الانبیاء کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وفیه دلیل علی انه صلی الله علیه وسلم حی حیاة مستمرة۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۴۹۹)
"اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر علیہ السلام دوامی طور پر زندہ ہیں"
مندرجہ بالا عبارات میں آپ نے دیکھ لیا کہ جمہور محدثین بیک زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات حسی جسمانی، دائمی کے قائل ہیں۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمہور متکلمین کی آراء کی روشنی میں

۱۔ علامہ تاج الدین سبکیؒ متکلمین اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔
"ومن عقائدنا ان الانبیاء علیهم السلام احیاء فی قبورهم۔ (طبقات ج ۶ ص ۲۶۶)
ہمارے عقیدے میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں"
۲۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
"وعندهم محمد صلواة الله علیه حی فی قبره۔ (الرسائل القشیریہ، ص ۱)
اشاعرہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں"
ان عبارات میں صاف تصریح ہے کہ اہل السنت والجماعت کے امام ابوالحسن الاشعری رح کے نزدیک مسلم عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں۔ ہاں یہ اصل بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ جب علم کلام میں لفظ اشاعرہ بولا جائے تو کلام کے دونوں مکتبہ فکر اشعری اور ماتریدی مراد ہوتے ہیں اب مطلب صاف ہے کہ اہل السنت والجماعت کے دونوں طبقے اشعری اور ماتریدی کا مجموعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں۔
چنانچہ امام ابو منصور طاہر الشافعی البغدادی رح فرماتے ہیں۔
قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی الله علیه وسلم حی بعد وفاته یسر بطاعات امته۔ (وفاء الوفاء، ج ۲: ص ۴۰۵)
ہمارے اصحاب کے متکلمین محققین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کے طاعات سے خوش ہوتے ہیں"

اَصْحَابُنَا سے متکلمین کی جماعت مراد ہو یا شوافع کی، بہرصورت ان میں محققین کا مسلک اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں

فقہائے اسلام اور مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فقیہہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی رح لکھتے ہیں۔

ولما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حي يرزق متمتع بجميع الملاذ والعبادات غير انه حجب عن ابصار القاصرين عن شريف المقامات۔ (نور الایضاح، ص۱۷۱)

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔

اس عبارت میں محققین کا مسلک یہ بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق و عبادات سے متمتع ہیں۔ لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہان کا ہے۔

علامہ ابن عابدین الشامی رح فرماتے ہیں

ان الانبياء احياء فى قبورهم كما ورد فى الحديث۔ (رسائل ابن عابدین، ج ۲ ص۲۰۳)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آرہا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رح جو متاخرین حنفیہ میں معتمد الکل ہیں، کس طرح صراحت کے ساتھ حدیث شریف سے استدلال کر کے حیات الانبیاء کا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔

علمائے دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ تمام اہل السنت والجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام عنصریہ مبارکہ کیساتھ قبروں میں موجود اور حیات ہیں۔

علمائے دیوبند جو خالص اہل السنت والجماعت ہیں اور اس صدی میں اہل سنت کے سب سے بڑے ترجمان ہیں۔ اس لیے قدرتی طور پر اس بات میں بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے۔ ذیل میں

علمائے دیوبند کے ایسے حوالے نقل کئے جارہے ہیں جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ تمام علماء دیوبند متفقہ طور پر حیات الانبیاء کے قائل ہیں۔ دلائل کے ذکر کرنے میں یہاں بھی وہی ترتیب قائم رہے گی جو پہلے تھی۔ یعنی سب سے پہلے محدثین، پھر متکلمین اور اس کے بعد فقہاء کے اقوال نقل کئے جائیں گے۔ ملاحظہ ہو۔

محدثین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت مولانا احمد علی صاحب رح سہارنپوری محشی بخاری فرماتے ہیں۔

والاحسن ان یقال ان حیاته صلی الله علیه وسلم لا یتعقبها موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورهم۔ (حاشیہ بخاری، ج ۱، ص ۵۱۷)

بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت طارد نہیں ہوتی بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے۔ اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح لکھتے ہیں۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم حی فی قبره کما ان الانبیاء احیاء فی قبورهم۔ (بذل المجهود شرح ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۱۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا مطلب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے تعلق ہے اور اس کی بدولت حیات حاصل ہے۔

حضرت علامہ عثمانی رح فرماتے ہیں۔

ودلت النصوص الصحیحة علی حیاة الانبیاء۔ (فتح الملہم، ج ۱، ص ۳۲۵)

نصوص صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر بھی علامہ عثمانی رح فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم حی کما تقرر وانه یصلی فی قبره باذان واقامة۔ (فتح الملہم، ج ۳، ص ۴۱۹)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے۔ اور آپ اپنی قبر میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں وہیں یہ بات بھی ثابت کی

گئی ہے کہ آپ اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھنا حیاتِ صریح کی دلیل ہے۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رح فرماتے ہیں۔

ان کثیرا من الاعمال قد تثبت فی القبور کالاذان والاقامة عند الدارمی وقرأة القرآن عند الترمذی۔ (فیض الباری، ج ۱، ص ۱۸۳)۔

"قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان واقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قرأتِ قرآن کا ثبوت ترمذی کی روایت میں"

غور کیجئے! قبر میں اذان واقامت کا ثبوت اسی طرح قرأتِ قرآن کا ثبوت حیاتِ نبوی کی کس قدر صریح دلیل ہے۔

حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح فرماتے ہیں کہ آپ بنصِ حدیث زندہ ہیں۔

(التکشف، ص ۴۴۶)

حضرت اقدس مولانا ابو العتیق عبد الہادی محمد صدیق صاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں۔

انهم اتفقوا على حياته صلى الله عليه وسلم بل حياة الانبياء عليهم السلام متفق عليها لا خلاف لاحد فيه۔ (انوار المحمود شرح ابوداؤد، ج ۱، ص ۵۱۱)

"محدثینِ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے"

یہ عبارت بھی اپنے مدلول ومفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ غور فرمائیے۔

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہم العالی حدیث ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"کہ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلّم حقیقت ہے"

آگے فرماتے ہیں

"اتنی بات سب کے نزدیک مسلّم اور دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے"

(معارف الحدیث، ج ۵، ص ۲۷۵)

حضرت اقدس قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح حدیث شریف ونبی اللہ

حی یرزق سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، ونبی اللّٰہ حی یرزق" (ہدایۃ الشیعہ، ص۵۲)

مولانا تھانوی رہ فرماتے ہیں۔

"پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے"

(نشر الطیب، ص۲۱۰)

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہم العالی حدیث ان للّٰہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

"کہ اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہو گئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کو قبر مبارک کے پاس پہنچائے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کرے تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں" (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸۰)

متکلمین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح متفقہ طور پر علماء دیوبند کی ترجمانی کرتے ہوئے اجماعی عقیدہ بیان فرماتے ہیں۔

"عندنا وعند مشائخنا حیاۃ حضرۃ الرسالۃ صلی اللّٰہ علیہ وسلم دنیویۃ من غیر تکلیف وھی مختصۃ بہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وبجمیع الانبیاء صلوات اللّٰہ علیہم والشہداء لا برزخیۃ کما ھی لسائر المؤمنین بل لجمیع الناس کما نص علیہ العلامۃ السیوطی فی رسالۃ انباء الاذکیاء لحیوۃ الانبیاء حیث قال، قال الشیخ تقی الدین سبکی رح حیوۃ الانبیاء والشہداء فی القبر کحیوتہم فی الدنیا ویشہد لہ صلوۃ موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فان الصلوۃ تستدعی جسدا حیا (الی اٰخرھا قال) فثبت بہذا ان حیوتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونہا فی عالم البرزخ"

(المہند علی المفند، ص۱۳، ۱۴)

" ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب انسانوں کو۔ چنانچہ علامہ سیوطی رح نے اپنے رسالہ انباہ الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء میں بتصریح لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی رح نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی۔ اور موسےٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔ الخ
پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے۔ اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ میں حاصل ہے "

یہ عبارت رسالہ " المہند علی المفند " سے ماخوذ ہے۔ یہ رسالہ علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ کے ان چھبیس اعتقادی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو اتفاقی اور اجماعی عقیدے کہلاتے ہیں۔ جسے سرخیل علماء محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح نے مرتب کیا۔ اور جس پر اپنی جماعت دیوبند کے تیئیس بزرگوں (جن میں خصوصیت سے

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ صدر مدرس و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔
حضرت مولانا میر احمد حسن صاحبؒ امروہی۔
حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند۔
حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح
حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رح
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی رح
حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی رح
حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رح

وغیرہم قابلِ ذکر ہیں) کی تصدیقات لکھوا کر علماء حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ کے علماء کو بھیجیں۔ وہ حضرات ان کے تسلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ اس طرح یہ رسالہ اور یہ جواب علماءِ دیوبند کا اجماعی جواب ہے۔ اس اجماعی اور مرکزی جواب کے بعد مزید کچھ لکھنے یا کہنے کی مطلقاً ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم مزید چند حوالے اطمینانِ خاطر کے لئے ملاحظہ ہوں۔

○ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب النانوتوی رح فرماتے ہیں۔

"حضرات انبیاء زندہ ہیں ان کی موت ان کی حیات کے لئے ساتر ہے۔ رافع حیات اور دافع حیات نہیں" (آب حیات، ص ۴۲، ۴۳، بحوالہ سیرت المصطفیٰ)

واضح رہے کہ حضرت نانوتوی رح نفس موت کو اعتقاد لازم اور ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"کہ میں انبیاء کرام کو انہیں اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں، پر حسب ہدایت کل نفس ذائقۃ الموت اور انک میت وانہم میتون تمام انبیاء کرام علیٰ نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے۔ اور اس ظاہری صورت کی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلہ کشی یا پردہ نشینی یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا۔ لیکن انبیاء کرام کی زندگی زیر پردہ موت ظاہر بینوں کی نظر سے مستور ہے مثل امت کے ان کی موت میں زوال نہیں ہے" (لطائف قاسمی: ص ۳۱)

اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۱ : اور دلیل یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح وسالم رہنا اور تغیر ارضی سے بالکل محفوظ رہنا۔

۲ : اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی ازواج مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا۔

۳ : اور ان کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا۔

امور ثلاثہ میں سے ہر امر حیات انبیاء کرام پر شاہد عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوتا بلکہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام ع کا اپنے بدن سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا۔ (آب حیات، ص ۴۲، ۴۳)

○ شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی رح فرماتے ہیں کہ

"آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سے وجوہ سے اس سے قوی تر" (مکتوبات شیخ الاسلام، ج ۱، ص ۱۳۰)

حضرت مدنی رح کی مراد بظاہر حیات جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کا تعلق جسد مثالی سے قائم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صوفیاء کرام کا نظریہ ہے۔

"بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوتا ہے اور بایں معنی یہ حیات جسمانی اور دنیوی ہے"

چنانچہ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب رح نانوتوی نے ایک مقام پر صاف لفظوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے

" انبیاء کرام علیہم السلام کو ابدانِ دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے " (لطائف قاسمیہ، ص)

۶ــــ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح فرماتے ہیں۔

" آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں ونبی اللہ حی یرزق " (ہدایۃ الشیعہ، ص۳۶)

۷ــــ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح فرماتے ہیں۔

" پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا۔ اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے " (نشر الطیب ص۲۰۱)

۸ــــ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رح لکھتے ہیں۔

" اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شہداء کی حیات سے افضل واعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے " (فتاویٰ دارالعلوم مکمل و مدلل، ج ۵، ص۱۵۷)

۹ــــ حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب پاکستان ہی کے ایک استفتار کے جواب میں فرماتے ہیں کہ

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود اور حیات ہیں " (فتاویٰ دارالعلوم غیر مطبوعہ)

حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور اصحاب ظواہر

اس سے قبل جتنے حوالے نقل کئے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فروعی مسائل میں کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے۔ کوئی حنفی تھا، کوئی مالکی، کوئی شافعی تھا تو کوئی حنبلی۔ بجز قاضی شوکانی اور نواب صدیق حسن خان صاحب، کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتمام حجت کے لئے ہم اس مقام پر اصحاب ظواہر کے کچھ حوالے بھی نقل کر دیں۔ تاکہ حیات انبیاء کرام کی حقیقت بالکل روشن ہو جائے۔ اور اجماع امت کا دعوےٰ بھی صاف ہو جائے۔

○ قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں۔

وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حي بعد وفاته وانه يسر بطاعات امته وان الانبياء لا يبلون مع ان مطلق الادراك كالعلم والسماع ثابت لسائر الموتى (الى ان قال) وورد النص فى كتاب الله فى حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان الحيوة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت فى الحديث ان الانبياء احياء فى قبورهم رواه المنذرى وصححه البيهقى وفى صحيح مسلم عن النبى صلى الله عليه وسلم قال مررت بموسى ليلة اسرى بى عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلى ـ (نيل الاوطار، ج ۳، ص۲۶۴)۔

بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔ اور اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ انبیاء کرام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ مطلق ادراک جیسے علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے لئے ثابت ہے (پھر آگے لکھتے ہیں کہ) اللہ تعالے کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء و مرسلین کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی۔ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ امام منذری رحمہ نے اس کو روایت کیا۔ اور امام بیہقی رحمہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی شب سرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے "

قاضی شوکانی رح کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی زندگی بطریق اولیٰ جسمانی ہے۔ اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی وفات تو ہوتی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

انه صلی اللہ علیه وسلم حی فی قبره بعد موته کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورهم۔ (نیل الاوطار، ج ۵، ص۱۰۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

○ استاذ ابو منصور البغدادیؒ فرماتے ہیں۔

قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیه وسلم حی بعد وفاته ویؤید ذلك ماثبت ان الشهداء احیاء یرزقون فی قبورهم والنبی صلی اللہ علیه وسلم منهم۔

(نیل الاوطار، ج ۵، ص۱۰۱)

ہمارے اصحاب میں متکلمین محققین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں۔ اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں "

○ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی رح اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں۔

والذی نعتقد ان رتبة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ حی فی قبرہ حیوة مستقرة ابلغ من حیات الشہداء المنصوص علیہا فی التنزیل لانہ افضل منہم بلا ریب وانہ یسمع من یسلم علیہ۔ (اتحاف النبلاء، ص ۴۱۵)

" جس چیز کا اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے۔ اور آپ اپنی قبر میں حیاتِ دائمی سے متصف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا شبہ شہداء سے افضل ہیں۔ اور جو شخص آپ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے ہیں"

اس عبارت سے آفتابِ نیم روز کی طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ علماء نجد کا بھی یہی نظریہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی منصوص حیات سے اعلیٰ وارفع ہے۔

اما الکلام علی حیوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعتقادنا فی ذالک اعتقاد سلف الامة وائمتنا وھم الاسوة۔

(الدرر السنیہ فی الاجوبة النجدیہ: ج ۱، ص ۲۶)

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلفِ امت اور ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے۔ اور وہی اس میں ہمارے مقتدا ہیں"

متاخرین اصحابِ ظواہر کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی رح لکھتے ہیں۔

" کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہے"

(ضمیمہ فتاویٰ نذیریہ، ج ۲، ص ۵۵)

○ اور مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی رح لکھتے ہیں۔

ان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ (عون المعبود: ج ۱، ص ۴۰۶)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

ذمہ دار اصحاب ظواہر بھی جملہ اہل الرائے حضرات کے ساتھ اس امر پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبور اور برزخ میں زندہ ہیں ۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ۔ اور امام بیہقی وغیرہ نے اس مسئلہ پر صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اجاگر کیا ہے اسی طرح دیگر کتب حدیث، شروح حدیث اور کتب فقہ و سیر میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں۔ جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علمی طور پر اغماض و اعراض نہیں کیا جا سکتا ۔

اجماع امت اور حیات الانبیاء

"علماء امت اور حیات الانبیاء" کے عنوان کے تحت آپ نے تفصیل سے دیکھ لیا کہ اجماع پر خاصی روشنی پڑ چکی ہے ۔ بلکہ سطر سطر سے اجماع کا ثبوت ہو چکا ہے ۔ تاہم مزید اطمینانِ قلب کی خاطر اجماع سے متعلق چند صریح حوالے نقل کئے جا رہے ہیں ۔

○ امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی رح لکھتے ہیں کہ ۔

نحن نؤمن و نصدق بانه صلی الله علیه وسلم حی یرزق فی قبره و ان جسده الشریف لا تأکله الارض والاجماع علی هذا ۔

(القول البدیع ، ص۱۲۵)

ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسدِ اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اسی پر اجماع منعقد ہے "

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ کو رزق ملنا اور جسدِ اطہر کا محفوظ رہنا اجماع امت سے ثابت ہے ۔ اگر بالفرض قرآن و حدیث سے اس کا ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی امتِ مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں سے ایک وزنی دلیل ہے ۔

○ علامہ محمد عابد سندھی رح لکھتے ہیں ۔

اما هو حیاتهم لا شك فیها و لا خلاف لاحد من العلماء فی ذلك (الی ان قال) فهو صلی الله علیه وسلم حی علی الدوام ۔ (رسالہ مدنیہ ص۴)

بہر حال حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علمائے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے ۔ (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں "

کسی کا اختلاف نہ ہونا یہی اجماع سکوتی ہے ۔

○ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح فرماتے ہیں۔

" حیاتِ انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را در وے خلافے نیست۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

شیخ محدث دہلوی رح ایک وسیع النظر عالم ہونے کے باوجود کس وضاحت سے اجماع کا دعویٰ کر رہے ہیں ملاحظہ ہو۔

○ نواب قطب الدین خانصاحب تحریر فرماتے ہیں۔

" زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات وہاں حقیقی جسمانی اور دنیا کی سی ہے " (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵)

نواب صاحب " دنیا کی سی " کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو۔ بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے۔ مثلاً ادراک، علم اور شعور وغیرہ۔

○ علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی لکھتے ہیں۔

" والحاصل ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع " (المنحۃ الوہبیۃ ص ۶)۔

حاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

بزرگانِ دیوبند اور اجماع حیات الانبیاء

مولانا ابو العتیق عبدالہادی صاحب نجیب آبادی رح لکھتے ہیں۔

" انہم اتفقوا علی حیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم بل حیاۃ الانبیاء علیہم السلام متفق علیہا لاخلاف لاحد فیہ " (انوار المحمود شرح ابو داؤد ج ۱ ص ۱۱)

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

○ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح فرماتے ہیں۔

" تمام اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۂ مومنین بلکہ ارواحِ کفار کو بھی حاصل ہے "

(سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۳۵۸)

اصحاب ظواہر حضرات اور اجماعِ حیات الانبیاء علیہم السلام

مشہور ظاہری عالم مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی رح لکھتے ہیں۔

"اہل سنت کے دونوں مکاتب فکر اصحاب الرائے اور اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں۔ (آگے فرماتے ہیں کہ) انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں صحیح احادیث میں انبیاء کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ (حیات النبی ص۲۰)

قیاس صحیح اور حیات الانبیاء

حافظ ابن حجر عسقلانی رح فرماتے ہیں

"و اذا ثبت انہم احیاء من حیث النقل فانہ یقویہ من حیث النظر کون الشہداء احیاء بنص القرآن و الانبیاء افضل من الشہداء" (فتح الباری ۶: ص۳۷۹)

غور فرمائیے! جب شہداء کی زندگی نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث انس رض کی رو سے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہی ہے۔ عقلی اور نظری طور پر دلالۃ النص سے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے۔ اس لئے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں۔ تو لامحالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی۔ لہٰذا نقل و عقل سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے۔ جو اس مسلک کے خلاف رائے رکھے تو اتنی بات یقینی ہے کہ اس کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

○

سوال ۲

جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں محض بے جان اور مردہ ہیں اور آپ کی دنیا کی سی زندگی کا انکار کرتے ہیں، یہ کس فرقے کا عقیدہ ہے نام متعین فرمائیں؟

○

الجواب ۲

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے چنانچہ امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن المعروف بہ علامہ قشیری رح فرماتے ہیں کہ۔

ان امور سے جن کی بناء پر فقہاء نے حجاج بن یوسف پر کفر کا فتویٰ دیا تھا، ایک بڑا جرم یہ ہے حجاج جب مدینہ آیا اور زائرین حرم اطہر کو دیکھا کہ وہ پروانہ وار روضۂ اطہر کے اردگرد جمع ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی سڑی ہڈیوں کا طواف کر رہے ہو، اس پر علماء نے

اس پر کفر کا فتوے لگا دیا۔ (بحوالہ رحمتِ کائنات، ص ۵)

اسی طرح فرقہ ــــــــ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیائے کرام کو بشمول جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موت کے بعد نبوت سے معزول کر دیا جاتا ہے (نعوذ باللہ) یہ عقیدہ درحقیقت اس بات کا انکار ہے کہ نبی علیہ السلام کو موت ظاہری کے بعد حیات دائمی حاصل ہے۔ اسی طرح فرقہ کرامیہ بعض معتزلہ اور رافضیہ کا بھی عقیدہ عدمِ حیات کا ہے۔

○

سوال ۳

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ رکھنے والے کی نماز منکرِ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کیا حکم رکھتی ہے؟

الجواب ۳

بلا تاویل حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ علامہ حصکفی رح فرماتے ہیں۔

ویکرہ امامۃ مبتدع ای صاحب بدعۃ۔ (الدر المختار، ج ۱، ص ۸۳)

قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح فرماتے ہیں۔

" بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے" (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۳، ص ۱۱۸)

○

سوال ۴

صحابہ کرام رض کا سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ شریف کی زیارت کے لئے نہ جانا اس عقیدہ کی بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے، کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب ۴

پہلے سوال کے جواب میں دلائل کثیرہ سے آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور قبر اطہر کے قریب پڑھا جانے والا درود شریف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اس لئے سلام کے چودہ سو سالہ دور میں مسلمانوں کا عمل اسی عقیدہ پر رہا ہے۔ کہ جس نے حج کیا اس نے مدینہ منورہ کی زیارت ضرور کی۔ تاکہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں صلوٰۃ وسلام کا تحفہ پیش کر سکے۔ مسلمانوں کا یہ عمل احادیثِ کثیرہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔

○

زیارت روضۂ اطہر

اَحَادِیث شَرِیفَہ کی رَوشنی میں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

" من زار قبری وجبت له شفاعتی (صحیح ابن خزیمہ، دارقطنی، بیہقی باسناد حسن بحوالہ آثار السنن ج ۲ ص ۲۲۶)

جس نے میری قبر کی زیارت کی تو بلا شبہ اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہوگئی۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

من زار بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۴۰۴)

جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی ہی میں زیارت کرلی۔

غور فرمایئے! کس قدر مبالغہ کے ساتھ زیارت کی ترغیب دی جارہی ہے۔

وعدہ کے بعد وعید کی روائتیں بھی ملاحظہ فرمائیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

" من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی۔ (طحطاوی ص ۴۰۴)

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے بلا شبہ میرے ساتھ زیادتی کی۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

من وجد سعة ولم یزرنی فقد جفانی۔ (فصل فی زیارة النبی صلی اللہ علیه وسلم ابن عدی بسند حسن۔ طحطاوی، ص ۴۰۵)۔

انہیں وعدہ وعید کی روایات کی بنا پر پوری امت نے یہ سمجھا کہ روضۂ اقدس کی زیارت گو اعتقادی اعتبار سے سنت سہی تاہم عملی اعتبار سے واجب کے قریب ہے۔ چنانچہ محقق علی الاطلاق شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں۔

ان زیارة قبر النبی صلی اللہ علیه وسلم مستحبة وقریبة من الواجب، نظروا الی هذا النزاع وهو الحق عندی فان الآف الالوف من السلف کانوا یشدون رحالهم لزیارة النبی صلی اللہ علیه وسلم ویزعمونها

من اعظم القربات ۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۳۳)۔

○ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں۔

" انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعۃ " (شامی ج ۱ ص ۲۷۹)۔

○ مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں۔

" تصریح کردہ است در بعض کتب بوجوب آں بدلیل قوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید حسن ونیز مروی است از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمود من زار قبری وجبت لہ شفاعتی رواہ الدارقطنی و الطبرانی والبزار وصححہ عبد الحق ونیز فرمود او صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری بعد موتی کمن زارنی فی حیاتی رواہ ابو سعید بن منصور والدارقطنی و وارد شدہ اند در فضل زیارت احادیث و آثار بسیار کہ اکتفا کردہ مے شود از آنہا بریں مقدار طلباً للاختصار"

(حیات القلوب ، ۲۹۸)

اجماعِ امت اور زیارتِ روضۂ اقدس

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ زیارتِ نبوی جہاں احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے وہیں بغیر کسی اختلاف کے تعامل امت کے ساتھ اجماعِ امت سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ مخدوم ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں۔

" بدانکہ اجماع کردہ اند مسلمانان بر آنکہ زیارتِ پیغمبر علیہ السلام از اعظم قربات و افضل طاعات و آکد سنن و مندوبات است " (حیات القلوب ، ص ۲۹۸)۔

○ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح فرماتے ہیں۔

" اعلم ... ان زیارۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم باجماع المسلمین من غیر عبرۃ بما ذکرہ بعض المخالفین من اعظم القربات و افضل الطاعات و انجح المساعی لنیل الدرجات قریبۃ من درجۃ الواجبات بل قیل انہا من الواجبات لمن لہ سعۃ و ترکہا غفلۃ عظیمۃ وجفوۃ کبیرۃ وفیہ اشارۃ الی حدیث استدل بہ علی وجوب الزیارۃ ھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند حسن وجزم بعض المالکیۃ بان المشی الی المدینۃ

افضل من الكعبة و بيت المقدس ؟ (بذل المجہود ، ج ۴، ص ۲۰۴)

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ زیارتِ نبوی اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ وہیں یہ بھی ذکر ہے کہ بعض کے اختلاف سے اجماع متاثر نہیں ہوگا۔ نیز درجہ کی تعیین کے ساتھ ترک زیارت کو ..... عظیم غفلت اور بڑی زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ یہ بھی بتلایا گیا کہ بعض مالکیہ کے نزدیک مدینہ جانا کعبہ اور بیت المقدس جانے سے بہتر ہے۔ ہمارے فقہائے احناف نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر فرض حج کے لئے گیا ہے تو پہلے حج کرے، (بعد میں زیارت کرے) اور اگر حج فرض نہیں ہے تو پھر اختیار ہے خواہ پہلے زیارت کرے اور پھر حج کرے، یا پہلے حج کرے اور بعد میں زیارت کرے۔ قالوا . ان كان الحج فرضا قدمه عليها والا تخيير۔ (طحاوی ص ۴۰۴)

پھر مدینہ جانے میں بھی بہتر یہ ہے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کرے۔ والاولى فى الزيارة تجريد النية لزيارة قبره صلى الله عليه وسلم۔ (طحاوی، ص ۴۰۵)

الحاصل مسلمانوں کا یہ عمل امتِ محمدیہ کا عظیم اجماع ہے جس پر دورِ صحابہؓ سے لے کر آج تک عمل ہو رہا ہے۔

اتفق مالك والشافعي وابوحنيفة واحمد على ان زيارة قبر النبى صلى الله عليه وسلم من أفضل المندوبات۔ (حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام، ج ۱، ص ۱۲۹)

لہٰذا اس نظریہ کی بنیاد پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے، روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے نہ جانا، جہاں ان احادیثِ صحیحہ کا (جن میں سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر اور زیارت نبوی کی تصریح ہے) انکار ہے، وہاں اجماعِ امت سے انحراف بھی ہے، جس کی امانت و دیانت کی دنیا میں قطعاً قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ وہیں سخت محرومی اور حرمان نصیبی بھی ہے۔ چنانچہ "بذل المجہود" کی عبارت گزر چکی ہے۔ کہ وتركها غفلة عظيمة وجفوة كبيرة......

○ نیز علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں۔

" وترک کردن زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع الامکان غفلتے است عظیمہ وشناعتے قبیحہ "

(حیات القلوب، ص ۲۹۸)

اس لئے گنجائش کے باوجود زیارت کے لئے نہ جانا موجب وعید شدید ہے۔

سوال ۵

منکرین حیات الانبیا علیہم السلام فی القبور قائلین حیات الانبیاء فی القبور کو دجال، کذاب و مشرک کہتے ہیں۔ آیا یہ منکرین حیات الانبیاء فی القبور دیوبندی کہلانے کے مستحق ہیں؟

الجواب ۵ منکرین حیات الانبیاء، دیوبندی تو کجا بعض اکابر نے توان کو اہل السنت والجماعت سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، ایسے شخص کو اہل السنت والجماعت سے خارج قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

"اس باب (حیاۃ الانبیاء) میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اور جو انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور اہل السنت والجماعت سے خارج ہے۔ (فتاوی دارالعلوم غیر مطبوعہ)۔

اس فتوے پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ، مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا محمد ضیاء الحق صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور۔ استاذ الکل حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب ہزاروی کے بھی دستخط ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ خود ایسے لوگ (منکرین حیات الانبیاء) دوسرے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو خصوصاً علماء کو کافر، مشرک اور دجال کہیں۔ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے؟

ان کو غالباً اس کی خبر نہیں جو اوپر نقل کیا گیا ہے۔

سوال ۶ منکرین ثواب وعذاب قبر کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب ۶ جملہ اہل السنت والجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ قبر (برزخ) میں اہل ایمان اور اصحاب طاعات کو لذت و سرور نصیب ہوتا ہے اور کفار و منافقین کو نیز گنہگاروں کو عذاب و تکلیف ہوتی ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن و سنت اور اجماع امت کے صریح دلائل کے پیش نظر یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہاء کرام کا ذمہ دار طبقہ بلا تاویل عذاب قبر کے منکر کو کافر کہتا ہے حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑا ہی محتاط ہے۔ اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک کلمہ میں مثلاً ننانوے معانی کا احتمال بھی پیدا ہو سکتا ہو جن میں ننانوے پہلو کفر کے نکلتے ہوں اور صرف ایک ہی پہلو اسلام کا پیدا ہوتا ہو تو قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قائل کی مراد اسلام ہی کا پہلو ہو۔ ہاں! اگر خود ہی وہ کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین کر دے تو پھر کفر کے فتوای سے اس کو کوئی تاویل نہیں بچا سکتی۔ مسئلہ کی وضاحت کے لئے مسلم حضرات فقہاء کرام میں چند بزرگوں کی شہادتیں نقل کی جا رہی ہیں۔

عذاب و راحت قبر کا منکر اور فقہائے اسلام

علامہ طاہر احمد الحنفی رح لکھتے ہیں کہ

ولا یجوز الصلوۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وینکر الکرام

الکاتبین وعذاب القبر وکذا من ینکر الرؤیۃ لانہ کافر "

خلاصۃ الفتاوی : ج ۱ : ص ۱۴۹)۔

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور کرام کاتبین اور عذاب قبر اور رؤیت باری کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کافر ہے "

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

○ محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام محمد بن عبدالواحد الحنفی السیواسی فرماتے ہیں ۔

" ولا تجوز الصلوۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتوارث ھذہ الامور عن الشارع صلی اللہ علیہ وسلم " (فتح القدیر مصری : ج ۱ : ص ۲۴۷)۔

شفاعت اور اللہ کے دیدار اور عذاب قبر اور کرام کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتدا میں نماز درست نہیں ہے کیوں کہ وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ۔

یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے ۔ " فتاوی عالمگیری " میں بھی " انکار عذاب قبر " کو کفر لکھا ہے ۔ (فتاوی عالمگیری) ج ۲ : ص ۱۰۲ بمصری)۔

○ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن بکر الاندلسی القرطبی ارشاد فرماتے ہیں۔

" فاعلموا ایھا الاخوان ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ ولکن اللہ تعالی یاخذ بابصار الخلائق و اسماعھم من الجن والانس عن رؤیۃ عذاب القبر ونعیمہ لحکمۃ الھیۃ ومن شک فی ذلک فھو ملحد "

(مختصر تذکرۃ القرطبی لعبدالوہاب الشعرانی ، ص ۳۰ مصری)

اے بھائیو ! تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالی اپنی (مکلف) مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں، اور کانوں سے قبر کے عذاب و راحت کو اوجھل رکھتا ہے۔ کیوں کہ حکمت الٰہی کا تقاضا یہی ہے ۔ اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ ملحد ہے ۔

علامہ ابوالشکور السالمی فرماتے ہیں۔

فاما عذاب القبر للمؤمنین من الجائزات وللکافرین من الواجبات واللہ تعالیٰ یقول النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا یعنی فرعون وقومہ دل انہ کان صحیحا فی ای موضع وعلی ای حال ومن انکر ھذا یصیر کافرا واللہ اعلم۔

(تمہید، صفحہ ۱۲۵، طبع مصری)

عذابِ قبر مؤمنین کے لئے جائز اور کافروں کے لئے واجب ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ "فرعون اور اس کی قوم صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہے۔" یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو، جو اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

○ مولانا عبد العلی بحر العلوم الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

منکر الشفاعۃ لاھل الکبائر والرویۃ وعذاب القبر ومنکر الکرام الکاتبین کافر۔ (رسائل بحر العلوم، صفحہ ۹۹)

اہلِ کبائر کے لئے شفاعت، رؤیت باری تعالیٰ، عذابِ قبر اور کراماً کاتبین کا انکار کرنے والا شخص کافر ہے۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح صاف ہو جاتی ہے کہ بلا تاویل ثواب و عذابِ قبر کا منکر کافر ہے۔ خدا تعالیٰ صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ واللہ یہدی السبیل۔ فقط

واللہ اعلم

مہر دار الافتاء دار العلوم دیوبند

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ مفتی دار العلوم دیوبند
الجواب صحیح کفیل الرحمٰن نائب مفتی دار العلوم دیوبند
۲۳ شعبان ۱۴۰۵ھ

○

نحن متفقون بہ کلمۃ بکلمۃ حرفاً بحرف

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
محمد حنیف جالندھری مہتمم خیر المدارس ملتان
۲۰ شوال ۱۴۰۵ھ

منکرین سماع صلوٰۃ و سلام عند القبر سے مولانا غلام اللہ خان صاحب کا اظہارِ برأت

الاستفتاء:

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہٗ السلام علیکم۔

ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب احمد سعید خان ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ جو شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف پر پڑھا ہوا صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں وہ شخص کافر ہے۔ وہ مولوی صاحب اپنے آپ کو آپ کی جماعت کا بتاتے ہیں۔ دیوبندی لوگوں میں بہت اختلاف ہو گیا ہے۔ لہذا آپ اپنا عقیدہ اور اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ظاہر فرما کر ہم پر کرم نوازی فرمائیں تاکہ عام مسلمانوں کی رہبری ہو سکے۔

نیاز مند علماء.....

احقر عبد القادر خان عباسی

احمد پور شرقیہ، سابق ریاست بہاول پور۔

الجواب وھو الموفق للصواب

کتب فقہ حنفیہ اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عند القبر بذاتِ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود و سلام سنتے ہیں۔ سلف اہل السنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایسے عقیدے والے کو کافر اور مشرک کہنا بہت بڑی دلیری ہے العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ایسی جہالت سے ہر ایک کو محفوظ رکھے اور سلف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ ہذا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عبد الرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن

راجہ بازار راولپنڈی

۲۲ صفر ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح: لاشئ غلام اللہ

جواب درست ہے: ناکارہ خلائق، غلام ربانی۔

سماعِ صلوٰۃ وسلام عند القبر کے بارے میں

حضرت العلامہ مولانا محمد شریف صاحب کشمیری مدظلہ کا ارشادِ گرامی

حضرت العلامہ مدظلہٗ نے ایک کتاب مسمّٰی بہ "تنبیہ الغافلین علی اقوال الخادعین" پر تقریظ لکھتے ہوئے یہ لکھا کہ " سماعِ صلوٰۃ وسلام عند القبر کے بارے میں میرا بھی وہی عقیدہ ہے جو اکابر دیوبند کا ہے وغیر ذالک "۔ اس کے بعد ڈیرہ اسماعیل خان کے کسی صاحب نے حضرت والا مدظلہٗ سے اس مسئلہ پر گفتگو کی۔ تو دورانِ بحث " حدیث من صلی علی عند قبری سمعتہ " کی سند پر بھی تبصرہ ہوا۔ جس کو بعد میں ان صاحب نے بعنوان " اعلان برأت " شائع کر دیا۔ جس سے بظاہر یہ تأثر ہوتا تھا کہ حضرتِ والا کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور حضرت والا اس عقیدے سے برأت ظاہر کرتے ہیں۔

حضرت والا کو جب یہ معلوم ہوا، تو آپ نے نزاکت کو محسوس فرماتے ہوئے ایک تحریر عنایت فرمائی۔ جس میں حضرت نے وضاحت و تصریح کے ساتھ اظہارِ خیال فرمایا ہے اور اس پر جامعہ خیر المدارس اور جامعہ قاسم العلوم ملتان کے مفتیانِ عظام کے تائیدی دستخط بھی ثبت ہیں۔ فقط

محمد انور مرتب خیر الفتاوٰی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ "تنبیہ الغافلین علی اقوال الخادعین" پر جو تقریظ ہے اور جسے بعنوان فتوٰی من جانب خطباءِ اہلِ السنۃ والجماعۃ ڈیرہ اسماعیل خان، شائع کیا گیا۔ وہ عبارت میری ہے میں اب بھی اس کا قائل ہوں کہ

" اگر روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو آپ خود سنتے ہیں۔ بلکہ جمیع اہل السنۃ والجماعۃ اس کے قائل ہیں اور سب اکابر دیوبند کا یہی عقیدہ ہے۔ جو شخص اس عقیدے کو عقائدِ شرکیہ یا بدعیہ میں شمار کرتا ہے وہ بالکل جاہل اور پہلے درجے کا احمق اور ملحد ہے۔ وہ حقیقتِ شرک سے قطعًا ناآشنا ہے۔ مسلمانوں کو ایسے شخص سے دور رہنا چاہیئے۔"

اب میں علٰی وجہ البصیرت بتائیدِ مفتیانِ خیر المدارس وقاسم العلوم ملتان مذکورہ بالا عقیدے کی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں، جو اس کے خلاف میری طرف منسوب کر کے شائع کیا جائے، اسے

غلط سمجھیں۔ میری طرف منسوب کر کے " اعلانِ برائت " کے عنوان سے جو تحریر من جانب " اشاعۃ التوحید والسنۃ " شائع کی گئی ہے وہ ایک حدیث " من صلی علی عند قبری سمعتہ) کی ایک سند کے بارے میں فنی بحث تھی۔ لیکن کسی حدیث کی سند کا متکلم فیہ ہونا اس کے مضمون کے بطلان کی دلیل نہیں۔ خود ابن عبد الہادی نے اس حدیث کے مضمون و معنی کو صحیح قرار دیا ہے۔

(الصارم المنکی ص ۱۱۳)

اور یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس سے سلام خود سنتے ہیں۔ (الصارم المنکی ص ۲۸)
علامہ شوکانی رح اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ثم حکم ابن عبد البر مع ذلك بصحته لتلقی العلماء له بالقبول ۔ اھ

(نیل الاوطار ج ۱ : ص ۲۴)

پھر ابن عبد البر نے اس بحث کے باوجود یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس لئے کہ تمام علماء نے اسے قبول کیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد شریف کشمیری

شیخ الحدیث وصدر مدرس خیر المدارس ملتان

۲۶ جمادی الاخرےٰ ۱۴۰۱ھ

التحریر صحیح : محمد شریف عفا اللہ عنہ جالندھری مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر جو شخص صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے آپؐ اس کا صلوٰۃ وسلام خود سنتے ہیں۔ سب اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے۔ فقط

واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان : ۲۶ : ۶ : ۱۴۰۱ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۶/۶/۱۴۰۱ھ

محمد اسحاق عفا اللہ عنہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان

"یا بابا فرید" کو حفاظت میں مؤثر سمجھنا کفر و شرک ہے

شدید باد و باران کے دوران بجلی کے چمکنے اور بادل گرجنے کے وقت

بعض لوگ "یا بابا فرید" پکارتے ہیں کہ اس طرح بجلی کچھ نہیں کہتی۔ اور کہاوت یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ وضو کر رہے تھے کہ شدید بارش شروع ہوگئی اسی اثناء میں بجلی گری اور آپ کے وضو والے لوٹے میں آگئی۔ آپ نے فوراً ہاتھ سے لوٹے کو اوپر سے اور ٹونٹی سے بند کر لیا۔ اب بجلی کو نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہ ملا تو منت سماجت کرنے لگی۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ بتا۔ اب پھر آنے گی ؟ تو عرض کرنے لگی، نہ آپ کے پاس آؤں گی اور نہ اس کے پاس جو ایسے وقت میں آپ کا نام پکارے گا۔ اس لئے ایسے وقت میں "یا بابا فرید، یا بابا فرید" پکارنا چاہئے۔

یہ کہاں تک درست ہے اور اس کا شرعی حکم کیا ہے نیز ایسے وقت میں خود شریعت مطہرہ میں کیا کہنے کا حکم ہے ؟

المستفتی صاحبزادہ محمد لطف اللہ خالد : ۲۵۲ بی شاہ جمال ٹاؤن لاہور

الجواب آنحضرت علیہ السلام کا اپنا معمول یہ تھا کہ اس وقت یہ دعا مانگتے تھے۔

اللھم لا تقتلنا بغضبك ولا تھلکنا بعذابك وعافنا قبل ذالك۔ اھ (مشکوٰۃ ج : ص ۱۳۳)

نیز اس وقت یہ دعا بھی حدیث سے ثابت ہے۔

سبحان الذی یسبح الرعد بحمده والملٰئکة من خیفته۔ اھ (مشکوٰۃ ج ص ۱۳۳)

ایسے وقت میں اس عقیدہ کے ساتھ "یا بابا فرید" کہنا کہ یہ کلمہ ہم کو بجلی سے بچالے گا سخت ترین گناہ ہے اور قرآن وحدیث کے خلاف ہے موت وحیات صرف اور صرف اللہ کے قبضے میں ہے اس کے سوا کسی اور کو ان چیزوں کا مالک سمجھنا کفر و شرک ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۱۵ / ۷ / ۱۴۰۷ھ

فضائل درود شریف کی ایک حکایت پر اعتراض کا جواب ہمارے ایک ساتھی نے فضائل درود شریف کی حکایت ص۴۹ پر ایک اشکال ظاہر کیا ہے وہ یہ کہ اس حکایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد از وفات چلنا، پھرنا اور ان کو غیب کی خبر ہونا اور مشکل کشائی کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ تمام باتیں جماعت تبلیغی اور دیگر تمام علمائے دیوبند وغیرہ کے عقائد کے خلاف ہیں۔ اس واقعہ کا صحیح مفہوم اور مطلب واضح الفاظ میں بیان فرمایا جائے۔ اور اس قسم کے واقعات کے بارے میں یہ بھی بیان فرمایا جائے کہ وہ ذات بنفسِ نفیس خود آن موجود ہوتی ہے یا کہ اس ذات کی کوئی شکل مثالی جیتے جاگتے پیش کی جاتی ہے۔ اس واقعہ کی اس ذات کو خبر بھی ضروری ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعض اوقات حق جل شانہٗ اپنے کسی بندے کی فریادرسی کسی لطیفہ غیبی کے ذریعہ فرماتے ہیں۔ وہ لطیفۂ غیبی اس کی مانوس شکل میں ظاہر ہوکر بندے کی تکلیف کو باذن اللہ دور کر دیتا ہے۔ اس حکایت ص۴۹ میں بھی ممکن ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔ تو سب اعتراضات ساقط ہو جائیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ روح پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو متجسد کر کے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی جانب سے بھیجا گیا ہو۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں انبیاء علیہم السلام کی مختلف مقامات پر زیارت کی۔ اس کی ایسی ہی توجیہہ کی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان ۲۲/۱۱/۱۳۹۹ھ

مسئلۂ تقدیر میں بحث کرنا منع ہے انسان نیک بد کا خود خالق ہے یا سب کچھ تقدیر کراتی ہے؟ ایک شخص نے دوسرے شخص کو قتل کرنا چاہا تو غلطی سے کسی تیسرے شخص کو گولی لگی اور وہ مر گیا۔ اس صورت میں قاتل بری الذمہ ہے یا گنہگار۔ گناہگار ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؛ جب کہ ازل سے مقتول کا قتل ہونا اس قاتل کے ہاتھ سے مقدر تھا۔ تیسرے آدمی کے متعلق کیا کہا جائے گا کہ اسے خدا کی طرف سے یہ تکلیف کیوں دی گئی۔ جب کہ ظاہری صورت میں اس کے ہاتھ سے اور زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچی ہو۔

الجواب مسئلۂ تقدیر میں بحث کرنا اور جھگڑنا احادیثِ نبویہ میں ممنوع آیا ہے۔ انسان خیر و شر کا خالق نہیں بلکہ کاسب ہے۔ اسی کسب پر جزاء و سزا کا مدار ہے۔ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے لقولہ تعالیٰ واللہ خلقکم وما تعملون الآیۃ بندہ تقدیر کی بناء پر مجبور نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم جہنمی ہو جو کچھ بھی کرو۔ اور نہ یہ کہا کہ تم جنتی ہو جو کچھ بھی کرو۔

اس لئے بندہ تقدیر کو عذر اور بہانہ کے طور پر پیش نہیں کرسکتا۔ جیساکہ دنیا وی معاملات میں کوئی شخص تقدیر کو بہانہ نہیں بناتا بلکہ خوب دوڑ دھوپ کی جاتی ہے۔ اسی طرح دینی معاملہ میں بھی تقدیر کو بہانہ نہ بنائے۔ بلکہ دنیا میں اگر نقصان ہو جائے تو تقدیر پر قناعت کرے۔ کما قال العارف الرومی

اختیار در کار دنیا جبری اند
اختیار در کار عقبیٰ جبری اند

قاتل نے غلطی سے نشانہ کے خطا ہونے سے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ قاتل کو بے پروائی، غفلت اور بے احتیاطی کا گناہ ہوگا۔ اسی بنا پر کفارۂ قتل لازم ہوتا ہے۔ قتل عمد کا گناہ نہ ہوگا۔ اور مقتول کی موت اللہ تعالیٰ کے علم میں اسی طرح واقع ہونی تھی۔ اس میں مقتول کو کیا تکلیف ہوئی۔ مقتول کے حق میں یہ موت اور طبعی موت برابر ہیں۔ بلکہ اس طرح مظلومیت کی موت رفع درجات اور تکفیر سیئات کی موجب ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۷ شعبان ۱۴۰۰ھ

جادو میں کیا چیز مؤثر ہوتی ہے

۱: جادو کیا چیز ہے؟ ۲: کیا جادو کے ذریعے کسی چیز کو حرکت دی جاسکتی ہے؟ ۳: نیز جادو کے پیچھے کون سی طاقت کارفرما ہوتی ہے؟

الجواب ۱: جادو کی تعریف کتابوں میں یہ لکھی ہے۔ هو علم يستفاد منه حصول ملكة نفسانية يقتدر بها على افعال غريبة لاسباب خفية اه (شامی)

۲: حرکت دی جاسکتی ہے۔ خواہ حرکت واقعی ہو یا تخییل محض ہو۔

۳: اسباب خفیہ۔ جیساکہ تعریف سے ظاہر ہے۔ دوسری چیزوں میں حرکت اسباب ظاہری سے ہوتی ہے۔ اور جادو میں اسباب خفیہ سے جو ہمیں نظر نہیں آتے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۷ / ۳ / ۱۴۰۰ھ

شش کلمات کے مفہوم پر اعتقاد کافی ہے یاد کرنا ضروری نہیں

شش کلموں کے الفاظ میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ نیز ان کلموں کو یاد کرنا ضروری ہے یا صرف اعتقاد رکھنا کافی ہے۔ محمد علی حیدرآباد

الجواب کلمات اسلام مثلاً کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت، کلمہ تجید و توحید وغیرہ پر اعتقاد رکھنا بہرحال ضروری ہے۔ اور ان کو پڑھتے رہنا موجب برکت و ثواب ہے ایک دفعہ پڑھنا علی سبیل الاقرار فرض ہے آپ نے جو الفاظ یاد کئے ہیں اور جو موجودہ نمازوں میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ پائے جاتے ہیں یہ

اختلاف کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے کہ جس سے معانی یا مفہومات بدل جائیں یا الٹ ہو جائیں۔ لہذا جو الفاظ آپ کو یاد ہیں وہی پڑھتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

رقمہٗ محمد عبداللہ غفرلہٗ ۱۵ ؍ شعبان ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح : خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان۔

جمہور امت کے نزدیک مہدی شخص معین ہیں

استفتاء : کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ تجدید و احیاء دین کتاب جو کہ مولانا مودودی صاحب کی تصنیف ہے اس میں جو امام مہدی کا باب ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام اور علماء عظام کے دونوں گروہ مہدی کے بارے میں غلطی پر ہیں۔ مہدی کو اپنے مہدی ہونے کی خبر بھی نہ ہوگی۔ حضرت مہدی کی وفات کے بعد ان کے کارناموں کو دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ یہی مہدی تھا جس کا ذکر حدیثوں میں آتا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ نعروں اور پھونکوں سے فتح نہیں ہوگی بلکہ تلوار سے فتح ہوگی۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ ابھی تک مجدد کامل کا مقام خالی ہے۔ یہ تین باتیں امام مہدی کے باب میں ہیں۔ کیا یہ شریعت کے موافق ہیں یا مخالف۔ ان کے مناسب جو حدیثیں ہیں صحیح حدیثیں بمعہ راوی تحریر فرمائیں۔ اور ان کے مخالف جو حدیثیں ہیں وہ صحیح حدیثیں بھی بمعہ راوی تحریر فرمائیں۔

الجواب : امام مہدی کے متعلق مودودی صاحب کا یہ خیال ہے کہ مہدی شخص معین نہیں ہے۔ بلکہ ایک وصفی لقب ہے جو کہ عادل خلفاء اور ائمہ کے متعلق حدیث میں مذکور ہے۔ اور اسی پر یہ بناء قائم کی گئی ہے کہ جب وہ معین شخص نہ ہوئے تو اس کا علم ہونا بھی مسلمانوں کو ضروری نہیں ہے کہ یہ وہی مہدی ہیں جن کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔ اب قابل غور بحث یہ ہوئی امام مہدی شخص معین ہیں جن کے متعلق پیش گوئی کی گئی ہے یا لقب وصفی ہے؟

جمہور اہلسنت جو فرماتے ہیں کہ امام مہدی شخص معین ہیں، وہ ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔

۱ : عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المہدی منی اجلی الجبهة اقنی الانف یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا ویملک سبع سنین۔ (رواہ ابوداؤد : ج ۲ : ص ۲۳۲)۔

۲ : عن ام سلمة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من اهل المدینة هاربًا الی مکة فیأتیه ناس من اهل مکة فیخرجونه وهو کاره فیبایعونه بین الرکن والمقام۔
(رواہ ابوداؤد : ج ۲ : ص ۲۳۲)

اس مضمون کی اور حدیثیں بھی کثرت سے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی معین شخص کا نام ہے۔ لقب وضعی نہیں۔ اور ان کے امام ہونے کا علم ان کی زندگی میں ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳ شعبان ۱۳۶۹ھ

الجواب صحیح خیر محمد عفی عنہ ۲۴ شعبان ۶۹ ۱۳ھ

ہر طرح کا عمل لکھے جانے پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے

ملائکہ کو انسان کی آنکھوں کے عمل کا اندازہ کس طرح ہوتا ہے کہ یہ گناہ کی نظر سے دیکھ رہا ہے؟ نیز اس ناچیز کے اندر مرض ہے کہ کسی حسین پر اچانک نظر پڑ جائے تو دل پر شدید اثر ہو جاتا ہے۔ اور بتقاضائے نفس دوبارہ دیکھا جائے تو سخت نقصان محسوس ہوتا ہے؟

الجواب روح المعانی ج ۲۶ ص ۱۸۰ - میں ہے۔

وفی شرح الجوهرة للقانی مما یجب اعتقاده ان لله تعالی ملئکة یکتبون افعال العباد خیرا أو شرا قولا کانت او عملا او اعتقادا همًّا کانت او عزما او تقریرا اختارهم سبحانه لذلك فهم لا یهملون من شأنهم شیئا فعلوه قصدا او تعمدا او ذهولا او نسیانا صدر منهم فی الصحة او فی المرض کما رواه علماء النقل والروایة انتهی۔

حاصل یہ کہ حق تعالیٰ کے مقرر کردہ فرشتے کراماً کاتبین بندوں کے تمام اعمال کو لکھتے ہیں۔ خواہ وہ اعمال دل کے ہوں یا اعضاء و جوارح کے ہوں۔ اور اعضاء و جوارح کے اعمال تو خود کراماً کاتبین جان لیتے ہیں۔ کما فی التفسیر الکبیر۔ الجواب عن الثالث ان غایة ما فی الباب تخصیص هذا العموم بافعال الجوارح وذلك غیر ممتنع ؛ ج ۸ : ص ۳۴

البتہ اعتقادِ قلبی پر علم کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے ان کیلئے علامت مقرر ہے جس سے ان کو پتہ چلتا ہے کہ اس بندہ کے دل میں یہ ہے۔

کما فی تفسیر روح المعانی و یکتبان کل شیء فی الاعتقاد والعزم والتقریر حتی الانین فی المرض الی قوله ویجعل الله لهما امارة علی الاعتقاد القلبی ونحوه۔ ج ۲۸ ؛ ص ۶۵ - فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق عفرلہ ۲۱-۲-۱۳۸۹ھ

جو نظر غیر اختیاری ہو وہ معاف ہے۔ اور جو اختیاری ہے اس کا علاج یہ ہے کہ ہمت کر کے

بچا جائے ۔ والجواب صحیح ۔ خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان

یزید کے بارے میں عادلانہ رائے

کیا مندرجہ ذیل حوالہ جات صحیح ہیں ؟

۱ : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم ۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۱۰)

شارح بخاری علامہ قسطلانی رح نے فرمایا ہے ۔ فی ھذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ لانہ اوّل من غزا البحر ومنقبۃ لولدہ لانہ اوّل من غزا مدینۃ قیصر (حاشیہ بخاری ج ص ۴۱۰)

علامہ ابن کثیر رح لکھتے ہیں ۔ کان الحسن یفد الی معاویۃ فی کل عام فیعطیہ ویکرمہ وکان فی الجیش الذین غزوا القسطنطنیۃ مع ابن معاویۃ یزید ۔ (البدایہ ج ۸ ص ۱۵۱)

اور یہی علامہ رح اور جگہ یوں لکھتے ہیں ۔ وکان ابو ایوب انصاری فی جیش یزید بن معاویۃ والیہ أوصی وھو الذی صلی علیہ اھ (البدایۃ ، ج ۸ ، ص ۵۹)۔

علامہ طبری نے لکھا ہے ۔ وتوفی ابو ایوب الانصاری عام غزا یزید بن معاویۃ القسطنطنیۃ فی خلافۃ أبیہ وقبرہ باصل حصن القسطنطنیۃ ۔ (طبری ، ج ۱۳ ، ص ۱۶)

امام غزالی حجۃ الاسلام ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں ۔

ویزید صح اسلامہ وماصح قتل الحسین ولا رضاہ بہ واما الترحم فجائز بل یستحب بل ھو داخل فی قولنا اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات فانہ کان مؤمنا (وفیات الاعیان لابن خلکان ، ص ۴۶۵)۔

علامہ ابن تیمیہ رح مطاعن یزید کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ فان الرجل کان ملکا من ملوک المسلمین وخلیفۃ من خلفاء الملوک ۔ (منہاج السنۃ ، ج ۲ ، ص ۲۴۷)۔

الجواب طبری اور وفیات الاعیان کی عبارت کے علاوہ باقی تمام عبارات ہمیں مل گئی ہیں ان عبارتوں سے واقعی یزید کی فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن اسکے ساتھ ساتھ اور جو غلطیاں یزید سے صادر ہوئی ہیں انہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔ چنانچہ بخاری ص ۴۱۰ کے حاشیہ پر جہاں یہ لکھا ہے کہ فی ہذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ الی ومنقبۃ لولدہ اسکے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ مغفرت مشروط ہے اس شرط کیساتھ کہ وہ اہل مغفرت میں سے بھی ہوں ۔ اسلئے اہلسنت کا طریق راہِ اعتدال کو اختیار کرنا ہے ۔ نہ تو یزید پر لعنت کیجائے نہ ہی برا بھلا کہا جائے اور نہ سب وشتم کیا جائے ۔ نہ ہی یہ کوشش کیجائے کہ اسے اپنے رتبہ سے بڑھا کر خلیفۂ راشد قرار دیا جائے اور نہ ہی حضرت حسین رض کو باغی کہا جائے اور نہ انکی تنقیص کیجائے جیسا کہ بعض لوگ شیعہ کیخلاف ضد میں آکر کہہ جاتے ہیں ۔ سلامتی کی بات یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں جو اختلافات ہوئے انکو موضوع بحث نہ بنایا جائے اور نہ ہی انمیں کوئی رائے زنی کیجائے ۔ فقط واللہ اعلم ۔ محمد عبد اللہ عفرلہ ۱۹/۱ شہ ۱۳۹۰ھ

درود شریف پہنچائے جانے کے بارے میں ایک سوال کا جواب

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس میں کہ دیوبندی حضرات کے اس عقیدہ کے تحت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور عام آدمیوں میں کوئی فرق نہیں۔ وہ عقیدہ یہ ہے کہ دیوبندی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام روضۂ اقدس سے کسی قدر فاصلے سے پڑھا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے۔ بلکہ فرشتوں کے ذریعے پہنچتا ہے۔ گویا دیوبندیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ سماعت کو محدود کر دیا ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے واقعات ایسے ہیں کہ ان کی قوت سماعت محدود نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کی آواز "یا ساریۃ الجبل" حضرت ساریہؓ نے اتنی دور سے سنی، بہت دور کا فاصلہ تھا۔ اسی طرح بزرگوں کے ہزاروں واقعات ہیں۔ ایک جگہ بیٹھے ہزاروں میل دور سے بات سن لیتے ہیں۔ تو یہاں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ قائم کرنا کیسے درست ہے کہ دور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن نہیں سکتے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب واللہ الموفق وہو الھادی

احکام شرع کی مختلف قسمیں ہیں۔

۱:۔ بعض وہ ہیں جن میں غور و فکر کی فی الجملہ گنجائش ہے اور مخصوص حالات میں بعض قیود کے ساتھ انسان کو اپنی رائے کے مطابق عمل کی بھی اجازت ہوتی ہے۔

۲: اور بعض احکام وہ ہیں کہ جن کے بارے میں کسی کی رائے و فکر کو قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا بلکہ صاحب شرع سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ہی واجب العمل تصور کیا جاتا ہے۔ خواہ اس کو ذہن قبول کرے یا نہ۔ یہ آخری جملہ میں نے بطور مبالغہ کہہ دیا ہے۔ ورنہ ایک مسلمان کے لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فرمان نبوی سامنے آئے اور مسلمان کا فکر و ذہن اس کو قبول نہ کرے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب بھی یہ ہے کہ آپؐ کے ارشادات کو واجب الاذعان سمجھتے ہوئے ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے اور اس پر کوئی چون و چرا نہ کی جائے۔

دوسری قسم کے احکامِ شرع وہ ہیں جن کے بارے میں قرآن و حدیث نے وضاحت کر دی ہے کہ ان کی حقیقت یہ ہے۔

یہ مسئلہ جس کے بارے میں آپ نے شبہات ظاہر کئے ہیں اس قسم میں داخل ہے۔ کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پاک پڑھے گا اس کو میں سنتا ہوں اور جس نے کسی دور دراز جگہ سے درود بھیجا تو مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے زمین میں کچھ فرشتے گشت کرنے والے مقرر فرما رکھے ہیں جو میرے امتی کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔
پس اس مسئلہ کا فیصلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما چکے ہیں۔ اس لئے ایک سچے مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اسی پر ایمان لائے، اسی کو حق سمجھے اور کسی شک وشبہ کو اپنے سینہ میں جگہ نہ دے۔ خواہ اس کا فہم نارسا اس کو قبول کرتا ہو یا نہ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر نبی کی بات ماننا بھی اپنے قبول فہم پر موقوف رکھا جائے تو فرمانِ نبوی اور ایک عامی کی بات میں فرق ہی کیا ہوگا۔ کیونکہ جب کوئی بات سمجھ میں آجاتی ہے اور فہم اسے قبول کر لیتا ہے۔ تو اسے تو بہر حال ماننا ہی پڑے گا۔ خواہ اس کے کہنے والا کوئی ہو، نبی ہو یا غیر نبی۔ اگر پیغمبر علیہ السلام کے فرمان کو بھی ویسے ہی مانا جائے گا تو ایک عام آدمی کی بات اور نبی کی بات میں کیا فرق ہوگا۔ اور پھر پیغمبر پر ایمان لانے کا کیا معنیٰ؟

القصہ جس مسئلہ پر آپ کو شبہات ہیں وہ کسی کا من گھڑت نہیں بلکہ وہ حدیث میں مصرح ہے جیسا کہ حدیث کا ترجمہ اوپر نقل کیا گیا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ میں موجود ہیں۔ پس اسے تسلیم کر لینا چاہیئے۔ اور اپنے فہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک اور عالی فہم مبارک کو برتر سمجھتے ہوئے آپ کے ارشاد پر ایمان لانا چاہیئے۔ یہ تو اصل مسئلہ تھا اس کی تفہیم کے سلسلہ میں ہم فرض سے سبکدوش ہو گئے ماننا نہ ماننا آپ کے ذمہ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفی عنہ
۶/۸/۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح
عبد اللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان۔

آنحضرت علیہ السلام کے نور کو نورِ خداوندی کا جزء کہنا صحیح نہیں

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین کہ زید نے اپنی تقریر میں کہا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نور سے جدا کئے گئے ہیں چنانچہ بائبل اور تواریخ کلیسا میں اس طرح مذکور ہے۔ اور اہلِ تشیع کا عقیدہ ہے کہ پنجتن پاک اللہ تعالیٰ کے نور سے جدا کئے گئے ہیں اور بریلوی حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے جدا کئے گئے ہیں۔ تو گویا کہ یہ تینوں حضرات نور کے عقیدے میں برابر ہیں۔ جبکہ زید کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے جدا نہیں کئے گئے یعنی نور مجسم نہیں بلکہ نور ہدایت ہیں تو اس عقیدے کے پیش نظر زید کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو جو لوگ محض پارٹی بندی اور تعصب کی وجہ سے تارکِ جماعت ہو رہے ہیں ان کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو جو لوگ جماعت میں شریک ہوتے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو سب اشیاء سے پہلے پیدا فرمایا یہ نور مخلوق تھا۔ اس نور کو اللہ تعالیٰ کے نور سے جزئیت حاصل نہیں۔ یعنی نور محمدی اللہ تعالیٰ کا جز نہیں۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ نور محمدی اللہ تعالیٰ کا جز ہے تو اس کا یہ عقیدہ واقعی مشرکانہ ہے اور عیسائیوں کے مشابہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور ہدایت بھی ہیں یعنی آپ کے ذریعہ سے خلق خدا کو ہدایت حاصل ہوئی۔ اور جسمانی طور پر بھی آپ کے وجود اطہر میں کافی نور شامل ہے جیسا کہ احادیث سے واضح ہوتا ہے۔ اور یہ نورانیت آپ کی بشریت کے بھی منافی نہیں۔ نور محمدی کو نور خداوندی کا جز کہنے والے کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم

عبداللہ عفرلہٗ — ۱۱ / ۲ / ۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

ثنائے پیغمبر علیہ السلام میں حد سے تجاوز کرنے کا حکم

ایک صوفیانہ محفل وجود میں آئی۔ اس میں ایک نعت پڑھی گئی اس کے دو اشعار درج ذیل ہیں۔

لے گل کوئی یار خطا دی نہیں خدا تو نہیں پر جدا بھی نہیں
آپ ہیں احمد بن کے حمد کرے محمد نام دھرایا ہے
بن صورت دے رب نہیں لبھدا شکل نورانی مکھ رب دا
ادجے نہ ہوندا نہ رب ہوندا لولاک خدا فرمایا ہے

زید کہتا ہے کہ آخری مصرع میں جملہ " ادجے نہ ہوندا " یہ جملہ کفریہ ہے اس میں خدا تعالیٰ کو مخلوق سمجھا گیا ہے۔ لیکن بکر کہتا ہے کہ اس جملہ میں مجاز مرسل ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات مراد نہیں بلکہ اس کی ربوبیت کا اظہار مراد ہے۔ تو کیا یہ اشعار شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب اشعار مذکورہ انتہائی غالیانہ اور خلاف شریعت مضمون پر مشتمل ہیں تاویل نہ کیا جائے تو موجب کفر ہیں۔ مگر فتوے اکفار میں چونکہ احتیاط کی جاتی ہے لہذا قائل اور معتقد کو کافر نہ کہا جائے گا۔ زید اس بارے میں صادق ہے۔ ان اشعار کا خلاف شریعت مطہرہ ہونا ظاہر ہے دلائل کی حاجت نہیں۔ بطور تنبیہ چند الفاظ اس بارے میں تحریر کئے جاتے ہیں۔

شعر اول مصرع ۲ موہم حلول واتحاد ہے حالانکہ خداوند قدوس کا کسی مخلوق کے ساتھ متحد ہونا یا اس میں حلول کر جانا ہندوؤں اور عیسائیوں کا بدنام زمانہ مشرکانہ عقیدہ ہے اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں۔ قرآن پاک نے اس عقیدہ کو کفر قرار دیا ہے۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو

المسیح ابن مریم (مائدہ پ ۶) تمام نہار مسلمانوں کے ساتھ حق تعالےٰ سبحانہ کا نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک کوئی نسبی رشتہ نہیں کہ جس کی بدولت ایک امر نصاریٰ کے حق میں کفر ہو اور جاہل بے باک مسلمانوں کے حق میں موجب کفر نہ ہو۔ ایسے اشعار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث ناراضگی ہیں۔
آخری مصرع کا " ادسجے نہ ہوندا " کا خلاف شریعت ہونا اظہر من الشمس ہے۔ فقط

الجواب صحیح
محمد عبد اللہ عفرلہٗ

واللہ اعلم
بندہ عبد الستار نائب مفتی

داڑھی کی توہین سے سلب ایمان کا اندیشہ ہے

احقر نے اپنی بھتیجی جو کہ بیوہ ہے اس کا نکاح حضرتؒ کے حکم پر ایک صالح پابند صوم وصلوٰۃ شخص کے ساتھ کر دیا۔ اور نکاح میاں صاحب نے پڑھایا۔ اس دوران نکاح کے روز ایک شخص نے میاں صاحب کے حق میں گستاخانہ الفاظ کہے بلکہ داڑھی پر مخصوصاً طنزیہ فقرہ کہا " یہ مونچھاں پانچ سیر اتر جانے گی " یہ بات اس نے حجام سے مخاطب ہو کر میاں صاحب کو دیکھ کر کہی پھر تھوڑی دور جا کر ایک اور شخص جو کہ اس کا ماموں ہے سے مخاطب ہو کر کہا کہ " داڑھی پیجر آگیا ہے آپ ان کو نکاح کرانے دیں "۔

الجواب
یہ کلمات سخت گستاخانہ ہیں۔ قائل کے سلب ایمان کا اندیشہ ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار نائب مفتی۔

الجواب صحیح
محمد عبد اللہ عفرلہٗ

دانستہ کربلا کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا کفر ہے

جو کربلا کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔ کلمہ علیؓ کا پڑھتا ہے۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ علی رسول اللہ، جب کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک اکابر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے تم بھی ایسا کرو۔ جواب دیتا ہے کہ میرا دل یوں ہی چاہتا ہے۔ یہ مسلمان ہے یا نہ، اس سے کیا برتاؤ کیا جائے؟

الجواب
بر تقدیر صحت واقعہ مذکور سب کلمہ توحید میں " محمد رسول اللہ " کی بجائے " علی رسول اللہ " پڑھتا ہے اور نماز بھی قبلہ کی طرف نہیں پڑھتا ہے۔ تو پھر یہ شخص کافر ہے۔ اس کے ساتھ برتاؤ مسلمانوں والا نہیں کرنا چاہیئے جب تک وہ تجدید ایمان نہ کرے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔ وفی الفتاوی رجل صلی الی غیر القبلۃ متعمداً فوافق ذلک الکعبۃ قال ابو حنیفۃؒ ھو کافر باللہ۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس

بندہ محمد اسحاق
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

ائمہ مذہب سے نفیِ سماعِ موتیٰ صراحۃً منقول نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ امام صاحب و صاحبین تینوں امام اپنی تحقیق میں عند القبر سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں یا نہیں ؟

الجواب مذکورہ ائمہ ثلاثہ رح سے صراحۃً نفیِ سماع نقلِ صحیح سے باوجود کثرت تتبع کے نظر سے نہیں گزری ۔ حضرت العلامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی قریب قریب ایسے ہی منقول ہے ۔ سیما اذا لم ینقل عن احد من ائمتنا رحمہ اللہ تعالیٰ ۔ اھ

(فیض الباری ، ج ۲ ، ص ۴۶۷) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے ناموں کے ساتھ امام کا استعمال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے نام کے ساتھ لفظِ امام کا استعمال کرنا کیسا ہے ؟ آیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب امام کا معنی ہے "پیشوا ، و مقتدا ۔" اور اہل السنۃ والجماعت بایں معنی سب صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بلکہ بعض تابعین کو بھی امام سمجھتے اور کہتے ہیں ۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ اہلِ تشیع کی اصطلاح میں "امام" عالم الغیب اور معصوم عن الخطاء کو کہتے ہیں[1] ۔ بایں معنی کسی بھی صحابی کو امام کہنا درست نہیں ۔ جہاں حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسماء گرامی کیساتھ لفظ امام کو استعمال کرنے سے اس عقیدہ کی طرف ایہام ہوتا ہو وہاں استعمال سے احتراز کریں ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۱۱
۴ ؍ ۲ ؍ ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

---

[1] حوالہ کے لئے دیکھئے کتاب "شیعہ" مؤلفہ علامہ سید محمد حسین طباطبائی ، ص ۸۳ ۔
محمد انور

"اللہ رسول تمہاری خیر کرے" کہنے کے بارے میں

ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے کہ جب ایک آدمی دوسرے آدمی سے حال احوال پوچھتا ہے تو احوال بتانے والا آخر میں کہتا ہے کہ اور خیر ہے تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ اللہ رسول تمہاری خیر کرے۔ کیا یہ جملہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب یہ جملہ موہم شرک ہے لہذا نہ کہا جاوے۔ قادر علی الخیر علی الاطلاق اللہ رب العزت ہے۔ فقط

واللہ اعلم

محمد انور نائب مفتی

الجواب صحیح، محمد صدیق عفرلہ ۲۲/۱۰/۱۳۹۸ھ

آنحضرت علیہ السلام کے تعدد ازواج پر اعتراض کا حکم

زید کا بکر کے سامنے یہ کہنا کہ یہ کہاں کا اصول ہے کہ بادشاہ چاہے جتنی شادیاں کرلے اور قوم کے لئے صرف چار کی پابندی ہو۔ یہ قول زید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں کہا ہے۔ (۱) زید مذکور سلام سے خارج ہے یا کہ نہیں؟ (۲) نکاح باقی ہے یا کہ نہیں؟ اگر نکاح باقی نہیں تو اس کی بیوی کے لئے عدت ہے یا نہیں؟ (۳) اس کی اقتداء جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب چند ضروری حکمتوں اور مصلحتوں[1] کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعدد ازواج کی اجازت دی گئی جو کہ تعدد ازواج ہی سے پوری ہو سکتی تھیں کسی امتی سے نہ وہ حکمتیں مطلوب ہیں اور نہ ہی وہ پوری ہو سکتی ہیں۔ زید کو چاہئے کہ توبہ واستغفار کرے اور اپنے ایمان و نکاح کی تجدید کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور، ۲۷ شعبان ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

یا اللہ یا محمدؐ لکھنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی دیواروں پر شرعاً یا اللہ یا محمدؐ لکھنا جائز ہے یا لازماً اللہ محمدؐ لکھنا ضروری ہے۔ اگر صرف اللہ محمدؐ لکھ دیا جائے تو کیا یہ شرعاً ناجائز اور گناہ ہے کہ نہیں؟ اور کیا صرف اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھانے والے کے متعلق گستاخ رسول اور وہابی اور اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہونے کا فتویٰ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب شریعت میں نہ تو اللہ، محمدؐ، اور نہ ہی یا اللہ، یا محمدؐ لکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی شریعت میں ایسا کہیں نہیں ملتا کہ یہ الفاظ مساجد میں ضرور لکھے جائیں۔ لیکن چونکہ ایسا کرنا ممنوع بھی نہیں لہذا یہ دیکھنا چاہئے کہ جن الفاظ کے لکھنے میں کوئی اور مفسدہ لازم نہ آئے وہ جائز ہوں گے۔ اور یا اللہ

---

[1] ان مصالح کی تفصیل کے لئے دیکھئے "معارف القرآن" ج ۲، ص ۱۹۳ تا ۱۹۵ - مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ۔

یا محمد چونکہ عام طور پر اہل بدعت اپنی مساجد میں لکھا کرتے ہیں۔ اور لفظ " یا " سے اس عقیدے کا اظہار مقصود ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی ہر جگہ موجود ہے اور یہ عقیدہ غلط محض ہے اور باطل ہے۔ لہٰذا ان الفاظ کا لکھنا جائز نہیں۔ اگر کسی کا یہ عقیدہ نہ بھی ہو مگر جیسے شرک سے بچنا ضروری ہے شائبہ شرک سے بچنا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا جو الفاظ موہم شرک ہوں ان سے بھی اجتناب واجب ہے۔

ب ؛ ناجائز نہیں۔ ج ؛ ایسا کرنے والے پر کفر کا فتویٰ لگانا تعصب، کم عقلی، اور جہالت کی علامت ہے

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۲ رمضان المبارک، ۱۳۹۱ھ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں تشریف لانا ثابت نہیں اور ماتقول فی ہذا الرجل کا جواب

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں تشریف لاتے ہیں یا نہیں ؛ اگر تشریف لاتے ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب الذی بعث فیکم اور اگر نہیں لاتے تو اس کا کیا مطلب ہے ماتقول فی ھذا الرجل پوری تحقیق و تدقیق سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں تشریف لانا روایات صحیحہ سے ثابت نہیں بعض لوگ ماتقول فی ھذا الرجل جیسے الفاظ کی بنا پر اس کے قائل ہو گئے ہیں حالانکہ ان الفاظ سے یہی مراد ہونا محل کلام ہے۔ کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ "ہذا" کا مشار الیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مبارک تصور ہو جو ہر مسلمان کے ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ ولہ نظائر کثیرۃ۔ یا روضۂ اطہر اور میت کے درمیان حجاب اٹھا دیئے جاتے ہوں اور مردہ زیارت سے مشرف ہو جاتا ہو (پس سوال میں مذکور شق ثانی کی بنا پر اسم اشارہ کی توجیہ اس سے خوب ظاہر ہے)۔

والدلیل علیہ ما فی حاشیۃ المشکوۃ عن القسطلانی قیل یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بشری عظیمۃ للمؤمن ان صح ذلک ولا نعلم حدیثا صحیحا مرویا فی ذلک والقائل بہ انما استند لمجرد ان الاشارۃ لا تکون الا للحاضر لکن یحتمل ان تکون الاشارۃ لما فی الذہن فیکون مجازا الخ

کشف کے بارے میں بھی علامہ قسطلانی رح کے نزدیک کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری قبر میں یہ تو بعد کی بات ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
محمد عبداللہ عفرلہٗ مفتی خیرالمدارس ملتان۔ — نائب مفتی خیرالمدارس ملتان — ۸ شوال ۱۳۸۰ھ

کسی میّت کا کفن چبانا اور اس سے کسی کی موت واقع ہونا بے اصل ہے

ہمارے علاقہ میں ایک بات مشہور ہے کہ جب کسی گھر میں اموات بکثرت ہوں تو کہتے ہیں کہ اس گھر کا اوّل میّت قبر میں کفن چبا رہا ہے۔ چنانچہ اس میت کو نکال کر اس کے منہ میں پتھر بھر دیئے جاتے ہیں اور سر میں کیلیں لگائی جاتی ہیں۔ کیا یہ خیال درست ہے؟ نیز اس عمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب یہ عقیدہ مشرکانہ توہم ہے موت وحیات صرف اللہ تعالٰے کے قبضہ میں ہے ھو یحیی ویمیت میت کے کفن چبانے کا نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ اس سے کسی کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ اور بلا عذر شرعی قبر کو اکھیڑنا بھی حرام ہے۔ بحر الرائق میں ہے۔

ولا یخرج من القبر الا ان تکون فی الارض المغصوبۃ ۔ اھ

قولہ ولا یخرج الخ ای بعد ما اھیل التراب علیہ لا یجوز اخراجہ بغیر ضرورۃ للنھی الوارد عن نبشہ۔ قال فی البدائع لان النبش حرام حقا للہ تعالٰی۔ (بحر الرائق ، ج ۲ ، ص ۲۱۰)

لاش نکالنے کے بعد اس میں کیل گاڑنا بھی کسی صورت جائز نہیں۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیا رواہ مالک وابو داؤد وابن ماجہ مشکوۃ ج ۱ ص ۱۴۹

قولہ ککسرہ حیا یعنی فی الاثم کما فی الروایۃ قال الطیبی اشارۃ الی انہ لایھان المیت کما لایھان الحی وقال ابن الملک والی ان المیت یتألم۔ قال ابن حجر ومن لازمہ ان یستلذ بما یستلذ بہ الحی انتھی وقد اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ۔ حاشیہ مشکوۃ ج ۱۔ ص ۱۴۹)۔

اہل علاقہ کو چاہیئے کہ عامۃ المسلمین کو اس مشرکانہ عقیدے سے بچاویں اور شدت سے اس نظریہ

باطل کی تردید کریں اور لوگوں کو مُردوں کے ستانے سے باز رکھیں۔ حدیث میں مرے ہوؤں کو برائی کے ساتھ ذکر کرنے سے بھی روکا گیا ہے۔ چہ جائیکہ ان کے جسم کو تکلیف دی جائے اور اس میں نبش قبر جیسے فعل حرام کا ارتکاب کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ — ۱/۱ ۱۳۹۶ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

میرا مرشد بمنزلہ خدا و رسول ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص سے میرے مرشد کے بارے میں بحث ہوگئی۔ کسی بات پر بندہ نے غصہ میں آکر یہ الفاظ کہے کہ میرا مرشد نعوذ باللہ خدا اور رسولؐ کے بمنزلہ ہے۔ فوراً توبہ بھی کرلی۔ مخالفین نے جنہوں نے میری بیوی کو ایک سال سے روک رکھا ہے انہوں نے شور مچایا کہ اللہ دتہ کی بیوی کا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

تنقیح: "میرا مرشد میرے نزدیک بمنزلہ خدا و رسولؐ کے ہے" اس سے مراد کیا ہے؟ یعنی کس معاملہ میں "میرا مرشد میرے نزدیک خدا اور اس کے رسولؐ کے مانند ہے"، جو بھی اس کی مراد ہو لکھ کر بھیج دیں۔

الجواب: شرائع کے اوامر اور نواہی کے بعد مرشد کا امر میرے نزدیک خدا اور رسولؐ کی طرح ہے۔

الجواب: یہ کلمہ بظاہر سخت متوحش ہے لیکن اس تاویل کے بعد موجب کفر نہیں۔ لہٰذا سائل کی بیوی پر شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اور بیوی حرام بھی نہیں ہوئی۔ لازم ہے کہ سائل آئندہ ایسے کلمات سے احتراز کرے۔ فقط۔

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ — ۲۷ / ۱ / ۱۳۸۰ھ

ڈاکٹر عثمانی ضال و مضل ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مولوی صاحب کے بارے میں کہ جس کا نام کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کیماڑی کراچی ہے۔ جس کے نظریات سے ہم آگاہ نہیں ہیں۔ اہل علم میں اہل حدیث، بریلوی حضرات اور علمائے دیوبند بھی شامل ہیں۔ ان کو گم کردہ راہ تصور کرتے ہیں۔ ان کی تحریر میں حیات النبیؐ کو شرک کہا گیا ہے۔ عذاب قبر اور سوال و جواب کو بھی قبر میں تسلیم نہیں کرتے۔ انہوں نے بہت اختلافی مسائل کے پمفلٹ شائع کر رکھے ہیں۔ زبانی

طور پر علمائے دیوبند کو بھی بے دین اور گمراہ تصور کرتے ہیں۔ اور شرک میں مبتلا تصور کرتے ہیں۔ ممکن ہے آپ نے بھی ان کے کتابچے دیکھے ہوں گے۔ مزید تحریر کی ضرورت نہیں۔ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ جب کہ پچھلے سال چنیوٹ شہر میں "حزب اللہ" نامی جماعت نے اشتہار بھی شائع کیا تھا جس میں ان کو ملحد اور منکر حدیث اور غلام احمد کے پیروکار تصور کیا گیا تھا۔ نیز ان کے دعوے کے خلاف علماء اہلحدیث نے انہیں منکر حدیث خیال کیا ہے۔ اور زبان سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔

الجواب ڈاکٹر عثمانی گمراہ، گمراہ کنندہ اور قریب بکفر ہے۔ منکرین حدیث وملحدین کی طرح وہ بھی کتب اسلاف کی عبارات کو توڑ مروڑ کر اس سے غلط نتائج اخذ کرتا ہے اور پھر ان کتب کا حوالہ دے کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ ایسے شخص کی صحبت سم قاتل ہے۔ اور اس کی تصنیفات اور اس کے متبعین سے دور کا رابطہ بھی نہ رکھیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۶/۱۲/۶ ۱۴۰ھ

مرتد کی توبہ کے شرائط زید عرصہ دراز سے اسلام چھوڑ کر مرزائیت کی طرف ارتداد اختیار کر چکا تھا اب دوست و احباب کے افہام وتفہیم سے مرزائیت سے علیحدگی کا اعلان نے اظہار کرتا ہے اور اعلان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کرتا ہے۔ مگر مرزا غلام احمد کے متعلق کوئی اظہار نفرت یا اس سے اعلان برأت نہیں کرتا۔ اور باوجود اصرار کے یہ کہتا ہے کہ میں کسی کو برا کہنے کیلئے تیار نہیں۔ اب زید کو مسلمان سمجھا جائے یا نہ؟

المستفتی ۔ فاضل حبیب اللہ جالندھری
ناظم جمعیۃ علماء اسلام وناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ منٹگمری

الجواب مرزائی کا اسلام میں آنا صرف کلمہ شہادت کے پڑھنے سے اور حضور علیہ السلام کو آخری نبی ماننے سے مکمل نہیں ہوتا اور نہ اس طرح اسے مسلمان سمجھا جائے گا بلکہ اس کی توبہ کے صحیح ہونے اور اسلام لانے کے لئے لازم ہے کہ مرزا قادیانی کی نبوت ومجددیت کا کھلے لفظوں میں انکار کرے اور اس کے کذاب و دجال ہونے کی تصریح کرے تب مسلمان سمجھا جائے گا۔ ورنہ منافقت اور دھوکہ بازی ہے۔ واسلامہ ای المرتد ان یأتی بکلمۃ الشہادۃ ویتبرأ عن الادیان کلھا سوی الاسلام وان یتبرأ عما انتقل الیہ اھ۔ (عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹)

جواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۱/۷/۱۳۷۱ھ — فقط واللہ اعلم — بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ خداوندی کا جُزء کہنے کا صحیح مفہوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو اللہ تعالےٰ کے نور کا حصہ یا جزء کہنا جائز ہے یا کہ نہیں۔ اور ایک شخص نے یہ کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کے نور کو اللہ تعالےٰ کے نور کا حصہ یا جزء کہنا جائز نہیں کیونکہ خدا کے نور کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ کیا یہ قول صحیح ہے؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نور خداوندی کا حصہ یا جزء کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ جسم اور جسمانیت سے بالکل منزہ اور برتر ہیں اور تجزی اجسام کی صفات میں سے ہے نیز جزئیت کا قول ولدیت کے عقیدہ کے مشابہ بن جاتا ہے۔ جس کی تردید قرآن کریم میں بڑی شد و مد کے ساتھ کی گئی ہے۔

كما قال تعالىٰ تكاد السمٰوٰت يتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدًا ان دعوا للرحمٰن ولدًا وما ينبغي للرحمٰن ان يتخذ ولدًا۔ (مریم)

پس شخص مذکور کا قول صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو "نورٌ من نور الله" کہا جاتا ہے یا نور اللہ کہا جاتا ہے یہ اضافت محض تشریفی ہے یہ مطلب نہیں کہ ذات خداوندی سے ایک جزء لے کر اسے ذات نبوی کے لئے مادہ قرار دیا گیا ہو ایسا کہنا بالکل غلط ہے۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

او اضافة البيت الى الله للتشريف ولهذا المعنى يقال للمسجد بيت الله ولنور نبينا صلى الله عليه وسلم انه خلق من نور الله او انه نور من نور الله وليس معناه ما تتسارع اليه افهام العوام من ان الله تعالى اخذ قبضة من ذاته التي هي نور وجعله نور حبيبه وتكون الذات اللٰهية مادة للذات المحمدية تعالى الله عن ذالك علوا كبيرًا۔

ذاتِ خداوندی کو مادہ تسلیم کرنے کی صورت میں قدم الحادث لازم آتا ہے۔ کسی حادث کیلئے ذات قدیم مادہ نہیں بن سکتی۔ مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ذات الہٰی ذات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مادہ نہیں ہے کیونکہ حادث کا مادہ قدیم نہیں ہو سکتا۔

(مجموعة الفتاوى، ج ۲، ص ۲۴۴)۔

واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نورانیت آپؐ کی بشریتِ مطہرہ کے منافی نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر و سیدالبشر ہونے کے باوجود اس نورانیت سے موصوف ہیں۔ پس اس نورانیت کی بنا پر انکارِ بشریت جائز نہیں ہے۔ ورنہ نصِ قرآنی قل انما انا بشر مثلکم کا انکار لازم آئے گا۔ اور حضراتِ فقہاء کرام نے اس عقیدۂ بشریت کو شرائطِ صحتِ ایمان قرار دیا ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ آپؐ کی بشریتِ مطہرہ کا اقرار و اعتراف کئے بغیر آپؐ پر ایمان لانا ہی معتبر صحیح نہ ہو۔ علامہ طحطاوی رح شرح مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں۔

ویشترط لصحۃ الایمان به صلی اللہ علیه وسلم معرفۃ اسمه اذ لا تتم الا به وکونه بشرا من العرب وکونه خاتم النبیین اتفاقا لورود ذلك بالقواطع المتواترۃ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۹/۶/۱۳۸۶ھ

"علیہم السلام" انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے

۱ بعض کتابوں میں حضرت امام حسینؓ، اور حضرت امام حسن رضؓ، اور حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اور علی اصغر شہید کے ناموں کے ساتھ "علیہ السلام" لکھا ہوتا ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

۲: کیا پیغمبروں کے علاوہ اور کسی بزرگ کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" لکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ۱-۲: انبیاءؑ کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ "صلوۃ و سلام" کے الفاظ لکھنا اور پڑھنا مستقلاً درست نہیں۔ البتہ انبیاءؑ کی تبعیت میں پڑھنا جائز ہے۔ کما فی الشامیۃ ج ۵ ص ۲۶۲۔

قوله وکذا لا یصلی احد علی احد استقلالا اما تبعا۔ کقوله "اللّٰهم صل علی محمد وعلی آله واصحابه" جاز ای قوله وفی خطبۃ شرح الاشباہ فمن صلی علی غیرهم اثم ویکرہ وهو الصحیح۔ "ولا یقال علی علیه السلام"۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

اہلِ بدعت کی تکفیر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء اہل السنۃ والجماعت دریں امر کہ مسائل متنازعہ فیہا مابین الدیوبندیہ و بریلویہ میں علمائے بریلوی اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو کافر کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں تو پھر ایک جماعت کثیرہ علماء کی جو کہ اپنے آپ کو علماء دیوبند کی طرف منسوب کرتی ہے اور اپنی تحریر و تقریر میں اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ ایسے عقیدہ والے لوگ پکے کافر ہیں ان کا کوئی نکاح نہیں۔ اور جو ایسے عقیدہ والوں کو انکے عقیدہ پر مطلع ہونے کے باوجود کافر نہ کہے انہیں بھی ویسا ہی کافر کہتی ہے۔ کیا علماء دیوبند اس امر میں متفق ہیں یا نہیں؟ مذکورہ بالا حضرات سماع موتیٰ خصوصاً حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی منکر ہیں۔

ب: حدیث فتجلی لی کل شئ کو بجائے کسی محمل صحیح پر محمول کرنے کے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

ج: ندائے غیب کو مطلقاً شرک حقیقی تصور کرتے ہیں اگرچہ بایں خیال ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں کسی ذریعہ سے سُنا دے خواہ بذریعہ کشف یا بطریق آخر۔

د: نذر غیر اللہ کو اگرچہ ناذر کا مقصد ایصال ثواب ہو اور بوجہ جہالت الفاظ میں غلطی کرے، اس کو صریح شرک اور ناذر کو مشرک اور مرتد کہتے ہیں۔

الجواب جو لوگ اہل بدعت کو کافر کہتے ہیں یہ ان کا ذاتی مسلک ہے تکفیر مبتدعہ کو علماء دیوبند کی طرف منسوب کرنا بہتان صریح ہے۔ حضرات علماء دیوبند کا مسلک ان کی تصنیفات اور رسائل سے واضح ہے۔ انہوں نے ہمیشہ مسائل تکفیر مسلم کے بارہ میں کافی احتیاط سے کام لیا ہے۔ مرزائیہ اور غلاۃ روافض کے علاوہ اہل بدعت کو انہوں نے کافر نہیں کہا۔ یہ جو مسائل سوال میں مذکور ہیں ان کے اندر تاویلات کی گنجائش ہے جن کی وجہ سے تکفیر مسلم کے بارے میں احتیاط لازم ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

۱۲ / ۱ / ۲ / ۱ / ۱۳۷۱ھ

مؤمن کی عزت کعبہ سے زیادہ ہے

کیا اللہ جل شانہٗ کے نزدیک مومن کی شان و عزت کعبۃ اللہ سے زیادہ ہے؟ کیا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شامل ہیں؟

الجواب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفاً[1] منقول ہے کہ مؤمن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کعبہ معظمہ سے زیادہ ہے۔ وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما انہ نظر یوماً الی الکعبۃ فقال ما اعظمك وما اعظم حرمتك والمؤمن اعظم حرمۃ عند اللہ منك رواہ الترمذی وابن حبان فی صحیحہ ۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۶۱)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔
۲۸ ـــــ ۱۱ ـــــ ۱۳۹۸ھ

صبی عاقل کا ارتداد معتبر ہے

نابالغ لڑکا جو کہ عاقل ہے اور شرح جامی وغیرہ پڑھتا ہے اگر کلمۂ کفر کہے تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو بالغ کا ہے یا کچھ فرق ہے۔

الجواب عاقل لڑکے کا ارتداد معتبر ہے۔ اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا لیکن انکار کی صورت میں بالغ کی طرح اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ واذا ارتد الصبی فارتدادہ ارتداد عند ابی حنیفۃ ومحمد ویجبر علی الاسلام ولا یقتل اھ (عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹)

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

ایمان واسلام میں فرق

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام دریں مسئلہ کہ مسلم اور مومن میں ہمارے اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک کوئی فرق ہے یا نہیں۔ قرآن پاک کی اس آیت وقالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا الآیۃ سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومن اور مسلم میں فرق ہے۔ اگر نہیں تو یوں لکھنا کہ امیر المسلمین صدیق اکبرؓ اور امیر المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

الجواب اسلام اور ایمان میں باعتبار حقیقت کے فرق ہے۔ اگرچہ درجۂ کمال میں پہنچنے کے بعد یہ باہم متساوی ومتلازم بھی ہیں۔ کما علیہ المحققون لیکن چونکہ امیر المومنین

---

[1] واخرج ابن ماجہ فی سننہ عن ابن عمر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطوف بالکعبۃ ویقول ما اطیبك واطیب ریحك ما اعظمك واعظم حرمتك والذی نفس محمد بیدہ لحرمۃ المؤمن اعظم عند اللہ حرمۃ منك (۲۹۰ مطبوعہ اصح المطابع)۔

ایک خالص مذہبی اور شرعی منصب پر فائز ہونے والے شخص کا نام اور لقب ہے لہذا اس میں کسی قسم کے تصرف کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ اسے امیر المسلمین سے بدل دیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حدیث "لانبی بعدی" کے منافی نہیں

کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں آپ کے بعد نبوت کا دعوےٰ کرنے والا اور اس دعوےٰ کو تسلیم کرنے والا مؤمن ہے یا کافر ؟

۲ : کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں ۔ اور آپ قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے تو بحیثیت نبی کے یا امتی کے ۔

الجواب

۱ : حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں ان کے بعد نبوت کا دعوےٰ کرنیوالا خواہ کسی قسم کا ہو کافر ہے ۔ اسی طرح وہ شخص جو اس دعوےٰ نبوت پر ایمان لائے وہ بھی کافر ہے ۔

۲ : حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں ۔ اور قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے ۔ ان کی تشریف آوری یقینی ہے ۔ مرزائی جو دھوکہ دیتے ہیں کہ ان کی تشریف آوری حدیث " لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ " کے مخالف ہے ۔ غالبًا اس کے ماتحت آپ نے یہ سوال تحریر فرمایا ہے کہ وہ نازل ہوں گے تو بحیثیت نبی کے ہونگے یا امتی کے ؟

جناب والا ! اس سوال کو مرزائی یوں رنگ دے کے بیان کرتے ہیں کہ اگر نبی ہو کر آئیں گے تو ختم نبوّت باطل ہوتی ہے اور اگر معزول ہو کر آئیں گے تو ایک پیغمبر کا نبوت سے معزول ہونا لازم آتا ہے ۔ یہ ایک اغلوطہ ، اور دھوکہ ہے اس کو ہم اس مثال سے واضح کرتے ہیں کہ ایک صوبہ کا وزیر اعلیٰ دوسرے صوبہ کے اندر جاتا ہے جہاں دوسرے وزیر اعلیٰ کی حکومت ہے ۔ کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ وزیر اعلیٰ جو دوسرے صوبہ میں گئے ہوئے ہیں اپنی وزارت سے معطل ہو کر اپنے عہدہ سے گر گئے ہیں ۔ یا یہ کہنا درست ہے کہ یہ وزیر اعلیٰ اپنے علاقہ کے حاکم اور افسر اعلیٰ ہیں ایک مقصد اور کام کے سلسلہ میں دوسرے صوبہ میں گئے ہیں ۔ جتنے دن دوسرے صوبہ میں رہیں گے وہاں کی حکومت اور قوانین کا احترام ان پر لازم ہوگا ۔ باوجود اس بات کے کہ وہ اپنے عہدہ اور اعزاز کو بھی اپنے اندر باقی رکھے ہوئے ہیں اور اس سے کسی صورت میں معزول نہیں ۔

محترم ! اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سابقہ انبیاء میں سے ہیں اپنے عہدہ اور اعزاز پر قائم ہیں ان کا اپنے عہدہ سے معطل ہونا لازم نہیں آتا ۔ اور نہ ان کے آنے سے ختمِ نبوت پر اثر پڑتا ہے ۔ کیونکہ وہ تو پہلے کے نبی ہیں ۔ مکان نبوت میں ان کا پہلے سے مقرر شدہ درجہ و منصب ہے ان کا آنا اس امت میں ایک سبب اور مقصد کے لئے ہوگا اور وہ ہے قتل دجال ۔ جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے ۔ وہ تشریف لانے کے بعد نبی ہوتے ہوئے قانونِ محمدیہ کا اتباع کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے ان کا آنا " لا نبی بعدی " کے منافی نہیں ۔ کیونکہ " لا نبی بعدی " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ملنے کی نفی کرتا ہے ۔ ان کو تو پہلے سے نبوت ملی ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو نبوت نہیں دی جا رہی ۔ اور دجال قادیانی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے اوپر نبوت کے نزول کا مدعی ہے جو تمام اسلامی اجماعی عقیدہ کے منافی ہے ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے ماتحت کہ

" لا تقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون کلهم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی ۔

کا استعمال ان لوگوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ رواہ ابوداؤد والترمذی ۔ جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعوئے نبوت کرتے ہیں ان کو دجال بھی کہا گیا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی سابقہ نبی کا آنا ختمِ نبوت کے منافی نہیں ۔ یہ جو وزیرِ اعلیٰ کی مثال دی ہے بطور توضیح مثال دی ہے کہیں کوئی شخص اس تشبیہ کو حقیقت نہ سمجھ لے اور اعتراض شروع کر دے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان ۶/۶/۱۳۷۱ھ

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان ۶/۵/۱۳۷۱ھ

رفع عیسیٰ علیہ السلام کا قرآن سے ثبوت

زید اذ قال اللہ یعیسیٰ انی متوفیک الآیۃ کی تفسیر کا بیان ان الفاظ سے کرتا ہے کہ جہاں تک قرآنِ مجید کا تعلق ہے حیاتِ مسیح اور رفع الی السماء قطعی طور پر ثابت نہیں ہے ۔ قرآن مجید کی مختلف آیات سے یقین نہیں البتہ ظن کے درجہ میں یہ امر ثابت ہے ۔ کیونکہ صریح نص قطعی اس امر میں واقع نہیں ہے ۔

عمرو کے بار بار توجہ دلانے کے باوجود زید اپنے خیال پر جما رہتا ہے ۔ آخر میں تنگ آ کر کہتا ہے کہ عقیدہ تو میرا بھی وہی ہے لیکن قرآن مجید سے یہ چیز قطعی الثبوت نہیں بلکہ ظنی ہے ۔ اس کی صراحت احادیث میں موجود ہے ۔ عمرو کے ساتھ دوسرے لوگ بھی شریک ہو کر زید کو اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں لیکن زید اپنے خیال پر بضد قائم ہے ۔ مسئلہ کی صورتِ مسئولہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے زید کے متعلق شریعت بیضاً

کیا فیصلہ صادر فرماتی ہے؟

الجواب رفع الی السماء قرآن سے قطعاً ثابت ہے "ورافعك الیّ" - "بل رفعه الله الیه" ثبوتِ قطعی ہے اور ہر دو آیت کی دلالت "رفع الی السماء" پر اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ امتِ محمدیہ کا اجماع باطل امر پر نہیں ہو سکتا۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ "رفع الی السماء" قرآن سے ثابت نہیں وہ سخت غلطی پر ہے۔ اس کو قرآن وحدیث کے علم سے ذرا بھی مس نہیں ہے اور نہ اسے اجماع کا علم ہے لیکن اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میرا عقیدہ بھی تمام مسلمانوں کے ساتھ متفق ہے یعنی حیات عیسیٰ علیہ السلام اور رفع الی السماء کا قائل ہے گو احادیث کی بناء پر ہی سہی تو اس کو کافر نہ کہا جاوے گا۔ مندرجہ ذیل حوالہ جات ملحوظ ہوں۔

۱ : حافظ ابن کثیر رح نے سورۂ نساء کی تفسیر میں اجماعِ امت نقل کیا ہے کہ احادیثِ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام متواتر ہیں۔

۲ : امام ترمذی رح نے عیسیٰ علیہ السلام کا دجال کو قتل کرنے کے سلسلہ میں پندرہ صحابہ رض کی روایات کا حوالہ دیا ہے۔

۳ : حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری میں نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا تواتر نقل کیا ہے ابی الحسین آسیری سے۔

۴ : تلخیص الحبیر کتاب الطلاق میں لکھا ہے اما رفع عیسیٰ علیہ السلام فاتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی انہ رفع ببدنہ حیًا۔

۵ : حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور رفع الی السماء بالجسد لازم وملزوم ہیں۔

یہ اشارات ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں زیادہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ "عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام"۔ فقط والسلام۔

الجواب صواب	۱۵/۵	بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان	۱۳۷۱ھ	خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان

قطعیات کا منکر کافر ہے

جو شخص سیدنا حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرتا ہے حالانکہ ان کی صحابیت نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ یا ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی ہوئی تہمت کو حق سمجھتا ہے حالانکہ ان کی براءت بھی نصِ قطعی سے ثابت ہے یا تحریفِ قرآن کو حق جانتا ہے۔ حالانکہ قرآن میں آتا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون ایسا شخص کافر ہے یا فاسق۔ بینوا وتوجروا عند اللہ۔

الجواب منکرِ صحبتِ صدیق رض۔ مصدقِ قذف برعائشہ رض اعاذنا اللہ منہا۔ اور قائل تحریفِ قرآن کافر ہے۔ ومن شك فی کفرہ فھو کافر ایضًا بھذا ظھر ان الرافضی ان کان ینکر

صحبة الصديق او يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة - (شامیه، ج ۲، ص ۲۹۸) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۷ / ۶ / ۶ / ۱۴۰۱ھ

علی اللہ رزقہا میں ذمہ تفضلی ہے

قرآن مجید کی آیت وما من دآبة فی الارض الا علی اللہ رزقہا میں باری تعالیٰ پر ذمہ تفضلی ہے یا غیر تفضلی؟ تصریح فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب جمہور اہل السنۃ کے مسلک کے مطابق اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ یہ حق تعالیٰ کا احسان وکرم ہے۔ تفسیر مظہری ج ۵ ص ۵۵ میں مذکورہ آیت کے تحت مرقوم ہے۔ لتكفله اياها تفضلا ورحمة وانما اتى بلفظ الوجوب تحقيقا لوصوله وحملا على التوكل فيه اھ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹ / ۱۲ / ۱۳۸۷ھ

حالت اضطرار میں کلمۂ کفر کہنا جائز ہے

ایک امام مسجد نے جمعہ میں تقریر کرتے ہوئے اپنے اعتقاد کا اظہار کیا کہ بوقت اضطرار کلمۂ کفر کہنا جائز ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ شیخ سعدی رح نے ہندوستان کے سفر میں سومنات کے سامنے کفر کیا اور بتوں کو سجدے کئے؟

الجواب یہ مسئلہ صحیح ہے بوقت اضطرار کلمۂ کفر کہنا بشرطیکہ دل میں ایمان موجود ہو جائز ہے۔ اس سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا۔ یہ مسئلہ قرآن مجید میں صراحۃً موجود ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ اصغر علی غفرلہ

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۳ / ۱ / ۱۱ / ۱۳۷۸ھ

استحلال معصیت کفر ہے

دینی کتب میں آتا ہے " استحلال المعصية كفر" اس کا کیا مطلب ہے اور اس سے مراد کون سی معصیت ہے؟

الجواب وہ حرام کام جس کی حرمت قطعی ہو اور نص قطعی سے ثابت ہو اس کو حلال سمجھنا۔ جیسے کوئی شراب اور سود خوری کو حلال سمجھے ایسا استحلال معصیت کفر ہے۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ۱ / ۵ / ۱ / ۱۳۷۷ھ

ایسی سرخی قائم کرنا جس سے توہین خدا کا شبہ ہو جائز نہیں ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مؤرخہ ۲ جنوری ۱۹۶۱ء

اخبار کوہستان ملتان میں صفحہ ۸ پر ایک خبر کی سرخی یوں درج ہے کہ " خدا و رسول و ولی جیل میں "
اس کے نیچے خبر درج ہے۔ بھیر یار وڈ یکم جنوری (نامہ نگار) معلوم رہے کہ سوہن گاؤں میں تین اشخاص
نے خدا و رسول و ولی ہونے کا دعوے کیا ہے۔ پولیس نے تینوں کو گرفتار کر لیا ہے اور جیل
میں ڈال دیا ہے۔ اب عاشق حسین حسینی کہتا ہے کہ جو سرخی اس خبر کی بنائی گئی ہے وہ توہین آمیز ہے
سرخی میں لفظ بوگس یا نام نہاد یا بناوٹی ضرور درج کرنا چاہئے تھا۔ اس طرح کھلے طور پر خدا اور رسول
و ولی جیل میں، لکھنے سے توہین واقع ہے مگر اخبار والے کہتے ہیں کہ کوئی توہین نہیں ہوتی۔ دونوں
میں سے کون سچا ہے؟ ۔ نوٹ! صیغہ تکفیر کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

الجواب ایسی سرخی قائم کرنا موجب توہین ہے۔ اگر قائل یہ ظاہر کرے کہ میری نیت میں خدا اور رسول
الخ سے مراد یہ جعلی خدا و رسول تھے اور نیت میں قطعاً خدا وند قدوس کے بارے میں ارادہ
یا وہم و گمان نہیں تھا تو اس پر تکفیر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ایسے شخص پر لازم ہے کہ استغفار
کرے۔ نیز مستحق تادیب بھی ہے۔

بندہ محمد عبداللہ عفر اللہ لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان۔ : سید مسعود علی انوار العلوم ملتان
محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

آغاخانی کا فرہیں ہمارے علاقے چترال کے علاوہ گلگت اور کراچی اور دیگر علاقوں میں اسمٰعیلی (آغاخانی)
فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی کافی تعداد آباد ہے۔ جو اپنے آپ کو مسلمان
کہلواتے ہیں۔ مگر ان کے عقائد اور نظریات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ : کلمہ : اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ واشہد ان
امیر المؤمنین علی اللہ۔

۲ : امام : یہ لوگ آغاخان کو اپنا امام مانتے ہیں اور اس کو جملہ اشیاء۔ اور ہر نیک و بد کا مالک
جانتے ہیں۔ اور اس کے اقوال اور احکامات کو فرمان کا نام دیتے ہیں اور اس کے فرمان ماننے کو سب
سے بڑا فرض سمجھتے ہیں۔

۳ : شریعت : ظاہری شرع کی پابندی نہیں کرتے۔ بلکہ آغاخان کو قرآن ناطق، کعبہ، بیت المعمور
اور سب کچھ مانتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں ہے کہ اس ظاہری قرآن میں جہاں کہیں اللہ کا لفظ آیا
ہے۔ اس سے مراد امام زمان (آغاخان) ہے۔

۴ : نماز پنجگانہ کے منکر ہیں ان کی بجائے تین وقت کی دعاؤں کے قائل ہیں۔

۵ : مسجد : مسجد کی بجائے جماعت خانہ کے نام سے اپنے لئے مخصوص عبادت خانہ بناتے ہیں۔

۶ : زکوٰۃ : شرعی زکوٰۃ کو نہیں مانتے۔ اس کی بجائے اپنے ہر قسم کے مال کا دسواں حصہ مال واجبات اور دسوند) کے نام سے (آغا خان) کے نام پہ دیتے ہیں۔

۷ : روزہ : رمضان المبارک کے روزوں کے منکر ہیں۔

۸ : حج : حج بیت اللہ کے منکر ہیں۔ اس کے بجائے (آغا خان) کے دیدار کو حج کہتے ہیں۔

۹ : سلام : السلام علیکم کی بجائے ان کا مخصوص سلام۔ (یا علی مدد ہے)۔

۱۰ : جواب سلام : وعلیکم السلام کی بجائے یا علی مدد کے جواب میں وہ "مولیٰ علی مدد" کہتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ سوالات والے عقائد و نظریات کے باوجود مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں یا کہ نہیں؟

الجواب مشہور آغا خانی فرقہ کافر اور خارج از اسلام ہے ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ ہرگز نہ کیا جائے نہ ان سے مناکحت صحیح ہے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں ان کو دفن کیا جائے۔ ان کی بعض کفریات کی سوال میں بھی تصریح ہے۔ مثلاً لفظ "اللہ" سے مراد امام لینا۔ اور صلوٰۃ خمسہ، زکوٰۃ، روزہ، حج کا انکار کرنا یہ امور بلاشبہ کفر ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں حضرت اقدس حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کا رسالہ "الحکم الحقانی فی الحزب الآغاخانی" (جواہر الفقہ، ج ۱، ص ۷۴)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مسئلہ سماع موتیٰ۔ وسماع درود وسلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں کچھ لوگ احمد سعید ملتانی کے معتقد ہیں

ہم انکو چھیڑتے تو نہیں مگر وہ بحث چلا کر دلائل مانگتے ہیں۔ مسئلہ سماع موتیٰ اور سماع صلوٰۃ وسلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث سے دلائل مطلوب ہیں۔ احادیث ضعیف اور مجروح اسناد والی نہ ہوں۔ ایک حدیث جو پیش کی جاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری قبر پہ درود پڑھے وہ میں خود سنتا ہوں۔ اس کی سند میں ایک کذاب رافضی ہے۔ اور یہ حدیث موضوع ہے۔

الجواب عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ اھ (مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۸۷) اس حدیث کی سند پر کوئی جرح نہیں۔ قال ابو الشیخ

حدثنا عبدالرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسین بن الصباح حدثنا ابومعاویۃ حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ رض (جلاء الافہام ص ۲۵)

مندرجہ ذیل ائمہ حدیث واعیان امت نے اس حدیث کے مضمون کو صحیح تسلیم فرمایا ہے۔

۱: خاتم الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی رح۔ ۲: حافظ سخاوی رح۔ ۳: حافظ ابن تیمیہ رح۔ ۴: ملا علی قاری رح۔ ۵: قاضی ثناء اللہ رح۔ ۶: علامہ طحطاوی رح۔ ۷: نواب صدیق حسن خان اہل حدیث۔ ۸: علامہ شبیر احمد عثمانی رح۔ ۹: مولانا رشید احمد گنگوہی رح۔ ۱۰: مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح۔ ۱۱: حکیم الامت حضرت تھانوی رح۔

ان میں سے چند حضرات کے اس سند کے بارے میں تعریفی اور تائیدی کلمات۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رح: اخرج ابوالشیخ فی کتاب الثواب بسند جید اھ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۰۹)

محدث سخاوی رح: رواہ ابوالشیخ وسندہ جید۔

ملا علی قاری رح: رواہ ابوالشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید اھ (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۰)

نواب صدیق حسن خان رح: اسنادہ جید۔ (دلیل الطالب ص ۸۰۳)

علامہ شبیر احمد عثمانی رح: اخرج ابوالشیخ فی کتاب الثواب بسند جید اھ۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

اس میں کوئی راوی وضاع اور کذاب نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
۷ : ۸ : ۱۴۰۱ھ

روضۂ اطہر پہ استغفار کے بارے میں

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ آیت ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ (سورۂ نساء پ ۵)۔ کی تفسیر کے بارے میں کہ کیا اب بھی روضۂ پاک کے پاس جاکر آدمی اپنے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرا سکتا ہے کہ یا نبی میری فلاں حاجت ہے آپ چونکہ خدا تعالیٰ کے پیارے بندے ہیں لہٰذا آپ میری درخواست خدا کے سامنے پیش فرمادیں اللہ تعالیٰ آپ کی دعا ضرور قبول فرماتے ہیں۔ آج کل عرف عام کے مطابق کہ میری دعا آپ کے آگے اور آپ کی دعا اللہ تعالیٰ کے آگے۔ بعض حضرات اس آیت سے مندرجہ بالا مقصود ثابت کرتے ہیں۔ چونکہ یہ شبہہ حضرت مفتی محمد شفیع رح کی تفسیر معارف القرآن کی اس عبارت سے ہوا کہ یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام

ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاوے اور آپ اس کے لئے دعاء مغفرت فرمادیں تو اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری جیساکہ آپ کی حیات دنیویہ کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔ اور اس سے آگے ایک واقعہ بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کی تائید میں تحریر ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر ہو بھی جائے تو لازم ہے کہ جو احباب مزارات پر جاکر مُردوں سے دعائیں کرواتے ہیں درست ہو۔ کیونکہ وہ بھی تو خدا کے پیارے بندے ہیں۔ مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانی رح، علی ہجویری رح، اور دوسرے اولیائے کرام کی قبروں پر۔ ان حضرات کو تفسیر جواہر القرآن (از شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب راولپنڈی) سے شبہ ہوتا ہے کہ تفسیر کی عبارت یوں ہے۔ کہ اس آیت کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اسی واقعہ سے ہے۔ اور آپ کی قبر سے استمداد اور استشفاع جائز نہیں ہے۔ جیساکہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب شاہ عبدالحق محدث دہلوی رح کی ایک عبارت سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" حق آنست کہ انکار فقہاء عام است از آنکہ استمداد از قبور انبیاء کنند یا از قبور غیر ایشاں ہمہ جائز نیست چنانچہ از عبارات دیگر کتب فقہاء کہ دریں جواب ایراد کردہ می شود واضح خواہد گردید۔

(مسائل اربعین مسئلہ، ص ۳۳)

اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ آیا اس آیت کے تحت اپنی حاجت روضۂ اقدس پر جاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کرنا۔ کہ آپ میری اس حاجت کیلئے خدا کے دربار میں شفیع ہو جائیں جیساکہ عرف عام میں لوگ مزاروں پر جاکر کرتے ہیں درست ہے یا نہیں ـــ یا کہ یہ صرف اس واقعہ کے ساتھ ہی خاص تھا جیساکہ جواہر القرآن کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔ جواہر القرآن کے شروع مقدمہ کے صفحہ ۴۰ پر یہ بھی تحریر ہے۔

ارشاد الطالبین میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح فرماتے ہیں۔

" مسئلہ، دعاء از اولیاء مُردگان و زندگان جائز نیست۔ رسول خدا فرمود الدعاء ھو العبادۃ وقرأ وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین۔

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر یہ عرض کرنا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعاء مغفرت فرمادیں اور میری شفاعت فرمادیں اب بھی جائز اور مستحب ہے۔ اس کا انکار جمہور اہلسنت کا خلاف ہے۔ اور اس کا انکار کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ خیر القرون سے اس کا ثبوت ہے کسی سے نکیر منقول نہیں ہے۔ بلکہ بعض خوش نصیبوں کو تو دنیا ہی میں بشارت دے دی

گئی کہ تمہاری مغفرت کر دی گئی ۔ حضرت مولانا حسین علی رح تحریرات حدیث میں فرماتے ہیں ۔

۷ ۔ جاء رجل اعرابی فقال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جئتک لتستغفرلی الی ربی فنودی من القبر الشریف قد غفرلک ۔ (ص ۲۴۶) ۔

یہ واقعہ ، تفسیر مدارک ، وفاء الوفا ، قرطبی ، اور ابن کثیر میں بھی مروی ہے ۔ واقعات کا انکار تو کسی طرح بھی معقول نہیں ۔ اگر اس نظریہ کا انکار عدم حیات یا عدم سماع کی بنا پر کیا جاوے تو یہ بنا ، فاسد علی الفاسد ہے ۔ آپ کا یہ کہنا کہ اگر یہ ثابت ہو جائے تو لازم ہے کہ جو احباب مزاروں پر جا کر مردوں سے دعا کراتے ہیں درست ہو ۔ یہ دعوئے لزوم بلا دلیل ہے بلکہ بالکل غلط ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ، آپ کا قبر شریف میں سماع منصوص و متفق علیہ ہے البتہ بزرگان دین کے سماع میں اختلاف ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا ، مغفرت کر دینے پر مغفرت کا وعدہ ہے ۔ بزرگوں کی دعا پر قبولیت کا وعدہ نہیں ۔ لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا غلط ہے ۔ مؤلف جواہر القرآن کا خلاف نص ، خلاف جمہور عقیدہ کے لئے شاہ اسحاق رح کی عبارت سے استدلال کرنا درست معلوم نہیں ہوتا ۔ شاہ اسحاق رح جس استمداد پر انکار فقہاء نقل کر رہے ہیں اس سے مراد صاحب قبر سے یہ کہنا ہے کہ تم میرا یہ کام کر دو ۔ اور بے شک یہ غلط ہے بلکہ شرک ہے ۔ نبی سے کہا جانے یا غیر نبی سے ۔ خود شاہ اسحاق رح فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کتب فقہاء کی دوسری عبارت سے بات واضح ہو جائے گی ۔ اور جو دوسری عبارات نقل کی ہیں ان میں تصریح ہے کہ صاحب قبر سے حاجت طلب کرنا ممنوع ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاہ اسحاق صاحب استمداد بمعنیٰ صاحب قبر سے حاجت طلب کرنے کو ممنوع قرار دے رہے ہیں ۔ ورنہ ان کے اپنے دعویٰ اور دلیل میں کوئی مطابقت نہیں رہتی ۔

" ارشاد الطالبین " کی عبارت سے استدلال بھی ایک واضح مغالطہ ہے ۔ قاضی صاحب کی مراد اس جگہ دعاء سے یہ ہے کہ صاحب قبر سے یہ کہنا کہ تم میرا یہ کام کر دو ۔ جیسے اللہ رب العزت سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ اے اللہ میرا یہ کام کر دے ۔ کیونکہ دلیل اس کی یہ پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدعاء هو العبادة لہٰذا جس معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سے کہا جاتا ہے اگر اسی معنی کے اعتبار سے بندوں سے کہا جاوے تو یہ شرک و ممنوع ہو گا ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی یوں نہیں کہتا کہ اے اللہ میرے لئے دعا کر دیجئے ۔ یا میرے لئے سفارش کر دیجئے ۔ لہٰذا اس کا مسئلہ مختلف فیہ سے کوئی تعلق نہیں ۔ یہ تو آپ کے سوال کا جواب تھا ۔ رہا یہ مسئلہ کہ پیغمبر خدا کی طرح بزرگوں کے مزارات پر جا کر دعا کرنا جائز ہے یا نہیں ، تو ظاہر ہے کہ جو سماع کے قائل ہیں ان کے نزدیک ممنوعیت کی کوئی وجہ نہیں ۔ اور جو قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک ایسے کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ۔ البتہ اگر لوگ اس میں غلو

کرنے لگ جائیں اور اعتدال سے ہٹ جائیں تو علی الاطلاق ممنوع بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲ ؍ ۱۱ ؍ ۱۴۰۰ھ — بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔

مسئلہ خلق قرآن قرآن پاک کو مخلوق کہنے کا کیا مطلب ہے۔ کلام تو بے شک صفت ہے اللہ تعالیٰ کی۔ لیکن کیا اس طرح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ تو اپنے احکام کلام کے ذریعہ نبی کی وساطت سے بندوں تک پہنچائے اور کچھ گزشتہ واقعات، عبرت کے لئے بیان فرمائے۔ اور کچھ ارشادات خاص خاص موقعوں پہ (جیسا کہ حضرت عائشہؓ پر تہمت اور اس پر انقباض کو دور کرنے کے لئے بصورت وحی) ارسال فرمائے۔ تو کلام کی یہ تینوں صورتیں جدید ہوئیں۔ کیا اس اعتبار سے کلام کو مخلوق کہا جا سکتا ہے اور جدید ہونے کی صورت میں مخلوق نہ کہا جائے تو کیا کہنا چاہیئے۔ جب کہ صفت کلام کے قدیم ہونے پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ یعنی یہ عقیدہ اپنی جگہ بدستور قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اور صفتوں کے ساتھ یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ حسبِ موقع کلام فرماتا ہے اور یہ صفت ازل سے ابد تک اس میں موجود ہے اس عقیدہ کی تفہیم اور اصلاح مطلوب ہے۔

الجواب قرآن کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ تو اس وقت اس کی صفت جدید یا حادث لانا درست نہیں جس کو آپ لکھ رہے ہیں کہ کلام کی یہ تینوں صورتیں جدید ہوئیں۔ اس کو اصطلاح میں کلام لفظی کہتے ہیں۔ اور یہ بھی قدیم ہے جیسے کہ کلام نفسی اللہ کی صفت ہے اور قدیم ہے۔ مجدد الف ثانی رحمہ فرماتے ہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرف اور آواز کا لباس دے کر ہمارے پیغمبر علیہ السلام پر نازل فرمایا ہے۔ اور بندوں کو اس کے ساتھ امر و نہی کا مخاطب بنایا ہے۔ جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو کام اور زبان کے ساتھ حرف اور آواز کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کو بغیر کام و زبان کے وسیلے کے محض اپنی قدرتِ کاملہ سے حرف اور آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں پر بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حروف و آواز کے ضمن میں لا کر ظہور کے میدان میں جلوہ گر کیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی کلام نفسی اور کلام لفظی حقیقۃً حق تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اور کلام لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلامِ خدا نہ کہنا بلاشبہ کفر ہے۔ (مکتوب ۶۷، دفتر دوم)

عقائد الاسلام میں ہے کہ کلامِ الٰہی کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔

۱ ؛ اوّل یہ کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کلامِ بسیط ہے جو کہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس

کے قدیم ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔

۲ ؍ دوسرے معنی یہ ہیں کہ کلام سے وہ کلمات الٰہیہ مراد لئے جائیں جن کا حق سبحانہٗ نے تکلم فرمایا۔ قرآن کو اللہ تعالےٰ کا کلام اسی معنی پر کہا جاتا ہے۔ یہی قرآن اللہ کا کلام ہے جو نبی پر اتارا گیا۔ یہ قدیم اور غیر مخلوق ہے۔ مگر قرآن کی قرأت اور اس کی سماعت اور اس کی کتابت حادث اور مخلوق ہے۔ اس لئے کہ قرأت، سماعت اور کتابت بندے کے افعال ہیں۔ اور بندے کے افعال حادث اور مخلوق ہیں امام بخاریؒ اور دیگر علمائے محققین کا یہی مسلک ہے اھ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۲۶ محمد انور

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱ جم ۱ ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ سے حاضر ناظر مراد لینا تحریف ہے

ایک مولوی صاحب نے بدعتی امام مسجد سے کہا کہ آیت لقد جاء کم رسول من انفسکم سے حضور کا انسان ہونا ثابت ہوتا ہے تو حافظ نے کہا کہ آیت کا یہ مقصد نہیں اور "کُم" کے معنی حاضر ناظر کے ہیں۔

الجواب آیت ہٰذا کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ یہ مطلب بیان کرنا قرآن کریم کی صریح تحریف ہے۔ گزشتہ تیرہ صدیوں میں آیت مذکور کا یہ معنی کسی مفسر نے نہیں کیا ہے "کُم" ضمیر کے در اصل مخاطب حضرات صحابہؓ ہیں۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ ماضی کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک عظیم الشان رسول آچکا ہے یعنی مبعوث کیا جا چکا ہے۔ یہاں آنے سے مراد چل کر آنا نہیں۔ بلکہ بعثتِ نبوی مراد ہے۔ ورنہ اہل مکہ کے پاس آپ کہاں سے چل کر تشریف لائے تھے؟ یہ لوگ شانِ نبوت میں گستاخی کرنے والے ہیں۔ گویا حضرات صحابہؓ کے ہم رتبہ بننے کے مدعی ہیں۔ اگر آپ ہم میں موجود ہوتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم زیارت مقدسہ سے محروم ہیں ذاتِ خداوندی کا مشاہدہ تو اس عالم میں متعسّر ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو تقریباً پون صدی تک سب حاضرین دیکھتے اور جاہل جہاں آرا سے محظوظ ہوتے رہے ہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴ ؍ ۸ ؍ ۱۳۸۱ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر و تصرفات کا مالک ماننے کی تفصیل

ایک شخص مندرجہ ذیل عقائد رکھتا ہے۔

۱ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ ہر آن میں حاضر و ناظر ہیں۔

۲ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم علمِ غیب کلی جمیع ما کان و مایکون کا، اس نہج پر رکھتے ہیں کہ درخت کے ہر ہر پتہ کا علم، اور پانی کے ہر قطرہ ، اور ہر جانور ، اور جنگل کے ہر ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں۔

۳ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختارِ کل ہیں۔ اس طریق پر کہ جس کو چاہیں جنت میں داخل کریں۔ اور جس کو چاہیں جہنم میں بند رکھیں۔

۴ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم تصرفاتِ کُن کے مالک ہیں بنا بریں جسے چاہیں بیٹا دیں جسے چاہیں بیٹی دیں کبھی لفظ کُن کہہ کر بندہ بھی پیدا کر سکتے ہیں۔

۵ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں بلکہ آپ اللہ کے نور میں سے ہیں۔ اور انہی عقائد کو ہی معیارِ ایمان سمجھتا ہے۔

اور وہ آدمی شریعت سے بھی واقف ہے۔ ناواقفیت اور جہالت کی وجہ سے نہیں کہتا۔ بلکہ ایک قوم کو بھی اس کا سبق دیتا ہے اور امامت بھی کراتا ہے تو کیا اس شخص کو امامت کا حق حاصل ہے۔ اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

ہر پانچ جواب سے نوازیں۔ نیز یہ بھی فرمائیں کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اور مذہب اہلسنت وجماعت کے اعتبار سے اس شخص کا کیا حکم ہے ؟ دونوں سوالوں کا جواب مفصل مطلوب ہے اور صریح دلائل درکار ہیں۔

الجواب یہ عقیدہ بالبداہت باطل ہے محتاجِ دلیل نہیں ہے۔ البتہ بطور تنبیہ چند باتیں ملاحظہ ہوں۔

۱ : ہمارا مشاہدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس موجود نہیں۔ کیونکہ اگر فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو ہم آپ کے جمالِ جہاں آرا، سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے اور زیارت کرتے مگر پورا عالمِ انسانیت اس سے محروم ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی انسانی فرد کہہ دمہ سے بھی آپ یہ سوال کریں گے کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے ؟ وہ یقیناً اس کا جواب نفی میں دے گا اگر آپ اسے کہیں کہ اب کر لو۔ کیونکہ آپ یہاں موجود ہیں تو وہ سائل کے بارے میں اس کشمکش میں مبتلا ہو جائے گا کہ آیا اس کا دماغی توازن بھی درست ہے یا نہیں۔ جب آپ موجود ہیں اور اس مخلوق میں سے ہیں جو مُبصر و مرئی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ بحالت موجودگی آنکھوں سے اوجھل رہیں جب اوجھل ہیں اور نظر نہیں آتے تو معلوم ہوا کہ آپ کی ذاتِ گرامی حاضر نہیں۔ اور اس پورے عالمِ اسلام و عالمِ انسانی

کے مشاہدہ کی تکذیب ہے ۔ اور بلا دلیل قطعی کے ہے جو باطل ہے اور مستلزم باطل کو باطل ہوتا ہے۔ لہذا یہ عقیدہ بھی باطل ہے ۔ نیز بلا دلیل قطعی پورے عالم انسانی کے مشاہدہ کی تکذیب اور یہ کا مذہب اور محض سوفسطائیت ہے جو اہل سنت وجماعت کے نزدیک تو کیا کسی بھی معقول اور منصف انسان کے نزدیک بھی درست اور حق نہیں ہو سکتا۔

حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات پاک کی موجودگی سے اعتراض کرنا حماقت ہے ۔ کیونکہ حق جل وعلا شانہ مبصر اور مرئی فی الدنیا ہی نہیں مشاہدۂ انسانی کے علی الرغم جو ہم فرشتوں وغیرہ کی معیت یا موجودگی کے قائل ہیں تو وہ بوجہ نص قطعی کے ہے ۔

ب : عملی طور پر فریق مخالف بھی اسی کا قائل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس، مجالس اور اجتماعات میں موجود نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ مناصب جلیلہ اور مقام اعزاز کے لئے جب کبھی یہ لوگ انتخاب کرتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اس منصب رفیع یا مقام عزت کو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا جاتے ، اس منصب کے لئے اپنے میں سے کسی کا انتخاب کیا جاتا ہے ۔ مثلاً امامت وغیرہ کے لئے ۔ پس معلوم ہوا کہ عملی طور پر یہ لوگ بھی اس عقیدہ کے قائل نہیں ۔ ورنہ آپ کی موجودگی میں ایسا نہ کیا جاتا ۔ جیسا کہ آپ کی زندگی میں حضورِ واقعی کی صورت میں ۔

ج : اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور علم کلی آپ کو حاصل تھا تو نزولِ قرآن کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ قرآن بھی علم کلی کا ایک فرد ہے ۔ جب علم کلی حاصل ہے تو قرآن کا علم بھی نزول سے پہلے حاصل ہوگا ۔ پس نعوذ باللہ انزالِ قرآن عبث ٹھہرا اور تحصیل حاصل ہوئی اور یہ ہر دو باطل ہیں ۔ مستلزم باطل خود باطل ہوتا ہے ۔ پس دعوئے ہذا باطل ہے ۔ اگر کہا جائے کہ نزولِ قرآن لوگوں کے لئے ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پہلے سے اس کا علم تھا ۔ تو جواب یہ ہے کہ اس لئے انزال کی کوئی حاجت نہ تھی بلکہ صرف اتنا بتا دینا کافی تھا کہ آپ اپنے علم کا اتنا حصہ یعنی مقدار قرآن ، مخلوق تک پہنچا دیں ۔ تیئیس ۲۳ سال تک جبریل امین کی آمد و رفت کی کیا ضرورت تھی ؛ بلکہ اس امر کی بھی حاجت نہ تھی کیونکہ یہ بھی معلومات میں سے ہے اور اس کا جاننا بھی علم کلی کا ایک فرد ہے ۔ نیز یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا علم پہلے سے تھا نصِ قرآنی اور اجماع امت کے خلاف ہے ۔ قرآن میں تصریح ہے کہ قرآن کا نزول بتوسط جبریل ؑ ہوا خود بخود نہیں ہوا ۔ چنانچہ ارشاد ہے

ا ۔ وانه لتنزيل رب العالمين ۞ نزل به الروح الامين على قلبك الخ (پ ۱۹)

۲ ۔ ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان (پ ۲۵ س شوریٰ)۔

ان تنبیہات کے علاوہ اگر آپ کی حیات مقدسہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم وجداناً اس بات پر مجبور ہیں کہ آپ کے لئے علم کلی اور حضورِ کامل نہ تسلیم کیا جائے کیونکہ پوری سوانح اس کے خلاف ہے۔ چند واقعات بطور نمونہ پیش ہیں۔

۱ ۔ واقعہ افک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ بھر تک مغموم و پریشان رہے۔ اگر حقیقتِ حال پر مطلع ہوتے تو پریشانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل الفاظ سے استفسار فرمانا حقیقتِ واقعہ پر مطلع نہ ہونے کی دلیلِ قاطع ہے۔ جیساکہ تردید و تشکیک سے ظاہر ہے۔

ثم قال اما بعد یا عائشۃ رض فانہ قد بلغنی عنك کذا وکذا فان کنت بریئۃ فسیبرئك اللہ وان کنت الممت بذنب فاستغفری اللہ الخ

(بخاری ج ۲ ص ۶۹۸ ۔ مطبع اصح المطابع)

نیز اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے جو کچھ کہا گیا وہ بھی ہمارے مدعا پر نص ہے ارشاد فرماتی ہیں۔

قالت فقلت انی واللہ لقد علمت لقد سمعتم ھذا الحدیث حتی استقر فی انفسکم وصدقتم بہ ۔ (بخاری ایضا)

نیز جواب مذکور سے علم غیب کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقیدہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رض بھی اس کی قائل نہیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ہر واقعہ پر آپ مطلع ہوتے ہیں ورنہ جواب مذکور عرض نہ کرتیں۔ کہ واقعہ سن کر آپ نے اسے سچا سمجھ لیا۔

۲ ۔ مسجد ضرار ایک یہودی ابو عامر منافق کی سازش سے تیار کی گئی تھی۔ (یہ وہی منافق ہے جو مشرکین کو جنگ احد میں اکسا کر مسلمانوں پر چڑھا لایا تھا جس گڑھے میں گر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے نیز دانت مبارک شہید ہوئے یہ گڑھا اس بدبخت نے کھدوایا تھا۔ جنگ احد میں ناکامی کے بعد یہی بد باطن قیصر روم کی طرف پہنچا تھا۔ اور اسلام کے استیصال کے لئے وہاں سے لشکر کا طالب ہوا تھا) حقیقت میں یہ مسجد نہ تھی بلکہ اس بد باطن کی اسلام کے خلاف تخریبی سرگرمیوں کا اڈا تھا۔ مگر مسلمانوں کی حمایت سے انقطاع اور علیحدگی میں راز فاش ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بد باطن کے حواریوں نے عرض کیا کہ آپ

ہماری مسجد میں نماز پڑھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوۂ تبوک کے لئے پا بہ رکاب تھے۔ ارشاد فرمایا۔ انا علی سفر ولکن اذا رجعنا ان شاء اللہ اور بعض روایات کے الفاظ یہ ہیں۔ ولو قد منا ان شاء اللہ تعالی لاتینا کم فصلینا لکم فیہ یعنی اس وقت نہیں، غزوہ کے بعد کا وعدہ فرما لیا۔ مگر واپسی میں سفر کے اندر ہی وحی نازل ہوئی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ لا تقم فیہ ابدًا نزولِ وحی سے قبل آپ اس سازش سے قطعًا بے خبر تھے ورنہ نماز کا وعدہ فرمانے کی کیا حاجت تھی؟

۳: حدیثِ جبریل، جس کا واقعہ حجۃ الوداع کے بعد پیش آیا۔ اس میں آپ نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ ما المسئول عنها باعلم من السائل یعنی مجھے بھی اس کا علم نہیں جیسا کہ سائل کو اس کا علم نہیں ہے۔ پس اس حدیث میں نفی علم غیب کلی کی تصریح ہے۔

۴: ایک یہودیہ نے گوشت میں زہر ملا دیا تھا۔ آپ کے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابتداءً اسے تناول فرمایا اور ایک صحابی کی اس گوشت کھانے سے موت واقع ہوئی۔ (کمافی حاشیہ بخاری عن القسطلانی ج ۲، ص ۶۱۰)

جب زہر ملایا گیا تھا تو اس عقیدہ حاضر و ناظر کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے اور علم غیب تو تھا ہی پھر آپ کا تناول فرمانا اور ایک صحابی کا اس وجہ سے وفات پا جانا کیسے ہوا؟ اگر آپ پہلے سے مطلع تھے تو کیا طعام مسموم کا دانستہ کھانا جائز ہے؟ جو کہ خودکشی کا مترادف ہے۔

۵: حجۃ الوداع میں عمرہ سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو انی استقبلت من امری ما استدبرت لما سقت الهدی الخ اخرجہ مسلم ومشکوۃ ص ۲۲۲ اس میں تصریح ہے کہ جس بات کا مجھے بعد میں علم ہوا اگر پہلے علم ہو جاتا تو میں ھدی کا جانور نہ لاتا۔ پس علم غیب کلی کا دعویٰ باطل ٹھہرا۔

۶: ایک مقبرہ میں تشریف لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وددت انا قد راینا اخواننا (قالوا) اولسنا اخوانك یارسول اللہ قال انتم اصحابی و اخواننا الذین لم یأتوا بعد فقالوا کیف تعرف من لم یات بعد من امتك یارسول اللہ فقال ارأیت لو ان رجلاً له خیل غر محجلة بین ظهری خیل دهم بهم الا یعرف خیله۔ (مشکوۃ ص ۴۰)

خط کشیدہ عبارت قابل غور ہے۔ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اسی عقیدہ علم غیب پر اعتقاد رکھتے تھے تو

کیف تعرف الخ سے استفسار کا کیا محل ہے ؟ عالم الغیب کے لئے اول، آخر، ظاہر، باطن سب یکساں ہیں۔ تو آخر صحابہ رض کے ذہن میں یہ اشکال کیوں پیدا ہونے ؟ پس حدیث مذکور سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ رض اس باطل عقیدے کے قائل نہ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حق تعالےٰ سبحانہ کی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہر انسان کے ساتھ موجود ہیں۔ کیا حق جل وعلا کے بارے میں بھی کسی کو ایسا اشکال پیدا ہوا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے استفسار بالا کا جو جواب ارشاد فرمایا گیا وہ بھی قابل لحاظ ہے۔ آپ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ میں عالم الغیب ہوں، ہر زمانہ میں ہر انسان کو میری معیت حاصل ہے، اور میری نگاہ میں تمام مخلوق ہے تو مجھ سے بعد والے لوگ کیسے مخفی رہ سکتے ہیں، نہیں بلکہ آپ نے ان لوگوں کو پہچاننے کا ایک عام طریقہ بتلا دیا جس کے ذریعہ ہر شخص شناخت کر سکتا ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ میدان حشر کی بات ہے

۷ : حدیث حوض کوثر میں میدان حشر کے اندر تصریحاً آپ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ فیقال انك لا تدری ما احدثوا بعدك فاقول سحقا الخ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۸۸)

۸ : حدیث شفاعت میں ہے کہ میں شفاعت کے لئے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر اجازت طلب کروں گا۔ فیؤذن لی و یلھمنی محامد احمدہ بھا لا تحضرنی الآن الخ

(مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۴۸۸)۔

کہ محامد بالا کا علم اسی وقت ہوگا۔ نفی علم غیب کے لئے یہ بھی کافی ہے۔ یہ بھی میدان محشر کا واقعہ ہوگا۔ بطور نمونہ کے چند احادیث جمع و نقل کی گئی ہیں جب کہ پورا ذخیرۂ حدیث اس قسم کے واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ مگر چونکہ استیعاب مقصود نہیں ہے لہٰذا اسی پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک کی آیات بھی اس سلسلہ میں کثیر ہیں۔ بوجہ خوف طوالت سب کو حذف کرتے ہوئے صرف چند آیات ہی لکھی جاتی ہیں۔

۱ : قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب الخ (سورۂ نساء، ع ۵)

ای لا اقول لکم انی اعلم الغیب انما ذلك من علم اللہ عزوجل الخ (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۴)

۲ : ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔

(سورہ اعراف، پ ۹)

امرہ اللہ تعالیٰ ان یفوض الامور الیہ و ان یخبر عن نفسہ انہ لا یعلم الغیب المستقبل الخ آیت ہذا میں بھی مدعا کے بارے میں کوئی اخفا نہیں ہے۔

۳ : ان الساعۃ اٰتیۃ اکاد اخفیہا الخ (سورۃ طٰہٰ ع ۱) عن ابن عباس رضؓ اکاد اخفیہا یقول لا اطلع علیہا احدا غیری وقال السدی لیس احد من اہل السموٰت والارض الا قد اخفی اللہ عنہ علم الساعۃ وقال قتادۃ و نحو ذلک قد اخفاہا اللہ من الملائکۃ المقربین ومن الانبیاء والمرسلین۔

(ابن کثیر ، ج ۳ ، ص ۱۴۲)

آیات اور مندرجہ بالا اقوالِ مفسرین سے علمِ غیب کی نفی کسی تقریرِ استدلال کی محتاج نہیں ہے۔

۴ : قل انما العلم عند اللہ وانما انا نذیر مبین الخ ای لا یعلم وقت ذلک علی التعیین الا اللہ عزوجل ۔ (ابن کثیر ، ج ۴ ، ص ۳۹۹ ؛ پ ۲۹)۔

۵ : ان اللہ عندہ علم الساعۃ الخ (سورہ لقمان) قال مجاہد وھی مفاتیح الغیب التی قال اللہ تعالیٰ (و عندہ مفاتیح الغیب لا یعلمہا الا ھو) رواہ ابن ابی حاتم وابن جریر عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہا قالت من حدثک انہ یعلم ما فی غد فقد کذب قال قتادۃ اشیاء استاثر اللہ بہن فلم یطلع علیہن ملکا مقربا ولا نبیا مرسلا الخ (ابن کثیر ، ج ۳ ، ص ۴۵۵)

آیتِ مذکورہ میں اشیاءِ خمسہ کا علم غیر اللہ سے منفی ہونا بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مفسرین کے بیانات بلکہ خود حدیثِ مرفوع سے ثابت ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منفی ہونا ظاہر ہے۔ حدیثِ مرفوع یہ ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفاتیح الغیب خمس لا یعلمہن الا اللہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ الخ اخرجہ احمد وبخاری فی کتاب الاستسقاء آہ

اسی سلسلہ میں حدیث رجل من بنی عامر بھی مفید مدعا ہے ملاحظہ ہو اس حدیث کے آخر میں ہے کہ۔

قال فھل بقی من العلم شیء لا تعلمہ ؟ قال قد علمنی اللہ عزوجل خیرا وان من العلم ما لا یعلمہ الا اللہ عزوجل الخمس ان اللہ عندہ علم الساعۃ اخرجہ احمد وھذا اسناد صحیح ۔ (ابن کثیر ، ج ۳ ، ص ۴۵۵)۔

اس سے زیادہ صریح اور کیا ہو سکتا ہے۔

۶ : قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ الخ (پ ۲۰)

غیر اللہ سے علمِ غیب کا منفی ہونا ظاہر ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں پس

مدعا ثابت ہے۔

اس کے بعد فقہاء کرام کے فیصلہ پر ہم اس نمبر کو ختم کر دیتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا اعتقاد رکھے وہ مسلمان بھی باقی رہتا ہے یا نہ۔

وفی الخانیۃ والخلاصۃ لو تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد

ویکفر لاعتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔

کما فی البحر ج ۱ ص ۹۴۔ خط کشیدہ الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ معتقد علم غیب کافر ہے۔

سوال ۳۴ کا جواب مختار کل کے اگر یہ معنی ہوں کہ آپ تمام مخلوق سے پسندیدہ اور چنے ہوئے ہیں جو ادفق باللغۃ ہے تو اس اعتبار سے آپ کی ذات مختار کل ہے۔ اور اگر اس کے معنی قادر مطلق کے ہیں جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو یہ عقیدہ باطل ہے قادر مطلق صرف ذات خداوندی ہے کسی مخلوق کو یہ مقام حاصل نہیں۔ بندگی اور قدرت کاملہ میں علی الاطلاق باہم منافاۃ ہے۔ ایک وقت میں ایک محل میں ان کا اجتماع ناممکن اور محال ہے۔ آپ کی عبدیت متحقق ہے۔ پس قدرت کاملہ علی الاطلاق منتفی ہوگی۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں بھی واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ قدرت مطلقہ تو کیا آپ اپنی ذات مقدس کے بارے میں بھی نفع و ضرر کا کلی اختیار نہیں رکھتے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

۱ : قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الخ (اواخر اعراف : پ ۹)

۲ : قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا۔ (سورہ جن۔ رکوع ۲)

۳ : قرآنی آیات واحادیث کا وہ سارا ذخیرہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جلب منفعت، یا دفع مضرت کی دعا مانگی ہے۔ کیونکہ قادر مطلق کو کسی سے مانگنے کی کیا حاجت ہے؟ مثلاً

اللھم انی اسئلک الجنۃ۔ اعوذ بک من النار۔ اللھم واقیۃ کواقیۃ الولید وغیر ذلک مما لا یعد ولا یحصی الخ۔

۴ : نیز وہ ذخیرہ احادیث جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بدنی یا روحانی تکلیف کے پہنچنے کا تذکرہ موجود ہو۔ کیونکہ قدرت کاملہ اور مطلقہ کے ساتھ یہ اذیتیں جمع نہیں ہو سکتی ہیں خصوصاً جب کہ علم غیب کلی بھی موجود ہو۔

اگر کہا جائے کہ باوجود دفع مضرت پر قادر ہونے کے آپ نے دفع مضرت نہیں کیا بلکہ برداشت

کیا تاکہ رفع درجات کا موجب بنے اور مدارج عالیہ کے حصول کا سبب بنے ۔ تو
جواب یہ ہے کہ قادرِ مطلق کو اس طرح سے یہ تحمل کلفت و حصول درجات کی ضرورت ہی کیا ہے
جو اور سب کچھ اختیار میں ہے تو یہ درجات بھی تو تحت القدرت ہی ہوں گے ورنہ خلاف دعویٰ
لازم آئے گا ۔

۵ ؛ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے مسلمان ہوجانے کی بہت خواہش کی ۔ مگر
ارشادِ خداوندی ہوا کہ انك لا تهدي من احببت ۔ الخ پ

۶ ؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت کوشش فرماتے تھے کہ مشرکین مکہ ایمان لے آئیں ۔ مگر مشرکین
ایمان نہ لاتے تھے آپ ان کے غم میں گھلے جاتے تھے ۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے ۔ لعلك باخع
نفسك الا يكونوا مؤمنين ۔ (سورت شعراء پ ۱۹) ۔ قدرتِ مطلقہ کے باوجود اس کی
کیا حاجت ہے ۔

سوال ۵ کا جواب یہ عقیدہ بھی باطل ہے ۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً بشر تھے ۔ تمام دلائل
کا ذکر کرنا موجب تطویل ہے لہذا ہر دو نوع کی صرف ایک ایک یا دو دو دلیلیں
بیان کی جاتی ہیں ۔ بغور ملاحظہ ہوں ۔ کہیں دلائل بڑھ جائیں تو معذور رکھیں ۔

۱ ؛ قرآن کریم میں پوری وضاحت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی بشریت کا اعلان کرا
دیا گیا ہے ۔ تاکہ تا قیامت کسی کے لئے اس میں جائے سخن باقی نہ رہے ۔ ارشاد باری عز اسمہ ہے ۔
قل انما انا بشر مثلكم ۔ (آخر کہف پ ۱۶)

۲ ؛ یہی اعلان پارہ چوبیس ۲۴ میں دوبارہ کرایا گیا ۔ اس کے علاوہ سورۃ بنی اسرائیل میں هل كنت
الا بشرا رسولا فرما کر اعتراف بشریتِ نبویہ کرایا گیا ۔ ان قرآنی تصریحات کے باوجود بھی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت سے انکار قرآن مجید سے انکار ہے ۔ ہر سہ آیات میں ترکیب مفیدِ
حصر ہے جس سے غیر بشر ہونے کے تمام اوہام کا بطلان ہو جاتا ہے کما لا یخفیٰ ۔

۳ ؛ احادیث میں سے حدیثِ ذوالیدین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ۔
ولكن انما انا بشر انسى كما تنسون ۔ صفحہ ۱۳۵ ابو داؤد ۔ بخاری ۔ مسلم
نسائی ۔ ابن ماجہ ۔ کذا فی عمدۃ القاری ، ج ۳ ، ص ۱۴۷) نیز طحاوی ج ۲ ، ص ۲۸۷ میں
بھی یہ روایت موجود ہے ۔

۴ وعن عائشۃ (حکایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) قلت اللھم انما

انا بشر فایّ المسلمین لعنتہ او سببتہ فاجعلہ لہ زکوۃ واجراً۔

(مسلم ج ۲ ص ۳۲۳ - بالاختصار)

۳/۵ : یہی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نقل فرماتے ہیں ۔ ان کے الفاظ یہ ہیں ۔
سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم انما محمد بشر
یغضب کما یغضب البشر الخ ۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۲۴)

۴/۶ : حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت فرماتے ہیں ۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم یقول انما انا بشر الخ (مسلم ج ۲ ص ۳۲۴)

۵/۷ : حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالےٰ عنہا ایک قصہ کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل
فرماتی ہیں ۔ انی اشترطت علی ربی فقلت انما انا بشر ارضیٰ کما یرضیٰ
البشر و اغضب کما یغضب البشر الخ (مسلم ج ۲ ص ۳۲۴)

دو دلائل قرآنی اور پانچ شواہد حدیث کے بعد اقوالِ مفسرین بھی ملاحظہ ہوں کس صفائی سے ،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت مطہرہ پر نص فرما رہے ہیں ۔

۱ : لقد جاءکم رسول من انفسکم (اخر توبہ پ ۱۱) ای من جنسکم بشر مثلکم
(خازن ص ۱۷۱)

۲ : اسی آیت کے تحت صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں ۔
وقولہ من انفسکم فی تفسیرہ وجوہ الاوّل انہ یرید انہ بشر مثلکم
کقولہ تعالیٰ اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم ۔ (تفسیر کبیر ج ۴)

۳ : وعجبوا ان جاءھم منذر منھم ای بشر مثلھم ۔ (ابن کثیر ص ۲۷ ، ص ۳۳)۔

۴ : بل عجبوا ان جاءھم منذر منھم (سورۃ قٓ) ای تعجبوا من ارسال الرسول
الیھم من البشر ۔ (ابن کثیر ، ج ۴ ، ص ۲۲۳)

۵ : وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ (س بقرہ)
ای فأتوا بسورۃ کائنۃ ممن ھو علی حالہ علیہ الصلوۃ والسلام من کونہ بشرا
امیا ۔ (بیضاوی ج ۱ ، ص ۱۱۳)۔

۶-۷-۸ ۔ تفسیر کشاف ، ج ۱ ، ص ۳۹ ، روح المعانی ج ۱ ، ص ۱۹۴ ، تفسیر کبیر ج ۱ ، ص ۳۶۳ ۔
میں بھی آیت بالا کی تفسیر ، مذکورہ بالا الفاظ میں ہی کی گئی ہے ۔ قرآن و حدیث و حضرات مفسرین

کے اقوال بطور نمونہ پیش کئے گئے۔

فائدہ اسکے بعد بطور نمونہ "علم الکلام" سے بھی چند عبارتیں اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں۔ عقائد کی تحقیق و تنقیح کے بارے میں علم کلام چونکہ قانون کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں تاویل کی زیادہ گنجائش نہیں ہے لہذا اس بناء پر بلاشبہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔

۱ : تمام اہل اسلام متفق اللفظ ہیں کہ نبی وہ انسان ہے جس پر وحی آئے۔ اس تعریف کی بناء پر لازم آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسان ہیں۔ کیونکہ آپ نبی ہیں پس کسی ایسے شخص کے لئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق تسلیم کرتا ہے اس سے چارہ نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان بھی مانے ورنہ نعوذ باللہ انکار نبوت کرنا ہوگا۔

چنانچہ متکلم اسلام محقق ابن الہمام اپنی بے نظیر تصنیف مسامرہ میں نبی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ان النبی انسان بعثہ اللہ تعالی۔ (مسامرہ مصری ص۲۲۶)

۲ : سائرہ کے شارح صاحب مسامرہ فرماتے ہیں فالنبی علی ھذا انسان اوحی اللہ تعالی الیہ۔ (مسامرہ ص ۲۲۶)۔

۳ : علامہ بیجوری فرماتے ہیں۔ واعلم ان الرسول اصطلاحاً انسان اوحی الیہ۔ (بیجوری علی السنوسیہ)

۴ : علامہ دوانی تحریر فرماتے ہیں۔ ھو انسان بعثہ اللہ تعالی الی الخلق (دوانی علی العضدیہ)

۵-۶-۷-۸ : ومثل (الدوانی) فی شرح العقائد وھکذا نقل محشی النبراس عن شرح العقائد (نبراس ص۹۹) ونحوہ فی حاشیۃ الخیالی علی شرح العقائد (خیالی مصری ص۱۳۰) ومثلہ فی عقیدۃ الطحاویہ (ص۹) وھکذا قیل۔

۹ : جوہرہ میں ہے۔ ومن ای افراد الجائز العقلی ارسال اللہ تعالی جمیع الرسل ای رسل البشر من آدم الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (جوہرہ ص۱۱۷)

۱۰ : نیز صاحب جوہرہ فرماتے ہیں۔

والفرق بینہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشر الخ۔ (ص۱۱۸)۔

فائدہ تلک عشرۃ کاملۃ، سب سے آخر میں فقہاء کرام کی چند تصریحات پیش کرکے اس مسئلہ کو ختم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام نے تمام انبیاء علیہم السلام کو بلا استثناء انسان اور بشر قرار دیا ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ فقہاء کرام کے منصب سے زیادہ تعلق نہیں رکھتا لہذا اس کے

بحث ضمنی طور پر ان کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ بشر افضل ہے یا فرشتے؟ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں

۱ : صاحب کفایہ شارح ھدایہ فرماتے ہیں۔ والمختار ان خواص بنی آدم وھم الانبیاء افضل من کل الملائکۃ ۔ (کفایہ ج ۱ ص ۲۷۹ بر فتح القدیر)۔

۲ ، ۳ : علامہ شامی رح منحۃ الخالق حاشیہ بحر اور اپنی کتاب "رد المحتار" میں فرماتے ہیں۔

قسم البشر الی قسمین ۔ خواص ۔ وھم الانبیاء علیہم السلام وعوام ، وھم من سواھم وفی الرد حاصلہ ان قسم البشر الی ثلاثۃ اقسام خواص کالانبیاء۔

(شامی ج ۱ ص ۳۰۰ ۔ حاشیہ بحر ج ۱ ، ص ۳۵۳ مصری)

قرآن وحدیث، اقوالِ مفسرین نیز تصریحاتِ متکلمین وفقہاء کرام کے علاوہ محققین اہل السنۃ والجماعت نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے آپ کی بشریت کا اعتقاد رکھنا شرط ہے۔ گویا کہ اعتقادِ بشریت کے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا معتبر اور صحیح ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ بلا اعتقاد ختم نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا غیر معتبر ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے مشہور فقہاء میں سے فقیہہ علامہ طحطاوی رح مراقی الفلاح کی شرح میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

" ویشترط لصحۃ الایمان بہ صلی اللہ علیہ وسلم معرفۃ اسمہ وکونہ بشرًا من العرب وکونہ خاتم النبیین اتفاقا لورود ذالک بالقواطع المتواترۃ الخ (طحطاوی ص ۵ ، مصری)۔

مندرجہ بالا دلائل کی موجودگی میں استفتاء میں ذکر کردہ عقائد کا بطلان اظہر من الشمس ہے۔ پس ایسا شخص گمراہ ہے جو یہ عقائد رکھتا ہے اور گمراہ کنندہ ہے۔ اور ہرگز امامت کے لائق نہیں۔

فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

عبد اللہ غفرلہ

مفتی خیر المدارس ملتان۔

۱۴ ـــــ ۱۲ ـــــ ۱۳۸۰ ھ

عصمتِ انبیاء علیہم السلام

مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء معصوم ہیں ان سے گناہ کا ارتکاب نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے اکثر انبیاء علیہم السلام کی ایسی لغزشوں کا ذکر کیا ہے جن پر گرفت اور تنبیہ کی گئی ہے۔ غلطی، لغزش، خطاء اجتہادی

اور گناہ کی مختصر تعریف کرکے انبیاء علیہم السلام کی عصمت قرآن و سنت کی روشنی میں مختصر تحریر فرمائیں کیا حضرات انبیاء علیہم السلام بتقاضائے بشریت غلطی یا لغزش کے مرتکب ہو سکتے ہیں؟

الجواب "عصمت انبیاء علیہم السلام" اجماعی مسئلہ ہے اور محققین اس کے قائل ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں۔

نقله الشوکانی فی الارشاد عن کتاب الملل والنحل وقال اختاره ابن برهان وحکاه النووی فی زوائد الروضة عن المحققین قال القاضی حسین هو الصحیح من مذهب اصحابنا۔ وما روی ذلك فیحمل علی ترك الاولیٰ ۱ ص۳۲۔

اور بعض ایسے امور جن کے بارے میں انبیاء علیہم السلام پر کچھ عتاب فرمایا گیا یا حق تعالیٰ سبحانہ کی جانب سے ان کی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا۔ ایسے امور کو اصطلاحی الفاظ میں "زَلَّة" یا خطاء اجتہادی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان امور کا صدور حضرات انبیاء علیہم السلام سے ممکن ہے بلکہ واقع ہے۔

"زَلَّة" کی تعریف یہ ہے کہ وہ فی حد ذاتہ گناہ نہیں ہوتا۔ بلکہ فی نفسہ امر جائز ہوتا ہے اور اس کا مقابل فعل بھی جائز ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق افضل و مفضول یعنی "خوب" اور "بہت خوب" کا ہوتا ہے۔ نبی اگر ثانی الذکر کو چھوڑ کر "خوب" پر عمل کر لیتا ہے تو اس کے مقام رفیع کے اعتبار سے اس طرز عمل کو لغزش یا زلّہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تنبیہہ خداوندی متوجہ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ عوام کے اعتبار سے یہ کوئی قابل تنبیہہ عمل نہیں بلکہ یہ نیکی ہوتی ہے کما قیل حسنات الابرار سیئات المقربین اور ہمارے باہمی تعلقات میں بھی اس کی بہت نظیریں مل سکتی ہیں اور خطاء اجتہادی کی حقیقت یہ ہے کہ نبی نے ایک عمل کو عین منشاء خداوندی سمجھتے ہوئے کیا۔ بعد میں آپ کو متنبہ فرمایا گیا کہ ہمارا وہ منشاء نہیں بلکہ یہ تھا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رض کے بارے میں جو طرز عمل اختیار فرمایا تھا آپ کے خیال مبارک میں وہ عین اپنی مصلحت کے مطابق تھا۔ لیکن حق جل شانہٗ کی جانب سے واضح فرمایا گیا کہ اس میں ہمارا منشاء یہ تھا۔

مگر چونکہ فعل انبیاء علیہم السلام بھی حجت ہے لہذا انبیاء علیہم السلام سے اگر کبھی ایسی خطاء اجتہادی کا صدور ہوتا ہے تو فوراً اس کی اصلاح فرمادی جاتی ہے۔ ایسی خطاء پر باقی نہیں رہنے دیا جاتا

اور خطاء اجتہادی میں غیر نبی یعنی مجتہد پر بھی مواخذہ نہیں۔ اور اسے مجتہد کا گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ اسے ثواب ملتا ہے۔ ان الحاکم اذا اجتہد فاصاب فلہ اجران وان اجتہد فاخطأ فلہ اجر۔

اور گناہ و معصیت یہ ہے کہ بدون نسیان قبل از تامل کے صریح حکم خداوندی کی مخالفت کیجائے۔

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم

خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

درج ذیل عقائد والے اہل بدعت اہلسنت سے خارج ہیں

جو لوگ مندرجہ ذیل عقائد رکھتے ہوں ان کے متعلق از روئے کلام الٰہی وحدیث شریف وفقہ حنفی کیا حکم ہے۔

۱ : تم سب محبت واتفاق سے رہو اور حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو۔ اور میرا دین و مذہب جو میری کتابوں سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ (وصیت نامہ ص۳ ، مولوی احمد رضا خان)

۲ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر شئی کا علم دیا گیا ہے۔ (مختصر عقائد اہل السنۃ والجماعت بریلوی مطبوعہ کلکتہ)

۳ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعیین وقت قیامت کا بھی علم ہے۔ (خالص الاعتقاد ص۳۸ احمد رضا)

۴ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت روح کا علم بھی ہے۔ (خالص الاعتقاد ص۳۸ احمد رضا خان)

۵ : حضور علیہ السلام اس کام کے مالک ہیں۔ جس کے لئے چاہیں حلال فرمادیں جس کو چاہیں حرام کردیں۔ جس کے لئے چاہیں قرآن مجید کے احکام کو بدل دیں۔ (سلطنت مصطفیٰ ص۲۲ احمد یار گجراتی)

۶ : حضور علیہ السلام کلھم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں دنیا و آخرت کی سب دارین حضور علیہ السلام کے اختیار میں ہیں۔ (برکات الامداد ص۸ احمد رضا خان)

۷ : انبیاء علیہم السلام کو قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں۔ وہ ان کے ساتھ شب باشی کرتے ہیں۔ (ملفوظات حصہ سوم ص۲۷ احمد رضا خان)

۸ : اس طرح ہر وہ کام جس کی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے نیک نیتی کے ساتھ جائز اور کار ثواب ہے۔ (اربعین حنفیہ ، مولوی محمد شریف کوٹلی)

۹ : لا تستقر نطفة فی فرج انثی الا ینظر ذلک الرجل الیھا (بجم الرحمن

مؤلفہ مولوی غلام محمد بریلوی)

۱۰ ، دنیا و آخرت کی ہر چیز کے مالک ہیں سب کچھ اس سے مانگو ۔ عزت مانگو ، ایمان مانگو ، اولاد مانگو ، جنت مانگو ، اللہ کی رحمت مانگو ۔ (سلطنت مصطفیٰ ، احمد یار گجراتی)

۱۱ ، آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک حضور سیدنا غوث اعظم پر سلام نہ کرے ۔

(الامن والعلی ، مولوی احمد رضا خان)

۱۲ ، کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ مجھے علم غیب ہے اس لئے کہ اے کافرو تم ان باتوں کے اہل نہیں ہو ۔ ورنہ واقع میں مجھے ما کان و ما یکون کا علم ملا ہے ۔ (خالص الاعتقاد ص۳۵ احمد رضا بریلوی)

خلاصہ از سائل ۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کل علم غیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا تھا اور اب بھی آپ مخلوق کے ہر ایک حال ظاہر و باطن ، خیر و شر سے بخوبی واقف ہیں ۔ اور ہر ایک آدمی کی آواز خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں بذات خود سن لیتے ہیں ۔ اس طرح دیگر اولیاء کرام بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں ۔ اور ما کان و ما یکون کا علم رکھتے ہیں ۔ اس وقت یہ عقیدہ احمد رضا خان کے معتقدین کا ہے اور بریلوی جماعت کا ہے ۔

اب مذہب احناف اور کتب معتبرہ حنفیہ کی رو سے ایسے عقیدے رکھنے والے لوگوں کو مشرک کہہ سکتے ہیں !

الجواب بریلوی فرقہ جس کے عقائد مندرجہ بالا بیان کئے گئے ہیں اہل السنۃ والجماعت سے خارج ہیں ۔ ان کے اہل بدعت و اہل ہویٰ ہونے میں کلام نہیں ۔ لیکن اس فرقے کے تمام افراد پر عمومی طور پر کافر اور مشرک ہونے کا فتوٰے علماء اہل السنۃ والجماعت نے نہیں لگایا ۔ البتہ خصوصی افراد جن سے صراحۃً کلمات کفر سرزد ہوں اور ان کی کوئی صحیح تاویل نہ ہو سکتی ہو ۔ اور وہ کفریہ معانی پر جسے ہونے ہوں ایسے لوگ کافر ہو جائیں گے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح
۹ ، ربیع الاول ۱۳۸۵ھ | خیر محمد عفی عنہ

سنت کی توہین کفر ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل سوالات کے بارے میں ۔

۱ ، اگر کوئی پاکستانی مسلمان جج ، مجسٹریٹ یا افسر محکمہ آبادکاری ۔ اپنی عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر اپنے رو برو پیش ہونے والے ایک ایسے گواہ کو جو کہ اپنے چہرہ پر شرعی داڑھی رکھتا ہو اسکی

گواہی اس مقدمے میں قلم بند کرنے سے پہلے جس میں اس کو طلب کیا گیا ہو۔ کسی اور موضوع کی گفتگو میں گواہ کی تحقیر کرنے کے لئے یہ فقرے کہے۔ " یہ مولوی بڑے بددیانت ہوتے ہیں "

۲ : دورانِ گفتگو اس گواہ کی موجودگی میں حاضرینِ مقدمہ و وکلاء کو مخاطب کرکے کہے۔

" میں خوب جانتا ہوں یہ داڑھی والے مولوی یوں ہی ہوتے ہیں "

۳ : گواہ کی موجودگی میں حاضرین کو کہے " داڑھی منہ پر لگا کر گواہی دینے آجاتے ہیں " ان سوالات کے جوابات شرعی بخدمت جناب گورنر پنجاب ارسال کئے جائیں گے۔ ان کو درج رجسٹر فرمایا جاوے اور علماء کرام کے دستخط و مہر سے سائل کو عنایت فرمائے جائیں مشکور ہوں گا۔ یہ مسئلے کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے دریافت نہیں کئے جارہے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر ان سے سنتِ رسول ؐ اور توہینِ اسلام ثابت ہوتی ہے تو خادم اس کا تدارک ضرور کرے گا۔

الجواب جج یا مجسٹریٹ جو بھی ان الفاظ کو منہ سے خارج کرے۔ اگر یہ کلمات اس بناء پر کہتا ہے کہ اس کو سنتِ نبوی سے چڑ ہے اور تحقیراً و استخفافاً للسنۃ کہتا ہے تب تو یہ کلمہ سخت ہے اور کلماتِ کفر سے بن جائے گا اور اس کا قائل کفر کے قریب پہنچ جائے گا۔ اور اگر وہ ان کلمات کو اس لئے منہ سے خارج کرتا ہے کہ اس کو گواہ سے عداوت اور ذاتی رنجش ہے تو ان کلمات کے کہنے سے گو کافر تو نہ ہوگا لیکن فاسق ضرور ہوگا۔

لقولہ علیہ السلام سباب المسلم فسوق الحدیث۔ ولقولہ علیہ السلام کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ الحدیث

ان کلمات میں چونکہ ایک مسلمان کی توہین ہے جو گناہِ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب فاسق قرار پاتا ہے علاوہ ازیں قاضی یا حاکم کے لئے کسی فریقِ مقدمہ کے اوپر رعب ڈالنا یا اس پر حملہ کرنا یا اس کے متعلق کوئی ایسی بات کرنا جس سے اس کی دل شکنی ہو، جائز ہی نہیں۔

حاصل کلام اینکہ حاکم مذکور پر کفر کا فتوےٰ تو دیا نہیں جا سکتا۔ کیوں کہ نیات کا علم اللہ تعالےٰ کو ہے البتہ اس کا یہ فعل موجبِ فسق ضرور ہے جس پر زجر و توبیخ کرنا اور حکومت کو اس کا انسداد کرنا ضروری ہے۔

الجواب حق والحق احق ان یتبع	فقط واللہ اعلم
خیر محمد عفا اللہ عنہ	بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ
مہتمم خیر المدارس ملتان۔ ۱۹ اصفر سنہ ۱۳۷۱ھ	مفتی خیر المدارس ملتان ؛ مؤرخہ ۱۵ اصفر سنہ ۱۳۷۱ھ

ش

حیاتِ انبیاء پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی وجہ سے وارد ہونے والے شبہ کا شافی جواب

سوال:۔ اگر جسدِ عنصری کو حیات حاصل ہوتی ہے اور اس سے نماز پڑھتے ہیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے جسم کو کیوں نہ سنبھال سکے جب کہ حضرت ثابت بنانی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسد پر اس کے برعکس اثر کیوں ظاہر ہوا ؟

الجواب وقوعِ موت حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور غیر انبیاء کے بارے میں متفق علیہ ہے جس کے نتیجہ میں اعضاء ظاہرہ اور حرکت کا تعطل بھی امر اجماعی ہے۔ ورودِ موت سے قبل آنکھ دیکھتی تھی، زبان بولتی تھی، پاؤں چلتے تھے اور دیگر اعضاء بھی حرکت کرتے تھے لیکن ورودِ موت کے بعد ہمارے مشاہدے کے اعتبار سے یہ سب آثارِ حیات معطل ہوتے ہیں اور قبر میں بھی یہ ظاہری تعطل حتٰی مستمر معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت اور واقعہ گو اس کے خلاف ہے لیکن ہمارا مشاہدہ یہی ہے۔ مردہ نہ آنکھیں کھولتا ہے، نہ زبان ہلاتا ہے نہ کروٹ لیتا ہے نہ قبر میں جنت کا باغیچہ نظر آتا ہے نہ سانپ دکھائی دیتے ہیں لیکن مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ یہ سب کچھ ہوتا ہے تو بمقتضائے ایمان ہم صمیم قلب سے یقین کرتے ہیں کہ بے شک یہ سب کچھ ہوتا ہے گو ہمارا مشاہدہ اس کی نفی کرے۔ تو اصل حقائقِ برزخیہ کے بارے میں یہی ہے کہ وہ ہمارے حواس و مشاہدہ سے بالا ہوں، خواہ یہ حقائق انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہوں خواہ عام اموات کے متعلق ہوں۔ ضابطہ اور عادت یہی ہے لیکن کبھی بطورِ خرقِ عادت بعض مصالح کی بناء پر ان کا مشاہدہ بھی کرا دیا جاتا ہے مگر ہر وقت نہیں، ہر ایک کے لئے نہیں، اور ہر ایک کے حالات کا نہیں۔ ہاں جب اللہ تعالےٰ چاہیں اور جس کے لئے چاہیں۔ پس اگر ثابت بنانی کا قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مشاہدہ کرا دیا گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں اثرِ حیات کا مشاہدہ نہیں کرایا گیا تو یہ کوئی قابلِ تعجب بات نہیں۔ اصولاً ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ ضابطہ اور اصل اخفاء و ستر ہی ہے نہ کہ اظہار و مشاہدہ۔ اور اعتراض خلافِ ضابطہ پر ہوتا ہے نہ کہ حسبِ ضابطہ پر۔ اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اگر ورودِ موت کے بعد بھی وجودِ حیات اور اس کے آثار کا عام مشاہدہ ہونے لگے تو احکامِ غسل و کفن و دفن سب معطل ہو کر رہ جائیں۔ آخر ایک چلتے پھرتے، دیکھتے سنتے انسان کو کون دفن کرسکتا ہے ؟ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

فلولا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منہ اھ (مشکوٰۃ ص ۲۵ ج ۱) یعنی احوالِ برزخ کا مشاہدہ ترکِ تدفین کا باعث بن جائے گا ۔

اگر یہ خلجان ہو کہ باوجود سنبھل نہ سکنے کے جسدِ عنصری میں خلافِ مشاہدہ حیات کیسے مان لیں ؟ جواب یہ ہے کہ خرور (گرنا) حیاتِ جسدِ عنصری کے خلاف و منافی نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حیات بھی ہو اور خرور بھی متحقق ہو جائے۔ بچے، بے ہوش اور مریض میں دونوں امر مجتمع ہیں۔ جسدِ عنصری من کل الوجوہ زندہ بھی ہے لیکن کھڑا نہیں ہوسکتا لیکن بعض اوقات بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ اور کبھی صحت مند جوان آدمی بھی سنبھلنے کا قصد

نہ کرے تو گر جانا مستبعد نہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ تکمیل بیت المقدس کے بعد خرور اس طرح ظہور پذیر ہوا ہو۔ واضح رہے کہ یہ نظیر ہے مثال نہیں، پھر خصوصاً جب ہمارے مشاہدے کے اعتبار سے آثار حیات کا تعطل اصل ہے تو گرنے میں کیا استبعاد ہے۔ گرنا ہی چاہئے تھا تاکہ احکام دفن وغیرہ کی تکمیل و تعمیل ہو سکے۔

علاوہ ازیں نہ دیکھنے کے باوجود سانپوں کے قبر میں ہونے کا یقین کرتے ہیں۔ مردہ قبر میں بے حس و حرکت پڑا ہے کوئی جنبش نہیں مگر اس کے چیخنے کا یقین کرتے ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ سنبھل نہ سکنے کے باوجود حیات کا یقین نہ کر سکیں

الغرض اعمال برزخیہ و حیات برزخیہ فی الجسد کا وجود ہمارے مشاہدے کو مستلزم نہیں۔ اور احیاناً مشاہدہ ہو جانا عموم و دوام کو مستلزم نہیں۔ عذاب قبر اور حیات شہداء کے بارے میں شراح نے لکھا ہے۔

نحن نراهم على صفة الاموات وهم احياء قال الله تعالى وترى الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب الى ان قال ولذلك قال تعالى بل احياء ولكن لا تشعرون فنبه بقوله ذلك خطابا للمؤمنين على انهم لا يدركون هذه الحياة بالمشاهدة والحس۔ (شرح الصدور ، ص ۸۵)

شہداء میں آثار حیات کا مشاہدہ نہ کرنے کے باوجود ہم انہیں حی الجسد کہتے ہیں۔ بغیر سہارا اس کا کھڑا ہونا بھی متعذر ہے مگر یہ اتصاف بالحیوٰۃ سے مانع نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنص حدیث زائر کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اور نماز جنازہ کے وقت جب آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا جا رہا تھا تو لب مبارک کا حرکت کرنا ثابت نہیں۔

الحاصل بعد الوفات انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارک کو حیات حاصل ہوتی ہے لیکن آثار حیات کا مشاہدہ ضروری نہیں۔ بلکہ عام حالات میں اس کا عدم ضروری ہے الا یہ کہ خلاف عادت کبھی اس کا مشاہدہ کرا دیا جائے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جسد عنصری میں آثار حیات کا ظہور بعد الدفن ہوتا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا خرور دفن سے پہلے کا واقعہ ہے۔ قبل از دفن اور بعد از دفن میں فرق وہی ہے جو پہلے ذکر ہوا یعنی یہ کہ قبل از دفن اس کا ظہور ہو جائے تو تکفین و تدفین متعذر ہو جائے گی۔ گو بعض سلف میں قبل از دفن بھی بعض آثار حیات کا فی الجملہ ظہور ہوا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ایک محدث عمر بھر نہیں ہنسے جب غسل دیا جا رہا تھا تو ہنس پڑے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے بھی بعض ایسے واقعات نقل کئے ہیں۔ (شرح الصدور ، ص ۸۹)

۳ : اس آیت سے وجود حیات ثابت ہوتا ہے۔ سال بھر تک جسم کا حسب سابق رہنا متعفن نہ ہونا دال بر حیات ہے اور تمام آثار کا ظہور ضروری نہیں۔ بلکہ بظاہر اس کا عدم ضروری ہے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔

۴ : حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی ایک دوسری غریب تفسیر بھی منقول ہے جس کی بنا پر بہت سے اشکالات ختم ہو جاتے ہیں وہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بستر پر ہوئی ہے دروازہ اندر سے بند تھا کسی کو موت کا علم نہ ہوا۔ کیڑے نے دلیز کو کھا لیا جب دروازہ

راتب موت کا علم ہوا۔ ختم ای الباب اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تعمیر بیت المقدس ایک روایت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی میں مکمل ہو چکی تھی۔ تو تعمیر بیت المقدس کے لئے یہ تدبیر کرنے کی کیا حاجت تھی۔ تفصیل روح المعانی میں ملاحظہ کی جائے۔

سوال ۲ سماع موتٰی عادت ہے یا کرامت؟

الجواب اکابر کی بعض عبارات سے ایہام ہوتا ہے کہ جن مواضع میں سماع موتٰی ثابت ہے یہ بطور خرق عادت ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ نفس سماع موتٰی گو خرق عادت ہے (کیونکہ مردے میں حیات بظاہر معدوم ہے۔ ثانیاً قبر میں بقاء حیات غیر معقول۔ ثالثاً مشاہدے کے خلاف ہے۔ رابعاً بوجہ حجابات کثیفہ کے آواز کا پہنچنا متعذر ہے) لیکن ان مواضع مخصوصہ میں حق جل شانہٗ نے اسے عادت بنا دیا ہے۔ جعل خداوندی کے بعد اب یہ عادت ہے بطور معجزہ یا کرامت نہیں کہ مردہ ولی اللہ کا کلام سنے اور عوام کا نہ سنے سماع ان مواضع میں مطرد ہے۔

لقوله عليه السلام مامن احد يمر بقبر اخيه المؤمن يعرفه في الدنيا فيسلم عليه الا عرفه ورد عليه السلام اخرجه البيهقي في الشعب۔

(کذا فی فتح الملہم : ص ۵۰۸)

(۲) وروى الحافظ ابونعيم فاذا حمل على النعش فانه يسمع كلام من تكلم بخير او تكلم بشر اه (کذا فی التذکرۃ : ص ۱۹)

اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جن مواضع میں سماع ثابت ہے اگر اس سماع کو بطور عادت نہ مانا جائے تو ان مواضع کی تخصیص لغو ٹھہرے گی۔ کیونکہ بطور خرق عادت و کرامت تو ان مواضع کے علاوہ بھی حق جل شانہٗ سنوانے پر قادر ہیں۔ وجہ تخصیص اگر ہے تو یہی ہے کہ ایک قسم میں سماع کو مطرد بنا دیا گیا ہے اور دوسرے میں نہیں۔ شمول قدرت کے لحاظ سے دونوں قسمیں برابر ہیں۔

قال ابن القيم الاحاديث والآثار تدل على ان الزائر متى جاء علم به المزار وسمع كلامه وانس به ورد سلامه عليه وهذا عام في حق الشهداء وغيرهم وانه لا توقيت في ذالك اه (شرح الصدور ص ۹۴)

سوال ۳

قبر میں دوبارہ روح جسم میں آتی ہے یا نہیں؟

الجواب سلف کا ایک مسلک عودِ روح کا ہے۔ بلکہ ظاہر حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ حدیث براء میں ہے۔

ویعاد روحہ فی جسدہ (مشکوۃ ص ۲۵) وفی اٰخرہ ثم یعاد فیہ الروح (ص ۲٦) النص الصریح الصحیح وھو قولہ علیہ السلام فتعاد روحہ فی جسدہ کتاب الروح۔ وعندی فی ھذا الجواب بحث وھو ان الاحادیث الصحیحۃ ناطقۃ بان الروح تعاد فی الجسد عند السوال اھ (نبراس ص ۳۲۲) قال السبکی عود الروح فی الجسد فی القبر ثابت علی الصحیح وانما الخلاف فی استمرارھا فی البدن۔ (بشریٰ ص ۹۸)

فاذا دخل قبرہ رد الروح الی جسدہ مرفوعا (کشف الصدور ص ۲۰) واختلفوا فی ذالک فقال بعضھم یکون باعادۃ الروح اھ (مرقاۃ ص ۱٦۴) رد اللہ علیہ روحہ لاجل سلام من یسلم علیہ واستمرت فی جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم لا انھا تعاد ثم تنزع ثم تعاد اھ (القول البدیع ص ۱٦۴)

یرید بقولہ الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط ثم السوال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیہ حجۃ الاسلام ص ۳۰ صاحب الھدایۃ فی الایمان اھ (فیض الباری ص ۱۸۵ ج ۱)

قال البیھقی فی کتاب الاعتقاد ان الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء اھ (شرح الصدور ص ۸۵)

واما الادراکات فلا شک ان ذالک ثابت لھم۔ ص ۸۵

قال ابن القیم ان الاحادیث مصرحۃ باعادۃ الروح الی البدن عند السوال۔ کذالک حیاۃ المیت عند الاعادۃ غیر الحیاۃ لِلحَیّ۔ وھی حیاۃ لا تنفی عند اطلاق اسم الموت بل امر متوسط بین الموت والحیاۃ۔ (ص ٦۰)

روضۂ اطہر پر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنے کا حکم

سوال ۱۷ :۔ روضۂ اطہر پر جا کر الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر بصیغۂ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ سلام پیش کرنا جائز ہے جو لوگ اس سے منع کرتے ہیں شاید اس لئے کرتے ہیں کہ اس سے ندا، لغیر اللہ لازم آتی ہے۔ سو واضح رہنے کہ یہ ندا، لغیر اللہ ممنوع نہیں۔ بلکہ وہ ندا، لغیر اللہ ممنوع ہے جو غائب کے لئے ہو اور اسے مالک نفع و ضرر سمجھتے ہوئے پکارا جائے، یہ ندا شرک ہے۔ حاضر کو بلفظ یا خطاب کرنا جائز ہے نہ یہ شرک ہے نہ منع ہے بس لوگ کا فرکا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ باہمی گفتگو میں ہر شخص دوسرے کو بصیغۂ خطاب مخاطب کرتا ہے۔ اور قریبی شخص کو بلانے کے لئے یا اور اسے کا صیغہ تمام زبانوں میں مستعمل ہے۔ حق جل شانہ نے انبیاء علیہم السلام کو بلفظ یا خطاب فرمایا ہے۔ یا زکریا، یا موسیٰ، یا ابراہیم وغیرہ۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان حاضر ہوتے اور بصیغۂ یا رسول اللہ خطاب فرماتے۔

حدیث جبرئیل میں ہے یا محمد اخبرنی عن الاسلام اس کے نظائر کا انحصار متعذر ہے۔

الحاصل حاضر کے لئے بلفظ یا خطاب ممنوع نہیں۔ پس جب یہ محقق ہے کہ روضۂ اقدس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسدِ اطہر کو حیات حاصل ہے اور زائر کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں تو زائر کا یا رسول اللہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مجلس اقدس میں حاضر ہو کر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا یا رسول اللہ کہنا۔ جب صحابہ کرامؓ کا یا کہنا شرک نہیں تو زائر کا یا کہنا کیوں شرک ہے خصوصاً جب کہ وفات شریفہ کے بعد حضرات صحابۂ کرامؓ سے اسی طرح سلام پڑھنا ثابت ہے۔ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں

وقد کان الصحابة کابن عمر و انس وغیرهما یسلمون علیه صلی الله علیه وسلم وعلی صاحبیه کما فی الموطا ان ابن عمر کان اذا دخل المسجد یقول السلام علیك یا رسول الله السلام علیك یا ابا بکر السلام علیك یا ابت۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۴ ج ۱)

ہم نہیں سمجھتے ہماری توحید اتنی ذکی الحس کیوں ہے جس صیغہ سے حضرات صحابہ کرامؓ کو شرک کی بو نہیں آئی ہمیں کیوں آتی ہے؟ دراصل یہ توحید پرستی نہیں غلو ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شان صحابہؓ کے بارے میں کیا خوب حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔ " وقد قصر قوم دونهم فجفوا وطمح عنهم اقوام فغلوا و انهم بین ذالك لعلی هدی " (ابوداؤد ص ۶۳۳ ج ۲)

الحاصل زائر کے لئے بلفظ یا رسول اللہ سلام پیش کرنا جائز ہے۔ ایک خاص واقعہ کی توجیہ میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں ندا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جاوے (تفصیل کے لئے دیکھئے نشر الطیب ص ۲۳۱) اسی طرح شفاعت کی درخواست کرنا بھی جائز ہے۔ غائبانہ طور پر بعقیدۂ حاضر و ناظر ندا بصیغۂ یا ممنوع اور حرام ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عذاب قبر روح اور بدن(۱) دونوں کو ہوتا ہے، اور مسئلہ حیات(۲) انبیاء ع

ہر ایک کے دس دس دلائل

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص عام موتی کا ثواب و عذاب قبر میں جسد پر نہیں مانتا بلکہ صرف روح پر تسلیم کرتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو روضۂ اطہر میں بے حس و شعور خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک پر صلوٰۃ و سلام کو پڑھا جائے تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے۔ کیا ایسے عقیدے والا شخص اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ راحت و عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔ ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ معتزلہ اور روافض کا عقیدہ ہے کہ راحت و عذاب قبر فقط روح پر ہے۔ فتح الباری ص ۱۸۵، ج ۳ میں ہے

ذهب ابن حزم وابن بصيرة الى ان السوال يقع على الروح فقط وخالفهم الجمهور فقالوا تعاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت فى الحديث ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بذلك اختصاص اھ۔

امام نووی رح شرح صحیح مسلم ص ۳۸۶، ج ۲ میں فرماتے ہیں۔

ثم العذاب عند اهل السنة الجسد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه او الى جزء منه۔

ملا علی قاری رح مرقات ص ۲۵، ج ۲ میں فرماتے ہیں۔

فتعاد روحه فى جسده ظاهر الحديث ان عود الروح الى جميع اجزاء بدنه فلا التفات الى قول البعض بان العود انما يكون الى البدن.

ابن تیمیہ حرانی حنبلی رح شرح حدیث النزول ص ۸۸ پر فرماتے ہیں۔

سائر الاحاديث الصحيحة المتواترة تدل على عود الروح الى البدن۔

ابن قیم جوزی حنبلی رح کتاب الروح ص ۵۱ پر فرماتے ہیں۔

بل العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة۔

تفسیر روح المعانی ص ۵۱ ج ۲۱ میں ہے۔

والجمهور على عود الروح الى الجسد او بعضه وقت السوال لا يحس به اهل الدنيا الى ان قال المجرى الله سبحانه عادته بتمكنها من السمع وخلقه لها عند زيارة القبر الى ان قال وهذا الوجه هو الذى يترجح عندى۔

شرح فقہ اکبر ص ۱۲۲ میں ہے۔

اعادة الروح الى العبد فى قبره حق اعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق فى الميت نوع حياة فى القبر قدر ما يتالم او يتلذذ۔

نبراس ص ۳۲۲ میں ہے۔

ان الاحاديث الصحيحة ناطقة بان الروح يعاد الى الجسد عند السوال۔

ابوبکر جصاص رازی حنفی رحمہ احکام القرآن ص ۱۰۸ ج ۱ مصری میں فرماتے ہیں۔

فاذا جاز ان يكون المؤمنون قد احيوا فى قبورهم قبل يوم القيامة وهم منعمون فيها جاز ان يحيى الكفار فى قبورهم فيعذبوا۔

علامہ صدر الدین علی بن محمد ازدی حنفی رحمہ شرح عقیدۃ الطحاوی ص ۳۳۰ طبع مکہ مکرمہ میں رقمطراز ہیں۔

وكذالك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعا. باتفاق اهل السنة والجماعة۔

شامی ص ۲۰۱ ج ۳ میں ہے۔

ولا يرد تعذيب الميت فى قبره لانه توضع فيه الحياة عند العامة بقدر الحس بالالم۔ تلک عشرۃ کاملۃ

○

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسمانی پر جمیع صحابہ کبار رضوان اللہ تعالٰے علیہم اجمعین، ائمہ اربعہ، جمیع حضرات محدثین ومفسرین وجمیع علماء امت کا اتفاق ہے۔ یہ بھی اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

فتح الباری ص ۳۵۲ میں ہے:۔

وقد جمع البيهقى كتابا لطيفا فى حياة الانبياء فى قبورهم واورد فيه حديث انس رض الانبياء احياء فى قبورهم يصلون۔ اخرجه من طريق

عیسیٰ بن کثیر وھو من رجال الصحیح عن المسلم بن سعید و قد وثقہ احمد و ابن حبان عن الحجاج الاسود وھو ابی زیاد البصری۔ وقد وثقہ احمد و ابن معین عن ثابت عنہ آگے بہت سے شواہد نقل فرماتے ہیں۔

عینی۔ ص ۱۸۵، ج ۱۲ میں لکھتے ہیں۔

فان الانبیاء لا یموتون فی قبورھم بل ھم احیاء وان سائر الخلق فانھم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیامۃ ومذھب اھل السنۃ و الجماعۃ فی القبر حیاتاً و موتاً لا بد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء۔

ملا علی قاریؒ مرقاۃ ص ۲۶۳، ج ۵ میں فرماتے ہیں۔

فدل علی ان الانبیاء احیاء حقیقۃ و یریدون ان یتقربوا الی اللہ فی عالم البرزخ من غیر تکلیفھم کما انھم یتقربون الی اللہ بالصلوٰۃ فی قبورھم۔

تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۷، ج ۴ میں علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

قال العلماء یکرہ رفع الصوت عند قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم کما کان یکرہ فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ موجود حیا فی قبرہ دائما۔

روح المعانی ص ۳۲، ج ۲۲ میں ہے۔

فحصل من مجموع ھذا الکلام و الاحادیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیٌ بجسدہ و روحہ و انہ یتصرف و یسیر حیث یشاء فی اقطار الارض وھو بھیأتہ التی کان علیھا قبل وفاتہ لم یتبدل منہ شیٔ۔

جلال الدین سیوطیؒ انباہ الاذکیاء ص ۲ میں لکھتے ہیں۔ --

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علماً قطعاً لما قام عندنا من الادلۃ فی ذلک و تواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذلک۔

اوجز المسالک ص ۳۸۲، ج ۶ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔

قلت اولانھم احیاء فی قبورھم فالاموال باقی علی ملکھم۔ آگے علامہ مناویؒ کا قول بھی یہی نقل فرمایا ہے پھر یہ لکھا ہے۔

فقال ابن عابدین فی رسائلہ و اما عدم موت المورث بناء علی ان الانبیاء احیاء

فی قبورھم ۔ پھر آگے حضرت گنگوہی رح کا عقیدہ بھی یہی نقل فرمایا ہے۔ بحوالہ الکوکب الدری ۔

علامہ سخاوی رح القول البدیع ص ۱۲۵ میں رقمطراز ہیں

نحن نصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ و ان جسدہ الشریف
لا تاکلہ الارض والاجماع علی ھذا ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح اشعۃ اللمعات ص ۶۱۳ ج ۱ ، اور مدارج النبوت ص ۴۴۰ ، ج ۲ میں فرماتے ہیں ۔

حیات جسمانی انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین متفق است میان علماء امت و ہیچ کس را درآں اختلاف نیست ۔

تلک عشرۃ کاملۃ

یہ دس دس حوالہ جات نقل کر دیئے ہیں ویسے بہت سا ذخیرۂ احادیث و تفاسیر میں موجود ہے ۔ ان دلائل کی روسے جو شخص بھی عذاب و راحت فقط روح پر مانتا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسمانی کا قائل نہ ہو وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہے ۔ بدعتی اور گمراہ ہے ایسے شخص کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ۔

الجواب صحیح
علی محمد عفی عنہ
مہتمم دارالعلوم عیدگاہ کبیروالا

فقط واللہ اعلم
محمد منظور الحق عفی عنہ
۵ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ

مدوح مبارک کا جسد اطہر کے ساتھ تعلق اہل سنت میں متفق علیہ ہے اس تعلق کی کیفیت میں اہل سنت کے اقوال مختلف ہیں لہذا کیفیت کی تعیین میں اختلاف کی گنجائش ہے ۔ فقط ۔

الجواب صحیح
محمد شریف کشمیری
شیخ الحدیث خیر المدارس ملتان

عبدالقادر عفی عنہ
مدرس دارالعلوم کبیروالا
۵ ، ۱۱ ، ۹۸ھ

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف میں زندگی جسد مبارک کے ساتھ ثابت ہے اور اس کا منکر اہل السنۃ والجماعۃ سے نہیں ہے ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان : ۵ ، ۱۱ ، ۹۸ھ

جواب درست ہے اللہ تعالیٰ اس احقاق حق کی سعی کو منظور فرماویں ۔

العبد الفقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان : ۵ ، ۱۱ ، ۱۳۹۸ھ

بسلسلۂ حیات النبیؐ مفتیٔ دار العلوم دیوبند کے فتویٰ کی مہتمم دار العلوم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی طرف سے وضاحت

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قاری صاحب زید مجدہم کی طرف ایک خط لکھا۔ جس میں مفتیٔ دار العلوم حضرت مفتی مہدی حسن صاحب کے فتویٰ کی ایک عبارت کی طرف متوجہ کیا گیا جس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حیاتِ دنیوی کی بجائے حیاتِ اُخروی حاصل ہے۔ جواب میں حضرت قاری صاحب مدظلہٗ نے اس والا نامہ سے سرفراز فرمایا۔

گرامی نامہ موصول ہوا جس میں حضرت مفتیٔ دار العلوم کا فتویٰ دربارۂ حیاتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تحریر فرمایا گیا ہے۔

میں جہاں تک سمجھتا ہوں عبارت کا تسامح ہے مراد کا نہیں۔ محققین کا مسلک اور بالخصوص حضرت اقدس نانوتوی رحمہ اللہ کا مسلک اس بارہ میں یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برزخ میں بھی حیاتِ دنیوی حاصل ہے۔ جس کی طرف آیتِ کریمہ انک میت و انہم میتون میں اشارہ موجود ہے۔ اس میں دو موتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں جن کے درمیان عطف ہے جو تغایر پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے حضورؐ کی موت اور ہوگی اور دوسروں کی موت اور۔ ورنہ ایک جملہ لاکر سب کی موت کو ذکر کیا جاسکتا تھا۔ پس عنوان کا تغیر اور دونوں موتوں کا یہ عطفی تغایر اس پر صاف روشنی ڈال رہا ہے کہ حضورؐ کی موت اور نوع کی ہے دوسروں کی اور نوع کی ہے۔

اس تغایر کو محققین نے اس عنوان سے ادا کیا ہے کہ عامۂ خلائق کی موت ذاتی ہے اور حضورؐ کی عرضی۔ ذاتی کے معنی یہ ہیں کہ عام لوگوں کی روح کا تعلق اس بدن سے منقطع کر دیا جاتا ہے۔ اور عرضی کے معنی یہ ہیں کہ روح کا تعلق اس جسدِ عنصری سے منقطع نہیں ہوتا۔ بلکہ بدستور باقی رہتا ہے صرف آثارِ روح جو بدن کے ذریعے سے ظاہر ہوتے تھے وہ روک لئے جاتے ہیں۔ خواہ فیضانِ روحی بلا واسطہ بدن پہلے سے بھی زائد ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ جب آپ کی موت عرضی ہے اور بدن مبارک میں روح پر فتوح پوری طرح باقی اور بدستور قائم ہے تو یہ صرف حیاتِ برزخی نہیں دنیوی بھی ہے اس کو حیاتِ برزخی کہنے کے معنی صرف حیات فی البرزخ ہیں۔

اور حاصل یہ ہوگا کہ آپ دنیوی زندگی کے ساتھ برزخ میں حیات ہیں اس لئے نہ آپ کی ازواج مطہرات بیوائیں ہیں جو

قابلِ نکاح ہیں اور نہ آپ کا مال قابلِ میراث ہے۔ پس حضرت مفتی صاحب نے جو محققین کا قول نقل کیا ہے کہ حضورؐ کو حیاتِ برزخی حاصل ہے اس کا مطلب یہ ہے حیات فی البرزخ حاصل ہے۔ یعنی برزخ ظرفِ حیات ہے صفتِ حیات نہیں۔ اس کے بعد حضرت مفتی صاحب کا یہ دعویٰ بھی صحیح ہے کہ یہ حیات فی البرزخ دنیوی حیات سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر ہے یعنی عام دنیوی زندگی سے یہ برزخ کی دنیوی زندگی بھی اس ظرفِ برزخ میں پہنچ کر اقویٰ تر ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے حیاتِ دنیوی کی نفی نہیں ہو رہی ہے بلکہ اس کی مضبوطی اور استحکام ثابت ہو رہا ہے آگے آپ حیات کے مطالعہ کی ہدایت کی گئی ہے —— —— سو اس کی تحقیق کا حاصل بھی یہی ہے جو محققین کی تحقیق ہے کہ آپ کو حیات فی البرزخ حاصل ہے اور وہ حیاتِ دنیوی ہے، ورنہ مفتی صاحب نے فرمایا ہے "کہ مگر بحالتِ موجودہ اقویٰ اور قوی تر ہے" جس کا حاصل یہی ہے کہ برزخ میں پہنچ کر یہ حیاتِ دنیوی اور زیادہ قوی اور مستحکم ہو گئی ہے نہ یہ کہ وہ دنیوی حیات ختم ہو گئی ہے۔ پھر ممدوح نے قولِ اوّل کو راجح بتلایا ہے۔ اور وہ قولِ اول محققین کا قول حیات فی البرزخ ہے جسے انہوں نے حیاتِ برزخی سے تعبیر کیا ہے۔ پھر ساتھ ہی حیاتِ دنیوی کو ممدوح ثابت شدہ ہی بتلا رہے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خود اس کے خلاف کریں۔ اس لئے حضرت مفتی صاحب کی عبارت اور محققین کے مسلک میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔ البتہ عبارت میں کچھ تسامح ضرور ہے سو علماءؒ کے لئے یہ مسئلہ کوئی پیچیدگی نہیں رکھتا۔ اس سے مطلب اخذ کر سکتے ہیں۔ جو رات دن متعارض روایات میں تطبیق و توفیق کے فرائض ادا کرتے رہتے ہیں اس معمولی سے تسامح کا وہ بہتر سے بہتر مدا دا کر سکتے ہیں۔ امید ہے کہ جناب کو اس تحریر سے سکون ہو جائے گا اور مفتیٔ دارالعلوم کی جانب سے کسی قسم کا کوئی خلجان باقی نہ رہے گا۔

محمد طیب
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۲۹، ۲، ۱۳۷۷ھ

حیات النبیؐ کے بارے میں حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کی طرف سے مسلکِ دیوبند کی ترجمانی

حضرت المحترم (مولانا خیر محمد صاحب) زید مجدکم، السلام مسنون۔ نیاز مقرون۔

گرامی نامہ مورخہ ۲ صفر ۱۳۷۷ھ کو شرف صدور لایا۔ میں اس درمیان میں ہمہ وقت اسفار میں رہا۔ اس لئے ارسال جواب میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ معافی کا خواستگار ہوں۔ گرامی نامہ سے اندازہ ہوا کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اہمیت اختیار کرگیا ہے جس سے اندیشہ ہے کہ منتسبین دیوبند ہی میں خود گروہ بندی نہ ہو جائے۔ اس لئے نیاز مندانہ طریق پر گزارشات پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

مسئلہ زیر بحث (حیات النبیؐ) میں جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں، فتاویٰ، مقالات اور متوارث ذوق کا تعلق ہے دیوبندیت تو یہی ہے کہ برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حیاتِ دنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے۔

کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیام دارالعلوم دیوبند سے شروع ہوئی ہے جس کی ابتداء حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو جلیل القدر خلفاء حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہما اللہ سے ہوئی۔ ان تینوں بزرگوں کا مسلک بھی حیاتِ دنیوی ہے۔ پھر آخر الذکر دو بزرگوں کے تلامیذ حضرت شیخ الہندؒ و حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم رائپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحؒ، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے جو ان کے مطبوعہ فتاویٰ اور مقالات میں موجود ہے۔ پھر ان اکابر کے تلامذہ مثل حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب رحؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحؒ اور دوسرے اساتذۂ دارالعلوم دیوبند وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔

یہی حضرات دیوبندیت کے اساطین کہلاتے ہیں۔ اس لئے دیوبندیت تو حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حیاتِ دنیوی ہی ہے جو برزخ میں قائم ہے۔

فقط والسلام

محمد طیب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

الاستفتاء

حضرت مولانا علاء اللہ خان صاحب مدظلہ

السلام علیکم ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب احمد سعید خان ہیں وہ کہتے ہیں - جو شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف پر پڑھا ہوا صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں وہ شخص کافر ہے وہ مولوی صاحب اپنے آپکو آپکی جماعت کا بتاتے ہیں - دیوبندی لوگوں میں بہت اختلاف پڑ گیا ہے - لہذا آپ اپنا عقیدہ اور اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ظاہر فرما کر ہم پر کرم نوازی فرماویں تاکہ عام مسلمانوں کی رہبری ہو سکے !

نیاز مند مسلمان احقر عبد القادر خان عباسی
احمد پور شرقیہ ... ریاست
بہاولپور

الجواب وہو الموفق للصواب:

کتب فقہ حنفی اور روایات سے یہ ثابت ہے کہ عند القبر بذات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود و سلام سنتے ہیں صاف اہل السنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے ایسے عقیدہ والے کو کافر اور مشرک کہنا بہت بڑی دلیری ہے العیاذ باللہ اللہ سب مسلمانوں کو ایسی جرأت سے محفوظ رکھے اور سلف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ہذا واللہ اعلم بالصواب

عبد الرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی ۲۲ صفر ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح
علاء اللہ

جواب درست ہے
ناکارہ خلائق
غلام ربانی

حضرت نانوتویؒ بھی وصالِ انبیاء کے قائل تھے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح بانی دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ "موت انبیاء کا معنی انقباض الروح فی الجسد ہے نہ کہ انفکاک روح من الجسد"

کیا یہ معنی کرکے مولانا موصوف قرآن و حدیث، صحابہ رض و اجماع امت اور تمام اہلسنت والجماعت کے خلاف ہیں یا نہیں؟ اگر خلاف ہیں تو پھر مولانا موصوف کو مسلمان کہنا کیسا ہے؟

جب کہ لطائف قاسمی میں مولانا فرماتے ہیں۔

"اپنا تو یہی عقیدہ ہے اور میں سمجھتا ہوں مرتے دم تک رہے گا"

اور اگر مولانا موصوف مسلمان ہیں تو کیا اہلسنت والجماعت سے ہیں یا نہیں۔؟

خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ

الجواب

قرآن و حدیث میں موت انبیاء علیہم السلام منصوص ہے اور حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ بھی موت انبیاء علیہم السلام کے قائل ہیں۔

چنانچہ لطائف قاسمی (ص ۳) میں مرقوم ہے۔

"حسب آیت کل نفس ذائقة الموت۔ انك ميت وانهم ميتون

تمام انبیاء علیہم السلام خاص کر حضرت سرور انام ص کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے" الخ

پس نفس موت کے بارے میں حضرت موصوف رح کا بھی وہی عقیدہ ہے جو تمام امت مسلمہ کا ہے اور قرآن و حدیث میں منصوص ہے۔ تو حضرت موصوف رح کے بارے میں دائرہ اسلام اور اہلسنت والجماعت سے اخراج و عدم اخراج کی بحث چھیڑنا بے محل اور گستاخی ہے جس سے رکنا لازم ہے۔ رہی موت انبیاء علیہم السلام کی کیفیت مخصوصہ کہ انفکاک الروح من البدن ہے یا انقباض۔ سو یہ کسی نص میں متعین نہیں کی گئی جس کا انکار موجب کفر بن سکے۔ واضح رہے کہ موت کی بھی مختلف انواع ہیں۔

مفردات راغب میں ہے انواع الموت بحسب انواع الحیاۃ، ص ۴۹۴۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

۱۷ / ۱ / ۱۳۸۰ھ

ایصالِ ثواب سے ثواب پہنچنا اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ عقیدہ ہے

سوال سورۂ کہف میں لکھا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمالنامے کا دفتر بند کردیا جاتا ہے جب دفتر بند ہوگیا تو ہم جو بعد میں ثواب پہنچاتے ہیں وہ کہاں درج ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں قرآنی آیات و احادیث نبوی کا حوالہ تحریر فرماکر مشکور فرمائیں۔

الجواب اہلسنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق ایصالِ ثواب درست ہے۔ اگر انسان اپنی کسی نیکی کا ثواب دوسرے شخص کو بخشتا ہے تو یہ ثواب اسے پہنچتا ہے اہلسنت والجماعت کا یہ مسلک بہت سی احادیث وآیات سے ثابت ہے۔ صاحب ہدایہ ص۲۹۶، ج۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

الاصل فی هذا الباب ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة او صوما او صدقة او غيرها عند اهل السنة والجماعة لما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه ضحى بكبشين املحين احدهما عن نفسه والآخر عن امته ممن اقر بوحدانيته تعالى وشهد له بالبلاغ جعل تضحية احد الشاتين لامته. الخ

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب جائز ہے اور پہنچتا ہے۔ ورنہ نعوذ باللہ اس ایصال کو لغو تسلیم کرنا پڑے گا۔

۲ ؛ حدیث خثعمیہ میں ارشاد نبوی منقول ہے۔ فانه عليه السلام قال فيه حجى عن ابيك للحديث اخرجه ائمة السنن

۳ ، ایک صحابی رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کے لئے کنواں کھدوایا وقال هذه لام سعد۔

اس کے علاوہ پوری امت کا سلفاً وخلفاً یہ معمول ہے کہ اپنے اقربا کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔ نیز صاحب بحر نے اس سلسلہ میں مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کی تائید میں دو آیات سے بھی استدلال کیا ہے وهذا نصه والاصل فيه ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره عند اصحابنا بالكتاب والسنة اما الكتاب فلقوله تعالى وقل رب ارحمهما كما ربيانى صغيرا . واخباره تعالى عن ملئكته ويستغفرون للذين امنوا ۔ الاية ۔

پس ایصالِ ثواب درست ہے کوئی شبہ نہ کیا جائے۔ میت کا اعمالنامہ لپیٹ دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اپنا کوئی عمل اب اس میں درج نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کا عمل موت سے منقطع ہوگیا۔ اور دوسرے کے عمل کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں یہ الگ بات ہے۔ فلا اشکال۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مورخہ ۱۲، ۵، ۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

توسل بالانبیاء والاولیاء کے بارے میں مفصل و مدلل فتویٰ

سوال ۱: مسائل ذیل میں توسل بالانبیاء والاولیاء کی حقیقت کیا ہے۔

۲ : انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام اور صلحاء کرام کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا کیسا ہے۔ خواہ وہ اس عالم دنیا میں زندہ ہوں یا فوت ہو چکے ہوں۔ خواہ ان کی ذات سے توسل کیا جائے یا ان کے اعمال سے۔ ایسا توسل جائز ہے یا حرام یا شرک۔

۳ : علماء حنفیہ خصوصاً اکابر علماء دیوبند کا مسلک توسل کے متعلق کیا ہے۔

۴ : پنجاب کے بعض مدعیان علم دیوبندی کہلا کر اس قسم کے توسل کا سرے سے انکار کرتے ہیں بلکہ اس کو شرک کہتے ہیں وہ صحیح معنی کو دیوبندی ہیں یا نہیں؛

المستفتی قاضی احسان احمد شجاع آبادی

الجواب : وباللہ التوفیق

توسل کی حقیقت مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی چشتی حنفی قدس سرہ العزیز جائز توسل کی حقیقت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

(الف) کسی شخص کا جو جاہ ہوتا ہے اللہ کے نزدیک اس جاہ کی قدر اس پر رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ توسل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ جتنی رحمت اس پر متوجہ ہے اور جتنا قرب اس کا آپ کے نزدیک ہے اس کی برکت سے مجھ کو فلاں چیز عطا فرما۔ کیونکہ اس شخص سے تعلق ہے، اسی طرح اعمال صالحہ کا توسل آیا ہے، حدیث میں، اس کے بھی یہی معنی ہیں۔ کہ اس عمل کی جو قدر حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اور ہم نے وہ عمل کیا ہے۔ اے اللہ برکت اس عمل کے ہم پر رحمت ہو۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۳۰)

(ب) اور حاصل توسل فی الدعاء کا یہ ہے، کہ اے اللہ فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت ہے۔ اور مورد رحمت سے محبت اور اعتقاد رکھنا بھی موجب جلب رحمت ہے۔ اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں پس ہم پر رحمت فرما۔

(نشر الطیب ص ۳۴۸)

۲ : حضرات انبیاء علیہم السلام، اور اولیاء اللہ العظام، اور صلحاء کرام، کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا شرعاً جائز بلکہ قبولیت دعا کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے مستحسن اور افضل ہے۔ قرآن و حدیث کے اشارات و تصریحات سے اس قسم کا توسل بلاشبہ ثابت ہے۔

(الف) قرآن مجید سے توسّل کا ثبوت

ولما جاءھم کتاب من عند اللہ مصدق لما معھم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا اھ (پ ۱، سورۂ بقرہ) اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر۔ اھ یستفتحون کا مصدر " استفتاح " ہے اس کے ایک معنی ہیں۔ " مدد طلب کرنا "۔

علامہ شوکانی رح تفسیر فتح القدیر، ص ۹۵، ج ۱ میں لکھتے ہیں۔ والاستفتاح الاستنصار اھ۔

علامہ آلوسی رح فرماتے ہیں ،

نزلت فی بنی قریظۃ و النضیر کانوا یستفتحون علی الاوس و الخزرج برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل بعثہ قالہ ابن عباس و قتادۃ اھ

(تفسیر روح المعانی، ص ۳۲۰، ج ۱)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ رض اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل کتاب میں بنی قریظہ اور بنی نضیر اپنے فریق قبائل اوس وخزرج پر فتح طلب کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے۔

اللھم انا نسئلک بحق نبیک الذی وعدتنا ان تبعثہ فی اخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی عدونا فینصرون اھ (حوالہ بالا)

یعنی اے اللہ ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں اس آخر الزمان نبی ؐ کے طفیل جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے یہ کہ ہمارے دشمن پر آج ہمیں مدد عطا فرما، وہ مدد دیئے جاتے۔ (یعنی ان کی دعا قبول ہوتی اور غالب آجاتے)۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں۔ قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوتے، تو خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزمان ؐ اور ان پر جو کتاب نازل ہوگی، ان کے طفیل کافروں پر غلبہ عطا فرما۔ اھ

دیکھئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم دنیا میں تشریف فرما نہ ہوئے تھے، اس وقت بھی اہل کتاب آپ کے وسیلہ سے دعا کرکے فتح یاب ہوتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کرکے قرآن مجید میں اس قسم کے توسل کی کہیں تردید نہیں فرمائی۔ پھر اس کے جواز میں کیا شبہ کی گنجائش کسی کو ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

(ب) حدیث شریف سے توسّل کا ثبوت

۱ عن عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ ان رجلا ضریر البصر اتی النبی صلی اللہ

علیہ وسلم قال ادع لی ان یعافینی (الی قولہ) اللھم انی اسئلک و اتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ . اھ قال ابو اسحق ھذا حدیث صحیح . (ابن ماجہ ص ۱۰۰)

• ترجمہ اور فوائد " نشر الطیب مصنفہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیے جاتے ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں باب صلوٰۃ الحاجۃ میں عثمان بن حنیف رض سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص نابینا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، کہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھکو عافیت دے۔ آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں کو ملتوی رکھوں اور یہ زیادہ بہتر ہے، اور اگر تو چاہے تو دعا کردوں۔ اس نے عرض کیا کہ دعا ہی کر دیجئے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے۔ اور دو رکعت پڑھے اور یہ دعا کرے کہ اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ بوسیلہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی رحمت کے۔ اے محمدؐ میں آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔ تاکہ وہ پوری ہو جائے، اے اللہ آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے۔

(ف) اس سے توسل صراحۃً ثابت ہوا۔ اور چونکہ آپ کا اس کے لئے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے اسی طرح دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔ اھ

(نشر الطیب، ص ۲۴۸)

انجاح الحاجۃ (حاشیہ ابن ماجہ) میں ہے کہ اس حدیث کو نسائی اور ترمذی نے کتاب الدعوات میں نقل کیا ہے۔ اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ اور بیہقی نے تصحیح کی ہے اور اتنا زیادہ کہا ہے کہ وہ کھڑا ہو گیا اور بینا ہو گیا۔ اھ (حوالہ)

۲ ؛ دوسری روایت۔ انجاح الحاجۃ میں بعد تصحیح حدیث مذکور کے کہا ہے کہ طبرانی نے کبیر میں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سابق الذکر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کام کو جایا کرتا۔ اور وہ اس کی طرف التفات نہ فرماتے۔ اس نے عثمان بن حنیف رض سے کہا۔ انہوں نے فرمایا کہ تو وضو کرکے مسجد میں جا، اور وہی دعا اوپر والی سکھلا کر کہا کہ یہ دعا پڑھ۔ چنانچہ اس نے یہی کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جو پھر گیا، تو انہوں نے بڑی تعظیم و تکریم کی اور کام پورا کر دیا۔

(ف) اس سے توسل ذات سے بعد الوفات بھی ثابت ہوا۔ اھ (نشر الطیب، ص ۲۴۸)

۳ ؛ عن امیۃ بن خالد بن عبد اللہ بن اسید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یستفتح بصعالیک المھاجرین رواہ فی شرح السنۃ (مشکوٰۃ، ص ۴۴۷)

ترجمہ ؛ امیہ رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح کی دعا کیا کرتے تھے بتوسل فقراء مہاجرین کے۔ روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں۔

(ف) عادت توسل اہل طریق میں مقبولان الٰہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے اور حدیث سے اس کا اثبات

ہوتا ہے ۔ اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے اس کی بھی وہی حقیقت اور غرض ہے ۔ (التکشف ، ص ۴۴۴)

۴ ؛ عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابغونی فی ضعفائکم فانما ترزقون و تنصرون بضعفائکم رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ ، ص ۴۳۹)

ترجمہ ؛ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ۔ مجھ کو (قیامت میں) غرباء میں ڈھونڈنا ۔ کیونکہ (غرباء کی ایسی فضیلت ہے کہ) تم کو روزی اور دشمنوں پر غلبہ غرباء ہی کے طفیل سے میسر ہوتا ہے ۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے ۔ اھ (التکشف ، ص ۴۴۴)

(ف) نمبر ۳ اور نمبر ۴ والی حدیثوں سے ثابت ہوا کہ مقبولانِ الٰہی کی ذوات سے بھی توسل جائز ہے ۔

۵ ؛ عن مصعب بن سعد عن ابیہ انہ ظن ان لہ فضلا علی من دونہ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما نصر اللہ ھذہ الامۃ بضعفائھا و دعوتھم و اخلاصھم رواہ النسائی وھو عند البخاری بلفظ ھل تنصرون و ترزقون الا بضعفائکم ۔ اھ

ترجمہ ؛ حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ۔ کہ مجھے خیال آیا کہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر مجھے فضیلت ہے ۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ کہ اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد فرماتے ہیں ۔ اس کے کمزور بندوں اور ان کی دعاؤں و اخلاص کے طفیل ۔ روایت کیا اس کو نسائی نے ۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے ۔ تم کو نصرت اور رزق دیا جاتا ہے کمزوروں کے طفیل ۔

(ف) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی ذات اور اعمال و اخلاص کے وسیلہ سے دعا مانگنا جائز ہے ۔

جمہور اہلسنت والجماعت حنفیہ شافعیہ وغیرہما کے نزدیک بزرگوں کی ذوات و اعمال سے توسل کرنا جائز ہے

امام شافعیؒ سے توسل کا ثبوت ابو بکر بن خطیب بن علی میمون سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا کہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرتا ہوں ۔ ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہوں اور اس کے قریب اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دعا کرتا ہوں ۔ اس کے بعد جلد میری مراد پوری ہوجاتی ہے ۔ (تاریخ خطیب ، ص ۱۲۲ ، ج ۱)

علامہ شامی حنفیؒ نے بھی امام شافعیؒ کا یہ قول رد المحتار ص ۳۹ ج ۱ میں ذکر کیا ہے۔

علامہ سمہودیؒ اور علامہ سبکیؒ سے توسل کا ثبوت

قلت کیف لا یتشفع ولا یتوسل بمن له هذا المقام وللجاه عند مولاه بل یجوز التوسل بسائر الصالحین کما قاله السبکی۔ اھ (وفاء الوفاء ص ۴۱۹ ج ۲)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عند اللہ جاہ وعلو مقام پر نظر کرتے ہوئے آپ کو شفیع بنانا اور آپ کو وسیلہ بنانا تو بھلا کیسے جائز نہ ہوگا، بلکہ آپ تو آپ ہی ہیں، تمام صالحین کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ اھ

شاہ محمد اسحٰق دہلوی سے توسل کا ثبوت

دعا بایں طور "کہ الٰہی بحرمت نبی و ولی حاجت مرا رواکن" جائز است۔ مأۃ مسائل، ص ۲۱

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے توسل کا ثبوت

الجواب

چونکہ اب بندہ سے سوال کیا گیا ہے تو مختصر لکھنا ضرور ہوا۔ استغاثہ (توسل) کے تین معنی ہیں۔ ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ بحرمت فلاں میرا کام کردے۔ یہ باتفاق جائز ہے۔ خواہ عند القبر ہو خواہ دوسری جگہ، اس میں کسی کو کلام نہیں۔

دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے (خدا کا نام چھوڑ کر) تم میرا کام کردو، یہ شرک ہے۔ خواہ قبر کے پاس کہے خواہ دور سے کہے۔ اھ۔

تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کردیویں۔ اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوزین سماع موتیٰ اس کے جواز کے مقر ہیں۔ اور مانعین سماع موتیٰ منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔ اسی واسطے ان کو مستثنیٰ کیا ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ، ص ۹۳، ج ۱)

حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے توسل کا ثبوت

والتفصیل فی المسئلة ان التوسل بالمخلوق له تفاسیر ثلثة، الاول دعائه واستغاثته کدیدن المشرکین وهو حرام اجماعا۔ اھ الثانی طلب الدعا منه (الخ)

ولم يثبت في الميت بدليل فيختص هذا المعنى بالحي۔ اھ
والثالث دعاء الله ببركة هذا المخلوق المقبول وهذا قد جوزه الجمهور۔ اھ

(بوادر النوادر، ص ۷۰۹، ج ۲)

ترجمہ: اور اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ توسل بالمخلوق کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک مخلوق سے دعا کرنا اور اس سے التجا کرنا، جیسا مشرکین کا طریقہ ہے۔ اور یہ بالاجماع حرام ہے۔ اور دوسری تفسیر یہ کہ مخلوق سے دعا کی درخواست کرنا۔ اور یہ میت میں کسی دلیل سے ثابت نہیں پس یہ صورت زندہ کے ساتھ خاص ہوگی۔ اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اس مقبول مخلوق کی برکت سے۔ اور اس کو جمہور نے جائز رکھا ہے۔

اکابر علماء دیوبند کے متفقہ فتویٰ سے توسل کا ثبوت

السوال الثالث والرابع هل للرجل ان يتوسل في دعواته بالنبي صلى الله عليه وسلم بعد الوفات ام لا؟ ايجوز التوسل عندكم بالسلف الصالحين من الانبياء والصديقين والشهداء واولياء رب العلمين ام لا؟

الجواب: عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل في الدعوات بالانبياء والصلحين من الاولياء والشهداء والصديقين في حياتهم وبعد وفاتهم بان يقول في دعائه اللهم اني اتوسل اليك بفلان ان تجيب دعوتي وتقضي حاجتي الى غير ذالك كما صرح به شيخنا ومولانا محمد اسحق الدهلوي ثم المهاجر المكي ثم بينه في فتاواه شيخنا ومولانا رشيد احمد گنگوهي رحمة الله عليهما وفي هذا الزمان شائعة مستفيضة بايدي الناس وهذه المسئلة مذكورة على صفحة ۹۳ من المجلد الاول منها فليراجع اليها من شاء۔

(المهند على المفند، ص ۱۲ و ۱۳)

یہ فتویٰ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری ثم المہاجر المدنی رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کی تصدیق میں اکابر علماء دیوبند کے (۲۳) دستخط ہیں۔ بعد ازاں علماء مکہ معظمہ، علماء مدینہ طیبہ، علماء جامعہ ازہر مصر، علماء دمشق شام کے (۴۶) تصدیقی دستخط ہیں۔ الغرض جواز توسل کا مسئلہ تمام علماء دیوبند کے نزدیک متفق علیہ ہے،

کسی ایک کا بھی اس میں اختلاف نہیں۔

۴۔ مذکورہ بالا تحریرات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پنجاب کے مدعیان علم جو توسل بالذات یا توسل بالاموات کا مطلقاً انکار کرتے ہیں بلکہ اس کو حرام یا شرک کہتے ہیں وہ ہرگز ہرگز دیوبندی المسلک نہیں۔ بلکہ دیوبندی مسلک کے لئے بدنام کنندہ ہیں۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

تنبیہ: علامہ شوکانی رح کی ایک عبارت مولوی عبدالعزیز صاحب شجاعبادی نے اپنے رسالہ "فاتحۃ الالطاف" ص ۸۲، ۸۳ میں نقل کرکے انکار توسل کی تائید میں جو نتیجہ نکالا ہے کہ

"ہاں البتہ مردہ انسان خواہ بڑا ہو یا چھوٹا اس سے ان چاروں امور (توسل وغیرہ) سے کوئی ایک بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رض سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عباس رض سے توسل دعا کر رہے ہیں۔ اھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ توسل بالدعا آنحضرت ص کی وفات کے بعد اصحاب کبار رض کے نزدیک تصور نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے حضرت عباس رض سے توسل کرلیا ہے۔" (فاتحۃ الالطاف ص ۸۳ و ۸۴)

یہ بالکل مغالطہ ہے۔ حدیث کا مفہوم سمجھنے سے فہم کے افلاس کا ثمرہ ہے۔ حدیث یہ ہے۔

عن انس رض ان عمر بن الخطاب کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب فقال اللهم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقوا۔

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے دعاء باراں کرتے اور کہتے کہ اے اللہ ہم اپنے پیغمبر ص کے وسیلے سے آپ کے حضور میں توسل کیا کرتے تھے اور اب اپنے نبی کے چچا کے ذریعے سے آپ کے حضور میں توسل کرتے ہیں۔ سو ہم کو بارش عنایت کیجئے، سو بارش ہو جاتی تھی۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ اھ۔

اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود اس توسل سے اول تو اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بلا واسطہ آپ سے توسل کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ آپ کے قرابت حسیہ یا قرابت معنویہ سے تعلق دار کیواسطے سے توسل کیا جائے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رح فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے غیر نبی کیساتھ بھی توسل جائز نکلا جب کہ اس کو نبی سے کوئی تعلق ہو۔ قرابت حسیہ کا یا قرابت معنویہ کا۔ تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی۔ اور اہل فہم نے کہا ہے کہ اس پر تنبیہ کرنے کے لئے حضرت عمر رض نے حضرت عباس رض سے توسل کیا۔ نہ اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات کے بعد توسل جائز نہ تھا۔ جب کہ دوسری روایت سے اس کا جواز ثابت ہے۔ اھ

(نشر الطیب ص ۲۵۰)

دوسرے یہ شبہ ہو سکتا تھا۔ کہ شاید توسل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ کے سوا کسی اور شخص کے ساتھ توسل جائز نہیں۔ اس شبہ کا ازالہ کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے حضرت عباس ؓ سے توسل کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ دوسرے صلحاء کے ساتھ بھی توسل جائز ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(ف) مثل حدیث بالا اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جواز توسل ظاہر تھا، حضرت عمرؓ کو اس قول سے یہ بتلانا تھا کہ غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے۔ تو اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء و اموات کا حکم متفاوت ہے، بلا دلیل ہے۔ اول تو آپؐ بنص حدیث قبر شریف میں زندہ ہیں۔ دوسرے جو علت جواز کی ہے، جب وہ مشترک ہے تو حکم کیوں مشترک نہ ہوگا۔ اھ

علامہ شوکانی رح کا بھی یہی مطلب ہے۔ نہ وہ جو تمنا عبادی صاحب نے ظاہر کیا حق تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب اور محبت کی توفیق عطا فرمائے اور فہم سلیم نصیب فرمائے۔

احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۱۱ / ۱۲ / ۱۳۷۷ھ

”خدا تعالےٰ جھوٹ بول سکتے ہیں“ بریلویوں کا جھوٹ ۱

دیوبندی عقیدہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ مسئلہ امکان کذب، فتاویٰ رشیدیہ، جلد اوّل؛ صفحہ ۲۰، پر عبارت یہ ہے کہ "کذب داخل تحت قدرت باری تعالےٰ ہے" مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی۔

الجواب ۱۱

یہ قول (کہ خدا تعالےٰ جھوٹ بول سکتا ہے) فتاویٰ رشیدیہ میں کہیں بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ الفاظ بریلویوں کے خود بنائے ہوئے اور اختراعی ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ کہیں بھی استعمال نہیں کئے ہیں۔ بلکہ حضرت موصوف ایسا کہنے والے کو کافر و ملعون کہتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں حضرت موصوف کا وہ فتویٰ جو کہ انہوں نے (مذکورہ فی السوال بات کے قائل کے متعلق دیا تھا) بالفاظ نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک و منزہ ہے اس سے کہ متصف بصفت کذب کیا جائے۔ معاذ اللہ تعالیٰ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ومن اصدق من اللہ قیلا۔ جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے۔ اور مخالف قرآن و حدیث کا اور اجماع امت کا ہے وہ ہرگز ہرگز مومن نہیں۔ قال اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیراً۔ البتہ یہ عقیدہ اہل ایمان، سب کا ہے کہ خدا تعالیٰ کا مثلاً فرعون و ہامان و ابی لہب کے قرآن میں جہنمی ہونے کا ارشاد ہے وہ قطعی ہے اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا۔ مگر وہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دے دیوے۔ عاجز نہیں ہو گیا قادر ہے۔ اگرچہ ایسا اپنے اختیار سے نہ کریگا۔ قال اللہ تعالیٰ ولو شئنا لاٰتینا کل نفس ھدٰھا ولکن حق القول منی لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین اس آیت سے واضح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو مومن کر دیتا مگر جو فرما چکا اس کے خلاف ہرگز نہ کرے گا۔ اور سب اختیار سے ہے اضطرار نہیں، فاعل مختار ہے" فعال لما یرید" ہے۔ یہ عقیدہ تمام علماء امت کا ہے۔ چنانچہ بیضاوی نے تحت تفسیر قولہ تعالیٰ ان تغفرلھم الایۃ لکھتا ہے۔ کہ عدم غفران شرک مقتضی وعید کا ہے۔ ورنہ کوئی امتناع ذاتی نہیں۔ اور یہ ہے عبارت۔ وعدم غفران الشرک مقتضی الوعید فلا امتناع فیہ لذاتہ ص ۱۱۸، ج ۱"

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی

تو اس صریح اور چھپے ہوئے فتویٰ کے ہوتے ہوئے حضرت ممدوح پر یہ افترا کرنا کہ معاذ اللہ وہ خدا کو کاذب بالفعل مانتے ہیں یا ایسا لکھنے والے کو مسلمان کہتے ہیں کس قدر شرمناک کارروائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مفتریوں کو ان کے کئے کا بدلہ دے۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفرلہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
۱۸، ۲، ۸۷ ۱۳ھ

روئے زمین کے علماء کو کافر و مرتد کہنے والا کافر ہے

ایک شخص محمد ادریس نے ایک مولوی صاحب سے تیز تیز باتیں کرتے ہوئے کہا کہ یہ مولوی کافر و مرتد ہو گیا ہے اور یہ روئے زمین کے علماء (نعوذ باللہ) کافر و مرتد ہو گئے ہیں۔ آیا یہ شخص مسلمان رہ گیا، اور اس سے میل جول رکھنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب شخص مذکور کو فوراً توبہ اور تجدید ایمان کا اعلان کرنا چاہیے۔ جب تک ایسا نہ کرے اس سے کسی قسم کے تعلقات نہ رکھے جائیں۔ اور ساتھ ہی مولوی صاحب سے بھی معافی مانگے۔

عن ابن عمر رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما (متفق علیہ) عن ابی ذر رض قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذالک ۔ اھ (رواہ البخاری) فقط ۔

الجواب صحیح
محمد شریف جالندھری
مہتمم خیر المدارس ، ملتان

محمد انور
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ،
۱۸ ، ۹ ، ۱۳۹۸ ھ

بہشتی زیور کے دو مسائل کے بارے میں ایک سوال

۱ : بہشتی زیور میں ہے کہ جب کفر کا کلمہ زبان سے نکالا تو ایمان جاتا رہا ۔ اگر ہنسی دل لگی میں کفر کی بات کہے اور دل میں نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے ۔ جیسے کسی نے کہا (العیاذ باللہ) کیا خدا کو اتنی قدرت نہیں جو فلانا کام کر دے اس کا جواب دیا ہاں یا نہیں ہے ۔ تو اس کہنے سے کافر ہو گیا ۔

۲ : کسی نے کہا کہ اٹھو نماز پڑھو ، جواب دیا کون اٹھک بیٹھک کرے ۔ یا کسی نے روزہ رکھنے کو کہا تو جواب دیا کون بھوکا رہے ، یا روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانا نہ ہو یہ سب کفر ہے ۔ ان مسائل کے بارے میں ارشاد فرمائیں ؟

الجواب

۱ : ہر دو مسائل درست ہیں ۔ پہلا مسئلہ واضح ہے ۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔ لہذا یہ کہنا کہ اللہ تعالےٰ فلانے کام پر قادر نہیں قرآن کا انکار ہے ۔

۲ : دوسرے مسئلہ میں شریعت کا استہزاء اور تمسخر ہے اور یہ بھی کفر ہے ۔ فقط

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہٗ
مدرس خیر المدارس ، ملتان

محمد انور
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۳ ، ۱۰ ، ۱۳۹۸ ھ

"شریعت کی ایسی تیسی" کہنا کفر ہے

سوال : ایک شخص مسلمان ہو کر شریعت کو ہلکا اور ناچیز سمجھتا ہے اور کہتا ہے " شریعت کی ایسی تیسی میں شریعت کو کچھ نہیں سمجھتا " کیا اس شخص کے ایمان پر کچھ فرق پڑا یا نہیں ؟

الجواب بظاہر یہ الفاظ کفریہ ہیں۔ لہذا تجدید ایمان و تجدید نکاح کی جاوے۔ ولو قال من شریعت چہ دانم یکفر۔ (خلاصہ ص ۳۸۸ ج ۴)

ولو نظر الی فتوی وقال باز نامہ فتوی آوردی یکفر ان اراد بہ الاستخفاف بالشریعۃ۔ (سراجیہ ص ۶۸) فقط۔

عبدالمنان
خادم دارالافتاء خیرالمدارس ملتان
۸ / ۴ / ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح
العبد الفقیر محمد انور
نائب مفتی خیرالمدارس، ملتان

نماز کے ساتھ مذاق کے بارے میں

ایک مڈل سکول میں ایک مزاحیہ ڈرامہ ترتیب دیا گیا اس میں شہر کے چند معززین کو بھی دعوت دی گئی۔ اور مجمع کثیر میں یہ ڈرامہ کھیلا گیا۔ وہ ڈرامہ یہ تھا کہ ایک لڑکے کو امام بنایا گیا اور دوسرے مقتدی بن گئے۔ امام نے نماز کی نیت اس طرح کی "حلوہ، گوشت، چاول، سویاں اللہ اکبر" قیام بغیر قرأت کرکے رکوع کرکے سجدہ کیا بغیر اللہ اکبر کہے۔ سجدہ سے امام اکیلے سر اٹھا کر مصنوعی حلوہ کھانے میں یوں مشغول ہوا کہ بار بار مقتدیوں کو بھی سجدہ میں پڑا ہوا دیکھ لیتا تھا۔ اور بیٹھ کر حلوہ کھاتا تھا۔ اور تماشائیوں کو بھی ہنساتا تھا۔

پھر دوسری رکعت کو سب کھڑے ہو گئے۔ اور دوبارہ سجدے میں ویسے ہی بناوٹی حلوہ کی پلیٹیں سامنے رکھ کر جلدی جلدی سر اٹھا کر کھاتا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد التحیات میں بیٹھ کر سلام پھیرا۔ اور امام نے دعا مانگی کہ یا اللہ حلوہ دے گوشت چاول دے، دال کی فیکٹریاں بند کر۔

ڈرامہ کے ذمہ دار افسر نے چند معززین کے جواب میں اسی وقت کہا کہ ہماری نیت مزاحیہ پروگرام پیش کرنا ہے کوئی نماز کا انکار یا مولوی پر طعنہ وغیرہ مطلوب نہیں۔ جس کو یہ ناپسند لگے وہ چلا جائے۔

اس ڈرامہ پر ایک دیوبندی مولوی صاحب نے پرزور تردیدی بیان دیتے ہوئے ڈرامہ میں شمولیت کرنے والے چند افراد کو کہا کہ یہ لوگ

أ باللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستہزءون، لا تعتذروا قد کفرتم الآیۃ اذا سمعتم ایات اللہ یکفر بہا ویستہزء بہا فلا تقعدوا معہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلہم۔

کے مصداق ہیں۔ ڈرامہ میں خوش ہونے والے اور دلچسپی لینے والے مسلمان توبہ کریں۔ اور تعزیراً تجدید ایمان بھی کریں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس صورت میں واقعی شعائر اسلام کا مذاق ہوا؟ مولوی صاحب کا بیان درست ہے یا نہیں؟۔

الجواب نماز شعائر اسلام میں سے ہے۔ اس کے ساتھ تمسخر واستہزاء کرنے والوں کے لئے ایمان و نکاح کی تجدید ضروری ہے۔ مذکورہ ڈرامہ میں شرکت کرنے والے، ترتیب دینے والے، کردار ادا کرنے والے، انتظام کرنے والے، دیکھ کر خوش ہونے والے، سب سخت مجرم اور گناہ گار ہیں۔ بالخصوص اس قبیح ترین حرکت کو سوچنے والے اور اسے عملی جامہ پہنانے والے۔ علاقہ کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے افراد کے خلاف سخت غم وغصہ و بیزاری کا اظہار کریں تاکہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو اور وہ توبہ کریں اور آئندہ کسی بدباطن خبیث الفطرت کو دین و مذہب کے ساتھ علانیہ ایسا استہزاء کرنے کی جرأت نہ ہو۔

جس مولوی صاحب نے ان کی تردید کی ہے انہوں نے بالکل درست کیا ہے۔ ان کی تائید کرنی چاہیئے اور تجدید ایمان کا حکم درست ہے۔ واقعۃً تجدید ضروری ہے اور توبہ بھی علانیہ مجمع عام کے سامنے کرائی جائے۔

لما فی الھدایۃ التوبۃ علی حسب الجنایۃ فالسر بالسر والاعلان بالاعلان۔

(ہدایہ ص ۳۴، ۱، ج ۳)

الجواب صحیح

محمد انور شاہ غفرلہ
نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

محمد انور
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

باری تعالیٰ عزوجل کی شان میں گستاخی کفر ہے

سوال زید جو اپنے آپ کو مسلمان کہلواتا ہے اور سنت نبوی کے پیروکاروں کی بھی خدمت کرتا ہے۔ اس کے باوجود مالک حقیقی اللہ جل شانہ کی شان اقدس میں گستاخی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ ماں، بہن کی گالیاں دیتا ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے۔ نیز زید کے ایک مستند عالم دین بکر کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات ہیں حتیٰ کہ بکر زید کے گھر بھی آتا جاتا ہے اور اس کے گھر کا کھانا بھی کھاتا ہے۔ کیا زید اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا حق دار ہے؟ زید کے گھر کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور بکر مذکور کے پیچھے فریضۂ نماز وغیرہ ادا کرنا درست ہے؟

الجواب وفی العالمگیریہ ص ۲۸۱ ج ۲۔ یکفر اذا وصف اللہ بما لا یلیق بہ او سخر باسم من اسمائہ او بامر من اوامرہ الخ

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر زید مذکور نے واقعی اللہ جل شانہ کی شان اقدس میں وہ الفاظ استعمال کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں تو پھر ایسا شخص (زید) مسلمان نہیں بلکہ مرتد ہے۔ اہل اسلام کو اس سے قطع تعلق کرنا لازم ہے اور اس کے گھر کا کھانا کھانا درست نہیں ہے۔ بکر مذکور پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ اگر وہ اپنے فعل پر ندامت ظاہر نہ

کرے بلکہ بدستور اس کے گھر آتا جاتا رہے تو اس کو امامت سے علیحدہ کر دیا جائے۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس، ملتان

بندہ محمد اسحٰق غفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

ان اللہ علیٰ کل شئ قدیر کے عموم میں ہر ممکن داخل ہے

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ علی کل شئ قدیر ہر شئ پر قادر ہیں۔ اگر چاہیں کروڑوں نبی، کروڑوں جبرئیل وغیرہ ایک آن میں پیدا کر سکتے ہیں اور اپنی تائید میں "تقویۃ الایمان" مولوی اسمٰعیل دہلوی کی سند لاتا ہے اور کتاب کھول کر دعویٰ کرتا ہے کہ کتاب مذکور میں بھی عبارت موجود ہے۔

اور عمر کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام نہیں بدلتا، اور قرآن میں نص موجود ہے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ ومن اصدق من اللہ قیلا۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر نہیں۔ اگر باری تعالیٰ کو ایسا کرنے پر قادر تسلیم کیا جائے تو نصوص بالا کے خلاف ہوگا۔ اور ذاتِ باری خلافِ وعدہ کرنیوالی سمجھی جائے گی۔ خلفِ وعدہ یا وعید یا امکانِ کذب ذاتِ باری میں نقص ہے اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا۔ اور مرزائیوں اور مرزا کو برحق سمجھا جائے گا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ کروڑوں نبی پیدا کر سکتے ہیں تو مرزا کو نبوت مل گئی ہو تو کیا بڑی بات ہے۔؟

الجواب زید کا قول درست ہے لیکن ناقص ہے کیونکہ اس میں ایک ضروری جزء تحریر سے رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ "لیکن اب اللہ تعالیٰ کسی نبی کو پیدا نہیں فرمائیں گے" پس زید کا پورا قول یہ ہوا۔ "اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو کروڑوں نبی ایک آن میں پیدا کر سکتے ہیں لیکن اب چونکہ ختم نبوت کا اعلان فرما چکے ہیں لہٰذا باوجود قدرت کے کسی نبی کو پیدا نہیں فرمائیں گے"

پس اس زمانہ میں نبی کا آنا زید کے نزدیک بھی ممتنع ہے جیسے کہ عمر کے نزدیک۔ لیکن امتناع مذکور کی علت زید کے نزدیک حق سبحانہٗ کا باوجود قدرت کے کسی نبی کو پیدا نہ کرنا ہے۔ کیونکہ خود اس کا اعلان فرما چکے ہیں۔ اور سلوبیت و فناء قدرتِ سابقہ نہیں ہے کہ پہلے خداوند قدوس خلقِ انبیاء پر قادر تھے اور انبیاء کو پیدا فرماتے رہے لیکن اعلانِ ختم نبوت سے نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ یہ قدرت ہی سلب ہو گئی۔ جیسا کہ ایک بوڑھا بڑھاپے میں بہت سے کاموں پر قادر نہیں رہتا۔

اور عمر کے نزدیک سلب قدرتِ خداوندی ہے۔ کیونکہ سابق میں وجود قدرتِ مذکورہ متفق علیہ ہے۔ حالانکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات وصفات میں اس قسم کے تغیرات وانقلابات سے بالکل پاک ہیں۔ کہ کل کسی کام پر قدرت تھی اور آج مسلوب ہوگئی۔ وہ ذاتِ خدا ہی کیا ہوگی جس کی صفات میں اس قسم کے اضمحلال اور فنا کو راہ ہو۔ اگر یوں ہی تسلیم کیجئے اور خداوند قدوس کو باعتبار وجود اور صفات کے واجب اور ناقابل تغیر نہ کہئے تو کل کو خدائی ہی کا کیا اعتبار ہے؟ بلکہ خود وجود ہی کا کیا بھروسہ؟ ممکن ہے ایک صفت آج ہے کل نہ رہے۔ یہ شان تو ممکن کی ہے واجب میں ایسے انقلابات کو راہ نہیں۔

رہا یہ شبہ کہ تسلیم قدرت سے خلافِ نصوص لازم آتا ہے۔ سو یہ محض لغو ہے۔ کیونکہ نفسِ قدرت سے یہ محذور ہرگز لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ نص میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کو پیدا نہیں کریں گے۔ اس کے خلاف تب لازم آئے گا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حق تعالیٰ کسی نبی کو پیدا کردیں۔ اور اگر تاقیامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی نہ بھیجا جاوے، باوجود قدرت کے تو اس سے نص کے خلاف کیسے لازم آگیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ مقتضائے نص تو ہے عدم مخلوقیتِ نبی بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ اور یہ عدمِ خلق سے حاصل ہے۔ پس نعوذ باللہ سلب قدرتِ محققہ متفقہ کی کون سی ضرورت ہے؟ اور کیا داعی ہے اور تجی ہے کہ قدرتِ خداوندی میں دست اندازی کی جائے۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ قدرتِ ثابتہ کو ثابت تسلیم کیا جائے اور عدم خلق کا بھی اقرار کیا جائے۔ ہماری اس تقریر سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ زید کا قول صحیح ہے اور عمر کا قول درست نہیں۔ باقی دلائل کا سلسلہ طویل ہے بطور نمونہ چند آیاتِ قرآنی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

۱: ان اللہ علی کل شئ قدیر ٭ ۲: ان ربک فعال لما یرید ٭

بے شک تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر نبی کو پیدا فرمانے کا ارادہ فرمادیں تو پیدا کردیں گے، اگرچہ ایسا کریں گے نہیں۔

۳: وربک یخلق ما یشاء ویختار ٭ (پ ۲۰)

وغیر ذلک من الآیات والاحادیث الدالۃ علی عموم القدرۃ ٭

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی اللہ عنہ

نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

۲۸ / ۴ / ۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیرالمدارس ملتان

تکفیر میں احتیاط لازم ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دیوبند اس مسئلہ کے بارے میں کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب دہلوی اور مولانا مولوی اشرف علی تھانوی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کی تالیف و تصنیف کردہ کتابوں میں کچھ ایسی عبارتیں درج ہیں جنھیں توہین رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ میں آتی ہے۔ بریلوی علماء ان عبارتوں کو کفریہ سمجھتے ہیں اور ان عبارتوں کے قائل پر کفر کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ جیسے تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، حفظ الایمان، تحذیر الناس وغیرہ میں لکھی ہوئی ہیں۔ جن سے آپ حضرات اچھی طرح واقف ہیں۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ ان عبارتوں کو آپ حضرات یعنی علماء دیوبند صحیح سمجھتے ہیں یا نہیں؟ یا ان کی کوئی تاویل کرتے ہیں۔ یا ان عبارتوں کے لکھنے والے حضرات کو ان کے حال پر ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

محمد ایوب الرحمٰن خطیب جامع مسجد خانیوال

الجواب

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے احتمال معانی کفر کے نکلتے ہوں اور ایک احتمال معنی صحیح کا ہو تو قائل کو جب تک وہ معنی کفر کے مراد لینے پر اصرار نہ کرے، کافر نہ کہا جائے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۹۹ میں فرماتے ہیں۔

وقد ذکر ان المسئلۃ المتعلقۃ بالکفر اذا کان لها تسع وتسعون احتمالاً للکفر و احتمال واحد فی نفیه فالاولی للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی لان الخطاء فی ابقاء الف کافر اهون من الخطاء فی افناء مسلم واحد الخ

اس عبارت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی مسئلہ میں جبکہ ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال نفی کفر کا ہو تو قاضی اور مفتی کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ نفی کفر کے احتمال کو ترجیح دے اس لئے کہ ہزار کافروں کو کفر پر باقی رکھنے میں غلطی کر جانا بہتر ہے اس بات سے کہ ایک مسلمان کو کافر بنانے میں غلطی ہو جائے۔

اس ضابطہ کو تسلیم کرنے کے بعد اب جن مجمل عبارتوں کا آپ نے تذکرہ فرمایا ہے ان عبارتوں کے اصحاب نے بارہا تصریح کی ہے کہ ہماری مراد وہ نہیں جو ہماری طرف نسبت کی جاتی ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص خواہ مخواہ ان کی عبارتوں کا ایک غلط مطلب نکال کر ان کو زبردستی کافر بناتا ہے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ و انابت کرے ایسا نہ ہو کہ دوسروں کو کافر بنانے کے شوق میں اپنے انجام سے غافل ہو جائے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

۱۳۷۷/۱/۲ ھ

ضروریات دین جن کا انکار کفر ہے

آج کل کفر سازی کا بازار خوب گرم ہے۔ مسلمان فرقے ایک دوسرے کی تکفیر میں نہایت بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کی تکفیر کو اظہار حق قرار دیتے ہیں، اپنے آپ کو بہادر اور حق گو گردانتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے

کونئی پود خصوصیت سے کالج اور یونیورسٹی کے طلباء اور دیگر جدید تہذیب سے آراستہ مسلمان ان سے متنفر ہو کر الحاد و زندقہ مرزائیت و پرویزیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس بارے میں کچھ پریشان ہیں۔ اس لئے خیال آیا کہ اپنے ان اکابر کی طرف رجوع کیا جائے جن کے علم و اخلاص پر ہمیں اعتماد ہے۔ لہٰذا ہم آپ کے سامنے " ضروریات دین " کی فہرست پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی تصدیق اور قابلِ اصلاح چیزوں کی اصلاح کے متمنی ہیں۔ اور ثانیاً بعض چیزوں کے بارے میں استفسار کرتے ہیں کہ آیا یہ بھی ضروریاتِ دین میں سے ہیں اور انہیں بھی مدار ایمان و کفر قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

ضروریاتِ دین توحید باری تعالیٰ، انبیاء علیہم السلام کا بشر ہونا، کتب الٰہیہ منزل من اللہ ہیں، حیات مسیح، نزولِ مسیح، جنت و دوزخ وغیرہ۔

اب ہم ان چیزوں کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جن کے متعلق ہمیں دریافت کرنا ہے کہ آیا یہ بھی ایسی چیزیں ہیں جن کا انکار باعث کفر ہے؟

۱۔ عصمتِ انبیاء علیہم السلام۔ ۲۔ عدالتِ صحابہ رض (ان کی عدالت فی الروایات تو مسلّم ہے لیکن زید ان کے ذاتی افعال پر تنقید کرتا ہے اور ان کو ان کے افعال و معاملات میں عادل قرار نہیں دیتا) تو آیا ایسا عقیدہ باعث کفر ہے یا نہیں؟
۳۔ حرمتِ متعہ۔ ۴۔ سنتِ لحیہ۔

ثانی الذکر امور کے بارے میں باحوالہ تحریر فرمائیں کہ آیا یہ بھی ضروریات دین میں یا نہیں؟ نیز آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان میں صدر کے حلف اٹھاتے وقت اقرار کے الفاظ درج ذیل ہیں، اس بارے میں فرمائیں کہ اتنے اقرار سے لسے مسلمان کہہ سکتے ہیں یا بقیہ ضروریات دین کی وضاحت بھی ضروری ہے؟

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور خدا پر میرا یقین کامل ہے اور اس کی کتاب قرآن پاک آخری کتاب ہے۔ آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا۔ قیامت کے دن پر، رسول کی سنت حدیث پر، قرآن پاک کے احکامات پر" (آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان ص ۱۴۴)

مستفتی (مولانا) عبدالمجید (صاحب)
شیخ الحدیث مسند مدرس باب العلوم کہروڑ پکا، ملتان

الجواب ضروریاتِ دین کا انکار کفر ہے اور منکر کا تاویل کرنا معتبر نہیں۔ یہ دونوں امر مسلمہ ہیں۔ اسی بناء پر پوری امتِ مسلمہ کا اجماع ہو چکا ہے کہ مرزائی کافر ہیں۔ اسی طرح پرویزیوں کا کفر و ارتداد بھی مسلم ہے۔

مودودی اور اس کے اتباع کے بارے میں ابھی تک ہمارے اکابر نے تکفیر نہیں کی ہے۔ البتہ مودودی صاحب کے اجتہادات (جن میں سے حل متعہ بھی ہے اور صحابہ کرام رض کی تنقیص اور ان پر تنقید کرنا) اور اسی طرح مودودی صاحب کے دیگر تفردات (جن کی بنا پر امتِ مسلمہ میں تفرقہ واقع ہو چکا ہے) کی بنا پر یقیناً کہنا پڑتا ہے کہ مودودی صاحب اتباع سلف

سے ہٹ چکے ہیں بلکہ انہوں نے ایک الگ راستہ اختیار کر لیا ہے۔ اسی خطرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہم نے ایک پمفلٹ بعنوان "جماعت اسلامی کا موقف" ادارہ "الصدیق" کی طرف سے شائع کیا تھا جس پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب مرحوم کی تقریظ بھی تھی۔ معتدل خیال کے مودودیوں نے بھی اسے پسند کیا تھا۔ اس کا مطالعہ کرنا مفید ہوگا۔

ضروریات دین کی جو فہرست آپ نے پیش فرمائی ہے باستثناء چند باقی صحیح ہے۔ ان ضروریاتِ دین کی تفصیل جن کا انکار کفر ہے ان کے لئے معیار کیا ہے؟ بندہ اس سلسلہ میں دو کتابوں کے نام پیش کرتا ہے۔ ایک عربی ہے۔ "اکفار الملحدین فی شیٔ من ضروریات الدین" دوسری اردو میں ہے۔ "ایمان و کفر" مصنفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ اس کا مطالعہ فرمایا جائے۔

بہرحال علماء کرام کا ہل کر فیصلہ کرنا مناسب ہے اور خود ہم اس کی جرأت مناسب خیال نہیں کرتے۔ کیونکہ تکفیر مسلمین کے مسئلہ میں ہمارے اکابر نے احتیاط برتی ہے۔

باقی صدر کے صاف اٹھانے کے لئے جو الفاظ ذکر کئے گئے ہیں وہ جامع مانع ہونے کی وجہ سے اجمالی ایمان کے لئے کافی ہیں۔ کھود کرید کے بعد تو بہت کم لوگ مومن نکلیں گے۔ ایمان کے لئے اجمالی ایمان بھی کافی ہے۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان: ۸، ۲، ۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی

الجواب حق، بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ، نائب مفتی۔

قائلینِ علمِ غیب کے بارے میں ایک فتویٰ

ماہنامہ "الصدیق" کا حجاج نمبر نظر سے گزرا اور اس میں قائلین علم غیب کل کو کافر کہنے کے بارے میں احتیاط کرنے کے سلسلہ میں ایک فتویٰ پر نظر پڑی۔ مستفتی نے مدرسہ امینیہ دہلی کا جو جواب نقل کیا ہے اور اس کے قریب دارالعلوم دیوبند کا جواب تبلایا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اہل بدعت عطائی علم غیب کی تاویل کرتے ہیں اور مؤول کافر نہیں۔ اس پر شبہ یہ ہے کہ نص قطعی کے معنی بھی اگر تواتر سے قطعی طور پر ثابت ہوں تو اس معنی کا انکار کرنا اور کوئی دوسری تاویل کرنا کفر ہے۔ "لانہ انکار ماثبت من الدین ضرورۃ" "لہٰذا مؤول کافر نہیں" کا قاعدہ مخصوص ہوا ایسی نص کے ساتھ کہ جس کے الفاظ تو قطعی ہیں مگر معانی قطعی نہیں۔ سو ان کا انکار اور دوسری تاویل واقعی موجب کفر نہیں۔ قادیانی خاتم النبیین کے لفظ کے منکر نہیں بلکہ معنی کے منکر ہیں یعنی تاویل کرتے ہیں مگر اس کے باوجود کافر ہیں۔ کیونکہ خاتم النبیین کا معنی جس کا انہوں نے انکار کیا ہے قطعی ہے۔

پھر اب صورت زیر بحث میں دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا نصوص نافیہ علم غیب کلی کا عطائی کو شامل ہونا قطعی نہیں اگر ان نصوص کا عموم تواتر سے ثابت نہ ہو اور معنی عام قطعی نہ ہوں تو واقعی ایسے کو کافر کہنا صحیح نہ ہوگا۔ غرضیکہ علم غیب کلی عطائی کا غیر اللہ سے منفی ہونا قطعی اور ثابت بالتواتر ہے یا نہیں؟ اور خیر المدارس کی طرف سے اس استفتاء کے جواب کا خلاصہ یہ ہے جو شرح فقہ اکبر سے نقل کیا ہے کہ جب تک کسی قول میں کوئی بعید سے بعید تاویل ہو سکے جو موجب کفر نہیں اس وقت تک اس کے قائل کو کافر نہ کہنا چاہئے۔ اگرچہ قول کا ظاہر موجب کفر ہو۔ اس قاعدہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ قائل خود اس احتمالِ بعید کا انکار نہ کرے۔ اگر قائل خود ظاہر پر رکھنے کی تصریح کرتا ہو تو اس کے قول کو احتمالِ بعید پر محمول کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

پھر دریافت طلب امر یہ ہے کہ قول علم غیب عطائی میں وہ کون سا محمل بعید ہے کہ قائل اس محمل بعید کا بھی قائل ہو یا کم از کم اس سے ساکت ہو اور انکار نہ کرتا ہو ایسے کسی محمل کی تعیین مطلوب ہے جس کی بناء پر تکفیر سے احتراز کیا جاوے؟۔

(مولانا مفتی) رشید احمد (صاحب)

جامعہ دینیہ دار الہدیٰ ٹھیڑھی۔ سندھ۔

الجواب

اہل بدعت کے عقائد درباره علم غیب جو ہمیں معلوم ہوئے ہیں کہ وہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو عالم ماکان ومایکون تسلیم کرتے ہیں اور مایکون کی تفسیر الی وقت النفخۃ الاولیٰ یا الی دخول الجنۃ کرتے ہیں اور اس علم کو عطاء باری تعالےٰ تسلیم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ علم جس کا اثبات پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے کیا جاتا ہے محدود ہے اور حادث ہے اور وہ علم جو صفت باری تعالےٰ ہے وہ قدیم اور لامحدود ہے۔ اور حادث غیر خدا کے لئے ثابت کرنا چاہے وہ کتنا ہی عظیم اور کثیر ہو شرک اور کفر نہیں ہو سکتا۔ علم غیب کلی غیر اللہ کے لئے ثابت کرنے کے لئے ماننا پڑے گا کہ ایک لامحدود اور غیر متناہی علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا جائے۔ حضرات بریلویہ اس کے قائل نہیں۔ اس لئے علماء دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے۔

البتہ اگر کوئی بریلوی بالکل نصوص صریحہ کے خلاف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس قسم کا علم غیر متناہی جو صفتِ خداوندی ہے، ثابت کرے تو وہ کافر اور مشرک ہوگا۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جماعت بریلویہ کے مقتدر علماء سے پہلے ان کے عقائد کی تحقیق کر لی جائے پھر نہایت ہی غور وفکر کے بعد ان کے متعلق فیصلہ کیا جائے۔ تکفیر میں جلد بازی مناسب نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرلہ

مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۲۴ محرم ۱۳۹۰ھ

میں یہ نہیں کروں گا خواہ مجھے جبرئیل امین آکر کہیں" کہنے کا حکم

سوال کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ میں کہ زید نے جو کہ ایک عالم دین ہے اپنے گھریلو تنازعہ میں تعلیق بالمحال کے طور پر یہ کہا کہ میں اپنی والدہ محترمہ کے اس فیصلہ کو جو کہ وہ اپنی حیات میں فرما گئی ہیں اب کسی ثالث مجلس کے سپرد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ خواہ مجھے کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی کہے۔ خواہ جبرئیل امین ؑ بھی آکر کہے۔ اب کیا ایسے الفاظ کا ناطق کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے؟ خصوصاً اس وقت جب کہ وہ اس بات کی صراحت کر رہا ہے کہ میرا یہ کہنا حضرت جبرئیل ؑ کے استخفاف یا توہین کیلئے نہیں۔

الجواب صورت مسئولہ میں کوئی بات کفریہ نہیں ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ متکلم اپنے منشا اور مراد کی خود صراحت کر رہا ہے کہ میری مراد نہ استخفاف ہے اور نہ توہین۔ اور یہ الفاظ کہ مجھے جبرئیل ؑ بھی آکے کہے، ذو معانی کثیرہ ہیں۔ اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ سفارش یا تعلیق بالمحال کی ہے۔ اور تعلیق بالمحال خود مستلزم محال ہے لہٰذا متکلم کافر نہیں ہوا ہے۔ اب متکلم کو خواہ مخواہ استخفاف اور توہین کا مرتکب قرار دیکر کافر کہنا فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منھم ابتغاء الفتنۃ کا مصداق بننا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح : عبدالمجید عفا اللہ عنہ جامعہ مدنیہ

الجواب صحیح : کیونکہ جبرئیل امین ؑ کی تشریف آوری بغیر نبی کے بتلائے صحیح معلوم ہونی ممکن نہیں۔ اور اس وقت کوئی نبی نہیں نہ نبی کریم اور نہ عیسیٰ علیہ السلام اس لئے یہ تعلیق بالمحال ہی ہوگی۔

المجیب مصیب : اس لئے کہ فقہ اکبر میں ہے۔ وعن الذخیرۃ ان فی المسئلۃ اذا کان وجوہ توجب التکفیر و وجہ واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی یمیل الی الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم لہذا متکلم مذکور کافر نہیں ہوگا۔

خلیل احمد خطیب جامع مسجد صدیقیہ لائلپور

الجواب صحیح
محمود عفا اللہ عنہ
مفتی قاسم العلوم ملتان
۸ شعبان ۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۰ شعبان ۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحٰق
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۸ شعبان ۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح
محمد انور شاہ غفر اللہ لہ
نائب مفتی قاسم العلوم ملتان
۸ شعبان ۱۳۹۱ھ

میں خود پیدا ہوا ہوں مجھے کسی نے پیدا نہیں کیا کلمۂ کفر ہے

سوال زید نے کسی سے پوچھا کہ پیر نہ ہوں تو کیا ہوگا ؟ جواب دیا کوئی ڈر نہیں ۔ سائل نے پوچھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوں تو کیا ہوگا ؟ جواب دیا کوئی ڈر نہیں ۔ سائل نے پوچھا کہ خدا نہ ہو تو کیا ہوگا ؟ جواب دیا کوئی ڈر نہیں ۔ حتیٰ کہ مسئول نے کہا کہ میں خود پیدا ہوا ہوں مجھے کسی نے پیدا نہیں کیا ۔ اگرچہ یہ الفاظ اس نے "مذاقاً" کہے تھے تو کیا اس کے ایمان میں خلل واقع ہوا؟ اور اس کا نکاح برقرار ہے یا باطل ہوگیا ؟

الجواب یہ کلمات بہرحال کفر ہیں مسئول کو تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی کرنی چاہیے اور آئندہ ایسے مسائل میں محتاط ہو کر گفتگو کی جائے ۔

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۲۰ ، ۶ ، ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

○

"جملہ داڑھی والے بے ایمان ہوتے ہیں" یہ جملہ کہنا کفر ہے

ایک شادی شدہ شخص نے کہا کہ تمام داڑھیوں والے بے ایمان ہیں ۔ کیا یہ کہنے کے بعد اس کا اپنی بیوی کے ساتھ نکاح باقی رہا یا نہیں ؟ اور مہر و عدت کا حکم بھی بیان فرماویں ۔

رب نواز خان معرفت اللہ بندہ ، جھنگ صدر

الجواب اگر یہ جملہ کہنے والے کی نیت بھی یہی تھی کہ جملہ داڑھی والے بے ایمان ہوتے ہیں تو بلاشبہ وہ خود بے ایمان و کافر ہے ۔ یہ جملہ کہتے ہی بیوی سے نکاح ختم ہوگیا ۔ اگر یہ جملہ خلوت صحیحہ کے بعد کہا ہے تو مرد پر پورا مہر اور عورت پر عدت لازم ہے ۔ اور اگر خلوت صحیحہ سے پہلے کہا ہے تو خاوند پر نصف مہر لازم ہے اور عورت پر عدت واجب نہیں ۔

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
۴ ، ۱ ، ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

○

مَا يَتَعَلَّقُ
بِالْقُرْآنِ

بوسیدہ قرآن بے ادبی کی جگہ دفن نہ کیئے جائیں

سوال ہمارے محلہ کی جامع مسجد کے ہال کمرہ کے وسط میں چند جگہ پر چھوٹے چھوٹے گڑھے کھود کر قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق دبا دیئے گئے ہیں۔ اور اوپر چپس کا فرش بچھا دیا گیا ہے۔ بعض نمازی اسے بے ادبی تصور کرتے ہیں۔ مگر مسجد کی انتظامیہ کے خیال میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان بوسیدہ اوراق کو دفن کرنے کے لئے مسجد سے زیادہ پاکیزہ اور کوئی جگہ نہیں۔

۲ : آداب القرآن ، مؤلفہ حضرت مولانا محمد اجمل خانصاحب کے صفحات ۵۹ ، ۶۰ پر بوسیدہ اوراق کو پانی سے دھو ڈالنے یا زمین میں گڑھا کھود کر دفن کرنے کا لکھا ہے۔ اور یہاں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دفن کرنے کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے کہ اس پر بغیر کسی حائل کے مٹی نہ ڈالی جائے بلکہ جس طرح مسلمان میت کی قبر میں تختے وغیرہ رکھ کر مٹی ڈالی جاتی ہے قرآن مجید کی تدفین میں بھی یہی طریق اختیار کیا جاوے۔ مگر دفن کرنے کی جگہ کے بارے میں صراحت نہیں کی گئی۔

۳ : کیا تدفین کی جگہ ایسی ہونی چاہیئے کہ جہاں پر کسی کا پاؤں پڑنے کا احتمال نہ ہو یا بیشک لوگ دفن شدہ قرآن کی جگہ کے اوپر بے دھڑک چلتے پھرتے ہیں؟ اور یہاں مسجد کے دالان میں دفن کرنے سے یہ صورت پیدا ہو گئی ہے کہ دفن والی جگہ ہمیشہ نمازیوں کے پاؤں تلے رہے گی۔ اور لوگ اوپر چلیں گے اور نماز پڑھیں گے۔ نیز بوسیدہ اوراق بغیر کسی حائل کے دفن کئے گئے ہیں۔

۴ : ضروری حوالہ جات کیساتھ وضاحت فرمائیں کہ ان بوسیدہ اوراق کے اس طرح مسجد کے دالان میں دفن کرنے میں کوئی قباحت تو نہیں۔ اور کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ جواب نفی میں ہونے کی صورت میں کیا اقدام کیا جاوے؟

الجواب مذکورہ تدفین صحیح نہیں یہ خود بے ادبی ہے انہیں نکال کر قبرستان میں احترام و ادب کیساتھ دفن کیا جاوے۔ شامی میں صراحۃً تحریر ہے کہ ایسی جگہ دفن نہ کیا جاوے جہاں پاؤں پڑتے ہوں۔

المصحف اذا صار بحال لا یقرأ فیہ یدفن کالمسلم اھ (درمختار) قولہ یدفن ای یجعل فی خرقۃ طاھرۃ ویدفن فی محل غیر ممتھن لا یوطاء اھ (شامی ص ۱۶۴ ج ۱)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۰ ، ۱ ، ۱۴۰۰ھ

نیکر (KNICKER.) پہنے ہوئے فوجیوں کے سامنے قرآن پڑھنے کا حکم

سوال فوجی حضرات صبح سویرے فوجی قانون کے مطابق نیکر پہنے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کی رانیں ننگی ہوتی ہیں انہیں قرآن کریم سنایا جاتا ہے اس حالت میں ان کے سامنے درس دیا جا سکتا ہے ؟

الجواب ران عورت ہے۔ لقولہ علیہ السلام اما علمت ان الفخذ عورة ۔ رواہ الترمذی والبوداؤد۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے کھولنے یا دیکھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

عن علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ یا علی لا تبرز فخذک ولا تنظر فخذ حی ومیت رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ ص ۲۶۹)

ایک حدیث میں ہے۔ لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ ۔ رواہ البیہقی مشکوٰۃ ص ۲۷۰ ۔

معلوم ہوا کہ رانوں کا کھولنا یا دوسرے کی رانوں کو دیکھنا گناہ ہے اور حدیث پاک کی مخالفت ہے۔ اور جس مجمع میں سب کی رانیں کھلی ہوں وہ پورا مجمع گناہ میں مشغول ہے ایسے مجمع میں قرآن سنانا جائز نہیں۔ حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جس کے ران کھلے ہوئے ہوں اسے سلام کرنا بھی مکروہ ہے۔

سلام مکروہ علی من سستمع ۔ ومن بعد ما ابدی یسن ویشرع (الی ان قال) ع ودع کافرا ایضا ومکشوف عورة ۔

(کذا فی الشامیہ ص ۵۴۶ ج ۱)

تلاوت و درس قرآن کا کوئی ایسا وقت ہونا چاہئے جس میں یہ بے ادبی نہ ہوتی ہو۔ یا پھر نیکر کو ایسا بنا دیا جائے جس میں ناف اور رانیں چھپی رہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ،
۵ ، ۱ ، ۱۴۰۰ھ

نجس کپڑے پہنے ہوئے ہوں تو تلاوت کا حکم

سوال ۱۔ جسم پر ناپاک کپڑے پہنے ہوں تو اس حالت میں ذکر اذکار کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
۲۔ نیز ناپاک لحاف سے سر سے پیر تک منہ ڈھانپ کر تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
(از مدرسہ عربی رائے ونڈ)

الجواب نجاست کے قریب قرأت مکروہ ہے۔
الحاصل ان للموت ان کان حدثا فلا کراھة فی القرأة عندہ

وان کان نجسا کرهت الخ و ذکر ان محل الکراهة اذا کان قریبا منه اھ (شامیہ ص ج ۱)
نجس کپڑے پہن کر تلاوت جائز نہیں ہونی چاہیئے البتہ تسبیح وتہلیل مکروہ نہیں۔
۲ : لحاف پاک بھی ہو تو بھی منہ ڈھانک کر تلاوت نہ کرے۔
کمافی الہندیۃ لا بأس بالقرأۃ مضطجعا اذا اخرج رأسہ من اللحاف والا لا۔
پس بصورت ناپاکی لحاف تو بطریق اولیٰ منہ ڈھانپ کر تلاوت درست نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کرنا

سوال :- ترجمہ قرآن مجید بلا متن شائع کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب قرآن مجید کا صرف ترجمہ بغیر عربی الفاظ کے لکھنا اور شائع کرنا باجماع امت حرام اور باتفاق آئمہ اربعہ ممنوع ہے۔ علامہ حسن شرنبلالی نے اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ لکھا ہے "النفحۃ القدسیۃ فی احکام قرأۃ القرآن وکتابتہ بالفارسیۃ" جس کا نام ہے۔ اس میں آئمہ اربعہ سے اس کی مخالفت نقل کی گئی ہے اسمیں صاحب ہدایہ کی کتاب التجنیس والمزید سے منقول ہے ویمنع من کتابۃ القرآن بالفارسیۃ بالاجماع اھ مزید تفصیل کے لئے (جواہر الفقہ ص ۹۸ ج ۱ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی) کی طرف رجوع کریں۔ فقط

الجواب صحیح
محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان۔ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان : ۳ : ۱۲ : ۱۳۹۸ھ

قرآن مجید کو جلانے کا حکم

سوال ایک مسلمان . تین عدد قرآن جلاتا ہے۔ ان تینوں میں ایک قرآن مجید ایسا ہے جس کے پہلے سپارے کے کچھ اوراق ضعیف ہیں باقی اٹھائیس پارے بالکل درست ہیں۔ کیا شریعت میں ایسے قرآن مجید کو جلانا جرم ہے یا کوئی صدقہ کفارہ ہے۔ ضعیف قرآن مجید کو جلایا جائے یا دفن کیا جائے یا دریا میں بہایا جائے ؟

الجواب وفی الذخیرۃ المصحف اذا صار خلقا و تعذر القرأۃ منہ لا یحرق بالنار اشار محمد وبہ نأخذ۔ (کذا فی الشامیۃ، کذا فی العالمگیری، ص ۹۵ ج ۴)
المصحف اذا صار بحال لا یقرأ فیہ یدفن کالمسلم۔ (کذا فی الدرالمختار)

ان جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن کریم ایسی حالت میں ہو جائے کہ اس میں تلاوت نہیں ہو سکتی تو اسے الحد نکال کر کپڑے میں لپیٹ کر پورے ادب واحترام سے دفن کر دینا چاہئے۔ دفن میں کوئی تحقیر نہیں ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام بھی زمین میں مدفون ہیں۔ اور جلانا درست نہیں کیونکہ یہ تعظیم کلام اللہ کے خلاف ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے جواز احراق کے لئے استدلال کرنا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ وہ قرآت شاذہ تھیں یا ان میں تفسیر کا اس طرح خلط ہو گیا تھا کہ تمیز ممکن نہ تھی۔ ان کے ابقاء میں اندیشۂ افتتان امت تھا۔ کہ باقی رکھنا امت کے لئے فتنہ کا باعث نہ بن جائے۔ قال الکرمانی فان قلت جاز احراق القرآن قلت المحروق هو القرآن المنسوخ او المختلط بغیره من التفسیر او بلغة غیر قریش او القراآت الشاذة۔ (عینی ، ص : ج ۹)

علاوہ ازیں قاضی عیاض رح فرماتے ہیں۔ ان مصاحف کو پانی کے ساتھ دھو لیا گیا تھا پھر جلایا گیا تھا کہ باقی رکھنا امت کے لئے فتنہ کا باعث نہ بن جائے ــــــ اس صورت میں احراق مصحف گویا لازم ہی نہیں۔ (عمدۃ القاری ، ج ۹)

الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال غلط ہے۔ خصوصاً حادثہ مندرجہ سوال تو بالکل الگ نوعیت کا ہے۔ جلانے کے جواز وعدم جواز میں اگر کچھ اختلاف ہے تو صرف اس صورت میں ہے جبکہ اس میں تلاوت نہ ہو سکتی ہو۔ اور جس میں تلاوت ہو سکتی ہو تو اسے جلانے کے جواز کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الغرض شخص مذکور کی یہ انتہائی جرأت اور حماقت ہے کہ قرآن کریم کو جلانے بیٹھ گیا۔ اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ جب توفیق ہو سکے تو کچھ صدقہ بھی کر دے۔

فقط واللہ اعلم
عبدالستار عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

محض اردو ترجمہ چھاپنا جائز نہیں، اس سلسلہ میں مفصل بحث

سوال آج کل اردو قرآن کی تلاوت، اشاعت اور تجارت کا بہت رواج ہو رہا ہے۔ اس نسخہ میں قرآن کریم کے عربی متن کا ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ مذکورہ بالا اردو قرآن کے متعلق دریافت طلب امور یہ ہیں۔

۱: کیا اس نسخہ کو جس میں قرآن کریم کا عربی متن نہ ہو بلکہ متن کے علاوہ صرف اردو یا کسی اور زبان میں ترجمہ کر کے اسے کتابی شکل دے دی گئی ہو قرآن کے مبارک نام سے موسوم کر سکتے ہیں؟

۲: کیا مذکورہ بالا ترجمہ قرآن سے تحریف فی القرآن کا اندیشہ نہیں؟

۳: اسلام میں محرف فی القرآن کی سزا کیا ہے؟

۴: اصل عربی متن کو چھوڑ کر صرف ترجمہ ہی پر اکتفاء کیا جائے، اس کی اشاعت کی جائے اور اسی ترجمہ کو پڑھا جائے تو اس کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں؟

۵ : معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مترجم قرآن کو رواج دینے میں در پردہ یہود و نصاریٰ اور دوسری غیر مسلم اقوام کا ہاتھ ہے جن کی اپنی کتابیں تو تحریف کا شکار ہو چکی ہیں، اور الحمد للہ قرآن کریم تقریباً چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی پوری طرح محفوظ ہے اور انشاء اللہ تا قیامت محفوظ رہے گا۔ اب یہ اقوام کیسے برداشت کر سکتی ہیں کہ ان کی کتابیں تو مسخ شدہ ہوں اور قرآن پاک کا ایک ایک لفظ اپنی جگہ قائم اور محفوظ ہو، اس حسد کا نتیجہ ہے کہ دشمنان اسلام وقتاً فوقتاً اس قسم کی حرکتیں کرتے رہتے ہیں جس سے قرآن کی اصلی حالت میں تغیر و تبدل ہو جائے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۶ : مذکورہ بالا مترجم قرآن کی کتابت و طباعت، جلد بندی، خرید و فروخت وغیرہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

۷ : اسے قرآن سمجھنا، قرآن سمجھ کر تلاوت کرنا، قرآن کی طرح ادب کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

۸ : اس مسلمان کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے جو یہ معلوم ہونے کے باوجود بھی کہ " اس قسم کے مترجم قرآن کا لکھنا، پڑھنا، چھاپنا، خرید و فروخت یا کوئی ایسا فعل کرنا جس سے اس مذکورہ بالا مترجم قرآن کی اشاعت کو تقویت پہنچے شریعت اسلامی کے خلاف ہے" لیکن پھر بھی وہ اس سے باز نہ آئے کیا یہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہے؟

۹ : کیا ایسے شخص سے سلام و کلام، شادی و غمی کے موقعوں پر اس کے یہاں شرکت کرنا یا اسے شرکت کیلئے بلانا جائز ہے؟

۱۰ : اگر کسی کے پاس مذکورہ بالا قسم کا کوئی نسخہ ہو تو وہ اسے کیسے ضائع کرے، عام کتاب کی طرح؟

۱۱ : اگر کسی مسلمان تاجر کے پاس مذکورہ بالا بہت سے نسخے ہوں اور وہ اس نیت سے کہ ان کی خرید و فروخت شرعاً ناجائز ہے، ان نسخوں کو ضائع کر دے تو وہ عند اللہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

قاری اشفاق احمد
تجوید القرآن، سرگودھا

الجواب آ۔و۔ ح : محض اردو ترجمہ جو کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہو اسے "القرآن" کے نام سے موسوم کرنا جائز نہیں۔ یہ درحقیقت قرآن نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم عربی زبان کے ساتھ مختص ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر لکھتے ہیں

(ا) لان المامور به قراءة القرآن وهو اسم للمنزل باللفظ العربي المنظوم هذا النظم الخاص المكتوب في المصاحف المنقول الينا نقلاً متواتراً والاعجمي انما يسمى قرانا مجازاً ولذا يصح نفى اسم القرآن عنه فلقوة دليلها رجع اليه اهـ (ص ۴۸۲، ج ۱)

(ب) مراقی الفلاح میں ہے۔ لان القرآن اسم للنظم والمعنى جميعا۔ اهـ (ص ۱۵۲)

(ج) بحرالرائق میں ہے۔ لان القرآن باللام انما ھو العربی فی عرف الشرع۔ (ص ۳۲۴ ج ۱)۔

(د) نہرالفائق میں ہے۔

کما فی الشامیة ص ۳۵۳ ج ۱۔ لکن فی النھر حیث عندی بینھما (ای القرأة الشاذة والقرأة الفارسیة) فرق وذلک ان الفارسی لیس قرآنا اصلاً لانصرافه فی الشرع الی العربی اھ

فتاوی دارالعلوم جدید مبوّب میں خاتم المحققین حضرت مولانا عزیزالرحمٰن صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن نام اس کلام اور عبارتِ خاص کا ہے جو مکتوب فی المصاحف ہے اور عربی زبان میں ہے۔

قال اللہ تعالیٰ انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون ۔ الآیة (یوسف)

پس جو نظم عربی نہیں وہ قرآن نہیں۔ الی ان قال۔ اور قرآن نام نظمِ عربی کا ہے۔ ترجمہ کو قرآن نہیں کہا جاتا مگر مجازاً۔

(ص ۲۳۲ ج ۲)

عباراتِ بالا سے واضح ہے کہ قرآن کا ترجمہ محضہ حقیقۃً قرآن نہیں۔ اب تمام امت کا اسی پر اتفاق ہے۔ امام صاحب سے بھی رجوع ثابت ہے۔

کما فی النھر نقله الشامی فی منحة الخالق ونصه قال فی النھر شرط العجز دلالة علی انھا مع القدرة لا تجوز وھو الذی رجع الیه الامام کما رواہ نوح ابن ابی مریم والرازی وھو الاصح وھو الحق ۔

(بحرالرائق ، ج ۱ ص ۳۲۴)

وفی الھدایة وشرح المجمع لمصنفه وعلیه الاعتماد اھ (شامیہ ص ۴۵۱ ج ۱)

لیکن اس کے باوجود اس کا ادب کیا جائے گا اور بے حرمتی جائز نہیں ہوگی۔

۲ و ۳ و ۵ : صرف ترجمہ قرآن مجید شائع کرنا جس میں متن قرآن مجید نہ ہو جائز نہیں۔ اور اس کے متعدد وجوہ ہیں۔ ان میں سے چند وجوہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱ : معانی قرآن کریم کی طرح اس کے الفاظ کی بھی حفاظت فرض و واجب ہے کما ھو المقرر عند کافة الناس وجماھیر العلماء ۔ اور موجودہ زمانے میں طبائع دینِ متین سے بے التفاتی اور سہل انگاری کا شکار ہیں۔ اگر اس قسم کے تراجم شائع ہو گئے تو الفاظِ قرآن کی اہمیت قلوب سے قطعاً ختم ہو جائے گی اور اس کے پڑھنے پڑھانے کی ضرورت نہیں سمجھی جائے گی۔ پس ہر کہ و مہ ترجمہ ہی کو کافی سمجھنے لگے گا۔ بالآخر نتیجہ یہ نکلے گا کہ العیاذ باللہ تلاوتِ قرآن مجید کرنے والا کوئی شخص مشکل ہی سے ملے گا۔ پس اس تسبب کی بنا پر ایسے تراجم شائع کرنا ممنوع ہوگا۔

۲ : طبائع میں خود رائی و خود نمائی کا غلبہ ہے جس نے بھی الٹے سیدھے چار حرف پڑھ لئے ہیں مدعی اجتہاد اور محقق بن رہا ہے۔ اجازت کی صورت میں نہ معلوم کن کن لوگوں کے تراجم شائع ہوں گے اور انہیں بھی وہ کیا کیا گل کھلائیں گے

گے ۔ اور افہام وتفہیم مستبعد اور احقاق حق قریب قریب محال ہوجائیگا تو اس طرح تحریف مراد خداوندی کا ایک ایسا درواز کھل جائے گا جس کا بند کرنا بس سے باہر ہوگا ۔ اگر ترجمہ حائل للمتن ہو تو اس میں یہ مفسدہ نہیں ۔ کیونکہ مشتری ترجمہ کے لئے قرآن مجید نہیں خریدتا بلکہ محض تلاوت کے لئے خریدتا ہے ۔ تلاوت کرنے سے اس کا مقصد حاصل رہے گا اور ترجمہ پڑھنے کی نوبت بہت کم آئے گی ۔ اور غلط ترجمہ کا مفسدہ ایسے خریدار پر بہت کم اثر انداز ہوگا ۔

۳ : ایسے تراجم پرلنے ہوجانے کی صورت میں ردی میں اس طرح سے فروخت ہونگے جیساکہ عام اردو کی کتابیں ۔ کیونکہ عربی خط کا جو ایک بڑا بھاری فرق تھا اور ہر شخص دیکھتے ہی بادی النظر میں قرآن کریم اور اردو کی کتب میں فرق کرلیتا ہے یہ فرق وامتیاز ختم ہوجائے گا ۔ تو اس طرح سے یہ ترجمہ قرآن کی بے حرمتی کا سبب بنے گا ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سبب معصیت بھی معصیت ہوتا ہے ۔

۴ : بہت سے لوگ اسے بلا وضو چھوئیں گے حالانکہ احتراماً اس کا بلا وضو چھونا درست نہیں ۔ تو لاعلمی کی بنا پر اس گناہ میں مبتلا ہوں گے اس طرح سے بھی اس کا سبب معصیت ہونا ظاہر ہے ۔

۵ : حضرات فقہاء کرامؒ نے ایسے تراجم ومصاحف کی صراحۃً ممانعت فرمائی ہے اور ایسی حرکت کو قانون اسلام کی خلاف ورزی قرار دیا ہے ۔

كما في الشامية عن الفتح عن الكافي ان اعتاد القرأة بالفارسية او اراد ان يكتب مصحفا بها يمنع اھ (ص۵۲۳ ج۱)

واضح رہے کہ ایسے تراجم کی اشاعت نیچریت اور فتنۂ کمالی کا شاخسانہ ہے ۔ مصطفیٰ کمال نے یہودیت سے متأثر ہوکر دین کے بارے میں جو گل کھلائے تھے وہ کسی اہل بصیرت سے مخفی نہیں ۔ افسوس ہے کہ اسلام کے یہ نادان دوست اپنی اس حرکت سے اسلام کی بے نظیر خصوصیت پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں کہ جیسے دیگر مذاہب اپنی الہامی کتب کے الفاظ سے محروم ہوگئے اسی طرح اسلام کو بھی اس سے تہی دست کردیا جائے ۔

۶ : ایسے تراجم کی طباعت واشاعت وغیرہ جائز نہیں ۔ کیونکہ یہ تعاون علی الاثم ہے ۔

قال الله تعالى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان ۔

۸ : ایسا شخص سخت گناہگار ہے ۔

۹ : تفہیم وتبلیغ کے باوجود بھی اگر شخص مذکور اس حرکت سے باز نہ آئے تو بغرض اصلاح اس سے ترک سلام وکلام جائز ہے ۔

۱۰ : احترام کے ساتھ اسے دفن کردیا جائے جیسا کہ دیگر ناقابل قرأت بوسیدہ قرآن مجید کو دفن کیا جاتا ہے ۔

۱۱ : انشاء اللہ تاجر مذکور مستحق اجر ہوگا ۔ واللہ لا یضیع اجر المحسنین ۔

فقط والسلام
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
نائب مفتی مدرسہ ہذا

تختہ سیاہ پر آیات قرآنی لکھتے وقت باوضو ہونا چاہیئے

سوال پنجاب کے اسکولوں میں کلاس نہم اور دہم میں ایک اسلامیات کی کتاب لازمی طور پر پڑھائی جاتی ہے جس میں سورۃ عادیات سے ناس تک سورتیں لکھی ہوئی ہیں علاوہ ازیں چالیس احادیث بھی لکھی ہیں۔ استاد صاحب پڑھاتے ہوئے تختہ سیاہ پر سورتیں لکھتے ہیں اور لڑکے کاپیوں پر لکھتے ہیں۔ اس کتاب کو استاد اور لڑکے پڑھتے بھی ہیں چھوتے بھی ہیں یہ سب کام بے وضو کئے جاتے ہیں۔ یہ کام جائز ہیں یا نہیں ؟ اگر ناجائز ہیں تو طلباء کا وضو کرنا بڑی تکلیف دہ بات ہے اور اس میں کئی ایک پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہذا مناسب رہنمائی فرمادیں ؟

الجواب بہتر صورت تو یہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھاتے وقت اور لکھاتے وقت استاذ اور طلبہ دونوں باوضو ہوں۔ طلبہ کو وضو کرانے میں کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس کتاب کا سبق پہلے گھنٹے میں رکھ لیا جائے یا تفریح کے متصل بعد والے گھنٹے میں رکھ لیا جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہوسکے تو بدرجۂ مجبوری اس کی اجازت ہوگی کہ استاد جب تختۂ سیاہ پر آیت لکھے تو اس کا ہاتھ تختۂ سیاہ سے مس نہ کرے۔ بلکہ تختۂ سیاہ اور ہاتھ کے درمیان کپڑا حائل رہے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو وضو کرنا لازم ہوگا۔ اور اسی طرح بچے بھی جس کاپی پر لکھ رہے ہوں وہ کاپی ڈسک وغیرہ پر رکھی ہوئی ہو۔ اور ان کے ہاتھ وغیرہ بھی کاپی کو نہ چھو رہے ہوں۔ یہ حکم بالغوں کے لئے ہے نابالغ بچے اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

لا یکرہ مس صبی لمصحف ولوح الی ان قال ولا تکرہ کتابۃ قراٰن والصحیفۃ اواللوح علی الارض، عند الثانی خلافا لمحمد وینبغی ان یقال ان وضع علی الصحیفۃ ما یحول بینہا وبین یدہ یؤخذ بقول الثانی والا فبقول الثالث قالہ الحلبی اھ درمختار قال فی الشامیۃ قولہ علی الصحیفۃ قید بہا لان نحو اللوح لا یعطی حکم الصحیفۃ لانہ لا یحرم الا مس المکتوب منہ اھ (ص ۱۶۲ ، ج ۱)۔

فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

۲۲ : ۱۲ : ۱۳۸۹ھ

تلاوت محض کا بھی ثواب ملتا ہے

سوال کیا قرآن شریف کے محض الفاظ پڑھنے کا بھی ثواب ہوتا ہے۔ اگر ہوتا ہے اور قرآن سے سند ہے تو تحریر فرمادیں۔ ورنہ احادیث مع حوالہ واسناد ؟

الجواب قرأت محض کا بھی ثواب ملتا ہے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ کی جاوے۔ حق تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں فاقرؤوا ما تیسر من القرآن (مزمل ع۲) فاقرؤوا امر ہے اور امر مفید وجوب ہوتا ہے۔ اور امتثال ارشاد ربانی یقیناً موجب ثواب ہے اور مخفی نہیں کہ مامور مطلق قرأت ہے جو اپنے عموم کی وجہ سے قرآۃ بامعنی۔ اور قرآۃ بلامعنی دونوں کو شامل ہے۔ پس دونوں قسم کی قرأت پر ثواب ملے گا۔ اور جو شخص مدعی تخصیص ہو وہ اس تخصیص پر قرآن و حدیث سے دلیل پیش کرے۔

نیز سورۂ فاطر رکوع ۴ میں ہے۔ ان الذین یتلون کتاب اللہ و اقاموا الصلوٰۃ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس آیت شریفہ میں اپنے نیک بندوں کے قابل مدح اور پسندیدہ افعال کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جن میں سے ایک تلاوت کتاب بھی بتایا گیا ہے۔ پس حق تعالےٰ شانہٗ کے نزدیک تلاوت ایک پسندیدہ عمل ہوا اور اس پر ثواب ملے گا۔ اس آیت میں بھی تلاوت مطلق ہے پس ہر دو قسم کی تلاوت کو شامل ہوگی۔ ومن ادعی التخصیص فعلیہ البیان۔

دو آیتوں کے بعد اسی سلسلہ میں دو حدیثیں ملاحظہ فرمادیں۔

۱: عن ابن مسعود رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ حرفاً من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالہا الخ (مشکوٰۃ ص۱۸۶ ج۱)

اس حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کے ایک حرف کی قرأت پر دس نیکیوں کا حاصل ہونا ارشاد فرمایا ہے۔ یہاں پر بھی قرأت مطلق ہے۔

۲: عن جابر رض قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نقرأ القرآن وفینا الاعرابی والعجمی فقال اقرؤوا فکل حسن الخ (مشکوٰۃ ص۱۹۱ ج۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بدوی اور عجمیوں کی قرأت کو بھی "حسن" فرمایا۔ جن میں مطالب قرآنی اور حدود الٰہی سے جہل غالب ہوتا ہے۔ اور خصوصاً عجمی کہ اسے اس قرأت کا سرسری ترجمہ معلوم ہونا بھی محل کلام ہے۔ بلکہ قرآن کریم کے صحیح تلفظ پر بھی بظاہر قادر نہ تھے۔ پس جب اس کے باوجود ان کی قرأت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے تو اس پر ثواب کیوں نہ ہوگا۔ حَسَنٌ کا یہی تو معنی ہے کہ حسن عند اللہ ہے۔

الحاصل بے شمار نصوص قرآنی و حدیثی سے مطلق قرأت پر اجر و ثواب ثابت ہے جن میں سے بطور نمونہ مذکورہ آیات و احادیث لکھدی گئیں اور اس پر پوری امت کا اجماع ہے۔

تصریحات شرعیہ کے علاوہ بہت سے مصالح عقلیہ بھی اس کے مقتضی ہیں کہ قرآن کی تلاوت کو صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رکھا جائے جو فہم مطالب عالیہ کی استعداد رکھتے ہوں اور ایسی استعداد نہ رکھنے والوں پر پابندی لگادی جائے ایسا کرنیوالے لوگ اسلام کے نادان دوست ہیں۔

فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۶ : ۳ : ۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفرلہٗ

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ کی تفسیرِ بینظیر

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۙ آل عمران

ترجمہ : اور حکم مانو اللہ کا اور رسولؐ کا تاکہ تم پر رحم ہو ۔ اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف جس کا عرض ہے آسمان اور زمین ۔ تیار ہوئی واسطے پرہیزگاروں کے ۔"

تشریح : آیتِ مذکورہ میں دو مسئلے زیادہ اہم ہیں ۔ اوّل : پہلی آیت کا مضمون جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسولؐ کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے ۔ اس میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر رسولؐ کی اطاعت بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب قرآن کریم کی اطاعت کا نام ہے تو پھر اس کے علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے ۔ اگر ان دونوں میں کچھ فرق ہے تو کیا ؟

اطاعت رسولؐ اور اطاعت اللہ کو علیحدہ بیان کرنے کی حکمت ۔ اس میں رحمتِ خداوندی کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ضروری اور لازم قرار دیا ہے اور یہ پھر اسی آیت میں نہیں پورے قرآن مجید میں بار بار اس کا تکرار اسی طرح ہے ۔ کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم ہوتا ہے وہیں اطاعتِ رسول کا بھی ذکر مستقلاً ہے ۔ قرآن حکیم کے یہ متواتر اور مسلسل ارشادات ایک انسان کو اسلام اور ایمان کے بنیادی اصول کی طرف متوجہ کر رہے ہیں ۔ کہ ایمان کا پہلا جزء خدائے تعالیٰ کے وجود ، اس کی وحدانیت اور اس کی بندگی اور اس کی اطاعت کا اقرار کرنا ہے ۔ تو دوسرا جزء رسولؐ کی تصدیق اور اس کی اطاعت ہے ۔

اب یہاں غور طلب یہ ہے ۔ قرآن کریم کے ارشادات سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب باذنِ خداوندی ہوتا ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں ہوتا ۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے ۔ وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ یعنی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بولتے ہیں وہ کسی اپنی خواہش سے نہیں کہتے بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے ۔ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ رسول کی اطاعت بعینہٖ خدا تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے ۔ اس سے الگ کوئی چیز نہیں ۔ سورہ نساء میں واضح طور پر فرمایا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر دونوں اطاعتوں کو الگ الگ بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے ۔ خصوصاً اس اہتمام اور التزام کے ساتھ حکم دیا جاتا ہے ۔

راز اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے ایک کتاب بھیجی اور ایک رسول ۔ رسول کے ذمہ یہ کام لگائے ۔

ا : اوّل یہ کہ وہ قرآن کریم کی آیات ٹھیک اسی صورت اور لب ولہجہ کے ساتھ لوگوں کو پہنچادیں جس صورت

سے نازل ہوئیں۔

۲ ۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگوں کو ظاہری اور باطنی گندگیوں سے پاک کریں۔

۳ ۔ تیسرے یہ کہ اس کتاب کے مضامین کی امت کو تعلیم دیں اور اس کے مقاصد کو بیان فرمائیں۔ نیز یہ کہ وہ کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم دیں۔ یہ مضمون قرآن کریم کے متعدد آیات میں آیا ہے۔

معلوم ہوا کہ رسول کے فرائض منصبی میں صرف اتنا ہی داخل نہیں کہ وہ قرآن لوگوں تک پہنچائیں بلکہ اس کی تعلیم وتبیین بھی رسول کے ذمہ ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب عرب کے فصحاء بلغاء تھے۔ ان کے لئے قرآن کریم کی تعلیم کے یہ معنی تو نہیں ہوسکتے کہ محض الفاظِ قرآنی کے لغوی معنی ان کو سمجھائیں کیوں کہ وہ سب ان کو بخوبی سمجھتے تھے۔ بلکہ اس تعلیم وتبیین کا مقصد صرف یہی تھا۔ اور یہی ہوسکتا ہے۔ کہ قرآن کریم نے ایک حکم مجمل یا مبہم الفاظ میں بیان فرمایا اور اس کی تشریح وتفصیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحی کے مطابق لوگوں تک پہنچائی جو قرآن کے الفاظ میں نہیں بلکہ اللہ تعالٰی نے آپ کے قلب مبارک میں ڈالی جس کی طرف آیت اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن نے بے شمار مواقع پر صرف اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ فرمانے پر اکتفاء کیا ہے کہیں نماز کے معاملہ میں قیام، رکوع، اور سجدہ کا ذکر بھی آیا تو وہ بھی بالکل مبہم ہے۔ ان کی کیفیت کا ذکر نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل امین علیہ السلام نے خود آکر اللہ تعالٰی کے حکم سے ان تمام اعمال اور ارکان کی تفصیلی صورت عمل کرکے بتلائی۔ اور آپ نے اسی طرح قول وعمل کے ذریعہ امت کو پہنچا دیا۔

زکوٰۃ کے مختلف نصاب اور ہر نصاب پر زکوٰۃ کی مقدار کا تعین۔ پھر یہ بات کہ کس مال پر زکوٰۃ ہے اور کس مال پر نہیں۔ اور مقادیر نصاب میں کتنا حصہ معاف ہے۔ یہ سب تفصیلات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں اور لکھوا کر متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سپرد فرمائیں۔

یا مثلاً قرآن کریم نے حکم دیا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل یعنی آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے پر نہ کھاؤ۔ اب ان کی تفصیل کو رائج الوقت معاملات، بیع، شراء، اور اجارہ میں کیا کیا صورتیں ناحق اور بے انصافی یا ضرر عوام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے باطل ہیں۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باذن خداوندی امت کو بتلائیں۔ اسی طرح تمام شرعی احکام کا بھی یہی حال ہے۔ تو یہ تمام تفصیلات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کیلئے بذریعہ وحی خفی امت کو پہنچائیں۔

چونکہ یہ تفصیلات قرآن کریم میں موجود نہیں، اس لئے یہ احتمال تھا کہ کسی وقت کسی ناواقف کو یہ دھوکہ نہ ہو کہ یہ تفصیلی احکام خدا تعالٰی کے دیئے ہوئے تو نہیں۔ اس لئے خدا تعالٰی نے سارے قرآن میں بار بار

تاکید کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو لازم قرار دیا جو حقیقت میں خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ مگر ظاہری صورت اور تفصیل کے اعتبار سے اس سے کچھ مختلف بھی ہے۔ اس لئے بار بار تاکید سے بتلایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں اس کو بھی خدا تعالےٰ کی اطاعت سمجھو۔ خواہ وہ قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہو یا نہ ہو۔ یہ مسئلہ چونکہ اہم تھا اور کسی ناواقف کو دھوکہ لگ جانے کے علاوہ دشمنانِ اسلام کے لئے اسلامی اصول میں گڑبڑ پھیلانے اور مسلمانوں کو اسلام کے صحیح راستہ سے بہکانے کا بھی ایک موقع تھا۔ اس لئے قرآن کریم نے اس مضمون کو لفظِ اطاعت کے ساتھ نہیں بلکہ مختلف عنوانات سے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بتلایا ہے۔

مثلاً آپ کے فرائض میں تعلیم کتاب کے ساتھ تعلیم حکمت کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ علاوہ کتاب کے کچھ اور بھی آپ کی تعلیمات میں داخل ہے۔ اور وہ بھی مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع ہیں۔ جس کو لفظِ حکمت سے تعبیر کیا۔ کہیں ارشاد فرمایا کہ "لتبین للناس ما نزل الیہم" یعنی رسول کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے لئے آپ نازل شدہ آیت کے مطالب و مقاصد اور تشریحات کو بیان فرمائیں۔ اور کہیں یہ ارشاد ہوا۔ ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا ۔ یعنی رسول تم کو جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے باز آجاؤ۔

یہ سب انتظامات اس لئے کئے گئے کہ کل کوئی شخص یہ نہ کہنے لگے کہ ہم تو صرف ان احکامات کے مکلف ہیں جو قرآن میں آگئے۔ جو احکام ہمیں قرآن مجید میں نہ ملیں ان کے ہم مکلف نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر غالباً یہ منکشف ہو گیا تھا کہ کسی زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور تشریحات سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لئے یہی دعویٰ کریں گے کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ اس لئے ایک حدیث میں صراحۃً بھی اس کا ذکر فرمایا۔ جس کو ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، بیہقی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔

لا الفین احدکم متکئاً علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نھیت عنہ فیقول لا ادری ماوجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ۔

یعنی ایسا نہ ہو کہ میں تم سے کسی کو ایسا پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے ہوئے بے فکری سے بیٹھے ہوئے میرے امر و نہی کے متعلق یہ کہہ دے کہ ہم اس کو نہیں جانتے۔ ہمارے لئے تو کتاب اللہ کافی ہے، جو کچھ اس میں پاتے ہیں اس کا اتباع کر لیتے ہیں۔

دوسری آیت میں مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت اور مسارعت کا حکم دیا گیا۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے بعد یہ دوسرا حکم دیا گیا۔ یہاں مغفرت سے مراد اسباب مغفرت الٰہی ہیں۔ یعنی وہ اعمال صالحہ جو باعث مغفرت الٰہی ہیں۔ صحابہ رضؓ و تابعین رحؒ سے اس کی تفسیر مختلف عنوانات سے منقول ہے مگر معانی اور مضمون سب کا ایک ہی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی تفسیر" ادائیگی فرائض " سے فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے " اسلام " سے۔ ابوالعالیہ رحؒ نے " ہجرت " سے۔ انس بن مالک رضؓ نے " تکبیر اولیٰ " سے۔ سعید بن جبیر رضؓ نے " ادا ء اطاعت " سے۔ ضحاک رحؒ نے " جہاد " سے۔ عکرمہ رضؓ نے " توبہ " سے۔

ان تمام اقوال کا حاصل یہی ہے۔ کہ مغفرت سے مراد وہ تمام اعمال صالحہ ہیں جو مغفرت الٰہی کا باعث وسبب ہوتے ہیں۔

اس مقام پر دو باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت میں مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت اور مسارعت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ دوسری آیت میں " لا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض " فرما کر دوسرے کے فضائل حاصل کرنے کی تمنا کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ فضائل دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ فضائل جن کا حاصل کرنا انسان کے اختیار و بس سے باہر ہو جن کو فضائل غیر اختیاریہ کہتے ہیں۔ جیسے کسی کا سفید رنگ یا حسین ہونا۔ یا کسی کا بزرگ ہونا۔ وغیرذالک۔

۲ : دوسرے وہ فضائل جن کو انسان اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کر سکتا ہے۔ ان کو فضائل اختیاریہ کہتے ہیں۔ اور آیت مسارعت کا تعلق انہی فضائل سے ہے۔

اِنَّا اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا کا صحیح ترجمہ و مطلب

آیت کریمہ یا ایها النبی انا ارسلناك شاهدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی الله باذنه وسراجا منیرا ۔ کا صحیح ترجمہ تحریر فرمائیں۔ کل ایک شخص سے علمی گفتگو ہوئی، اس نے کتاب " اظہار حق " دکھلائی جس میں کچھ اور ہی ترجمہ کیا ہوا تھا۔ بلکہ بہت ہی مختلف تھا۔ آپ صحیح ترجمہ تحریر فرمائیں۔

الجواب آیت مذکورہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ " اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتلانے والا اور خوشخبری سنانے والا، اور ڈرانے والا، اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے، اور چمکتا ہوا چراغ " پس حاصل یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی توحید سکھاتے اور اس کا راستہ بتاتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں دل سے اور عمل سے

اس پر گواہ ہیں۔ محشر میں بھی امت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا تعالیٰ کا پیغام کس نے کس قدر قبول کیا۔
تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۴۹۱ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فانہ قد انزل علی یا ایہا النبی انا ارسلناک شاھدا علی امتک و مبشرا بالجنۃ ونذیرا و داعیا الی شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وسراجا منیرا بالقران فقولہ تعالیٰ شاھدا اے للہ بالوحدانیۃ وانہ لا الٰہ غیرہ وعلی الناس باعمالھم یوم القیامۃ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

تلاوت افضل ہے یا درود پاک بھیجنا

عبادت کے وقت میں قرآن حکیم کی تلاوت افضل ہے یا آنحضرت علیہ السلام پر درود بھیجنا؟ محمد یحییٰ فرید ٹاؤن ساہیوال۔

الجواب تمام اذکار میں قرآن حکیم کی تلاوت افضل ہے البتہ جن اوقات میں نماز مکروہ ہے جیسے صبح کی نماز کے بعد سے طلوع شمس تک ایسے اوقات میں تسبیح، دعاء اور درود پاک بھیجنا تلاوت سے افضل ہے۔ القران افضل الاذکار لانہ کلام اللہ تعالیٰ کما فی الحصن الحصین لکن فی الاوقات التی یکرہ الصلوۃ فیھا کما بعد صلوۃ الصبح الی طلوع الشمس فالتسبیح والدعاء والصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیھما افضل من قرأۃ القرآن وکان السلف یسبحون فی ذلک الوقت ولا یقرءون (نفع للمفتی، ص۵۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان

قرآن کے رسم الخط میں مصاحف عثمانیہ کا اتباع واجب ہے

قرآن مجید کا رسم الخط وہی ضروری ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں تھا یا اس میں تبدیلی کر سکتے ہیں؟
محمد ایوب صابر اٹک۔

الجواب کتابت قرآن میں مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کی اتباع ضروری ہے اسے بدلنا جائز نہیں۔ وقد نبّہ علی وجوبہ العلامۃ ملا علی القاری فی المنح الفکریۃ ص۸۵۔
فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰/۵/۱۴۰۷
الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

مسجد میں جمع شدہ قرآن مجید فروخت کرنا لوگ قرآن کریم مسجدوں میں لاکر جمع کراتے ہیں۔ لوگ کم پڑھتے ہیں ویسے پڑے رہتے ہیں کیا ان کو فروخت کر کے اُن کے پیسوں کو مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں ؟ یا کسی اور مسجد میں قرآن دے سکتے ہیں ؟

الجواب ان قرآنوں کو دوسری کسی مسجد میں دینا جائز نہیں اور نہ ہی ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت کو مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے۔ اسلئے موجود جمع شدہ قرآن پاک کو تو مسجد میں رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا لازمی ہے۔ اور آئندہ کے لئے دہندگان کو سمجھایا جائے کہ وہ قرآن پاک مسجد میں نہ رکھیں اور یہ اعلان کر دیا جائے کہ جو آدمی مسجد میں قرآن پاک دے گا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد میں استعمال کی جائے گی۔ پھر اس کی قیمت مسجد میں استعمال کرنا درست ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ — بندہ محمد اسحاق عفرلہ

قرآن حکیم کے پرانے گتوں کا حکم مجلد قرآن مجید کے گتوں کے بارہ میں کیا حکم ہے جبکہ جلد ٹوٹ جانے پر گتے جدا ہو جاتے ہیں ؟

الجواب اگر مملوک ہیں تو دوسری جگہ ان کا استعمال جائز ہے۔ لان الدفتین لا یعطی لہ حکم المصحف۔ فقط واللہ اعلم۔

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ • نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲ / ۱۱ / ۱۳۹۷ھ

تفسیر کبیر میں چاند و سورج کو ذی روح کہا گیا ہے؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ تفسیر کبیر میں آیا ہے کہ بعض صوفیائے کرام کے نزدیک سورج اور چاند ذی روح ہیں۔ اگر واقعی تفسیر کبیر میں لکھا ہے تو وہ عبارت لکھ کر ساتھ ہی ترجمہ بھی ارسال فرمائیں۔

الجواب تفسیر کبیر میں آیت کریمہ والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم الآیۃ کی تفسیر میں تحریر ہے کہ بعض منجمین نے کہا ہے کہ کواکب زندہ ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق " یسبحون " فرمایا ہے۔ اور تسبیح کرنے کا اطلاق عاقل پر ہوتا ہے۔ اس پر امام رازی رح فرماتے ہیں۔ اگر تو حیات سے مراد حیوٰۃ کی اتنی مقدار ہے جس کے ذریعہ سے تسبیح ہو سکے تو ہم بھی اس کے قائل ہیں۔ کیونکہ یہ تمام اشیاء تسبیح کرتی ہیں۔ اور اگر حیوٰۃ سے مراد کچھ اور ہے تو وہ ثابت نہیں۔ تفسیر کبیر کی عبارت یہ ہے۔

قال المنجمون۔ الکواکب احیاء بدلیل انہ قال یسبحون وذلک لا

يطلق الا على العاقل۔ نقول ان اردتم القدر الذى يصح به التسبيح فنقول به لانه مامن شئ من هذه الاشياء الا وهو يسبح بحمد الله وان اردتم شيئاً اخر فلم يثبت ذلك اهـ (ج ۷، ص ۸۸)۔

اس مقام پر اور کوئی عبارت نہیں ملی جس سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہو۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۲/۱/۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

ترجمہ وتفسیر پڑھنے کیلئے والدین کی خدمت کو چھوڑنے کا حکم

زید دورۂ حدیث سے فارغ ہو چکا ہے اب اس کا ارادہ دورۂ تفسیر پڑھنے کا ہے مگر والدین مجبور کرتے ہیں کہ تم یہیں ہماری خدمت میں رہو۔ اب زید کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب اطاعت والدین ضروری اور فرض کے درجہ میں ہے۔ دورۂ حدیث کے پڑھ لینے سے علم کے درجۂ فرض میں سے تو یقیناً آدمی فارغ ہو جاتا ہے۔ اب باقی علم تفسیر اور ترجمہ وغیرہ۔ تو یہ اس کے لئے مستحب کا درجہ ہے۔ لہٰذا اگر والدین کی رضا کسی طرح سے حاصل ہو سکے تو ہر ممکن صورت قلیل سے قلیل مدت پر ان کو راضی کر کے دورۂ تفسیر شروع کرے۔ ورنہ اگر والدین محتاج ہوں اور ذریعۂ معاش اختیار کرا کے اپنی خدمت چاہتے ہوں تو ان کی اطاعت اور خدمت کو مقدم سمجھے۔ اور تراجم اکابرین مثلاً ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وشاہ عبدالقادرؒ وشاہ رفیع الدینؒ اور تفسیر بیان القرآن، اور ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ مع فوائد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا مطالعہ کرے۔ اور اس طرح سے اپنی تشنگیٔ علم کو رفع کرے۔ مشکل مقامات میں حضرات علماءِ محققین سے مراجعت کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ ۵/۸/۱۳۶۸ھ

الجواب صحیح، بندہ عبدالرحمٰن[1] عفی عنہ مدرسہ خیر المدارس ملتان

بذریعۂ فلم تبلیغ قرآن توہینِ قرآن ہے

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین، حامیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ قصصِ قرآنیہ کے بارے میں فلم بنانا جائز ہے یا نہیں؟

۲: اور اس کی ٹی وی وغیرہ پر نمائش جائز ہے یا نہیں؟

۳: یہ کہ اس کو تبلیغ قرآن کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

[1] حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری، سابق صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور۔ محمد انور مرتب

الجواب [۱] فلم سازی کے مراکز عموماً فحاشی کے اڈے ہیں۔ اور اس صنعت میں کام کرنے والے جس کردار کے مالک ہوتے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں۔ ملک میں بداخلاقی یہیں سے درآمد کی جاتی ہے۔ اور یہ مراکز ہر قسم کے باجے گاجوں کا گھر ہیں۔ جن کے مٹانے اور نیست و نابود کرنے کے لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ ارشادِ نبوی ہے۔ بعثت بکسر المزامیر ترجمہ: مجھے بانسریاں (آلاتِ موسیقی) توڑنے کے لئے بھیجا گیا[۱] ہے۔"

وفی روایۃ ان اللہ ۔۔۔ امرنی لمحق المزامیر والاوتار والصلیب و امر الجاھلیۃ۔

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسری، طنبور، صلیب اور امورِ جاہلیت کو مٹا دوں[۲]۔"

فلم سازی کے لئے قرآن کریم کو ایسے مقامات میں اور اس کردار کے حاملین کے حوالہ کر دینا قرآنی عظمت و تقدس کے بالکل خلاف ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے لا یمسہ الا المطھرون: ترجمہ "اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں۔" دوسری جگہ ارشاد ہے۔ بایدی سفرۃ کرام بررۃ۔ (یہ قرآن مجید) نیک بخت لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے۔"

تبلیغ قرآن کریم کے اہل پاکباز، فرشتہ سیرت، معزز، اور نیکوکار انسان ہیں نہ کہ فساق و فجار۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن نے قرآن پاک کے اوراق اس وقت تک اپنے بھائی کے حوالے نہیں کئے جب تک انہوں نے غسل نہیں کر لیا۔ اور قبولِ اسلام کی رغبت ظاہر نہیں کر دی۔

(سیرت ابن ہشام برحاشیہ زاد المعاد، ج ۱، ص ۱۹۷)

۲: قصص قرآنیہ کی فلم سازی ایک فتنہ ہے اور ایسے فتنے یہود و نصاریٰ کی نقالی میں یورپ سے درآمد کئے جاتے ہیں۔ اسلام و قرآن کے نام سے مسلم معاشرہ میں انہیں پھیلا دیا جاتا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں پر فلمیں بنائیں۔ انہی کی اتباع میں اسلام کے کچھ نادان دوست بھی قصص القرآن کو فلما کر ان کی راہ پر چلنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گمراہ اور مغضوب علیہم کی اتباع سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار (الآیۃ)

آیتِ کریمہ میں یہود و نصاریٰ کی طرف صرف میلانِ قلبی پر بھی نارِ جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

حدیث پاک میں ہے۔

لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، ج ۲، ص ۴۵۸)

[۱] نیل الاوطار، ج ۸، ص ۱۰۰۔ [۲] مسند ابوداؤد طیالسی، ص ۱۵۵۔ و مسند احمد وغیرہ ۱۲

البتہ ضرور تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے ۔ بالشت ، بالشت ، ہاتھ، ہاتھ
حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں تو اس میں بھی تم ان کی پیروی کرو گے ۔

قرآن و حدیث کی واضح ممانعت اور اس تحذیر کے باوجود پھر ہم لوگ یہود و نصاریٰ کی بنائی ہوئی ان مہلک بلوں میں گھسنا چاہتے ہیں۔ اور فتنوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

۳ ؛ ایسے فتنوں کی ابتداء کتنی ہی حسین و پاکیزہ کیوں نہ ہو ، انجام گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ غور کیجئے، قصہ خوانی قرآن کریم کے اصل مقاصد میں سے نہیں۔ قرآن کریم موقع و مقام کی مناسبت سے حسب ضرورت قصص و واقعات سے مختصراً تعرض کرتا ہے۔

ان واقعات کو باقاعدہ کہانی کی شکل دینے کے لئے تفسیری مآخذ و اسرائیلیات کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ پھر ان مآخذ سے ایسے مواد کا انتخاب کیا جائے گا جو عوام کے جذبات کو زیادہ سے زیادہ اپیل کرنے والا ہو۔ اور ان کے لئے ذہنی عیاشی کے بہتر سے بہتر مواقع فراہم کرتا ہو۔ گو دلائل کے اعتبار سے یہ مواد کتنا ہی غیر مستند کیوں نہ ہو۔ ہم بعض قصہ گو مصنفین کی کتابوں میں یہی صورتِ حال پاتے ہیں۔ گو یہ اتنا مضر نہیں۔ کیوں کہ ان کے مخاطب اور قارئین عوام نہیں خواص ہیں۔

فلم جس کا موضوع ہی لہو و لعب ہے۔ اس قسم کی بے احتیاطیوں سے کیسے مبرا ہو سکتی ہے۔ اور پھر کہانی بیان کرنے والے کی ذہنیت پوری طرح کہانی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ جس رنگ میں چاہے اسے ڈھال سکتا ہے۔ کسی واقعہ کے اوّل و آخر میں چند زہر آلود فقرے کہے جا سکتے ہیں جس سے اس واقعہ کا قرآنی مقصد ہی ختم ہو کر رہ جائے۔ عیسائی و یہودی مستشرقین نے ریسرچ کے نام سے پہلے اسلامی تاریخ کو مسخ کیا ، اب قرآنی حقائق و تعلیمات پر فلم سازی کے پردے میں ہاتھ صاف کیا جائے گا۔ اگر سراغ لگانے کی کوشش کی جائے تو اس فتنے کے پیچھے بھی کسی نہ کسی صورت میں صیہونیت کی سازش کارفرما ہو گی۔

ہم نے سطورِ بالا میں جن خدشات کا اظہار کیا ہے یہ محض خدشات اور اندیشے ہی نہیں بلکہ یورپ میں یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام پر فلمیں بنائی گئیں۔ ان مقدس ہستیوں کو رومانی قصوں کے ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ بائبل کے قصوں میں عشقیہ مضامین اور رومانی رنگ مکمل طور پر بھر دیا گیا۔ دیکھنے والا یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہ کوئی مقدس کہانی ہے یا سینماؤں میں دکھائی جانیوالی ایک عام فلم ہے۔

ایسی فلموں کے ذریعہ دیکھنے والوں کو ہدایت نصیب ہو جائے یہ محض ایک خام خیال ہے۔ ہدایت کھیل تماشوں کے راستوں سے نہیں آتی۔ بلکہ ہدایت اللہ والوں کے فیض صحبت اور ان کی تعلیم و تبلیغ

کے ذریعہ تقسیم ہوتی ہے۔ مخلوقِ خدا طلب لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے۔ تو ہدایت پاتی ہے۔ عہدِ نبوی سے لے کر آج تک ہدایت پھیلنے کا یہی طریق چلا آرہا ہے۔ تاریخِ اسلام میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں کہ کوئی قوم یا قبیلہ گناہ میں لپٹی ہوئی تبلیغ سے مسلمان ہوا ہو۔ یا فسق و فجور سے تائب ہوا ہو۔ بالکل مبنی بر حقیقت ہے جو حضرت امام مالک رح نے ارشاد فرمایا۔

" لا يصلح آخر هذه الأمة الا بما صلح به اولها "

پھر کوئی فلم عورتوں اور مردوں کی تصویریات سے خالی نہیں ہو سکتی۔ ساز و آواز بھی اس کے لئے لازم ہے جنہیں شریعتِ مطہرہ نے حرام قرار دیا ہے۔

احکامِ خداوندی توڑ کر محرماتِ شرعیہ کا ارتکاب کرتے ہوئے تبلیغ کا دعویٰ غضبِ خداوندی کو دعوت دینا ہے۔ ٹی، وی اور سینما دیکھنے والوں کی اکثریت بلاشبہ ان کے پروگراموں کو تفریح اور کھیل تماشے کی غرض سے دیکھتی ہے۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ قصص قرآنیہ کی فلم سازی اور پردہ سکرین پر ان کی نمائش قرآن کریم کو کھیل و تماشہ بنانے کے مترادف ہے۔ تو اس میں کچھ بُعد نہیں۔ اور ——— قرآن کریم کو لہو و لعب و کھیل تماشہ بنانے والوں کا انجام کسی سے مخفی نہیں۔

بعض نام نہاد دانشوروں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ ٹی، وی پر اس قسم کی فلموں کی نمائش قرآن کی تبلیغ ہے۔ اور قرآن پاک کی تبلیغ و دینی مسائل پر علماء کی اجارہ داری ختم ہونی چاہئے۔ پہلے بھی اس قسم کی باتیں اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں۔ ان " دانش وروں کی دانش " اور چھاپنے والوں کی بے حسی سے تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسی بے تکی ہانک رہے ہیں۔ کہ تبلیغ و دینی مسائل پر علماء کی اجارہ داری ختم ہونی چاہئے

علماء کے بارے میں ان کی دانش کا یہی فیصلہ ہے تو سائنس پر، سائنس دانوں کی اجارہ داری، اور قانون سے متعلقہ امور میں وکلاء، اور ماہرین قانون کی اجارہ داری، علاج معالجہ پر ڈاکٹروں کی اجارہ داری، تعلیم پر اساتذہ، لیکچراروں اور پروفیسروں کی اجارہ داری کے بارے میں ان کی " دانش " کا کیا فیصلہ ہے؛ اگر ان اجارہ داریوں کو ختم نہیں کیا جا سکتا تو امورِ دینیہ کے بارے میں ماہرینِ علوم شرعیہ کی یہ حیثیت ان کے لئے کیوں سوہانِ رُوح بن رہی ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ سائنس دان، ڈاکٹر، پروفیسر، وکلاء کسی خاص قوم یا خاندان کا نام نہیں بلکہ متعلقہ فن کے پڑھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کے لئے برس ہا برس تک اپنی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کو کھپانے کے بعد سندِ مہارت پانے والوں کے القاب ہیں۔ لہٰذا اس میں اجارہ داری کی بحث عقل و دانش کے سراسر خلاف ہے۔ اصل مسئلہ اس فن میں مہارت کا ہے۔ جو شخص یہ مہارت و استعداد بہم پہنچائے اسے

اس فن میں یہ مقام حاصل ہو جائے گا۔ اور متعلقہ فن میں اس کی رائے مستند اور قابلِ قبول تصور کی جائے گی دوسرے کی نہیں۔

ٹھیک اسی طرح سمجھئے کہ علماء کا معزز لقب کسی خاندان یا قبیلے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ علوم شرعیہ (قرآن و حدیث وغیرہ) کی تحصیل میں ایک عمر کھپا کر یہ معزز مقام حاصل کیا جاتا ہے۔ تو امور شرعیہ کے بارے میں حضرات علماء کا فیصلہ مستند اور حجت ہوگا نہ کہ ہر کہ ومہ کا۔ گو وہ کسی دوسرے فن میں ڈگری یافتہ ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ کسی تشخیص و علاج و معالجہ اور فوجداری مقدمات میں زخموں کے متعلق ڈاکٹری رپورٹ ہی قابلِ قبول اتھارٹی ہے کسی انجینئر یا سائنسدان کی رائے کا اس میں کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی اُن کی رائے سے ڈاکٹری رپورٹ کو چیلنج کیا جاسکتا ہے۔

الغرض اصل بحث ماہر فن ہونے کی ہے جو اقوام کے عرف و آئین میں مسلم ہے اسے اجارہ داری قرار دینا سراسر بے دانشی ہے۔

الحاصل وجوہ بالا کی بناء پر ایسی فلمیں تیار کرنا اور ٹی وی پر ان کی نمائش کرنا شرعاً درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۳ / ۱۰ / ۱۴۰۴ھ

معوذتین کا شانِ نزول

معوذتین جو آخری دو سورتیں قرآنِ پاک میں ہیں ان کا شانِ نزول کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک لے کر ان میں بارہ گرہیں دیں۔ اور وہ بال کنوئیں کے نیچے رکھ دیئے۔ اور پھر جبریل علیہ السلام پیغام لے کر آئے کہ آپ پر جادو کا اثر ہے اور فلاں جگہ بال مبارک ہیں اس جگہ سے بال نکال لئے گئے تو آپ کو آرام ہو گیا۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب صحیح واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مقامِ حدیبیہ سے واپس ہوئے تو کفار اور یہود نے لبید بن اعصم کو کہا کہ تم ہم میں سب سے زیادہ ساحر ہو اس لئے تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرو۔ ہم تم کو بہت کچھ انعام دیں گے۔ چنانچہ اس نے اور اس کی بیٹیوں نے کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک لے کر ان پر دم کیا۔ گیارہ گرہیں دیکر کنوئیں میں دبا دیئے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تکلیف ظاہر ہوئی۔ پھر اس کے بعد سورۃ فلق، اور سورۃ الناس نازل ہوئیں اور آپ کو وہ مقام بتلایا گیا جہاں وہ بال مدفون تھے۔ آپ نے ان بالوں کو نکال کر یہ دونوں سورتیں پڑھیں جس سے وہ گرہیں کھل گئیں اور آپ کو آرام ہو گیا۔ اس سحر کا اتنا اثر نہیں تھا کہ آپ بالکل بے ہوش ہو جاتے ہوں یا آپ کے وظائف و عبادات میں فرق آیا ہو۔ (ھکذا ذالک من التفسیر الکبیر و روح المعانی) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح

محمد عبداللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۰ / ۱ / ۱۴۰۳ھ

سورۂ نمل میں "کتاب مُبین" سے کیا مراد ہے

سورۃ النمل پارہ ۲۰ ؛ ایت ۷۵ ؛ کی تشریح مختصر مگر جامع مطلوب ہے۔ مجھے جو تشویش ہے وہ یہ ہے کہ "کتاب مبین" قرآن پاک کے لئے آیا ہے اور میرے ناقص ذہن کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا سارا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا پھر جب قرآن مجید آسمانوں اور زمینوں کے مغیبات کو اپنے اندر سما سکتا ہے تو جسے قرآن کا علم دیا جائے اسے ان چیزوں کے جاننے میں کیا مانع ہے۔ نتیجہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علوم غائبہ سے روشناس تھے۔

الجواب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ آسمان وزمین میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں مگر اس کا ذکر "کتاب مبین" میں موجود ہے کتاب مبین سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسر محقق علامہ ابن کثیر الدمشقی رح اپنی مشہور تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ وھذہ کقولہ الم تعلم ان اللہ یعلم ما فی السماء والارض ان ذلک فی کتاب الخ اور پارہ نمبر ۱۷ سورۂ حج کی اس مؤخر الذکر آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں وکتب ذلک فی کتاب اللوح المحفوظ ابن ج ۳ ، ص ۲۳۴ -

پس معلوم ہوا کہ "امن خلق" آیت میں جو لفظ "کتاب مبین" مذکور ہے اس سے مراد قرآن مجید نہیں بلکہ لوح محفوظ ہے اور اس قسم کی آیات سورۂ یونس رکوع نمبر ۷ اور سورۂ سبا رکوع نمبرا میں بھی "کتاب مبین" سے مراد لوح محفوظ ہے۔ لہٰذا آپ کو جو شبہ لاحق ہوا ہے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفی عنہ

بیدہ الملک میں ضمیر کا مرجع حضورؐ کو قرار دینا تحریف ہے

ایک صاحب، سورۂ ملک کی ابتدائی آیات تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شئ قدیر کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ بہت برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں تمام ملک ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے قبضے میں تمام ملک ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ہاتھ نہیں۔ وہ بازوؤں سے پاک ہے لہٰذا بیدہ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ید مبارک ہی ہو سکتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب یہ تفسیر بالکل غلط اور محض تحریف ہے بلکہ کفر و شرک ہے کیونکہ تفسیرِ مذکور کی بنا پر لازم آتا ہے کہ خالقِ موت و حیات اور خالقِ سموٰت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کیا جاوے۔ نیز آپ کو قادرِ مطلق بھی اعتقاد کیا جاوے۔ حالانکہ اہلِ اسلام تو ایک طرف، زمانۂ جاہلیت کے کفار و مشرک بھی اس کے قائل نہ تھے۔ وہ بھی خالقِ ارض و سماء صرف حق سبحانہٗ و تعالےٰ کو مانتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

ولئن سألتهم من خلق السموٰت والارض لیقولن الله۔ الآیۃ (العنکبوت پ۲۱)

پس اس طرح تفسیر کرنا کھلی گمراہی ہے الذی بیدہ الملک سے مراد یہ ہے کہ جس کے قبضہ میں ملک ہے۔ "ید" سے مراد قبضہ و اختیار ہے نہ کہ یہ عضو۔ چنانچہ اردو میں بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے ہاتھ میں بڑے بڑے آدمی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے بڑے بڑے آدمیوں کو ایسے پکڑ رکھا ہے جیسے لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے آدمی اس کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ پس آیت میں بھی "ید" سے مراد قبضہ و اختیار ہے۔ معمولی لیاقت کا آدمی بھی اردو ترجمہ سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ جس ذات کے بارے میں "بیدہ الملک" کہا گیا ہے۔ اسی ذات کو اگلی آیات میں "خالقِ موت و حیات و خالقِ سموٰت" فرمایا گیا ہے۔ پس جو ذات مؤخر الذکر صفات کی مالک ہے یعنی حق سبحانہ و تعالےٰ وہی پہلی وصف سے بھی متصف ہے۔ چنانچہ تیسری آیت میں مذکور ہے ماتری فی خلق الرحمن من تفاوت اس آیت میں حق سبحانہ و تعالےٰ کے اسمِ مبارک کی تصریح فرما دی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

۱۰ / ۱۰ / ۱۳۸۴ھ — خیر محمد عفی عنہ

آیت مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى کی تفسیر

سوال: آیت مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فهو فی الاخرۃ اعمیٰ اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ یعنی (دنیا میں جو شخص جیسے) ہدایت کی راہ سے اندھا رہا ویسے ہی آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ۔

ومن الناس من یعجبک الآیۃ

ومن الناس من یعجبک الآیۃ کا شانِ نزول کیا ہے؟

الجواب: یہ آیات "اخنس بن شریق" کے بارے میں نازل ہوئیں جو کہ بڑا فصیح وبلیغ تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر قسمیں کھا کر اسلام کا جھوٹا دعوےٰ کیا کرتا تھا۔ اور مجلس سے اٹھ جاتا تو فساد و ایذاء رسائی خلق میں لگ جاتا۔ اھ۔ (بیان القرآن ص ۱۱۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ÷ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۷ / ۳ / ۱۳۹۶ھ

بسم اللہ میں رحمٰن کو رحیم پر مقدم کرنے کی وجہ

بیضاوی شریف میں لفظِ رحمٰن ورحیم کی تفسیر میں مندرجہ ذیل عبارت مرقوم ہے اس کی تشریح میں زید وعمر میں اختلاف ہے آپ اس عبارت کا مطلب ومقصد مع ترجمۂ لفظی تحریر فرمادیں۔

ولانہ صار کالعلم من حیث انہ لا یوصف بہ غیرہ لان معناہ المنعم الحقیقی البالغ فی الرحمۃ غایتہا وذلک لا یصدق علی غیرہ لان من عداہ مستعیض بلطفہ وانعامہ یرید بہ جزیل ثواب اوجمیل ثناء اھ

الجواب: علامہ بیضاوی رحمٰن کو رحیم پر مقدم لانے کی وجوہ بیان فرمارہے ہیں۔ ان وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ "رحمٰن" بمنزلۂ علَم ہے اور اس کے اندر معنیٰ وصفی آگیا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ لفظِ رحمٰن اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی کی صفت واقع نہیں ہوتا۔ بخلاف رحیم کے کہ وہ رسول کی صفت واقع ہوا ہے بالمؤمنین رؤف رحیم اسی طرح رحمدل آدمی کو بھی رحیم کہہ سکتے ہیں۔ لیکن رحمان نہیں کہہ سکتے۔ لہذا رحمٰن جب بمنزلۂ علم ہوا تو اس کی تقدیم رحیم پر مناسب ہے۔ کیونکہ اعلام صفات پر مقدم ہوتے ہیں اور رحمٰن کے بمنزلۂ علَم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رحمٰن کا معنی ہے "منعم حقیقی" جو رحمت میں انتہاء کو پہنچ چکا ہو۔ اور یہ صفت سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کسی میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ منعم حقیقی جس کا انعام بلا عوض ہو، صرف اللہ کی ذات ہے۔ اللہ کے علاوہ جو لوگ کسی پر انعام واحسان کرتے ہیں تو عوض کے طالب ہیں۔ (مستعیض کا معنی عوض طلب کرنے والا) اور یہ معاوضہ چار قسم کا ہوتا ہے۔

۱۔ کبھی انعام واحسان سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ آخرت میں ثواب حاصل ہو۔

۲ : دنیا میں ثناء جمیل ذکرِ خیر لوگوں کے ذریعہ حاصل ہو۔

۳ : کسی ہم جنس کو محتاج و مصیبت زدہ دیکھ کر طبیعت میں رقت اور درد و سوز پیدا ہوتا ہے تو اس پر انعام و اکرام کرکے انسان اپنے جذبۂ ہمدردی اور رقتِ قلبی کی تسکین کرتا ہے۔

کما قال مولانا عبد الحکیم فی حاشیته علی البیضاوی : ص۲۲

قوله رقة الجنسية ای مزيل بانعامه الرقة الحاصلة له باعتبار المشاركة الجنسية بالمنعم عليه كمن رأى فقيرا وحصل له رقة القلب يتصدق عليه لإزالة الم الرقة وهذا هو الموافق لما فى التفسير الكبير .

۴ : یا انعام و احسان سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مال خرچ کرنے سے اس کی محبت دل سے زائل ہو جائے۔ بہرحال ان کے سامنے اس قسم کے مقاصد ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالٰی منعم حقیقی ہیں بلا کسی عوض اور مقصدِ ذاتی کے محض انسان کو نفع رسانی کی خاطر احسان فرماتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

۲۸ : ۳ : ۱۳۷۶ھ

حجاب کا حکم اور اِلّا ما ظَہَرَ مِنْہا کی تفسیر

کبیری شروط الصلوۃ ص ۲۱۸ - پر ہے۔ الا وجهها وكفيها فانهما ليسا بعورة بالاجماع لا فى حق الصلوة ولا فى حق نظر الاجنبي حتى أن يباح نظره الى وجه للمرأة الاجنبية وكفيها اذا كان بغير شهوة۔ آگے پوری تفصیل ہے جو حضور خود ملاحظہ فرمالیں۔ کچھ سطور کے بعد لکھتے ہیں۔

وهذا معنى قوله تعالىٰ " الا ما ظهر منها " اى الا ما جرت العادة والجبلة على ظهوره۔

اور درمختار ج ۱ ص ۲۸۴ - میں ہے۔ وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لانه عورة بل لخوف الفتنة ۔

امید ہے کہ حضور خود بھی سب تفصیلات ملاحظہ فرمالیں گے۔ یہ معروض بحوالہ ہے اب جو امر محقق ہو اس سے بندہ کی اصلاح فرمائی جائے۔ مولوی محمد یوسف بہاولنگر۔

الجواب قبل از جواب ایک مقدمہ ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ استدلال اور استنباط کے مقام میں صرف ایک آیت یا ایک حدیث کو مبنی قرار دے کر کسی حکم یا مسئلہ شرعیہ کا استنباط کرنا سخت

نادانی اور جہالت ہے اور عمداً ایسا کرنا کہ تمام نصوص میں سے کسی ایک کو لے کر باقی کو نظر انداز کر دیا جائے الحاد و زندقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات علماء نے اجتہاد اور استنباط کے کام کو موجودہ زمانے میں متعذر قرار دیا ہے۔ کیونکہ قرونِ اولیٰ کے بعد ایسے وسیع النظر حضرات جو احادیث و آثار کے حافظ ہوں مفقود ہو چکے ہیں۔

بعد ازیں عرض ہے کہ مجموعہ آیات واحادیثِ حجاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پردۂ شرعی کے تین درجے ہیں۔

۱ : چہرے اور ہتھیلیوں اور بعض کے نزدیک پیروں کے بغیر باقی تمام حصہ کو چھپایا جائے۔ یہ ادنیٰ درجے کا پردہ ہے۔

۲ : چہرے اور ہتھیلیوں کو بھی برقعہ سے چھپایا جائے اور اس حالت میں بوجہ حاجت وضرورت مرد کی اجازت سے عورت باہر جا سکے یہ درمیانے درجے کا پردہ ہے۔

۳ : عورت دیوار کے پیچھے رہے۔ برقعہ کے باوجود بھی باہر نہ نکلے یہ اعلیٰ درجے کا پردہ ہے۔

یہ تینوں درجات آیات واحادیث سے ثابت ہیں۔ بطور اختصار کچھ ذکر کی جاتی ہیں۔

۱ : قال اللہ تعالیٰ۔ وقرن فی بیوتکن۔ (درجہ ثالثہ)

۲ : واذا سالتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب اھ (درجہ ثالثہ)

۳ : ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا اھ (علیٰ قول البعض درجۂ اولیٰ وعلیٰ قول البعض درجہ ثانیہ)۔

۴ : ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن اھ (درجہ ثالثہ)

۵ : والقواعد من النساء اللّٰتی لا یرجون نکاحا فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرجات بزینۃ (درجہ اولیٰ)

۶ : ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن اھ (درجہ ثانیہ)

۷ : یدنین علیھن من جلابیبھن اھ (درجہ ثانیہ)

۸ : ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن الآیۃ (درجہ ثانیہ)

احادیث

۹ : عن قیس بن شماس قال جاءت امرأۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقال لھا ام خلاد وھی متنقبۃ تسئل عن ابنھا وھو مقتول فقال لھا بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم جئت تسألین عن

ابنك وانت متنقبة فقالت ان أرزاء ابني فلن أرزاء حيائي فقال رسول الله صلی الله علیہ وسلم لابنك أجر شهيدين فقالت لم ذلك يارسول الله قال لانہ قتلہ اهل الكتاب ابو داؤد كتاب الجهاد باب فضل قتال الروم (درجہ ثانیہ)

۱۰ ، المرأة عورة مستورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان رواه الترمذی (درجہ ثالثہ)

۱۱ ، عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت خرجت سودة بعد ما ضرب الحجاب لحاجتها الی قومها فقالت يارسول الله صلی الله علیہ وسلم انی خرجت لبعض حاجتی فقال لی عمر كذا وكذا يعنی اما والله لا تخفين علينا قالت فاوحی الله اليہ فقال انہ قد اذن لكن ان تخرجن لحاجتكن۔ تفسير سورۃ احزاب (درجہ ثانیہ)۔ بخاری شریف ثم قال لسودة بنت زمعة احتجبی لما رأی من شبهہ بعتبة (درجہ ثانیہ) رواه البخاری۔

۱۲ ، قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم (لام سلمة وميمونة) احتجبا منہ (ای من ابن ام مكتوم) فقلت يارسول الله صلی الله علیہ وسلم اليس هو اعمی لا يبصرنا فقال رسول الله صلی الله علیہ وسلم افعمياوان انتما الستما تبصرانہ رواه احمد والترمذی وابو داؤد (درجہ ثانیہ)۔

مذکورہ احادیث وآیات سے جو تین درجے حاصل ہوئے ہیں ان کو مختلف صورتوں پر مرتب کرنا حضرات فقہاء کا کام ہے۔

چنانچہ بوڑھی عورتوں پر پہلا درجہ واجب ہے۔ یعنی چہرہ اور ہتھیلیوں کے ماسوا باقی حصہ بدن کو ظاہر کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور درجہ ثانیہ۔ کہ برقعہ کے ساتھ باہر جائے بالکل اپنے قد و قامت کو بھی ظاہر نہ کرے مستحب ہے۔

شواب وکہول ؛ یعنی نوجوان اور متوسط العمر عورتوں کے لئے تینوں درجے واجب ہیں۔ یعنی چہرہ اور کفین کے سوا باقی بدن کا ستر کرنا بھی واجب ہے۔ اور برقعہ کر کے چہرہ کو چھپانا بھی واجب ہے۔ اور اپنے آپ کو گھر میں محبوس رکھنا بھی ضروری ہے۔ البتہ اشد ضرورت کے وقت درجہ اولیٰ میں کچھ وسعت بھی ثابت ہے۔ مثلاً علاج معالجہ کے لئے ماسوائے وجہ اور کفین کا کھولنا بھی جائز

ہے۔ اور درجہ ثانیہ وثالثہ میں بھی اگر متوسط درجہ کی ضرورت ہو تو گھر سے نکلنا جائز ہے مگر برقعہ کے ساتھ۔ بشرطیکہ اظہار تزین نہ ہو۔

چند فوائد متعلقہ ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منہا

۱ : اس سے مراد ظہور فی نفسہ ہے نہ کہ کشف للغیر قصدًا۔ کیونکہ اس آیت میں غیر سے اصلاً تعرض نہیں کیا گیا۔ اور نہ کوئی قرینہ ہے۔

۲ : الا ما ظھر منہا سے جو یہ ثابت کرتے ہیں ــــ کہ عورتوں کے لئے عام طور پر چہرہ کھولے رکھنے کی اجازت ہے یہ ان کی غلطی ہے۔ کیونکہ " الا ماظھر منہا " میں صرف عورتوں کو فی نفسہ چہرہ اور ہاتھ کھولے رکھنے کی اجازت ہے۔ تاکہ دوسرے اعضاء کی طرح ان کو چھپانے کی تکلیف نہ ہو اور اس میں دوسروں کے لئے چھپانے اور ظاہر کرنے مقصود نہیں۔

۳ : قال ابن جریر حدثنی علی قال حدثنا عبد اللہ قال حدثنی معاویۃ عن علی عن ابن عباس قولہ ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منہا قال والزینۃ ظاھرۃ الوجہ ککحل العینین وخضاب الکف والخاتم فھذا تظھر فی بیتہا لمن دخل من الناس علیہا۔

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ۔(۱) زینت سے مراد مواضع زینت نہیں بلکہ مایتزین بہ النساء مراد ہے۔ اور فی بیتہا کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ ابداء سے مراد ابداء فی نفسہ ہے نہ کشف للغیر۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں رسالہ " القاء السکینۃ فی ابداء الزینۃ " اور " اثبات الستور لذوات الخدور " یہ دونوں رسالے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کے تصنیف فرمودہ ہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ ۰۰ /۲ /۱۳ھ خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان

تفسیر بُلغۃ الحیران کے متعلق معتدل رائے اور اس کے چند مقامات پر اعتراضات کا جواب

کیا فرماتے ہیں علماء دین تفسیر بلغۃ الحیران کے مندرجہ ذیل مقامات میں آیا کہ جو کچھ اس تفسیر میں لکھا گیا ہے یہ سلف صالحین اور اہل السنۃ والجماعۃ علماء دین کے نظریات کے موافق ہے یا مخالف ؟

۱ : " کل فی کتاب مبین " کے تحت " بلغۃ الحیران " ص ۱۵۷ پر لکھا ہے۔ یہ علیحدہ جملہ ہے

ماقبل کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔ تاکہ یہ لازم آئے کہ تمام باتیں اولاً کتاب میں لکھی ہوتی ہیں جیسا کہ اہل السنتہ والجماعتہ کا مذہب ہے۔ یاکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے تمام افعال لکھ رہے ہیں فرشتے انتہی بلفظہ۔

کیا یہ اہل السنتہ والجماعتہ کے مسلک سے علیحدگی اور اعتزال کا اظہار نہیں؟ حالانکہ جملہ مفسرین اس سے مراد لوح محفوظ لیے رہے ہیں۔ علماء دیوبند کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے موضح القرآن میں اس آیت کے فائدے میں لکھا ہے۔ توکیا یہ علماء دیوبند کے مسلک کے خلاف نہیں؟ اور کیا اس خود ساختہ تفسیر پر قد جف القلم بما هو كائن اور اس قسم کی دوسری احادیث کی تکذیب نہیں ہوتی اور تمام کتب عقائد کی تغلیط نہیں ہوتی؟

۲: یاجوج ماجوج کے متعلق ص ۲۰۵ پر لکھا ہے۔ "یاجوج ماجوج سے مراد انگریز ہیں یا کوئی اور"۔ کیا یہ یاجوج ماجوج کے متعلق وارد روایات کے خلاف نہیں۔ اور کیا یہ مرزائیوں کی موافقت نہیں؟

۳: بلغۃ الحیران کے ص ۱۵ پر " ادخلوا الباب سجدا " کی تفسیر میں لکھا ہے باب سے مراد مسجد کا دروازہ ہے جو کہ نزدیک تھا۔ اور باقی تفسیروں کا کذب ہے۔ انتہی۔ مفسرین کو کاذب کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو قائل کا کیا حکم ہے؟

۴: اسی تفسیر کے صفحہ ۲۴۴ پر مندرج ہے۔ " رسولوں کا کمال بس عذاب الٰہی سے نجات پالینا ہے"۔ انتہی۔ کیا یہ مرسلین کی تنقیص نہیں؟ عذاب سے نجات رسول کا کمال ہے تو کیا غیر رسول کی نجات نہ ہوگی؟

۵: ص ۵ پر قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو کہا ہے کہ " یہ بھی کمال نہیں " کیا یہ غلط اور جمہور کے مخالف نہیں؟

۶: ص ۱۵۸ پر معتزلہ کا مذہب نقل کر کے لکھا ہے کہ " انسان خود مختار ہے۔ اچھے کام کریں یا نہ کریں اور اللہ کو پہلے کوئی علم نہیں کہ کیا کریں گے۔ بلکہ اللہ کو کرنے کے بعد علم ہوگا۔ الی ان قال مگر بعض مقام قرآن جو ان کے مطابق نہیں بنتے تاویل کرتے ہیں معنی صحیح کرتے ہیں۔ کیا یہ اعتزال کی صریح تائید و تصحیح نہیں؟ کیا یہ قدامت علم الٰہی کا انکار نہیں؟

حبیب الرحمٰن مدرس دارالعلوم رحمانیہ ہری پور ہزارہ صوبہ سرحد۔

الجواب محترم جناب مولانا حبیب الرحمٰن مدظلہٗ کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہمارا مسلک علماء دیوبند کے اصول کے مطابق احتیاط پر مبنی ہے۔ ہم عبارات مشکوک و مشتبہ کی بنا ر

پر تکفیر و تفسیق میں جلدی نہیں کرتے۔ افراط و تفریط ہی دو ایسے امر ہیں جن کی بناء پر امت میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اگر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور ان کی جماعت آپ کی نظر میں اکثر مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں (جس کا ہمیں پورا یقین نہیں) تو یہ ایسا ہے جیسا بریلوی حضرات علماء دیوبند کی تکفیر کرتے ہیں لیکن ہمارے اکابر نے اس بارہ میں ہمیشہ احتیاط برتی ہے اس لئے ہم بھی تکفیر کے بارے میں ہمیشہ احتیاط کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو بھی احتیاط کرنے اور عبارات مشکوکہ کی جب تک اصل عبارات کفر کے معنی کی تصریح نہ کریں، تاویل ہی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ہمارے لئے سابقہ فتنوں میں رفض اور قادیانیت بھی کیا کچھ کم ہیں جن کو چھوڑ کر ہم نئے فتنے پیدا کریں۔

اس لئے اس بارہ میں جس طرح ہم آپ سے احتیاط کرنے اور تکفیر و تفسیق میں جلد بازی نہ کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اسی طرح ہمارا بلکہ مدمقابل فریق مولانا غلام اللہ خان صاحب وَحِزْبُہٗ سے بھی یہی اختلاف قائم ہے ہم اس تشدد آمیز اور خلاف حکمت طریق کار کو پسند نہیں کرتے۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد بلغۃ الحیران کی جو عبارتیں آپ نے تحریر کی ہیں ان کے بارے میں رائے تحریر کی جاتی ہے۔

۱ : عبارت کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ ہم نے مولانا غلام اللہ خان صاحب سے تحقیق کی ہے انہوں نے یہ تسلیم فرما لیا ہے کہ یہ عبارت کاتب اور ناسخ کی غلطی سے شبہ انگیز ہو گئی ہے۔ آپ کی تحریر شدہ عبارت کے لحاظ سے جب " کل فی کتاب مبین " مستقل جملہ تھا اور کل سے مراد، کل ما تعملون لیا تھا اور یہ معنی یہ لیا تھا کہ تمہارے اعمال فرشتے لکھ رہے ہیں۔ تو اس صورت میں معتزلہ کی تائید تھی۔

جب جملہ " کل فی کتاب مبین " ماقبل کے ساتھ متعلق کر کے یہ مراد ہو " کہ پچھلی تمام باتیں کتاب میں لکھی ہوئی ہیں " تو یہ اہل السنۃ کے مسلک کے موافق ہو جائے گا۔ جب مصنف خود تصریح کر رہے ہیں کہ کتابت کی غلطی ہے اور اصل عبارت یوں تھی اور ہم اہل السنۃ کے موافق ہیں تو کیا ضرورت ہے کہ غلط عبارت لے کر اعتراض پر جمے رہیں۔

۲ : اسی طرح مذہب اعتزال کو نقل کرنے کے بعد ان کی تاویل کو نقل کیا ہے کہ جہاں معنیٔ آیت ان کے موافق نہیں ہوتے وہاں وہ لوگ تاویل کر کے معنی صحیح بناتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی تاویل جائز ہے یا ہم ان کی تاویل کے ساتھ متفق ہیں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جو یہ دلالت کرتا ہو کہ مصنف کتاب ان کی تاویل کو صحیح سمجھ رہا ہے۔ بلکہ ان حضرات سے معلوم ہوا ہے کہ اگر ہم معتزلہ کے ہم نوا ہوتے تو آیت لِیَعْلَمَ لِنَعْلَمَ میں مفسرین اہل السنۃ کے مطابق

علمِ ظہور کی تاویل نہ کرتے، بلکہ معتزلہ مفسرین کے مطابق علم سے علمِ حقیقی مراد لیتے۔

۳ ؛ مصنف اور جامع طلعۃ الحیران فرماتے ہیں۔ کہ کذب سے ہماری مراد خلافِ واقعہ ہے چونکہ مولانا مرحوم کو اپنی تحقیقات کے لحاظ سے یہی مسلک صحیح معلوم ہوا لہٰذا اسی کو ترجیح دی۔ اور دوسرے اقوال کو کہنا تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ مرجوح یا خلافِ واقعہ ہیں۔ لیکن چونکہ تقریرات کے الفاظ مولانا مرحوم کے اپنے نہیں، جامع نے کذب لکھ دیا۔ کذب سے مراد وہ گناہِ کبیرہ نہیں لیتے۔ بلکہ اس سے مراد خلافِ واقعہ اور غلط لیتے ہیں۔

۴ ؛ "مصنف اور جامع "نے" رسولوں کا کام بس عذابِ الٰہی سے نجات پالینی ہے" کے متعلق "معاذ اللہ" کہتے ہوئے معنیٔ تنقیص سے برأت ظاہر کی۔ اور یہ کہا کہ ہمارا مطلب جو سیاق و سباق کے ملانے سے واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت صالح اور حضرت لوط علیٰ نبینا و علیہم السلام کی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد " فدمرناھم وقومھم فرمایا اور اہلِ ایمان کے متعلق " وانجینا الذین امنوا " فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہلاکِ کفار اور انجاء انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے وقت میں عذابِ الٰہی سے بچ جائیں اور ان کے اتباع کی وجہ سے باقی بھی بچ جائیں۔ (قال) معاذ اللہ مصنف کے دل میں کسی قسم کی تنقیص انبیاء کے متعلق نہیں بلکہ اس کو کفرِ صریح بتلاتے ہیں۔

۵ ؛ مصنف کا مقصد یہ ہے کہ صرف فصاحت و بلاغت پر انحصار نہیں۔ یہ مقصد نہیں تھا کہ اس میں کمال نہیں۔ چنانچہ یہ مراد اور تفصیل سورۂ یونس میں مصنف کی تحریر سے واضح ہو رہی ہے

ع دانایان در پئے نقطہ نے روند

لفظِ کمال سے بلاشبہ دھوکہ لگتا ہے۔ لیکن اس کی وضاحت جو سورۂ یونس میں موجود ہے اس سے مصنف کا ارادہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کے اعجاز کو صرف فصاحت و بلاغت میں ہی بند نہ کیا جائے بلکہ عام رکھا جائے۔

بہرحال یہ معانی اور احتمالات خود صاحبِ کتاب مراد لے رہے ہیں جو صحیح ہیں اور بن سکتے ہیں اس لئے ہمیں قول مالا یرضی بہ القائل لے کر کفریہ احتمال کو ترجیح دینے کی کیا ضرورت ہے اگر یہ لوگ تشدد کرتے ہیں تو ہمیں احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

۶ ؛ یاجوج ماجوج کے متعلق حضرت العلامہ سیدنا و مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہٗ نے کچھ تحقیق فرمائی ہے۔ جو کہ فیض الباری جلد ۴ ص ۲۳ میں موجود ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

یاجوج وماجوج سے مراد انگریزوں اور روسیوں کا ہونا بہت سے مؤرخین کا قول ہے۔ اور لعین قادیانی نے جو بات کہی ہے وہ درحقیقت مؤرخین سے چرا کر کہی ہے۔

قال رحمہ اللہ الفائدۃ الثالثۃ فی تحقیق یاجوج وماجوج۔ اما الکلام فی یاجوج وماجوج فاعلم انہم من ذریۃ یافث باتفاق المؤرخین ویقال لہم فی لسان اروبا (گاگ میگاگ) وفی مقدمۃ ابن خلدون (غوغ ماغوغ) وللبرطانیۃ اقرارہم بانہم من ذریۃ ماجوج وکذا الجرمانیا ایضاً منہم واما الروس فہم من ذریۃ یاجوج ولیسوا ہؤلاء الاقوام من الانس والمراد من الخروج حملتہم وفسادہم وذٰلک کائن لا محالۃ فی زمانہ الموعود وکل شئ عند ربک الی اجل مسمّی۔ ولیس السد منعہم عن الفساد۔ فہم یخرجون علی سائر الناس فی وقت ثم یہلکون بدعاء عیسٰی علیہ السلام ھکذا فی مکاشفات یوحنا۔ وغیہ انہم یہلکون بدعاء المسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام وانما ذکرنا نبذۃ من ھذہ الامور لتعلم انہا لیست بشئ یفتخر بہا عند العوام ولکنہا کلہا معروفۃ عند اصحاب التاریخ اما من لم یطالع کتبہم فالاثم علیہ۔ وھذا الجاھل لعین القادیان یزعم ان الحق بعلم جدید کان اوجدہ من عند نفسہ وکان الناس غافلون عنہ قبل ذٰلک وقد بسطناہا فی رسالتنا عقیدۃ الاسلام وحاشیتہ بما لا مزید علیہ فراجعہا انتہٰی۔

پوری تفصیل اور وضاحت مکمل مضمون دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس بناء پر یاجوج ماجوج سے انگریز مراد لینا موجب کفر نہیں ہو سکتا۔ نیز مصنف کتاب نے انگریز کے مراد ہونے پر جزم نہیں کیا بلکہ یوں کہا کہ " یاجوج ماجوج سے مراد انگریز ہیں یا کوئی اور "۔ لہٰذا اس قسم کے جملہ سے قائل کسی حد اور تعزیر کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸؍۹؍۱۳۷۰ھ

حضرت العلام حضرت مفتی صاحب دام فیضہ نے مصنف بلغۃ الحیران اور جامع کے متعلق جو پہلو

احتیاط اور عدم تکفیر کا اختیار فرمایا ہے وہی راجح اور صواب اور اعوط ہے۔ مگر جس کتاب کی عبارت جمہور اہل السنۃ والجماعت کے مسلک کے خلاف ہوں یا عوام کو ان سے ایہام و مغالطہ ہوتا ہو ایسی کتاب کی اشاعت اور مطالعہ کرنا جائز نہیں۔ اور اس کے جامع و ناشر تاویل یا اعتراف غلطی کر کے تکفیر و تفسیق سے تو بری ہو سکتے ہیں مگر اس کے ضرر اور اثم سے برائت کے لئے ضروری ہے کہ موجودہ کتاب کی اشاعت کو بند کیا جائے جب تک کہ اس کی اصلاح نہ کی جائے یا غلط مقامات کا اظہار بالتصریح نہ کیا جائے۔ واللہ الموفق۔ از احقر خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۱۹ : ۶ : ۱۳۷۰ھ

لقد اجاد من اجاب۔ ھذا ھو الحق والصواب فللہ در المفتی النحریر لا زال فیضہ الکثیر الآن حصحص الحق فلا یتعنت السائل فی تکفیر المسلمین سیما العلماء الوارثین بل لیھتد بھدایتہ المذکورۃ و یستعف ویستغفر عما صدر منہ الکبیرۃ لان التکفیر نسبۃ ان لم تجد صلاحا فی المنتسب الیہ فترجع الی المنتسب کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولکن ما قال استاذنا القمقام فی تصحیح البلغۃ وتغییرہ التام ھذا ھو الحق والحق احق ان یتبع فقط الاحقر محمد عزیز الرحمن المتوطن بہزارۃ المقیم فی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح ۔ عبدالشکور عفرلہٗ ، خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح والمزید علیہ من حضرت المہتم صحیح ونعم التصحیح ، جمال الدین الرشالی عفرلہٗ

الجواب صحیح

بندہ محمد صدیق غفرلہٗ ، معین مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹ : ۶ : ۱۳۷۰ھ

تفسیر بالرائے جو اصول و قواعد عربیہ کے خلاف ہو

قرآن کی تفسیر بالرائے کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ جب کہ ایسی تفسیر اپنی ہی رائے سے کی گئی ہو جبکہ ایسی تفسیر پر وہ مفسر بضد ہو۔ تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے ؟ قرآن و سنت کے مطابق جواب سے نوازیں۔

الجواب ائمہ تفسیر نے صحت تفسیر کے واسطے جن امور کو لازم قرار دیا ہے ان کا انحصار اصول ذیل میں ہے۔ ۱ : ہر آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی کی تفسیر کے

مطابق ہو۔ یا وہ کسی حدیث مرفوع یا اقوالِ صحابہ سے ماخوذ و مستنبط ہو۔

۲ : سیاق و سباق کے مطابق ہو۔

۳ : قواعدِ عربیہ اور اہلِ لسان کے استعمال کے موافق ہو۔

۴ : اصولِ شریعت اور دین کے ان تمام قواعد و ضوابط کے مطابق ہو جو دین کے اصولِ موضوعہ اور بنیادی امور کے درجہ میں طے اور ثابت ہیں اور ان پر اعتقاد و ایمان لازم ہے مثلاً آخرت یا جنت و جہنم جزاء و سزا وغیرہ

۵ : مقاصد قرآن کے ماتحت ہوں۔ ان اصولوں کی پابندی اور رعایت کرتے ہوئے کلام اللہ کی تشریح کو تفسیر کہا جاتا ہے۔ اور ان اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مضامین کی تشریح کو اصطلاح علماء میں تفسیر بالرائے اور تحریفِ قرآن کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ من قال فی القرآن برأیہ او بما لا یعلم فلیتبوأ مقعدہ من النار اھ۔ ترمذی و ابو داؤد و نسائی۔ تفصیل و امثلہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ مناہل العرفان ص ۲۶۷۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۲۳ : ۱۱ : ۱۴۰۳ھ

وقفِ لازم پر وقف لازم نہیں

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ قرآن کریم میں جن آیات کے ساتھ وقف لازم لکھا ہے وہاں ٹھہرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نہ ٹھہرا جائے اور اگلی آیت سے ملا دیا جائے تو جائز ہوگا یا گناہ؟

۲ : کیا قرأت اور تجوید کے قاعدے پر قاری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس آیت پر چاہے ٹھہرے اور جہاں چاہے نہ ٹھہرے خواہ مکمل آیت اور وقف لازم ہی کیوں نہ ہو؟

الجواب

جہاں پر وقف لازم لکھا ہوتا ہے وہ لازم بمعنی وجوب یا فرضیت نہیں بلکہ بمعنی استحسان مراد ہے لہذا وقف نہ کرنے میں گناہ نہیں ہوگا۔ اور وصل سے معنی مشتبہ ہوتا ہو تو وقف کو لازم سمجھا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

خیر محمد عفا اللہ عنہ ؛ ۷ ؛ ۴ ؛ ۱۳۸۸ھ۔

جس گھر میں قرآن مجید موجود ہو اس کی چھت پر چڑھنا

جس گھر میں قرآن مجید رکھے ہوں اس کی چھت پر چڑھنا کیسا ہے؟

۲ : مسجد کی چھت پر چڑھنا کیسا ہے؟

الجواب جس مکان کے اندر قرآن مجید ہو اس کی چھت پر چڑھنا جائز ہے۔ فهذا كما لو بال علی سطح بیت فیہ مصحف وذلك لا یکرہ۔ اھ، (شامی ج۱: ۶۱۵)

۲: مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولهذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ اھ

(عالمگیری: ج ۴ ص ۹۴)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۷؍۲؍۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان۔

ڈاک کی ٹکٹوں پر قرآنی آیات لکھنا ٹھیک نہیں محکمہ ڈاک پاکستان نے گیارہویں اسلامی کانفرنس اسلام آباد کے موقعہ پر ایک یادگار ٹکٹ جاری کیا ہے جس پر یہ آیت لکھی ہوئی ہے۔ واعتصمو بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقو۔" اس طرح اس آیت میں "مو" اور "قو" کے بعد الف رہ گیا ہے۔ محکمہ ڈاک کی توجہ اس طرف دلائی گئی مگر کوئی رد عمل نہیں ہوا بلکہ ٹکٹوں کی فروخت جاری ہے۔

الجواب ٹکٹوں پر قرآنی آیات لکھنا سوء ادبی ہے محکمہ کو یہ ٹکٹ ختم کر دینے چاہئیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۳۰؍۱۰؍۱۴۰۰ھ

قرآن پڑھنے کے بعد دعوت کھانا اگر کوئی کسی کے گھر قرآن پڑھنے جائے تو اسے اپنی خوشی سے کچھ دیدیں۔ یا کھانا کھلائیں یا خود مقرر کرے تو کیسا ہے؟

الجواب ایصال ثواب یا اس جیسے مقاصد کے لئے قرآن مجید پڑھنے پر کچھ بھی لینا جائز نہیں۔ خواہ پہلے سے مقرر کر لیا جائے یا دینا معروف ہو اور پڑھانے اور پڑھنے والے یہ سمجھتے ہوں کہ ضرور دیں گے۔ ایسے ہی پڑھنے کے بعد کھانا کھانے سے بھی احتراز مناسب ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۳؍۳؍۱۴۰۱ھ

آیاتِ قرآنیہ کو جلا کر دھواں لینا درست نہیں زید اپنے مریدوں کو ایسے تعویذ دیتا ہے جن میں بسم اللہ شریف اور دیگر آیات قرآنیہ ہوتی ہیں اور انہیں حکم دیتا ہے کہ ان کی دھونیاں بنا کر جلا دیں۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ قرآنی آیات کو لکھ کر ان کی دھونیاں بنا کر جلانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بسم اللہ شریف اور آیات قرآنیہ کو لکھ کر بطور تعویذ گلے میں یا بازو پہ پاک کپڑے، یا چمڑے میں لپیٹ کر باندھنا، لٹکانا جائز ہے حتیٰ کہ جنب اور حائض کے لئے بھی۔

ولا بأس بان یشد الجنب والحائض التعاویذ علی العضد اذا کانت ملفوفۃ۔

(شامی ج ۵، ص ۲۴۰)

لیکن ان تعاویذ کو جن میں اسماء الٰہیہ اور آیات قرآنیہ ہوں دھونیاں بنا کر جلانا ناجائز ہے کیونکہ یہ توہین ہے وفیہا یکرہ کتابۃ الرقاع فی ایام النیروز والزاقہا بالابواب لان فیہ اہانۃ اسم اللہ تعالیٰ (ج ۵ ص ۲۴۰) فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ

جن کاغذات پر اللہ و رسول کا نام لکھا ہو ان کو کیا کیا جائے آج کل خطوط، کتابوں، رسالوں اور اخباروں میں اللہ، رسول کے نام لکھے ہوتے ہیں کیا ان کی بے ادبی سے بچنے کے لئے یہ جائز ہے کہ ایسے ناموں کو قلم زد کر کے مٹا دیا جائے جس سے وہ اصل نام یا الفاظ نہ رہیں اور پھر عام ردی میں استعمال کر لیا جائے!

۲ ; کیا ہمارے زمانے کے کتابی محرف توریت اور انجیل کو ماننے والے حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا ماننے والے اور تین خدا ماننے والے کا ذبیحہ حلال ہے۔ اور ان کی عورتوں سے بغیر مسلمان کئے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۳ ; قبر تیار ہو جانے پر بہشتی زیور میں شامی اور رد المحتار کے حوالے سے اس پر شاخ رکھنا لکھا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معذب قبروں پر شاخ گاڑی تھی تو قبر پر سبز شاخ رکھنا مستحب ہے یا گاڑنا۔

۴ ; جب کہ حدیث میں معذب قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سبز شاخ گاڑنا لکھا ہے اور قبر کی تیاری پر سبز شاخ رکھنے یا گاڑنے کا حکم نہیں دیا۔ نہ عام قبروں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخ گاڑی نہ یہ صحابہ رضی کا تعامل رہا بلکہ بطور معجزہ ایک واقعہ ہے تو حنفیہ کے نزدیک اس کو مستحب کیوں قرار دیا گیا ہے۔

الجواب ۱ ; اسمائے محترمہ کے مٹانے کے بعد اس کاغذ کا ردی میں استعمال کرنا درست ہے۔ مگر بے ادبی نہ کی جائے۔ پاؤں وغیرہ میں نہ روندا جائے۔ ولا یجوز لف شئی فی کاغذ فیہ مکتوب من الفقہ وفی الکلام اولیٰ ان لا یفعل وفی کتب الطب یجوز ولو کان فیہ اسم اللہ تعالیٰ او اسم النبی علیہ السلام یجوز محوہ لیلف فیہ شئی اھ۔ (شامیہ، ج ۵، ص ۲۵۱)۔

۲ ؛ قرآن حکیم میں ان کے شرکیہ عقائد ذکر کرنے کے باوجود ان کو اہلِ کتاب کہا گیا ہے لہذا جو لوگ واقعۃً یہودیت یا عیسائیت کے پیروکار ہیں۔ وہ اہل کتاب ہیں اور ان پر اہلِ کتاب کے احکام نافذ ہوں گے البتہ جو لوگ حقیقۃً دہریہ ہیں اور صرف مردم شماری میں اپنے آپ کو عیسائی یا یہودی لکھواتے ہیں وہ ہرگز اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہیں۔ ایسے ہی جو اسلام لانے کے بعد معاذ اللہ یہودی یا نصرانی بنے وہ بھی اہلِ کتاب سے نہیں۔ اور جن پر اہل کتاب کا لفظ صادق آتا ہے ان کا ذبیحہ جائز ہے۔ کیونکہ ذبیحہ کے احکام اہل کتاب کے ہاں بھی وہی ہیں جو مسلمانوں میں ہیں۔ البتہ کوئی اہلِ کتاب دانستہ اللہ کا نام ذبیحہ پر ذکر نہ کرے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حلال نہیں جیسا کہ مسلمان کا ایسا ذبیحہ حلال نہیں۔ باقی رہا نکاح کا مسئلہ تو گو ان عورتوں سے نکاح کرنا حرام تو نہیں مگر بہت سے دینی و دنیاوی مفاسد کی بنا پر فقہاء نے اس سے منع کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں بعض صحابہ رضؓ نے ان کی عورتوں سے نکاح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سختی سے منع فرمایا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو یہاں تک لکھا اعزم علیك ان لا تضع کتابی حتی تخلی سبیلھا یعنی میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے کر آزاد کر دو۔ (کتاب الآثار لمحمد ص ۹۵)

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، معارف القرآن، ج ۳، ص ۴۲ میں لکھتے ہیں کہ

"الغرض قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ رضؓ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی پرہیز کریں۔" اھ۔

۴ ؛ ان سے عذاب میں تخفیف ہونے کے بارے میں علماء کے مختلف قول ہیں۔ بعض نے اس کو آنحضرت علیہ السلام کی خصوصیت کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ نے دعاء فرمائی تھی کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں عذاب میں تخفیف رہے۔ ان اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ اس شاخ کے سبز ہونے اور اس کی تسبیح کرنے کی بناء پر عذاب میں تخفیف ہوئی۔ مگر راجح پہلا قول ہے۔ کیونکہ اگر یہ شاخ کی خاصیت ہوتی تو بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایسا کرتے۔ صحابہ رضؓ کا عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تشریح ہوتا ہے۔ غالباً شامی اور بہشتی زیور میں آخری قول کی بناء پر استحباب لکھا ہے۔ ورنہ فتاوی دارالعلوم میں ہے۔ ج ۵، ص ۴۱۵

"علماءِ حنفیہ نیز محققین نے اس کو آنحضرت علیہ السلام کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے۔"

اور رفع عذاب کو آپ کی برکت کی وجہ سے مخصوص کیا ہے لہٰذا احوط اس کا ترک کرنا ہے۔

الجواب صحیح فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۵/۳ محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۱ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

قرآن کو بوسہ دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ بعض لوگ قرآن مجید کو کھولنے سے قبل اس کو بوسہ دیتے ہیں آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

محمد اسماعیل ونجارہ۔

الجواب قرآن مجید کو بوسہ دینا جائز ہے۔ روی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یأخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویقول عہد ربی ومنشور ربی عزوجل وکان عثمان رضی اللہ عنہ یقبل المصحف ویمسحہ علی وجہہ۔

درمختار علی الشامیہ ج ۵، ص ۲۴۶)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو قرآن آہستہ پڑھنا چاہیئے

عشاء کی اذان کے بعد فرض کی نماز جماعت ہونے سے پہلے دو حافظ قرآن، ایک دوسرے کو قرآن سنا رہے ہوں۔ اور دوسرے نمازی حضرات اسی دوران مسجد میں آکر سنت غیر مؤکدہ پڑھنا شروع کر دیں تو اس صورت میں حافظ صاحبان قرآن پڑھنا بند کر دیں یا نمازی سنت پڑھنا۔ یا قرآن آہستہ پڑھا جائے۔ لیکن آہستہ پڑھنا ناممکن ہے کیونکہ ایک دوسرے کو سنانا پڑھتا ہے۔

۲ : سورۃ اقرأ میں آیت نمبر ۱۴ فلیدع نادیہ جب ایک طالب علم اس آیت کو پڑھ رہا تھا تو وہ یہاں وقف کر رہا تھا، تو دوسرے سننے والے نے اعتراض کیا کہ یہاں پر وصلاً پڑھنا ہے آیا معترض صحیح کہتا ہے؟

الجواب اذان کے بعد قرآن مجید یا کوئی اور ذکر اتنی آواز سے پڑھنا جس سے لوگوں کی نماز میں خلل آئے درست نہیں ہے۔ پڑھنے والوں کو چاہیئے کہ آہستہ پڑھیں۔

۲ : فلیدع نادیہ ۵ پر گول آیت ہے۔ اور ہر گول آیت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وقف کیا ہے۔ اور آپ کے وقف کرنے ہی سے اور بتانے سے آیات کا پتہ چلا ہے۔ لہٰذا تمام گول آیات پر ٹھہرنا جائز ہے اس پر اعتراض کرنا بہت ہی بری بات ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص

سانس لمبا ہونے کی وجہ سے کئی آیات ایک سانس میں پڑھے تو بھی جائز ہے۔ غرض یہ کہ ٹھہرنا نہ ٹھہرنا دونوں جائز ہیں۔ اور ٹھہرنے پر اعتراض سنت پر اعتراض ہے۔ والسلام۔

الجواب صحیح — رحیم بخش

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۶؍۳؍۱۴۰۱ھ خیر المدارس ملتان

بسم اللہ قرآن پاک کی ایک مستقل آیت ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عند الاحناف فرض نماز کی ایک رکعت میں یٰسٓ۔ والقرآن الحکیم۔ انک لمن المرسلین۔ تین آیات پڑھ لی جائیں۔ تو کیا نماز بالکل درست ہو جائے گی۔

(یہ اشکال اس وجہ سے ہوا کیونکہ یٰسٓ پر اختلافی آیت ہے)۔

۲ : الحمد للہ رب العالمین۔ ایک قرآنی آیت ہے۔ اس کے قرآنی آیت ہونے کا منکر شریعت کی رو سے کیا کہلائے گا؟

۳ : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ایک مستقل قرآنی آیت ہے۔ یا کسی قرآنی آیت کا جزء ہے۔ جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو قرآن پاک کی ایک پوری آیت تسلیم نہ کرے وہ کیسا ہے۔

۴ : ولا الضالین کے بعد آمین صرف نماز کے اندر کہنا چاہئے یا نماز سے باہر دوران تلاوت بھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

۱ : اگر بعد از فاتحہ صرف مرسلین تک پڑھا ہے تو عند البعض نماز ہو جائے گی۔

فمع عدم وجوده يعمل باطلاق عبارة الحلبي من الاكتفاء بالآية التي بلغت ثمانية عشر حرفا لاقامة واجب القرأة

اھ رافعی ج ۱ ص ۵۷۔

لیکن نماز کے معاملے میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی پر اکتفاء نہ کیا جاوے۔

۲ : الحمد للہ رب العالمین کا قرآنی آیت ہونا تواتر سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہے۔

۳ : اس پر تمام اہل سنت و اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ "بسم اللہ" سورۃ نمل میں قرآن کا جزء ہے۔ اس میں اختلاف ہے ائمہ کا کہ "بسم اللہ" سورۃ فاتحہ کا یا تمام سورتوں کا جزء ہے یا نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ "بسم اللہ بجز سورۂ نمل کے اور کسی سورت کا جزء نہیں بلکہ ہر سورت کے شروع میں فصل اور امتیاز ظاہر کرنے کے لئے

نازل ہونی مع ہذا تو نزل کے علاوہ کو آیت تسلیم نہ کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔
ولم تجز الصلوٰۃ بہا احتیاطا ولم یکفر جاحدھا لشبھۃ اختلاف
مالک فیہا اھ (درمختار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۵۸۴ ۔
۴ : خارج صلوٰۃ میں بھی آمین کہی جا دے ۔ (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۲ ص ۹۴۷ ۔

الجواب صحیح ۵ فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۵ محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۲ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اختلاف امتی رحمۃ اور نہی عن التفریق میں تطبیق

استفتاء : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث شریف کے اندر آتا ہے " اختلاف امتی رحمۃ " اور قرآن مجید اس کی تکذیب کرتا ہے " ولا تکونوا کالذین تفرقوا الخ اور " من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا الخ ؟

الجواب : سائل کو معلوم ہونا چاہئے کہ اختلاف دو قسم کا ہے ایک وہ جو نیک نیتی پر مبنی ہو ۔ جیسے اختلاف رائے کہتے ہیں جیسا کہ دو شخص لاہور جانا چاہتے ہیں ۔ اور ان دونوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے ۔ ایک شخص کہتا ہے کہ موٹر اور لاری کے ذریعہ سے خرچ کم واقع ہوگا ۔ اور سواریاں بھی اندازے کی ہوں گی میں تو موٹر سے جاؤں گا ۔ کچھ آدمی اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں ۔ دوسرا شخص یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ میں ریل گاڑی سے جاؤں گا ۔ کیونکہ ریل گاڑی کا سفر بہ نسبت موٹر کے زیادہ محفوظ ہے اور اس پہ وقت بھی کم صرف ہوتا ہے کچھ آدمی اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں ۔ اب اس اختلاف میں یہ فائدہ ہے کہ یہ لوگ سہولت سے لاہور پہنچ جائیں گے ۔ جو جلدی پہنچنا چاہتے ہیں وہ گاڑی سے اور جو کم پیسے والے ہیں وہ موٹر سے پہنچ جائیں گے ۔ اب دیکھئے یہ اختلاف موجب رحمت ہو گیا ۔ ہر شخص کو اپنے مزاج کے ماتحت طریق کار اختیار کرنے کا موقع مل گیا ۔ ایسا اختلاف مذموم نہیں موجب رحمت ہے ۔ یہی مثال اختلاف ائمہ کی ہے کہ اصول میں اور بنیادی مقاصد میں اتفاق ہوتا ہے ۔ البتہ طریق کار میں اختلاف ہو جاتا ہے جو مضر نہیں ہے ۔ جیسا کہ یونانی اور ڈاکٹری طب تسمد دونوں کا صحت ہے لیکن طریق کار کا اختلاف ہے تو کیا یہ اختلاف مضر ہے ؟ ہرگز نہیں بلکہ مفید ہے ۔ کیونکہ بعض طبائع کو یونانی علاج موافق آتا ہے اور بعض کو ڈاکٹری ۔ سخت نادان اور جاہل ہیں جو بلا سوچے سمجھے اس حدیث کی تکذیب کرتے ہیں ۔ اور اس کو قرآن مجید کے مخالف

سمجھ لیتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ آریہ سماج اور عیسائی لوگ بلا سوچے سمجھے قرآن مجید کی بعض آیات کو دوسری آیات کے معارض بنا دیتے ہیں۔

دوسرا اختلاف وہ ہے جو کہ خود غرضی اور نفسانیت پر مبنی ہو جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا۔ بعض لوگ جو تھوڑے سے تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور اکثر یہود و نصاریٰ نے ان سے اختلاف کیا۔ اور اختلاف کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان پر حق مخفی تھا بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ جیسا کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے۔

۱ : الذین اتینٰھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم (الآیۃ)

۲ : فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ۔ (الآیۃ)

وجہ اختلاف یہ تھی کہ ان کو یہ ڈر تھا اگر ہم مسلمان ہو گئے تو لوگوں کی طرف سے جو آمدنی نذرانے وغیرہ کی حاصل ہو رہی ہے، بند ہو جائے گی۔ اس وجہ سے انہوں نے اختلاف کیا اور کئی فرقے بن گئے۔ یہ سب فرقے نفسانیت پر مبنی تھے۔ اب اس اختلاف میں ایک فرقہ ایسا بھی تھا جو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا تھا۔ یہ حق پہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف کی ومن اھل الکتاب امۃ قائمۃ۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ آج بھی جو اختلاف نفسانیت پر مبنی ہو وہ حرام ہے اور ناجائز ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں کہ سب فرقے غلط ہو جائیں۔ جیسا کہ اہل کتاب میں اختلاف پڑ گیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک فرقہ کی تعریف کی۔ کہ وہ حق پر قائم ہے۔ ایسا ہی مسلمانوں میں جو اختلاف نظر آتا ہے ضروری ہے کہ اس میں بھی ایک فرقہ ایسا ہو جو حق پر قائم ہو۔ اور وہ ہے اہل السنۃ والجماعت۔ اور اہلسنت میں جو حنفی، شافعی وغیرہ کا اختلاف نظر آتا ہے۔ وہ پہلی قسم کا اختلاف ہے جو موجب رحمت ہے اس کی وجہ سے فقہی صورتوں میں توسیع ہو کر اُمت کے لئے آسانی ہو گئی ہے وہ مذموم نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفر لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

ہاروت ماروت کی طرف منسوب قصہ غلط ہے

س: کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ہاروت ماروت کے بارے میں روایت ہے کہ ایک عورت پر عاشق ہوتے تھے اور اس کو اسم اعظم سکھایا اور وہ ناچ میں بہرکت اسم اعظم آسمان پہ چلی گئی اور اب وہ زہرہ ستارہ کہلاتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب یہ ہاروت ماروت والا قصہ بالکل غلط ہے۔ اس کی کوئی سند نہیں۔ اگرچہ یہ بعض تفاسیر میں بھی ملتا ہے لیکن ان حضرات کو اس کے نقل کرنے میں دھوکا ہوا ہے۔ چنانچہ دوسری تفاسیر صحیحہ نے اسکی رد کی ہے۔ جیسے تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۱۹۱ میں ہے۔

وما روی فی قصتہما من انہما شربا الخمر وسفکا الدم وزنیا وقتلا وسجدا للصنم فمما لا تعویل علیہ لان مدارہ روایۃ الیہود الخ وھکذا فی تفسیر الجمل۔

اور تفسیر خازن میں اس قصہ کو کئی سندوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے لیکن ان کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ کہ یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ تفسیر بیان القرآن میں اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس میں اس اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ کہ جس بات کی پوری تحقیق نہ ہو، یا کوئی بات غلط مشہور ہو اس کو اس میں ذکر نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا اس قصہ کو بھی اس میں نہیں ذکر کیا گیا۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ خادم دارالافتاء خیرالمدارس ملتان۔ اصغر علی عفرلہٗ معین مفتی خیرالمدارس ملتان۔

۲۵ صفر المظفر ۱۳۹۳ھ

نسخ کے بارے میں محقق رائے باسمہٖ تعالیٰ؛ قابل صد احترام حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

کے بعد عرض ہے کہ جب سے حضرت بھلوی رحؒ کی اصطلاحات القرآن میں نسخ کی بحث پڑھی ہے ناکارہ کے ذہن کے لئے معمہ بن گئی ہے۔ وہ نسخ کی بحث میں فرماتے ہیں کہ علامہ سیوطی رحؒ نے "اتقان" میں اور "ابن عربیؒ" نے بیس آیتوں میں نسخ تسلیم کیا ہے۔ ان کے بعد علامۂ زمان حضرت محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان پانچ آیات میں نسخ کا انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن میں کوئی آیت بھی منسوخ نہیں۔ نہ احکام میں نسخ ہوا ہے اور نہ آیات کے الفاظ میں۔ اور جن الفاظ کو منسوخ کہا جاتا ہے وہاں دراصل تعمیم و تخصیص ہے۔ یا یہ کہ وہ احکام اصل میں واجب و فرض نہ تھے۔ لوگ ان کو عملاً واجب سمجھتے تھے۔ دوسری آیت کے نزول کے بعد واضح ہوگیا کہ یہ عمل واجب نہ تھا جس کو علماء نے نسخ سمجھ لیا۔

جن آیات کو منسوخ التلاوت کہا جاتا ہے دراصل وہ قرآن نہ تھا۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تھی جن کو صحابہ رضؓ نے تبرک سمجھ کر ان آیات سے ملا کر مصاحف میں لکھ دیا تھا۔ قرآن کریم جب جمع کیا گیا تو ان تفسیری جملوں کو ترک کر دیا گیا جس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ منسوخ التلاوت ہوگئے

اور بے احتیاط محدثین نے اس کی بابت روایت کردی جو بیشتر غلط ہے ۔
لیکن اس کے بالمقابل مولانا تقی عثمانی صاحب ظلہ اپنی کتاب علوم القرآن میں نسخ کی بحث کرتے ہوئے صفحہ ۱۶۷ میں فرماتے ہیں کہ ۔
" جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایسی آیات موجود ہیں جن کا حکم منسوخ ہوچکا ہے لیکن معتزلہ میں سے ابومسلم اصفہانی کا کہنا یہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی ۔ بلکہ تمام آیات اب بھی واجب العمل ہیں ۔ ابومسلم اصفہانی کی اتباع میں بعض دوسرے حضرات نے بھی یہی رائے ظاہر کردی ۔ اور ہمارے زمانے میں اکثر تجدد پسند حضرات اسی کے قائل ہیں ۔ چنانچہ جن آیتوں میں نسخ معلوم ہوتا ہے یہ حضرات ان کی ایسی تشریح کرتے ہیں کہ جس سے نسخ تسلیم کرنا نہ پڑے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ موقف دلائل کے لحاظ سے کمزور ہے اور اسے اختیار کرنے کے بعد بعض قرآنی آیات کی تفسیر میں ایسی کھینچا تانی کرنی پڑتی ہے جو اصول تفسیر کے بالکل خلاف ہے "
اب آپ ہی بتلائیں کہ ہم کس کے موقف کو لیں ۔ اگر بالفرض ہم نسخ کو تسلیم نہیں کرتے تو قرآن کریم کی آیت " ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا " کا کیا مطلب ہوگا ۔ معاذ اللہ میرا مقصود حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمۃ پر اعتراض کرنا نہیں ۔ وہ تو علم کے بحر عمیق تھے ۔ لیکن میرا ذہن مشوش ہوگیا ۔ دو متضاد باتوں کو دیکھ کر ۔ آپ برائے مہربانی ان کا مفصل و مدلل جواب دیں ۔ صرف ہاں یا نہیں میں جواب نہ ہو ۔ کیونکہ طالبات کو پڑھانا ہوتا ہے ۔ اس لئے حضرت انور شاہ صاحب کشمیری رح کے موقف کی وضاحت کردیجئے جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء ۔
علماء ربانیین اکابر کا فریضہ ہے کہ وہ سائلین کے سوالوں کی تشفی کریں ۔ امید ہے آپ اپنے فریضے سے بطریق احسن سبکدوش ہوں گے ۔ والسلام

فقط جواب کی منتظر

دختر غلام قادر ستیال

الجواب نسخ کا مسئلہ اجماعی ہے ۔ پوری امت مسلمہ میں سے کسی نے نسخ کا انکار نہیں کیا بجز معتزلہ کے اور ان پر بھی علماء نے ہمیشہ رد کیا ہے روح المعانی ج ۱ ص ۳۵۲ میں ہے " واتفقت اھل الشرائع علی جواز النسخ و وقوعہ و خالفت الیھود غیر العیسویۃ فی جوازہ و قالوا یمتنع عقلا و ابو مسلم الاصفہانی فی وقوعہ فقال انہ وان جاز عقلا لکنہ لم یقع "

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ "معارف القرآن" جلد ۱، ص ۲۸۶ - میں لکھتے ہیں
"امت کے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے بھی وقوع نسخ کا مطلقاً انکار نہیں کیا خود حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تطبیق کر کے تعداد تو کم بتلائی ہے مگر مطلقاً وقوع نسخ کا انکار نہیں فرمایا۔ ان کے بعد بھی اکابر علماء دیوبند بلا استثناء سبھی وقوع نسخ کے قائل چلے آئے ہیں کسی نے بھی وقوع نسخ کا مطلقاً انکار نہیں کیا۔ واللہ اعلم"

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی مطلقاً نسخ کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ بایں معنی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی کہ اسکے تحت مندرجہ جزئیات اور صورتوں میں سے کسی صورت یا جزئی پر عمل نہ ہو رہا ہو۔ مثلاً آیت کریمہ " وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين الآية " کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں کہ غنی کے حق میں یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ اسے روزہ ہی رکھنا فرض ہے۔ البتہ شیخ کبیر وغیرہ کے حق میں اب بھی باقی ہے۔ یعنی اس کے تحت کئی صورتیں تھیں کچھ منسوخ ہو گئیں اور کچھ باقی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حضرت شاہ صاحب رح کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ کوئی آیت یا کوئی حکم کسی صورت میں بھی منسوخ نہیں ہوا۔ بالفاظ دیگر مطلق نسخ کا حضرت شاہ صاحب رح بھی انکار نہیں کرتے۔

فیض الباری شرح بخاری، ج ۳، ص ۱۴۷ - میں حضرت کے الفاظ ہیں۔

انكرت النسخ رأسا وادعيت ان النسخ لم يرد في القرآن رأسا اعنى بالنسخ كون الآية منسوخة في جميع ما حوته بحيث لا تبقى معمولة في جزئي من جزئياتها فذالك عندي غير واقع وما من آية منسوخة الا وهي معمولة بوجه من الوجوه وجهة من الجهات۔ اھ

حضرت مہلوی قدس سرہ کی عبارت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ جو سوال میں درج ہے۔ اس کے بعد بھی کوئی الجھن باقی رہے تو دوبارہ استفسار کر لیں۔

فقط واللہ اعلم۔ الجواب صحیح
محمد انور عفا اللہ عنہ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

حج سے واپسی کے بعد حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے جواب لکھا۔

الجواب نسخ کے سلسلے میں جمہور اہلسنت والجماعت کا مذہب حق ہے حضرت علامہ انور شاہ رح کی جو رائے فیض الباری وغیرہ سے معلوم ہوتی ہے۔ وہ جمہور کے خلاف نہیں۔ بلکہ یہ اختلاف لفظی کے قریب ہے۔ جمہور کسی آیت کو جس معنی کے اعتبار سے منسوخ کہتے ہیں حضرت شاہ صاحب بھی آیت کے اس حقیقی و واقعی حکم کو ظاہری صورت میں باقی نہیں مانتے بلکہ وہ بھی منسوخ ہی کہتے ہیں

لیکن اس کے باوجود اسی آیت کا ایسا محل تجویز کرنے کی گنجائش سمجھتے ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں یا کسی نہ کسی زمانے کے اعتبار سے قابلِ عمل ہو۔ گویا اس وجہ بعید کی بناء پر آیت معمول بہا رہ گئی۔ من کل الوجوہ منسوخ نہ ٹھہری۔ اور آیت شریفہ ماننسخ الخ اور اس کی روشنی میں جمہور کا مذہب آیت کے ظاہری، اصلی، اور عمومی حکم کے بارے میں ہے۔ پس نفی و اثبات کا محل واحد نہیں اس لئے حضرت شاہ صاحب رح اور جمہور کے مسلک میں کوئی خاص تعارض نہیں۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ تعالےٰ نقل فرماتے ہیں۔

والشیخ یقول لایکاد یوجد شئی من القرآن المتلو منسوخا بحیث لا یبقی حکمہ فی وجہ من الوجوہ أو محمل من المحامل بل لاجرم یوجد حکمہ مشروعا فی مرتبۃ من المراتب و حال من الاحوال وزمن من الازمان اھ یتیمۃ البیان، ص ۷۹۔

فیض الباری کی عبارت میں بھی یہ تھا۔ ومامن آیۃ منسوخۃ الا وھی معمولۃ بوجہ من الوجوہ وجہۃ من الجہات اھ

آیت کے منسوخ ہونے کی تصریح کرنے کے باوجود پھر کسی جہت سے معمول بہا ہونے کا دعوےٰ فرمارہے ہیں۔ اصطلاحات القرآن سے جو تفصیل نقل کی گئی ہے یہ تفصیل نہیں ملی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

ایک آیت کی غلط تفسیر کی نشاندھی

الشیار مورخہ ۳ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ جلد ۲۴۔ میں اَحَسِبَ النَّاسُ الآیہ سورۃ عنکبوت۔ کی تفسیر میں ہے "اور کچھ لوگ ایمان لانے کے بعد جب دردناک اذیتوں سے دوچار ہوئے تو پست ہمت ہو کر کفار کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے" کیا یہ تفسیر صحیح ہے؟ محمد صدیق سکھر سندھ

الجواب یہ جملہ واقعی وحشتناک اور سوء ادبی ہے۔ ہمیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایسی جماعت کا علم نہیں جنہوں نے علانیہ اظہارِ اسلام کیا ہو اور پھر اذیتوں کے سبب سے برگشتہ ہوئے ہوں۔ العیاذ باللہ تعالےٰ۔ سیر و تاریخ کی کتب میں اس کے برعکس صحابہ رض کی استقامت کے واقعات ملتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۱ ،۱۰ ،۱۳۹۶ھ

مذکورۃ آیت کی تفصیل و ترجمہ۔

ترجمہ ! کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے میں چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا ؟

آیت کا شانِ نزول وتفصیل۔

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی دیوار سے تکیہ لگائے سایہ میں بیٹھے تھے تو بعض صحابہؓ نے مشرکین کی شکایت کی کہ وہ ہمیں طرح طرح سے ایذائیں پہنچا رہے ہیں۔ آپ ہمارے لئے دعاء کریں کہ کافروں کا ظلم وستم ہم سے ٹل جائے۔ یہ سن کر آپؐ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم سے پہلے گزشتہ دین داروں کے سر آروں سے چیرے گئے اور ان کے دو ٹکڑے کئے گئے۔ مگر وہ اپنے دین سے نہیں ہٹے اور بعض کے سروں میں لوہے کے کنگھے کئے گئے کہ گوشت چیر کر ہڈیوں تک پہنچ گئے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہیں پھرے۔ اور قسم ہے خدا کی کہ یہ دین اسلام مکمل ہو کر پورا ہو کر رہے گا یہاں سوار صنعاء سے لے کر حضر موت تک امن وامان کے ساتھ چلا جائے گا۔ اور اسے کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہوگا۔ لیکن تم جلدی کرتے ہو۔

مطلب یہ ہے کہ تم عجلت نہ کرو۔ صبر اور استقامت سے کام لو۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا انتظار کرو۔ اور کافروں کی طرف سے تم کو ایذائیں پہنچ رہی ہیں وہ من جانب اللہ ہیں۔ اور یہ آزمائش وامتحان ہیں۔ تاکہ مخلص اور منافق کا فرق ظاہر ہو جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شعبی سے روایت ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جو مکہ میں گھرے ہوئے تھے اور بخوفِ کفار ہجرت نہیں کر سکتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے انہیں لکھا کہ تمہارا اسلام مقبول نہیں ہو سکتا جب تک تم ہجرت نہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے ہجرت کی مگر کفار ان کو واپس لے گئے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ الٓمٓ ۚ احسب الناس ان یترکوا الخ

(معارف القرآن : مصنفہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ، ج ۵ ص ۳۵۲ تا ۳۵۴)

فرضوں کے فوراً بعد درسِ قرآن وحدیث کا حکم

ایک امام فرائض عشاء سے فارغ ہوتے ہی بلند آواز سے حدیث شریف کی تلاوت شروع کر دیتا ہے جب کہ جماعت میں شامل اکثریت امام کے ساتھ فارغ ہو جاتی ہے لیکن دو تین افراد مسبوق ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ امام ہماری نماز کے اختتام کا انتظار کرے۔ کیونکہ ہماری نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ امام کا موقف یہ ہے کہ اکثریت کا اعتبار ہوگا۔ اور دو تین افراد کے لئے اجتماعی امر کو مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ اگر ان دو تین کی رعایت کی جائے تو ان کے فارغ ہونے تک دو تین اور آ

جائیں گے اور مساجد میں اوقات نماز میں یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہتا ہے جس کی وجہ سے درس و وعظ کا سلسلہ پھر کسی وقت بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مساجد میں لوگ نماز ہی کے اوقات میں آتے ہیں۔ فرمائیے! امام کا مؤقف شرعاً صحیح ہے یا دو تین افراد کی رعایت ضروری ہے؟ براہِ کرم جواب باحوالہ تحریر فرمائیں۔

۲ : ایک امام عشاء کے فرائض کے بعد ادائیگی سنن و نوافل سے پہلے پانچ سات منٹ ایک حدیث اور اس کا ترجمہ روزانہ سناتا ہے اور یہ سلسلہ سب نمازیوں کے اتفاق و رغبت سے شروع ہوا۔ کیونکہ اگر سب نمازیوں کا لحاظ رکھا جائے تو انتظار کی وجہ سے بہت تاخیر ہو جاتی ہے امام سے کہا گیا کہ فرائض کے بعد سنن مؤکدہ میں تاخیر ممنوع ہے۔ اس لیے یہ درس حدیث جائز نہیں۔ لیکن امام کا مؤقف یہ ہے کہ پانچ سات منٹ کی تاخیر اور فصل معمولی تاخیر ہے اس کا مضائقہ نہیں۔ البتہ فصل کثیر یعنی پندرہ بیس منٹ سنت کی تاخیر خلافِ سنّت ہے۔ اور فقہ کی کتب میں وصل کو مستحب قرار دیا ہے نہ کہ ضروری جیسا کہ کبیری ص ۳۲۴ سے معلوم ہوتا ہے۔

فالحاصل ان المستحب فی حق الکل وصل السنة بالمکتوبة من غیر تاخیر۔

اس لئے عدم جواز کا قول صحیح نہیں خلافِ استحباب کہا جا سکتا ہے۔ اور فی زمانہ جب کہ فتنۂ انکارِ حدیث شدت پر ہے درس حدیث بہت ضروری ہے اور حدیث کا سنانا بھی ضروریاتِ شرعیہ سے ہے۔

فرمائیے! امام کا مؤقف صحیح ہے یا عدم جواز کا قول صحیح ہے؟

۳ : جن فرائض کے بعد سنن مؤکدہ ہیں ان فرائض کے بعد سنن کی تاخیر علی الاطلاق ممنوع ہے یا امورِ دنیا کی بناء پر تاخیر جائز ہے۔ اگر علی الاطلاق تاخیر ممنوع ہے، تو فتاویٰ دارالعلوم، ج ۱، ۲ - ص ۲۲۲، سوال ۲۳۹ کی اس عبارت کی کیا توجیہ ہوگی۔

جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ ہیں ان میں فرضوں کے بعد زیادہ تاخیر کرنے کو مکروہ لکھا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ کچھ حرج نہیں۔ پس بہتر یہ ہے کہ امام جتنی دیر دعاء مانگے اس کے ساتھ دعاء مانگے۔ (از مفتی عزیز الرحمٰن)

سید محمد عبد الحنان

صدر منبع العلوم الاسلامیہ؛ ۲۱۳، بی پیپلز کالونی، لائل پور۔

الجواب اصل تو یہی ہے کہ درس قرآن یا حدیث سنتوں اور وتروں کے بعد ہو۔ کیونکہ اس میں نہ تو فرائض اور سنن و نوافل کے مابین فصل لازم آئے گا اور نہ مقتدیوں کو اعتراض کا موقعہ ملے گا۔ رہی یہ بات کہ ان اوقات میں نئے نمازیوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ انہیں پہلے سے مطلع کیا جا سکتا ہے کہ اگر وہ درس میں شامل نہیں ہونا چاہتے تو وہ اپنی نمازیں مسجد کے کسی دوسرے حصے میں اندر یا باہر پڑھتے رہیں اور اگر نمازیوں کے آگے پیچھے فارغ ہونے کا خلجان ہو تو امام کی فراغت کو معیار قرار دیا جائے۔

اور اگر متنازع فیہ درس ایسی نماز کے بعد شروع ہو جایا کرے جس کے بعد سنتیں نہیں، تو یہ سب سے بہتر ہے۔ اور اگر نمازیوں کا اصرار اس پر ہو کہ درس سنتوں سے قبل ہی ہونا چاہئے تو اس صورت میں جو لوگ نمازیں شریک ہیں اور مسبوق ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔ انکی فراغت کے بعد درس شروع کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفرلہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۵/۷/۱۳۸۸ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

ایک موضوع روایت سے قرآن مجید کو غیر محفوظ ثابت کرنے کا جواب

ابن ماجہ ص۱۴۱ پر حدیث موجود ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ رجم کے متعلق اور رضاعت کبیر کے متعلق ایک صحیفہ لکھا ہوا تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہوا تو ہم آپ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے ایک بکری داخل ہوئی اور وہ اس صحیفہ کو کھا گئی۔

۲ : ایسے ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے منقول ہے کہ وہ آیت لیس علیکم جناح أن تبتغوا فضلا من ربکم میں فی مواسم الحج کا اضافہ کر کے پڑھتے تھے۔

مذکورہ بالا دونوں روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن کریم محفوظ نہیں ہے۔ اس میں جمع کے وقت کمی واقع ہوئی ہے۔

الجواب یہ حدیث کسی سند صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ ابن ماجہ کی سند میں محمد بن اسحاق نامی ایک راوی ہے۔ اس کے متعلق امام سلیمان التیمی رحؒ فرماتے ہیں۔ کذاب اور حضرت سیدنا امام مالک رحؒ فرماتے ہیں " دجال من الدجاجلۃ " کہ وہ دجالوں میں ایک دجال تھا۔

(میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۲۱)

اگر بالفرض اسے صحیح تسلیم بھی کر لیں تب بھی اس سے قرآن مجید پر نامکمل ہونے کا اعتراض غلط ہے کیونکہ اللہ تعالٰی نے اپنے کلامِ پاک کی حفاظت ایسے طریقے سے کی ہے۔ جہاں نہ بکری کی پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی آبے پانی دھو سکتا ہے وہ حضراتِ صحابہ اور اہل ایمان کے منور سینے ہیں۔ دس ہزار سے زائد حضرات صحابہ رض اور صحابیات رض آپ کی زندگی میں حافظ ہو چکے تھے۔ (منازل العرفان، ص ۱۵)

جب کلامِ پاک ایک جم غفیر کے سینوں میں محفوظ تھا تو ایک آیت کیا سارے اوراق بھی بکری کھا جاتی تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ بالفرض اگر ایک آیت ہی کم رہ جاتی تو مدینہ منورہ کے گلی کوچہ سے صحابہ قطار در قطار مسجد نبوی کے سامنے آ کر لوگوں کو بتاتے کہ اے مسلمانو! دیکھو کہ یہ آیت قرآن میں نہیں لکھی گئی۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے حضراتِ صحابہ اور اہل بیت ازواجِ مطہرات رض اور خود حضرت علی رض موجود ہیں۔ لیکن کسی نے ایسی بات نہ کہی۔ کیا حضرت عائشہ رض اس وقت موجود نہ تھیں یہ آیت اس وقت کیوں نہ لکھوائی۔ معلوم ہوا کہ یہ آیت ہی نہ تھی اس کی نسبت حضرت عائشہ رض کی طرف کسی نے خواہ مخواہ کر دی۔ اور حضرت علی رض نے اعتراض تو در کنار بلکہ خود جمع صدیقی رض اور جمع عثمانی رض کو خراج تحسین پیش کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اعظم الناس اجرا فی المصاحف ابوبکر رحمۃ اللہ علی ابی بکر ھو اوّل من جمع کتاب اللہ۔

جمع عثمانی کے متعلق فرمایا۔

لو کنت الوالی وقت عثمان لفعلت فی المصاحف مثل الذی فعل (مناذل العرفان ط۱۵)

۲ ؛ لیس علیکم جناح الآیۃ

بخاری شریف میں اس آیت کا شان نزول یہ لکھا ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ بازار تھے۔ حجاج، حج میں کچھ تجارت بھی کر لیتے تھے۔ حضراتِ صحابہ رض نے اسلام لانے کے بعد اس مبارک سفر میں دنیا کے داخل ہونے کے باعث گناہ کا اندیشہ کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تجارت کر لینے میں کچھ حرج نہیں تو حضرت ابن عباس رض اس آیت کو پڑھتے وقت آگے فی مواسم الحج کا لفظ بطور تشریح و تفسیر پڑھا کرتے تھے کہ اس کا تعلق حج کے ساتھ ہے۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ لفظ جزو آیت ہے۔

(کذافی العسقلانی ۱ ج ص)

گو بعض نے ساتھ ملا کر پڑھنے سے یہ بھی سمجھا ہے کہ وہ بطورِ قرأت پڑھا کرتے تھے۔ لیکن ایسی صورت میں ائمہ تفسیر نے کہا ہے کہ اس قسم کی قرأتیں درحقیقت تفسیر ہوتی ہیں۔ ان کی حیثیت عام آیت کی سی نہیں ہوتی۔ اور اس کی نظائر قرآن مجید میں اور بھی ہیں۔

فقط واللہ اعلم — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

خارجِ نماز "تلاوت" سننا واجب نہیں

مشہور ہے کہ قرآن مجید پڑھنا سنت ہے اور سننا فرض ہے یہ سمجھ سے بالا تر ہے۔ اگر کسی خاص وقت میں یہ حکم ہے یا عام حالات میں بھی؟ اگر نماز میں دیکھیں تو اقتداء کی صورت میں سننا فرض ہے اور انفرادی حالت میں پڑھنا فرض ہے۔ پس صورتِ حال یہ ہے کہ نماز کے باہر تردد ہے۔ لہٰذا صحیح صورت واضح فرمائیں بیّنوا توجروا۔

الجواب: خارجِ نماز میں سماعِ قرآن میں دو قول ہیں۔ ایک تو وہی جو مشہور ہے کہ سننا واجب ہے۔ لیکن حضرت تھانوی قدس سرہ امداد الفتاویٰ، ج ۴، ص ۵۹۔ میں لکھتے ہیں کہ میں آسانی کے لئے اسی کو اختیار کرتا ہوں کہ خارجِ صلوٰۃ سننا مستحب ہے۔ لہٰذا کوئی اشکال نہ رہا۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ ۲۴ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھی جائے

سورۂ توبہ کے شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟ یا درمیان میں پڑھنی چاہیئے یا کہ نہیں؟

الجواب: جو شخص اوپر سے سورۂ انفال کی تلاوت کرتا ہوا آئے وہ بسم اللہ نہ پڑھے لیکن جو شخص سورتِ توبہ کے شروع یا درمیان میں سے اپنی تلاوت شروع کر رہا ہے تو اس کو چاہیئے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر شروع کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۷/۶/۱۴۰۶ھ

حمد باری تعالیٰ سے ابتداء کی حکمت

قرآنِ حکیم کی ابتداء سورۃ فاتحہ سے ہوتی ہے اور اس میں خود اللہ تعالیٰ اپنی بڑائی بیان فرماتے ہیں۔ مخلوق کو بڑائی کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا گیا؟ — محمد یعقوب، شامی کلاتھ ہاؤس راولپنڈی

الجواب: تمام دین کی بنیاد معرفتِ خداوندی پر ہے۔ یہ معرفت جتنی کامل ہوگی دین میں اتنا ہی رسوخ اور استقامت نصیب ہوگی۔ صحیح معرفتِ خداوندی کا صرف ایک ہی طریق ہے وہ یہ کہ خود حق جل شانہ اپنی ذات وصفات کا تعارف کرائیں۔ اس لئے صفات وعظمتِ خداوندی کا بیان ضروری ہوا۔

فقط واللہ اعلم: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۸/۱۱/۱۳۹۹ھ

کتب تفسیر کو بھی بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے

قرآن پاک کی تفسیر و کتب حدیث و فقہ کو بغیر وضو ہاتھ لگانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب مذکورہ کتب کو بھی باوضو ہاتھ لگانا چاہیئے۔

ومشی فی الفتح علی الکراھۃ فقال وقالوا یکرہ مس کتب التفسیر والفقہ والسنن لانھا لا تخلوا عن آیات القرآن۔ اھ (شامی ج ۱ ص ۱۲۳)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷/۲/۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

قرآن حکیم کی طرف پشت کرنا

تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے طلباء کو کمروں میں ایک دوسرے کے آگے پیچھے بٹھانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے قرآن پاک کو پیٹھ ہوتی ہے۔ نیز طلباء کو پڑھائی کے دوران حدث لاحق ہو جاتا ہے۔ اگر طلباء کو بار بار وضو کروایا جائے تو پڑھائی کا نقصان ہوتا ہے۔ شرعاً ان دونوں مسائل کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب اگر طلبہ کی تعداد زیادہ ہو تو تپائی کی اگلی جانب تختیاں لگائی جائیں جو آڑ بن جائیں اور براہ راست قرآن مجید کو پیٹھ نہ ہو۔ نابالغ طلبہ کو ایک دفعہ وضو کرا دینا کافی ہے۔ بالغ طلبہ بے وضو ہاتھ نہ لگائیں البتہ پڑھ سکتے ہیں۔

ویکرہ مس صبی لمصحف ولوح ولا بأس بدفعہ الیہ وطلبہ منہ للضرورۃ۔ (شامی ج ۱ ص ۱۲۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۷/۲/۱۳۹۹ھ

میت کے قریب قرآن مجید پڑھنے کا حکم

میت کے پاس بیٹھ کر قرآن پاک پڑھنا کیسا ہے؟
المستفتی محمد احمد کہروڑ پکا۔

الجواب غسل سے پہلے میت مکمل ڈھکی ہوئی نہ ہو تو پاس بیٹھ کر جہراً پڑھنا مکروہ ہے

تکرہ القراءۃ عندہ حتی یغسل وعللہ الشرنبلالی فی امداد الفتاح تنزیھا للقرآن عن نجاسۃ المیت لتنجسہ بالموت قیل نجاسۃ خبث و قیل حدث وعلیہ فینبغی جوازھا کقراءۃ المحدث۔ وفی الشامی ان

محل الکراھۃ اذا کان قریبا منہ اما اذا بعد عنہ بالقرأۃ فلا کراھۃ اھ قلت والظاھر ان ھذا ایضا اذا لم یکن للمیت مسجیّ بثوب یستر جمیع بدنہ لانہ لو صلی فوق نجاسۃ علی حائل من ثوب او حصیر لا یکرہ فیما یظھر فکذا اذا قرأ عند نجاسۃ مستورۃ وکذا ینبغی تقیید الکراھۃ بما اذا قرأ جھرا اھ۔ (شامی، ج ۱، ص ۵۷۳)۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جس گھر میں قرآن ہو اس میں مجامعت کرنا

ہمارے علاقہ میں یہ مشہور ہے کہ قرآن شریف اپنے گھر رکھنا فرض عین ہے۔ جس کرہ میں قرآن شریف رکھا ہوا ہو تو اس کرہ میں ہمبستری کرنا درست ہے یا نہیں؟

محمد حسین بلوچستان

الجواب اگر قرآن مجید کپڑے میں لپٹا ہوا ہو اور اونچا رکھا ہو تو کوئی حرج نہیں۔ یجوز قربان المرأۃ فی بیت فیہ مصحف مستور اھ (عالمگیری، ج ۴، ص ۹۴)

فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۳/۷ ۱۴۰ھ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔

قرآن مجید میں مور کا پر رکھنے کا حکم

قرآن شریف میں مور کا پر رکھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب امداد الفتاوی: ج ۴، ص ۸۵ میں ہے کہ "کوئی امر مانع نہیں لہذا جائز ہے"

فقط واللہ اعلم: محمد انور عفا اللہ عنہ ۷/۴/۷ ۱۴۰ھ

قرآن کریم میں تکرار کی حکمت

قرآن حکیم کی آیات و مضامین میں تکرار بہت ہے۔ ایک بات بار بار کی گئی ہے اس میں کیا حکمت و فائدہ ہے؟ وضاحت سے ارشاد فرمائیں۔

بشیر احمد قادری: مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہا ولنگر۔

الجواب نزولِ قرآن سے ایک بڑا مقصد تذکیر بھی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کا ایک نام "الذکر" بھی ہے ارشادِ خداوندی ہے انا نحن نزلنا الذکر الخ (پ ۱۴)۔

نیز ارشاد ہے ان ھذہ تذکرۃ۔
اس کے علاوہ تذکیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض سے قرار دیا گیا۔

۱ : فذکر ان نفعت الذکریٰ۔

۲ : فذکر بالقرآن من یخاف وعید۔ (پ ۲۶)

مضامین ترغیب و ترہیب کا بار بار ذکر کیا جانا، نیز خداوند قدوس کی بے نہایت قدرت اور اس کی صفات جلالیہ و جمالیہ کا مناسب مقامات میں بہ کرات اعادہ تذکیر کے لئے نہایت ضروری اور بالبداہت مفید ہے۔ پس قرآن کریم میں معجزانہ انداز پر اہم مضامین کا اعادہ خلاف حسن و بلاغت نہیں بلکہ عین مقصود ہے۔ قرآن کریم کی مثال فنون کے کسی متن متین کی سی نہیں جس سے مقصود طالبین کے لئے اخصر ترین الفاظ میں محض انضباط مسائل ہوتا ہے نہ کہ طلب کا پیدا کرنا جو مقصود قرآنی ہے۔ متون کی وضع تسہیل طالبین کے لئے ہے بخلاف قرآن کے کہ اس کا موضوع طالبین حق کو پیدا کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی دعوت سے پورے عالم میں ہل چل پڑ گئی اور مدتوں سے نشۂ غفلت میں مدہوش اور صدیوں کی خوابیدہ قومیں بیک بانگ اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور فنی متون کی پوری تاریخ میں ڈھونڈنے سے بھی شاید ایک ایسی مثال نہ مل سکے کہ ان کے اختصار نے کسی ایک غیر طالب کے دل میں شوق و طلب کا کوئی درجہ پیدا کر دیا ہو۔ پس قرآن کریم کے تکرار کو کسی دوسری کتاب پر قیاس کرنا غلط ہے۔ فنی کتب میں تکرار مذموم ہے اور قرآن کریم میں اس تکرار کا نہ ہونا۔ کیوں کہ دونوں کی وضع الگ الگ مقاصد کے لئے ہے۔

۲ : خداوند تعالےٰ نے انسانی طبائع میں اختلاف و تنوع رکھا ہے۔ بعض طبائع اپنی سلامتی کے سبب معمولی تحریک بلکہ محض اشارہ سے متاثر اور منفعل ہو جاتی ہیں۔ اور بعض کے لئے شدید تقاضے اور بار بار مطالبے کی حاجت ہوتی ہے۔

اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ کسی قسم کا تقاضا بھی انہیں متاثر نہیں کرتا۔ تو چونکہ قرآن بھی ایک دعوت اور مطالبہ ہے جس کے مخاطبین میں تینوں قسم کے انسان ہیں۔ اس میں دوسری قسم کے لوگوں کی رعایت کی بنا پر قرآنی دعوت کا بار بار اعادہ اور اس پر لبیک کہنے کا مطالبہ ضروری ہوا۔

۳ : قرآن کریم میں وحی کے بنیادی مسائل (توحید، رسالت، معاد وغیرہ) کو مختلف تعبیرات و عنوانات سے جگہ جگہ دہرایا گیا ہے۔ اور ان کے اثبات کے لئے متعدد طرق سے استدلال کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جیسے دیگر انسانی صفات باہم متفاوت ہیں اسی طرح فہم و ادراک قبول و تاثر کی قوت بھی اپنے اندر تنوع اور اختلاف کو لئے ہوئے ہے۔ بعض کے فہم سے ایک تعبیر زیادہ قریب ہوتی ہے۔ دوسرے بعض کے فہم میں دوسرا عنوان اور دوسری تعبیر ایک شخص ایک طرح سے حق کہنے کو قبول کرتا ہے، دوسرا شخص دوسرے طریقے پر کہنے سے۔

جیسا کہ دنیاوی امور و معاملات میں روزمرّہ کا مشاہدہ ہے۔ اور اس کے لئے تکرار و اعادۂ مقاصد لازم ہے۔ اور یہ عین حسن و مطلوب ہے۔ کما قال اللہ تعالے۔

ولقد صرفنا فی ھذا القرآن لیذکروا الآیۃ

۴: تکرار سے مضمون خوب قلب میں جم جاتا ہے۔ جب کہ مناسب طریق سے اعادہ ہو۔ کما قیل اذا تکرر تقرر۔

۵: تکرار مفید تاکید ہے۔ اور تاکید ایک صحیح مقصد ہے تو اہم مضامین کو مکرر لا کر مؤکد کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں بلکہ محاورات میں روزمرہ کا معمول ہے۔

سرسری طور پر غور کرنے سے تکرار کے یہ چند فوائد معلوم ہوئے ہیں جو معرض تحریر میں آگئے۔ ان میں حصر نہیں سمجھنا چاہئے۔

تنبیہ سورۂ رحمٰن میں فبای آلاء ربکما تکذبان الآیۃ بظاہر مکرر ہے لیکن حقیقت میں تکرار بے محل نہیں۔ کیوں کہ ہر آیت کا متعلق الگ ہے اصطلاح میں اسے تکرار نہیں کہا جاتا۔ فصحاء کے کلام نظم و نثر عربی اردو فارسی میں اس کے بے شمار نظائر موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے اس مقام پر بیان القرآن ملاحظہ ہو۔ وجوہِ بالا تکرار مقاصد سے متعلق تھے تکرارِ قصص و واقعات کی ایک مزید غرض یہ بھی ہے کہ ایک قصہ سے مختلف نتائج نکالے جاتے ہیں تو ہر ایک موقعہ پر ایک مناسب نتیجہ نکالنے کی غرض سے اس کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی اللہ عنہ ۱۱/۵/۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

دورانِ تلاوت آنحضرت علیہ السلام کے نامِ نامی پر درودِ پاک کا حکم

دورانِ تلاوت اگر آنحضرت علیہ السلام کا اسمِ گرامی آجائے تو درود شریف پڑھ کر آگے گزرے یا نہ پڑھیں۔ باحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔ ——— حبیب احمد، قاسم پور کالونی ملتان

الجواب افضل یہی ہے کہ قرآنِ حکیم کی تلاوت اسی کی ترتیب کے مطابق جاری رکھیں۔ البتہ تلاوت سے فراغت کے بعد درود شریف پڑھ لیں۔

ولو قرأ القرآن فمرّ علی اسم النبی فقراءۃ القرآن علی تالیفہ ونظمہ افضل من الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک الوقت فان فرغ

ففعل فهو افضل والا فلا شئ علیه اھ (شامی ج ۱: ص ۳۴۸)۔

فقط واللہ اعلم: محمد انور عفا اللہ عنہ۔

کیا شیطان قرآن پڑھ سکتا ہے

لوگوں میں مشہور ہے کہ قرآن پاک کو کھلا نہیں رکھنا چاہیئے وگرنہ شیطان قرآن پاک پڑھتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

حافظ سعید احمد: خیر المدارس ملتان

الجواب نصوص سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان قرآن نہیں پڑھ سکتا۔ البتہ مومن جن پڑھتے ہیں۔

سئل ابن الصلاح عن رجل یقول ان الشیطان یقدر ان یقرأ القرآن ویصلی ھو وجنودہ فاجاب ظاھر المنقول ینفی قرأتھم القرآن وقوعا ویلزم منہ انتفاء الصلوۃ منھم اذ فیھا قرأۃ القرآن وقد ورد ان الملئکۃ لم یعطوا فضیلۃ قرأۃ القرآن وھی حریصۃ علی ذلک وعلی استماعہ من الارض فاذن قرأۃ القرآن کرامۃ اکرمہ اللہ بھا الانس غیر ان المؤمنین من الجن بلغنا انھم یقرؤنہ اھ

(لقط المرجان فی اخبار الجان: للامام جلال الدین سیوطی رح)

فقط واللہ اعلم: محمد انور عفا اللہ عنہ: ۲۱ / ۳ / ۱۴۰۷ ھ

تلاوت کے دوران اذان شروع ہو جائے

اگر کوئی تلاوت کر رہا ہو اور درمیان میں اذان شروع ہو جائے تو تلاوت جاری رکھنا بہتر ہے یا تلاوت بند کر کے اذان کا جواب دیا جائے؟

حافظ کرم دین، ممتاز آباد ملتان۔

الجواب بہتر یہ ہے کہ تلاوت بند کر دی جائے اور اذان کا جواب دیا جائے۔

(کذا فی الشامیہ ج ۱ ص ۲۷۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴/۷/۱۴۰۴ھ

○

مَا يَتَعَلَّقُ
بِالْحَدِيثِ

لولاک لما خلقت الافلاک حدیث ہے یا نہیں

ایک مولوی صاحب نے مسجد میں درسِ قرآن دیا جس میں ایک نعت خواں کے منکہ ذیل جملوں کی تردید کی ,, نہ زمین ہوتی نہ آسمان ہوتا ، نہ عرش ہوتا نہ کرسی ہوتی ، نہ لوحِ محفوظ ہوتی ، نہ خدا کی خدائی ہوتی ، مولوی صاحب نے کہا ایسا کہنا گناہِ کبیرہ ہے۔ اور حدیث لولاك لما خلقت الافلاك موضوع ہے۔ اس پر مسجد میں ہنگامہ ہوگیا۔ واضح فرمائیں کہ مولوی صاحب کا ارشاد درست ہے؟

الجواب اس وقت مسلمانانِ پاکستان کی اکثریت افراط و تفریط میں مبتلا ہے۔ نعت خوان بھی غلو کہتے ہیں اس کے جواب میں کچھ مولوی صاحبان بھی غلو کرتے ہیں اعتدال سے کام لینا ضروری ہے لولاك لما خلقت الافلاك کے الفاظ موضوع ہیں لیکن مفہوم صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ ۹ ، ۲ ، ۹۶ھ

ایک حدیث کی تحقیق

ماہنامہ ترجمان القرآن میں تفہیم القرآن قسط وار شائع ہوتی ہے شوال ۱۳۹۲ھ کے شمارہ میں ایک حدیث ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے کیا یہ حدیث ابن ماجہ میں موجود ہے؟ الا وانی فرطکم علی الحوض و اکاثر بکم الامم فلا تسودوا وجھی الی اٰخر الحدیث۔

الجواب یہ حدیث ابن ماجہ ص ۲۲۶ مطبع نظامی میں موجود ہے۔ لیکن مصنف نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔ قال ابو عبد اللہ ھذا الحدیث غریب اھ

شاہ عبدالغنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں وھذا الحدیث فیہ غرائب من جملۃ الالفاظ (حاشیہ ابن ماجہ) اور اسی طرح اس کی سند میں ایک راوی زافر بن سلیمان ہے جسے بعض ائمہ نے ثقہ قرار دیا ہے اور بعض نے اس کے بارے میں جرح کی ہے۔ قال البخاری عندہ وھم قال ابن عدی عامۃ مایرویہ لا یتابع علیہ (التہذیب : ص ۱۳۰) ویکتب حدیثہ مع ضعفہ اھ (حاشیۃ التہذیب) فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

حدیثِ نجد اور محمد بن عبدالوہابؒ

مشکوۃ شریف میں ہے کہ آپ نے ملک شام اور یمن کے متعلق دعاءِ خیر فرمائی۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ ہمارے نجد کے متعلق بھی دعاء فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہاں سے فتنے اور زلزلے اٹھیں گے اور وہاں شیطان کا سینگ پیدا ہوگا۔ تو کیا نجد یمن میں واقع ہے؟

اس پیشین گوئی کا مصداق محمد بن عبدالوہاب ہے یا اسود عنسی ؟ کیا جماعت اہل حدیث محمد بن عبدالوہاب کا گروہ ہے ؟

الجواب مشکوٰۃ شریف والی حدیث تو صحیح ہے مگر اس سے محمد بن عبدالوہابؒ مراد لینا صحیح نہیں۔ نیز نجد یمن میں بھی نہیں۔ اور غیر مقلدوں کو محمد بن عبدالوہاب کا گروہ کہنا بھی بلا تحقیق بات ہے۔

فقط واللہ اعلم — الجواب صحیح

بندہ اصغر علی غفرلہٗ — بندہ عبداللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان۔

واللہ لا ادری ما یفعل بی حدیث ہے یا نہیں

زید کہتا ہے واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم حدیث ہے۔ عمرو کہتا ہے یہ کوئی حدیث نہیں۔ اسے حدیث کہنا صحیح نہیں۔ آپ صحیح صورت بیان فرمائیں۔

الجواب ان کے قریب قریب الفاظ کا اعلان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن پاک میں کرایا گیا ہے سورۂ احقاف میں ہے۔ قل ما کنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم الآیۃ اور ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی الحدیث اخرجہ احمد (ابن کثیر، ج ۴، ص ۱۵۵) وفی روایۃ ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بہ[1] اھ الحدیث۔ پس ان الفاظ سے انکار کرنا غلط ہے۔ حدیث تو خیر قرآن حکیم میں ان الفاظ کا اعلان کرایا گیا ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ تو بلا شبہ ثابت ہیں۔ پس انکار غلط ہے۔ ہاں صحیح معنی معلوم کرلیں۔ حضرت حسن بصریؒ وغیرہ حضرات سے منقول ہے کہ اس سے مراد دنیوی انجام سے لاعلمی کا اظہار ہے، کہ نامعلوم مجھے بھی مکہ سے نکالا جائے گا یا نہیں۔ طبعی موت آئے گی یا شہادت وغیر ذالک ان امور میں علم نہ ہونے کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اخروی انجام تو حق جل شانہٗ نے بتا دیا تھا لہٰذا معلوم تھا۔

فقط واللہ اعلم — الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۷/۵/۹۵ھ — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

"علیؓ شہر علم کا دروازہ ہیں" یہ حدیث موضوع ہے

مسئلہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں ابوبکرؓ اس کے بازار ہیں، عمرؓ اس کی عمارت ہیں اور عثمانؓ اس کی زینت ہیں اور حضرت علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ یہ حدیث غلط ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث صرف یہ ہے کہ میں علم کا شہر ہوں علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ باقی کچھ نہیں۔

[1] الضمیر راجع الی عثمان بن مظعون ۱۲

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بایں الفاظ کوئی صحیح یا ضعیف حدیث ثابت نہیں۔ دمشق کے ایک واعظ نے ممبر پر بیٹھے بیٹھے اس کو تیار کیا تھا۔ گو الفاظ میں تھوڑا تغیر ہے۔ لوگوں نے جب اس سے کوئی سند کا مطالبہ کیا تو وہ کوئی سند پیش نہ کر سکا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کوئی حدیث نہیں قصہ گویوں کی مبالغہ آرائیاں ہیں۔ اللآلی المصنوعۃ : ج ۱ : ص ۲۳۶) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ : ۱۴۰۲/۸/۹ھ

ایک آیت و حدیث میں تطبیق

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ اپنے کلام مقدس میں ارشاد فرماتے ہیں فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا الخ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا الخ۔ اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص باوجود طاقت مالی، بدنی کے سعادت حج مبارک سے مستفیض نہ ہوا تو اس کا خاتمہ یہودیت و نصرانیت پر ہو گا۔ اوکما قال تو حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آدمی مذکور حج ادا نہ کرنے والے، کے اعمال باقیہ فرائض باطل ہو جائیں گے۔ اور آیت کریمہ کا مضمون اس کے برعکس ہے اس تعارض کی تطبیق کیا ہو گی ؟

الجواب آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو برائی معاف نہ ہوئی اس کی سزا ضرور ملے گی اور جو نیکی ضائع نہ ہوئی اس کی جزا ضرور ملے گی جیسا کہ دیگر آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ قبول اسلام سے پہلے بہت سے گناہ ہوتے ہیں لیکن اسلام انہیں منہدم کر دیتا ہے۔ قال تعالیٰ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الاسلام یھدم ماکان قبلہ۔ اور اسی طرح فرمانِ باری تعالیٰ ہے ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ۔

معلوم ہوا کہ ارتداد سے حبط اعمال ہو جاتا ہے۔ الغرض آیت میں دیگر نصوص کی روشنی میں قید مذکور لازم ہے۔

اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ باوجود استطاعت کے حج نہ کرنا یہ ناشکری، ارتداد، یہودیت و نصرانیت اختیار کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ اور ارتداد سے حبط اعمال ہوتا ہے۔ گویا کہ اس کی نیکیاں ضائع ہو چکی ہیں اور آیت میں ایسی نیکیوں پر جزاء کا ذکر ہے جو ضائع نہ ہوئی ہوں۔ پس آیت و حدیث میں کوئی تعارض نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث مبالغہ اور تشدید پر محمول ہے۔ وھو من باب المبالغۃ

والتشدید والایذان بعظمة شان الحج کذا فی بعض الحواشی۔

اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو متکلم فیہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ وفی اسناده مقال وھلال بن عبداللہ مجهول۔ والحارث یضعف فی الحدیث۔

واضح رہے کہ ترکِ حج ارتداد نہیں اور نہ ہی اس سے سابقہ اعمال ضائع ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ناشکری اللہ تعالیٰ کی حفاظتِ خاصہ سے نکل جانے اور ارتداد کا سبب بن سکتی ہے جس سے ضیاع ہوتا ہے۔ گویا کہ ترکِ حج سے حبطِ اعمال ہوا تو نہیں لیکن اس کا اندیشہ ضرور لاحق ہو گیا ہے۔

نوٹ ! اس آیت کو ظاہر پہ رکھتے ہوئے صرف حدیث سے ہی معارضہ قائم نہیں ہوگا بلکہ بہت سی آیات بھی معارض ہو جائیں گی۔ مثلاً فسوف یلقون غیًا۔ الا من تاب وامن وعمل صالحا فاولئك یدخلون الجنة ولا یظلمون شیئًا۔

فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۶ رجب ۱۳۹۴ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کنواری لڑکیوں کے دودھ پلانے کی روایت بلا سند ہے

ایک امام مسجد نے دورانِ خطبہ یہ کہا کہ حبیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو جناب بی بی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ مزید تین کنواری لڑکیوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا اور ان کا قدرتی دودھ نمودار ہوا یہ دودھ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا۔ کیا یہ واقعہ درست ہے ؟

الجواب سیرتِ حلبیہ (ص ۸۵) میں بلا سند عیون المعارف للقضاعی سے نقل کیا ہے کہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کنواری لڑکیوں نے دودھ پلایا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ ان تینوں نے آپ کو اٹھایا ہو اور چھاتی پر لگایا ہو مگر آپ نے دودھ نہ پیا ہو۔ جب تک صحیح سند سے ثابت ہو ایسا کہنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر لہٗ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ میں علم سے مراد علمِ دین ہے

حدیث طَلَبُ الْعِلْمِ

فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ سے کیا مراد ہے ؟ اس حدیث میں جو علم کا لفظ ہے اس سے کونسا علم مراد ہے ؟ علمِ دین یا موجودہ سائنسی علم ۔ نیز اس حدیث کا شانِ ورود کیا ہے ؟ جو اس سے مراد انگریزی اور سائنس وغیرہ لے وہ محرّف فی الحدیث ہو گا یا نہیں ؟

الجواب اس حدیث میں " العلم " سے مراد علمِ دین ہے ۔ ابن عبدالبر نے اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا ہے ۔ ان معناه انه يلزمه طلب العلم مايحتاج اليه من وضوئه وصلوٰته وزكوٰته ان كان له مال وكذالك الحج وغيره ۔ (جامع بیان العلم ، ص ۹) ۔

عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ رض میں علم کا اطلاق عام طور پر علمِ دین پر ہی ہوتا تھا ۔ مقام سرغ میں پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مشورہ کیا کہ شام میں طاعون ہے کیا ہمیں واپس لوٹ جانا چاہیئے یا نہیں ؟ مشورہ میں اختلاف ہوا ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ان عندی علمًا سمعت رسول الله عليه السلام (الحدیث مؤطا ، ص ۳۶۲)

الحاصل مذکورہ حدیث میں " العلم " سے مراد علمِ دین ہے ۔ اور یہ امر آخر ہے کہ شریعت نے درجۂ ضرورت میں دیگر علوم دنیویہ کا سیکھنا بھی ضروری قرار دیا ہے ۔ تاکہ امتِ مسلمہ دوسروں کی محتاج اور زیر دست نہ رہے ۔ اس حدیث میں " مسلمہ " کا لفظ ثابت نہیں ۔ قالہ السخاوی ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ المفتی خیر المدارس ملتان ؛ ۲۰ / ۱۰ / ۱۳۹۵ھ

کھانے کے بعد ہاتھ صاف کرنے کی دو مختلف روایتوں کا جواب

سیرتِ انور صفحہ پر

حکیم الامت حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ ہم بہت سی سنتیں ان کے عمل کو دیکھ کر معلوم کیا کرتے تھے ۔ کھانا کھانے کے بعد تولیہ یا رومال سے ہاتھ پونچھنے کی بجائے ہمیشہ حسبِ معمول نبوی پاؤں کے تلووں سے ہاتھ پونچھ لیتے تھے ۔ اور شمائل نبوی ، مصنفہ سعد حسن خان ٹونکی ۔ میں مسئلہ نمبر ۲۴ کے تحت درج ہے کہ ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے اور ہاتھوں پر جو تری ہوتی اس کو اپنے ہاتھوں اور چہرے اور سر پر مل کر خشک کر لیا کرتے تھے ۔ ان دونوں میں سے کون سی روایت راجح اور صحیح ہے ؟

الجواب ترجیح کی حاجت نہیں، ہو سکتا ہے دونوں طرح معمول نبوی ہو۔

فقط واللہ اعلم ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ؛ ۱۵/۱۱/۱۳۹۵ھ

سراج امتی ابو حنیفہ، موضوع

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سننے میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "سراج امتی" فرمایا ہے۔ اور اپنا تھوک کسی صحابی کے منہ میں ڈالا اور کہا کہ امام صاحب کے منہ میں ڈال دینا۔ یعنی کہا کہ اس آدمی کے منہ میں ڈالنا جو "سراج امتی" ہوں گے۔ پھر وہ تھوک سلسلہ بسلسلہ امام صاحب تک پہنچ گیا۔ کیا یہ دونوں باتیں ثبوت رکھتی ہیں یا نہیں؟

الجواب تذکرۃ الموضوعات، ملا علی قاری رح، ص ۱۱۱۔ میں ہے۔ "سراج امتی ابو حنیفۃ موضوع" کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امام صاحب کے متعلق مندرجہ بالا کلمات ثابت نہیں بلکہ یہ حدیث موضوع ہے اور تھوک والا قصہ بھی ایسا ہی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ　　　　الجواب صحیح

عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ؛ ۱۷/۴/۱۳۸۱ھ۔ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ؛ ۱۷/۴/۱۳۸۱ھ

انا نبی و آدم بین الماء والطین کی تحقیق

حدیث انا نبی و آدم بین الماء والطین کا مطلب کیا ہے؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کس طرح نبی تھے جب کہ آپ کا ظہور بعد میں ہوا؟

الجواب انا نبی و آدم بین الماء والطین۔ یہ الفاظ کسی حدیث میں نہیں آئے اس باب میں جو احادیث وارد ہیں وہ یہ ہیں۔

۱ : وعن ابی ہریرۃ قال قالوا یارسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال و آدم بین الروح والجسد رواہ الترمذی۔

۲ : وعن العرباض بن ساریۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ الخ رواہ فی شرح السنۃ کذا فی المشکوۃ باب فضائل سید المرسلین۔

۳ : وروی عن ابن عباس مرفوعا کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر (مرقاۃ ، ج ۵ ، ۳۶۷)۔

۴ : در روایتے "کتبت نبیًا" از کتابت یعنی نوشتہ شدہ ام من پیغمبر وحال آنکہ آدم میان آب وگل بود ۔ (لمعات ، ص ۴۹۹ ، ج ۴) —— ان سب کا حاصل یہ ہے کہ ارواح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اظہار کر دیا گیا تھا ۔

کما فی اشعۃ اللمعات ، ج ۴ ، ص ۴۹۹ ، اینجا میگویند از سبق نبوت آنحضرت علیہ السلام چہ مراد است اگر علم وتقدیر الٰہی مراد است این نبوت ہمہ انبیاء را شامل است واگر بالفعل است آن خود در دنیا خواہد بود جوابش این است کہ مراد اظہار نبوت اوست صلی اللہ علیہ وسلم پیش از وجود عنصری در ملائکہ وارواح الخ ۔

واضح رہے کہ تمام ارواح آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل پیدا کی جا چکی تھیں ۔ اور عالم ارواح میں موجود تھیں ۔ پس آنحضرت علیہ السلام کی روحِ پاک بھی عالم ارواح میں تھی ۔ فقط

والله اعلم — الجواب صحیح

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اُمّتِ محمدیہ پر عذابِ آخرت نہ ہونے کا مطلب

مشکوٰۃ شریف ، ج ۲ ، ص ۶۰۴ ، کتاب الرقاق باب الانذار والتحذیر کی فصل ثانی کی پہلی حدیث بروایت ابوداؤد ہے کہ امتی ھذہ امۃ مرحومۃ لیس علیھا عذاب الاٰخرۃ عذابھا فی الدنیا الفتن والزلازل والقتل ۔

شیخ محدث دہلوی رح لکھتے ہیں ۔ " این ہمہ دلیل ونشان آنست کہ در آخرت بروے عذابے نہ باشد " اشعۃ اللمعات ، ج ۴ ، ص ۲۷۶ ۔

تو اب قابلِ استفسار یہ امر ہے کہ احادیثِ وعید میں تطبیق کیا ہے ۔ ایک دوسرے مقام پر محدثِ دہلوی رح شفاعت کے بیان میں ایک رسالہ میں لکھتے ہیں ۔

" مشکل تا آنجا است کہ این نسبت صحیح نہ باشد ورنہ صد ہزار گنہ در پس ایمان بہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہ پرپشہ نیرزدم " اس عبارت میں بھی وہی اشکال ہے ۔

الجواب اشعۃ اللمعات ہمارے پاس موجود نہیں ۔ برتقدیرِ صحتِ حدیث اس میں کوئی اشکال نہیں ۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ ۔ امتی ھذہ امۃ مرحومۃ لیس

ل کتابِ مذکور میں بعد میں تلاش کیا گیا لیکن مستفتی کا لمعات ج ۴ ص ۲۷۶ کا حوالہ تتبع بسیار کے باوجود نہیں

علیھا عذاب الاٰخرۃ (ای عذاب مخلد فی الاٰخرۃ) یعنی دائمی عذاب جو کفار کے لئے ہوتا ہے وہ نہیں ہوگا۔ جیساکہ من قال لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ میں یہی مراد ہے۔ دخولاً اخرویًا او فی آخر الامر یعنی داخل فی الجنۃ آخر الامر۔ ایسے ہی یہاں بھی تاویل کی جائے گی تاکہ یہ روایت دوسری روایاتِ واردہ در عذاب عصاۃ وگناہگاروں کے مخالف نہ ہو۔ اور اس قسم کے نظائر بہت ہیں کما لایخفی علی من طالع کتب الحدیث۔

اور عبارتِ شیخ صاحب خط کشیدہ کا بھی یہی مطلب ہے یعنی ایمان باللّٰہ والرسول اگر کسی شخص میں پایا جاتا ہے تو ہزار گناہ بھی اس ایمان کے مقابلہ میں ہیچ اور پرپشہ کے برابر بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ہزار تو بجائے خود، لاکھ اور کروڑ گناہ بھی اس کو مخلد فی النار نہیں بنا سکتے بلکہ اس کا ایمان آخرکار اسے دوزخ سے نکال کر باہر کر ہی دے گا۔ فقط واللّٰہ اعلم۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہٗ ۱۳۷۰/۱۱/۱۲ھ

بندہ محمد عبداللّٰہ عفرلہٗ خادم الافتاء۔
خیر المدارس ملتان۔ ۱۰/۱۱/۱۳۷۰ھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۳

نہیں مل سکا۔ لیکن حدیثِ مذکور اور حدیثِ وعید میں خود شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحؒ نے لمعات ج ۴ ص ۲۹۴ میں یوں تطبیق بیان فرمائی ہے:

"اما ورود احادیث در وعید مرتکب کبیرہ وتعذیب وے منافات بایں ندارد زیرا کہ مغفرت غیر شرک در مشیئت حق ست عموماً وخصوصاً ولازم نیست کہ البتہ واقع گردد ولازم ذکر برہر فرد وقوع باید شاید کہ بعضے معذب باشد وبعضے مغفور (یفعل اللّٰہ مایشاء ویحکم مایرید) وبالجملہ ایں امت مخصوص است بمزید رحمت وعنایت باری تعالیٰ کہ اقتضائے نجات وعفو ومغفرت ایشاں سے مے کند وہمہ در مشیت اوست تعالیٰ وواجب نیست بروے چیزے لیکن وفائے وعدہ مخبر صادق مرجو ست"

یعنی جن احادیث میں مرتکب کبیرہ کے لئے وعید اور عذاب دینے کا ذکر ہے وہ اس حدیث کے منافی نہیں۔ اس لئے کہ شرک کے علاوہ گناہوں کی مغفرت حق تعالیٰ کے منشاء میں ہے عموماً وخصوصاً اور لازم نہیں کہ واقع ہو یہ بھی لازم نہیں کہ ہر فرد پر مغفرت کا وقوع ہو شاید کہ کچھ عذاب دیئے جائیں اور کچھ بخشے جائیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ امت اللہ تعالیٰ کی مزید رحمت وعنایت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو نجات، عفو اور ان کی مغفرت کی مقتضی ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر منحصر ہے۔ کچھ اس پر واجب نہیں لیکن مخبرِ صادق سے امید یہی ہے کہ وعدہ پورا کریں گے۔

حدیث امر بسد الباب الاباب علیؓ کی تحقیق

زید نے مشکوٰۃ شریف باب مناقب علی رضؓ بن ابی طالب فصل ثالث کی حدیث عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بسد الابواب الا باب علی۔ رواہ الترمذی وقال هذا حدیث غریب درس دیتے ہوئے پڑھی۔ بکر نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اور زید علی الاعلان اپنے سنی ہونے کا بلکہ دیوبندی حنفی ہونے کا دعویدار ہے۔ اس واقعہ کے پیش نظر آپ فیصلہ صادر فرمائیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا غیر صحیح وموضوع ہے۔ اہل سنت یا اہل تشیع کی۔ اور اس حدیث کے قائل پر شیعیت کا تاثر ماننا درست ہے یا تعصب ہے۔ اور قائل کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب وفی تذکرۃ الموضوعات ص ۹۵۔ قلت قال ابن حجر هذا اقدام علی رد الاحادیث الصحیحة بمجرد التوهم وفی اللآلی هو حدیث مشهور له طرق متعددة کل طریق لا یقصر عن رتبة الحسن ولمجموعها یقطع بصحته۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ متعدد طرق سے مروی ہے۔ ہر طریق درجہ حسن سے کم نہیں ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے بیان کرنے والے پر شیعیت کا حکم لگانا درست نہیں ہے اور اس کے قائل کے پیچھے نماز بغیر شک وشبہ کے درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۹ / ۷ / ۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

حدیث مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ کا ترجمہ "اللہ سنا دیتا ہے" سے کرنا غلط ہے

زید کہتا ہے کہ حدیث شریف من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیاً اُبلغته جید الاسناد ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر رحؒ نے "فتح الباری" اور علامہ عثمانی رحؒ نے "فتح الملہم" میں لکھا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روضۂ اقدس پہ حاضر ہوکر درود شریف پڑھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اور "ترجمان السنۃ" ج ۳ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ اور دوسری جانب بکر کہتا ہے کہ جو شخص روضۂ اقدس پر پہنچ کر درود شریف پڑھے تو اللہ تعالیٰ سنا دیتا ہے۔

آپ بتلائیں کہ زید و بکر میں سے کس کی بات ٹھیک ہے؟ اور کیا حیاتِ انبیاء کا مسئلہ فروعیات میں سے ہے؟ اور کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر مبارک میں حقیقی طور پر زندہ ہیں یا روحانی طور پر۔ اور یہ حیات اتصالِ روح سے ہے یا دخولِ روح سے؟ اور جو شخص روحانی حیات کا قائل ہو اور روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر یہ دعا کرنے کو شرک جانتا ہو کہ یا رسول اللہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف فرمادیں۔ تو یہ شخص کیا اکابرین علماء دیوبند کا مخالف ہوگا؟

الجواب حدیث مذکورہ کا جو ترجمہ زید نے کیا ہے وہی صحیح ہے دوسرا غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر قبر شریف میں بے حس و بے شعور نہیں بلکہ جیسا کہ حدیث مذکور اور اسی طرح دیگر احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود شریف کو خود سنتے ہیں جب کہ روضۂ اطہر پر جاکر خود پڑھا جائے۔ اور اسی طرح روضۂ اقدس پر جاکر شفاعت طلب کرنا جائز ہے۔ معتبر کتب فقہ میں مسطور ہے۔ انکار اس کا جہل ہے۔ جسدِ اطہر کی حیات دخولِ روح سے ہے یا اتصالِ روح سے یہ دونوں امر محتمل ہیں ایک کی قطعی تعیین واجب نہیں جب کہ آثارِ حیات کا ثبوت تسلیم کیا جائے۔ حضرات اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے اور یہی محقق ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۵ | ۹ | ۱۳۸۷ھ

قطب ستارہ والی روایت صحیح نہیں

زید کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل امین آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوٹے بھائی کے لفظ سے پکارا۔ اس پر جبرئیل امین نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو عمر میں آپ سے بڑا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ جبریل جب تم پیدا ہوئے تو تم نے کیا دیکھا؟ جواب دیا کہ اس وقت زمین و آسمان حجر و شجر دریا و سمندر کچھ بھی نہ تھا مگر فقط ایک چمکدار ستارہ قطب کی جانب دیکھا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس وہ میرا ہی نور تھا، کیا یہ روایت صحیح ہے؟

الجواب زید کے بیان میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے کسی معتبر کتاب میں صحیح سند کے ساتھ نہیں پائی گئی۔ زید پر لازم ہے اگر وہ اس کی صحت کا مدعی ہے تو اس کی سند پیش کرے ورنہ اپنے دعوے میں کاذب قرار پائے گا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

انا من نور الله والی روایت موضوع ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ میں اللہ کے نور سے ہوں اور مومنوں کی خلقت میرے نور سے ہے اور وہ روایت یہ ہے انا من نور اللہ وللمؤمنون منی کیا یہ روایت درست ہے ؟

الجواب اس روایت کے الفاظ یہ ہیں انا من نور اللہ والمؤمنون منی الخیر فیّ وفی امتی الی یوم القیامۃ اھ تذکرۃ الموضوعات میں علامہ طاہر گجراتی ایک دوسری موضوع حدیث کے بارے میں علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

قال ابن تیمیۃ موضوع وھو کما قال وکذا حدیث انا من نور اللہ ۔

معلوم ہوا کہ صاحب تذکرۃ الموضوعات کے نزدیک یہ حدیث بے اصل ہے ۔ حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں لا اعرفہ (تذکرۃ الموضوعات ، ص۸۶)

الجواب صحیح فقط واللہ اعلم

خیر محمد عفی اللہ عنہ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

◎

منکرین حدیث کے دو اعتراضوں کا جواب

بکر نے زید سے کہا کہ آپ کے الفاظ انکار حدیث پر مبنی ہیں ۔ زید نے کہا کہ کوئی شخص حدیث کے انکار سے کافر نہیں ہوتا ۔ کیونکہ حدیث کی صحت معتبر نہیں ۔ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو سو سال بعد جمع کی گئیں اور حدیثیں جمع کرنے والے خطاء ونسیان کے پتلے انسان ہی تھے ۔ اس لئے حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا ۔ من ترک الصلوۃ فقد کفر یہ حدیث خود ضعیف ہے ۔ زید کے اس دعوے کی تصدیق ایک عالم دین نے بھی کی ہے ۔

۲ : زید نے انکار حدیث کے ثبوت میں یہ بھی کہا کہ بعض احادیث کو پڑھ کر عقل سلیم رکھنے والا انسان حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کرسکتا ۔ مثلاً ایسی حدیثیں بھی ملتی ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور حضورؐ سے عرض کیا یا نبی اللہ مجھ سے زنا ہوگیا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم جماعت سے نماز ادا نہیں کرتے ؟ سائل نے کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھتا ہوں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اللہ نے تیرے گناہ کو معاف کردیا ۔ زید کا مذکورہ حدیث کو رسول اللہ کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے یا زید نے حدیث کی تحقیر کے لئے اس کو گھڑ لیا ہے ؟

الجواب

احادیث کے انکار میں یہ کہنا کہ حدیثیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو سو سال بعد جمع کی گئیں بالکل غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔ احادیث کی ایک معتد بہ تعداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھی جا چکی تھی۔ ایک صحابی حضرت ابوشاہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے کا حکم دیا تھا۔ احادیث کا ایک تحریر شدہ مجموعہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کے پاس موجود تھا۔ روایات میں ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات لکھ لیا کرتے تھے۔ زکوٰۃ کی تفصیلات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کرا کر اپنے بعض عاملوں کے پاس روانہ فرمائیں

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس بعض احادیث تحریر شدہ موجود تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے احادیث کا ایک مجموعہ جمع کیا ہوا تھا۔ ان روایاتِ صحیحہ کے پیشِ نظر علی الاطلاق یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سو سال بعد جمع کی گئیں۔ کتابتِ حدیث کے بارے میں اہلِ حق کی طرف سے کچھ رسائل شائع ہو چکے ہیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو ان کی طرف مراجعت کریں۔

۲ : کوئی صحیح قطعی الدلالت حدیث عقلِ سلیم کے خلاف نہیں۔ بایں معنی کہ جس امر کے لئے حدیث مذکور مثبت ہو دلیل عقل اس کی نفی کردے یا برعکس۔ ہاں استبعاد علیحدہ چیز ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جو امر حدیث کا مدلول ہے کسی کی عقل اس امر کو مستبعد سمجھے۔ لیکن اس استبعاد سے امرِ مدلول النص کا خلافِ عقل ہونا لازم نہیں آتا۔ اس قسم کے لوگ جن احادیث کو خلافِ عقل کہتے ہیں ان میں بھی یہی استبعاد ہوتا ہے۔ مگر یہ لوگ اپنے خبثِ باطن کی وجہ سے حدیث کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ جہلاء اس کو خلافِ عقل سمجھیں۔ کبھی خود واقعۂ حدیث میں تحریف و غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے عوام کو حدیث سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی زناء کا واقعہ جو سوال میں درج ہے محض کذب بیانی پر مبنی ہے۔ واقعیت صرف اتنی ہے کہ ایک صحابی سے بتقاضائے بشریت کسی اجنبیہ کے ساتھ مس بالشہوت یا بوسہ لینے کی حرکت سرزد ہو گئی۔ فوراً ندامت ہوئی بہت پچھتائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس گناہ سے پاک ہونے کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پشیمانی اور ندامت کے آثار دیکھتے ہوئے جو حقیقت میں توبہ ہے چند تسلی آمیز کلمات ارشاد فرمائے۔ نیز حسنات کا مکفرِ سیئات ہونا خود قرآن پاک سے ثابت ہے۔ تو اس میں خلافِ عقل کون سی بات ہے ؟ عقلِ سلیم اس جگہ کس حد کے اجراء کی مقتضی ہے ؟ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
معین مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲/۲/۱۳۷۹ھ

زیارت روضۂ اطہر سے متعلق چار حدیثوں کی تحقیق

مندرجۂ ذیل چار حدیثیں سند کے لحاظ سے کس درجہ کی ہیں ؟ قوی ہیں یا ضعیف۔

۱ : من حج فلم یزرنی فقد جفانی۔

۲ : من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی۔

۳ : من زارنی و زار ابی ابراھیم فی عام واحد ضمنت له الجنة۔

۴ : من زار قبری وجبت له شفاعتی۔

الجواب ۱ : نمبر ایک کے بارے میں تذکرۃ الموضوعات ص ۷۶ ۔ میں ۔ لابن عور و جماعته بلفظ من حج ولم یزرنی فقد جفانی ۔ ولا یصح قال الصنعانی موضوع وفی اللآلی قال الزرکشی هو ضعیف وبالغ ابن الجوزی فذکر فی الموضوعات۔ تفصیلِ بالا سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ضعیف ہے۔

۲ : نمبر ۲ کے بارے میں بیہقی نے تضعیف کی ہے۔ وضعفه البیهقی وکذا قال البیهقی طرقه کلها لینة ولکن یتقوی بعضهم ببعضها۔ (تذکرۃ الموضوعات ، ص ۵)

۳ : نمبر ۳ کے بارے میں ابن تیمیہ رح اور نووی رح نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے ۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ قال ابن تیمیة والنووی أنه موضوع لا اصل لما کذا نقل السیوطی فی الزیلعی عنهما۔

۴ : کو ابن خزیمہ نے ضعیف کہا ہے۔ اشار ابن خزیمة الی تضعیفه ۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۵)

نوٹ : فضائل کے باب میں ضعیف حدیث سے استدلال ہو سکتا ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ

الجواب صحیح

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

لو لم تذنبوا لذهب الله بکم کی صحیح تشریح

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم والذی نفسی بیده لو لم تذنبوا لذهب الله بکم ۔ اس حدیث کی تشریح ایک مولوی صاحب یوں بیان کرتے ہیں ۔ یعنی تذنبوا ولم تستغفروا فاراد به المعنی اللازم فان من لم یذنب ما علیه ان یستغفر والقرینة علی هذا المعنی ذکر الذنب مع الاستغفار فیما بعد کیا یہ تشریح درست ہے ؟

الجواب حدیث شریف کی یہ تشریح صحیح نہیں ہے۔ امام نووی رح، ملا علی قاری رح، علامہ طیبی رح وغیرہ شراح کے کلام میں اس کا کوئی نشان موجود نہیں۔ اور ظاہر حدیث بھی اس کے خلاف ہے۔ البتہ اگر عوام کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے دفع الوقتی کے طور پر کسی نے یہ کہہ دیا ہو تو شاید ملام نہ ہو۔

فقط واللہ اعلم۔ — الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

نمازِ حنفی میں مندرج پانچویں کلمہ کا حدیث سے ثبوت

آپ کی مطبوعہ نماز حنفی مرتبہ مولانا خیر محمد صاحب دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یقیناً قابلِ قدر مساعی ہیں لیکن ایک بات نے پوچھنے پر مجبور کیا کہ عموماً پانچواں کلمہ ان الفاظ کے ساتھ مشہور ہے۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب الخ اور آپ کی نمازِ حنفی میں ان الفاظ میں ہے۔ اللھم انت ربی لا الٰہ الا انت خلقتنی۔ اس کے متعلق وضاحت فرمائیں کہ کون سا زیادہ مستند ہے؟

الجواب نماز حنفی میں مذکور پانچواں کلمہ بخاری شریف میں مروی ہے۔ وعن شداد بن اوس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید الاستغفار ان تقول اللھم انت ربی لا الٰہ الا انت خلقتنی الخ رواہ البخاری

مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۲۰۴۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

۷/۹/ ۱۴۰۰ھ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

گالی گلوچ کی مذمت میں چند احادیث

چھوٹے بڑے افراد میں گالی دینے کا رواج عام ہو چکا ہے۔ جس کو برائی بھی تصور نہیں کرتے۔ اور میں نے تو یہ جائزہ لیا ہے کہ ہمارے ملک میں خدا تعالیٰ کا نام گالیوں کی نسبت از حد کم لیا جاتا ہے۔ ہر بات پر لوگ گالیاں دیتے ہیں حالانکہ پہلی جماعت کے بچے بڑوں کو دیکھ کر اور ان سے گالیاں سن کر خوب بکتے ہیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے لوگوں کو بھی گالیاں دینے سے باز نہیں آتے۔ حتیٰ کہ اس گالی وغیرہ سے لڑائی تک نوبت آجاتی ہے۔ لہٰذا گالی کی مذمت میں برائے اشاعت چند احادیث لکھیں۔

الجواب ۱: عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔ (بخاری شریف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا سخت گناہ ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔

۲ : عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لاینبغی لصدیق ان یکون لعانا۔ (مسلم شریف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو کسی پر لعنت کرنے والا نہیں ہونا چاہیے۔

۳ : عن انس رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال المستبان ما قالا فعلی البادی مالم یعتد المظلوم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ آپس میں کہتے ہیں اس کا گناہ ابتدا کرنے والے پر ہے، جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے۔

۴ : عن ابن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی (ترمذی شریف)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دوسروں پر طعنہ زنی کرے، لعنت کرے، بیہودہ گوئی کرے وہ مومن نہیں۔

۵ : عن ابی ذر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذلک۔ (مشکوۃ ج ۲ ص ۴۱۱)

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی کسی کو بدکار کہتا ہے یا کافر کہتا ہے، اور وہ ایسا نہ ہو، تو خود کہنے والا ویسا بن جاتا ہے۔

۶ : عن ابی الدرداء رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان العبد اذا لعن شیئا صعدت اللعنة الی السماء فتغلق ابواب السماء دونها ثم تهبط فتغلق ابوابها دونها ثم تاخذ یمینا وشمالا فاذا لم تجد مساغا رجعت الی الذی لعن فان کان ذالک اهلا والا رجعت الی قائلها۔ (ابوداؤد مشکوۃ ج ۲ ص ۴۱۱)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت پہلے آسمان پر جاتی ہے تو وہاں دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ پھر زمین پر آتی ہے، تو اس کے بھی دروازے بند ہو جاتے

ہیں۔ پھر دائیں بائیں جاتی ہے۔ جب کوئی راستہ نہیں ملتا تو پھر جس پر لعنت کی گئی ہے اس پر جاتی ہے اگر وہ اس کے لائق ہو تو ٹھیک ورنہ کہنے والے پر لوٹ آتی ہے ؎

بھول کر بھی دیتی نہیں گالی شریفوں کی زبان

یہ کمینوں کی علامت ہے رذیلوں کا نشان

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۲ / ۳ / ۱۳۹۸ھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آدم علیہ السلام سے پہلے نبی ہونے کا مطلب

ایک عالم نے حدیث کنت نبیا و ادم بین الماء والطین بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپؐ آدم علیہ السلام کے پانی اور مٹی میں خمیر ہونے کے وقت نبی تھے باعتبار چرچا کے ملائکہ میں۔ کیا آپ کا محض چرچا تھا یا آنے کی شہرت تھی؟ یا خود بھی موجود تھے؟ اور ایک دوسرے آدمی نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اب آپ واضح فرمائیں کہ یہ حدیث موضوع ہے، صحیح ہے یا ضعیف ہے؟

الجواب کنت نبیا و ادم بین الروح و الجسد رواہ البخاری فی تاریخہ و الحاکم وصححہ (تذکرۃ الموضوعات، ص ۸۶) عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال و ادم بین الروح والجسد رواہ الترمذی مشکوۃ ص ۵۱۳۔

الفاظ بالا کے ساتھ یہ روایت کتب حدیث میں پائی جاتی ہے۔ لیکن جو الفاظ سوال میں لکھے گئے ہیں یہ الفاظ ثابت نہیں بلکہ موضوع ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اما مایدور علی الالسنۃ کنت نبیا و ادم بین الماء والطین۔ فقال السخاوی لم اقف علیہ بھذا اللفظ فضلا عن زیادۃ وکنت نبیا ولا ماء ولا طین۔ قال الحافظ ابن حجر ان الزیادۃ ضعیفۃ وماقبلھا قوی وقال الزرکشی لا اصل لہ بھذا اللفظ۔ (مرقاۃ، ج ۵، ص ۳۶۷)

تذکرۃ الموضوعات میں علامہ طاہر پٹنی رح تحریر فرماتے ہیں۔

وفی الزیلعی وکنت نبیا و ادم بین الماء والطین وکنت نبیا ولا ادم

ولا ماء ولا طین قال ابن تیمیۃ موضوع ص ۸۶۔

خلق آدم علیہ السلام سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا باعتبار شہرت کے تھا دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں بھی گو علم الٰہی میں موجود تھیں مگر فرشتوں کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی اور آپ کے عہدۂ رسالت کا اظہار و اعلان کر دیا گیا تھا۔

صاحب لمعات لکھتے ہیں۔ جوابش آنست کہ مراد اظہار نبوت اوست صلی اللہ علیہ وسلم پیش از وجود عنصری وے در ملائکہ و ارواح چنانکہ وارد شدہ کتابت اسم شریف او بر عرش وغیرہ ج ۴، ص ۴۹۹۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ

زنا کے بارے میں ایک حدیث کا حوالہ

ایک شخص نے زنا کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم گوارا کرتے ہو کہ تمہاری ماں، بہن یا بیٹی کے ساتھ کوئی زنا کرے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ تو فرمایا وہ زانیہ بھی تو کسی کی ماں، بہن، بیٹی ہوگی۔ یہ جواب ایسا ہے کہ زنا کے رد میں اس سے بہتر کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ لیکن کیا یہ حدیث ہے؟ تصدیق مطلوب ہے۔

الجواب یہ حدیث بروایت ابو امامہ رضی اللہ عنہ امام احمد رح نے بیان فرمائی ہے۔
(ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۸)

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۱۳۹۹/۱/۲۳ھ

خلق آدم علی صورتہ کا مطلب؟

خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے اس کا مطلب کیا ہے؟

الجواب خَلَقَ ادم علی صورتہ کا مطلب ہے آدم علیہ السلام کو اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا کیا۔ یعنی ایسی صورت عطا فرمائی جو اللہ تعالیٰ کو پسند تھی۔ مثلاً سیدھا قد، بارونق چہرہ، وغیرہ۔ مطابق آیت قرآن ما غرك بربك الكريم الذی خلقك فسوٰك فعدلك فی ای صورة ماشاء ركبك الآیۃ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفرلہ
۱۳۶۹/۱۱/۲۳ھ

قبر میں عند السوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مثالی پیش کئے جانے یا پردے ہٹا دیئے جانے کی تحقیق

قبر میں جب میت سے فرشتے سوال کرتے ہیں " ماھذا الرجل " تو ھذا کا اشارہ قریب کے لئے ہے یا بعید کے لئے ؟ کیا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل دکھائی جاتی ہے ، یا درمیان سے پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں ۔ اور آپ اپنے روضۂ مبارک سے میت کو نظر آنے لگتے ہیں؟

الجواب "ھذا" اشارۂ قریب ہے اس سے مراد معہود ذہنی ہے ۔ میت کے سامنے آپ کی صورتِ مثالی پیش کئے جانے یا درمیان کے پردے ہٹا دیئے جانے کا بقول صاحب مرعاۃ المفاتیح "کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے ثبوت نہیں ملتا ۔ پوری عبارت یہ ہے (ماھذا الرجل الذی بعث فیکم) ای أرسل الیکم یعنون محمدا صلی اللہ علیہ وسلم وعبر بذالک امتحانا لئلا یتلقن تعظیمہ من عبارۃ القائل والاشارۃ لما فی الذھن فانہ لم یرد حدیث صحیح ولا ضعیف فی انہ یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا التفات الی قول القبوریین ومن شاکلھم بان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشھد بذاتہ فی الخارج فی قبر کل میت عند سوال الملکین اھ (مرعاۃ المفاتیح ، ج ۲ ، ص ۵۵۴)

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۹/۱۴۰۰ھ ۔

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

فضیلتِ عقل کے بارے میں ایک حدیث کی تحقیق

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے نماز ، روزہ ، زکوٰۃ ، حج اور عمرہ اور دوسری تمام نیکیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان یہ سب کچھ کرتا ہے لیکن قیامت کے دن اسے عقل و فہم کے مطابق ہی بدلہ ملے گا ۔ (او کما قال علیہ السلام) یہ حدیث صحیح ہے اس کا مطلب کیا ہے ؟

الجواب وانما یجزی علی قدر عقلہ" ضعیف" (الی ان قال) وکل حدیث ورد فیہ ذکر العقل لا یثبت ۔ "تذکرۃ الموضوعات" للفتنی ۔ ص ۲۹ ۔ باب العقل ۔ یہ حدیث پوری تو نہیں ملی البتہ نشان زدہ عبارت ضعیف ہے ۔ اس عبارت یہ ہے

ایک قاعدہ بیان کیا کہ جس حدیث میں عقل کا ذکر ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

دودھ۔خوشبو۔اور تکیہ رد نہ کرنے والی حدیث ضعیف ہے

زید کا یہ خیال ہے کہ تکیہ، خوشبو، اور دودھ یہ تین چیزیں ان میں سے اگر کوئی چیز کوئی آدمی پیش کرے تو انکار نہیں کرنا چاہئے۔ دین میں اس کی کیا اصل ہے؟

۱: کیا حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ انکار نہ کیا جاوے ان اشیاء کو قبول کر لیا جاوے۔

۲: تو پھر مقدار کیا ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص پانچ سیر، دس سیر دودھ پیش کر دیوے، اسی طرح کوئی زیادہ مقدار میں خوشبو پیش کر دیوے تو کیا کرے؟

الجواب عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث لا ترد الوسائد والدھن والطیب واللبن (شمائل ترمذی)۔

حدیث شریف میں ان تینوں چیزوں سے انکار نہ کرنا ثابت ہے۔

۲: حدیث شریف میں مقدار کی تصریح نہیں ہے۔ بظاہر تھوڑی مقدار معلوم ہوتی ہے جس سے لینے والے کو بار محسوس نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم

نوٹ: مگر اس حدیث میں بعض محدثین نے کلام کیا ہے۔ لان فیہ عبداللہ بن مسلم ھرمز المکی کما فی الموضوعات الکبیر ص ۵۷۔ حدیث میں دہن اور طیب سے مراد ایک ہی چیز ہے یعنی خوشبو دار تیل وغیرہ چنانچہ بعض صحیح نسخوں میں صرف "الطیب" ہے۔ حاشیہ شمائل، ص ۱۴۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تہجد کی مختلف روایات میں بہترین تطبیق

سوال: زید فریق اول، بکر فریق ثانی کے درمیان حضرت آقائے نامدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی تعداد میں عرصہ سے اختلاف ہے۔ زید فریق اول رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر تحیۃ الوضوء و وتر بارہ رکعت نماز تہجد ثابت کرتا ہے کہ کبھی کبھی بارہ رکعت نماز تہجد کا بھی معمول تھا۔ اور بکر فریق ثانی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر تحیۃ الوضوء و وتر آٹھ رکعت نماز تہجد ثابت کرتا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حین حیات تک آٹھ رکعت تہجد پر مستقیم رہے۔ اس سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور ہر دو فریقین اپنے اپنے دلائل حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔ آپ براہ نوازش ان کے درمیان محاکمہ فرما کر احقر کو مرہون

منت فرمائیں کہ حق بات کس جانب ہے اور دلائل قوی کس صاحب کے ہیں ؟

زید فریقِ اوّل کے دلائل یہ ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب فرماتے ہیں کہ نمازِ تہجد بارہ رکعت ہیں۔ بہشتی زیور حصہ دوم صفحہ ۴۳ میں فرماتے ہیں۔ مسئلہ : آدھی رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کا بڑا ثواب ہے۔ اس کو تہجد کہتے ہیں۔ یہ نماز اللہ کے نزدیک بہت مقبول ہے اور سب سے زیادہ اس کا ثواب ملتا ہے۔ تہجد کی کم از کم چار رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں۔

از تصنیف حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ " انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ " میں فرماتے ہیں۔ " ومن جملہ وظائف صلوۃ النوافل التہجد والاشراق والاستخارۃ والضحیٰ والتہجد اثنا عشر رکعۃ۔ ص ۸۴۔

دلیلِ دیگر۔ تصنیف عالمِ ربانی مقبولِ بارگاہِ سبحانی حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی " مالا بدمنہ " میں فرماتے ہیں " نمازِ تہجد سنتِ مؤکدہ است پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گاہے ترک نفرمودہ۔ واگر احیاناً فوت شدہ دوازدہ رکعت در روز قضا فرمودہ و نمازِ تہجد از چہار رکعت کمتر نیامدہ واز دوازدہ رکعت زیادہ ہم بہ ثبوت نہ پیوستہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر بعد تہجد میخواند سنت ہمیں است۔

(" مالا بدمنہ" ص ۲۹)

—— دلیلِ دیگر ، حضرت شیخ المشائخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ " غنیۃ الطالبین " میں فرماتے ہیں۔ وروی انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی من اللیل اثنتی عشر رکعۃ ثم یوتر بواحدۃ۔ (ص ۶۰۲)

—— دلیلِ دیگر ، مولانا الحاج فقیر اللہ حنفیؒ " قطب الارشاد " میں فرماتے ہیں۔ ادنی التہجد رکعتان واکثرہ اثنتا عشرۃ رکعۃ من غیر وتر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل یتہجد۔ (قطب الارشاد، ص ۲۷۱)۔

—— دلیلِ دیگر ، بارہ رکعت کی یہ ہے۔ کہ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

" ونمازِ تہجد از دو رکعت تا دوازدہ رکعت بطور تراویح باید خواند۔ (فتاویٰ عزیزی ، ج ۱ ص ۱۴۲)

—— دلیلِ دیگر ، بارہ رکعت کی یہ ہے۔ حاشیہ مدنیہ میں علامۃ الشیخ محمد بن سلیمان الکردی المدنی رح فرماتے ہیں۔

" قال ابن الجوزی رح وردعنہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی اثنتی عشر رکعۃ من اللیل۔ (ج ۱ ص ۲۲۰)۔

دلیلے دیگر: بارہ رکعت تہجد کی یہ ہے۔ نسائی شریف میں۔ عن عائشة ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم کان اذا لم یصل من اللیل منعه من ذلك نوم غلبته عینه او وجع صلی من النهار ثنتی عشرة رکعة۔

محشی کاندھلوی رح بین السطور صراحتاً تحریر فرماتے ہیں۔ یعلم منه أن التهجد ثنتا عشر رکعة۔

دوسری جگہ محشی رح فرماتے ہیں۔ علی قوله صلی من النهار یقضی فی النهار ما فاته من اللیل انتهی۔ (نسائی شریف، ج ۱، ص ۱۹۹)۔

دلیل دیگر: بارہ رکعت کی یہ ہے ”احیاء العلوم“ میں امام غزالی رح فرماتے ہیں۔

الفائدة الثانیة قضاء النوافل اذ قضی رسول الله صلی الله علیه وسلم ذالك ولنا فیه اسوة حسنة وقالت عائشة رضی الله عنها کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا غلب النوم او مرض فلم یقم تلك اللیلة صلی من اول النهار اثنتی عشرة رکعة۔ (احیاء العلوم، ج ۱، ص ۱۸۴)۔

دلیلے دیگر: بارہ رکعت کی یہ ہے۔ علامہ ابن قیم رح ”زاد المعاد“ جلد اوّل میں فرماتے ہیں۔

”وکان صلی الله علیه وسلم اذا غلبه النوم او وجع صلی من النهار ثنتی عشرة رکعة۔ (جلد اوّل، ص ۸۶)۔

فریق ثانی کے دلائل

علامہ شبیر احمد عثمانی رح ”فتح الملہم“ جلد ثانی، ص ۲۸۸ میں فرماتے ہیں

ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یفتتح صلوته باللیل برکعتین خفیفتین وهما مبادی التهجد ثم یصلی ثمان رکعات وهی اصل التهجد۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۲۸۸)۔

دلیلے دیگر: آٹھ رکعت کی یہ ہے۔ علامہ شامی رح فرماتے ہیں جلد اوّل میں۔

وهذا بناءً علی اقل تهجده صلی الله علیه وسلم کان رکعتین وان منتهاه کان ثمانی رکعات۔ (شامی، مطبع استنبول، ص ۴۶۱)۔

دلیلے دیگر: آٹھ رکعت کی یہ ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب فرماتے ہیں۔

الجواب: تہجد میں کم از کم دو رکعت سنت ہے اور زیادہ سے زیادہ جس قدر پڑھ لے درست ہیں۔ مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعت سے زیادہ ثابت نہیں۔ (فتاوی رشیدیہ، ج ۳، ص ۳)

اور "عرف الشذی" میں بھی آٹھ رکعتیں نماز تہجد ثابت ہے۔

"غرض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر تحیۃ الوضوء و وتر بارہ رکعت نماز تہجد پڑھنا ثابت ہے یا نہ؟

الجواب صورت مسئولہ میں واضح رہے کہ روایات میں سب سے زیادہ تعداد رکعات وہ ہے جو حواشی منذری میں موجود ہے۔ اکثر ماروی فی صلوۃ اللیل سبع عشر رکعۃ۔ اس اختلاف کے جمع کی بہترین تقریر وہ ہے جو علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں ذکر فرمائی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اصل تہجد آٹھ رکعتیں ہیں۔ لیکن ابتدا میں آپ دو رکعتیں خفیفہ (ہلکی اور مختصر) پڑھا کرتے تھے یہ دس رکعتیں ہو گئیں۔ اسکے بعد وتر پڑھا کرتے تھے۔ اسکے بعد پھر دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے جنہیں توابع وتر کہنا چاہئے ان کو ملا کر کل تعداد پندرہ ۱۵ ہو جاتی ہیں۔ اس مختصر سی کیفیت کے بعد اب جس نے گیارہ رکعتیں ذکر کی ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے۔ کان یصلی باللیل احدی عشر رکعۃ رواہ مسلم اس میں آٹھ رکعت، اصل تہجد اور تین وتر کا بیان ہے۔

۲۔ جس نے تیرہ رکعتیں بیان کیں۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی روایت بخاری ومسلم میں ہے ان صلوتہ صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل ثلاث عشر رکعۃ و رکعتین بعد الفجر سنۃ الصبح۔ اس میں دو رکعتیں مبادی تہجد یا توابع وتر والی کو شامل کر دیا گیا۔

۳۔ جس نے پندرہ رکعت کا ذکر کیا اس نے مبادی تہجد اور توابع وتر کو شامل کر دیا۔

۴۔ جس نے سترہ ۱۷ رکعت تہجد کا ذکر کیا اس نے صبح کی دو سنتیں جو بعد فجر کے ہوتی تھیں انکو ساتھ شامل کر دیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

۲ رکعت مبادی تہجد۔ ۸ رکعت اصل تہجد۔ ۳ وتر۔ ۲ رکعت توابع وتر۔ ۲ رکعت سنت صبح۔

مولانا کی اس تحقیق کے بعد آپ حضرات کا اختلاف حل ہو جاتا ہے۔ اور فیصلہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ تہجد کی کل نماز مع وتر کیا تھ ۱۵ رکعت ہے۔ اور بغیر وتر کے بارہ رکعت ہے۔ اس میں سے آٹھ رکعت تو ایسی ہیں جنہیں آپ بطور تہجد ادا فرماتے تھے اور اس سے پہلے دو رکعتیں مختصر پڑھتے تھے۔ اور اسی طرح وہ دو رکعتیں جو بعد از وتر پڑھی جاتی ہیں مختصر ہوتی تھیں۔ ان بارہ رکعتوں میں تحیۃ الوضو بھی شامل ہے۔ تحیۃ الوضو کی نیت اگر فرض نماز کے ساتھ کر لی جائے تو بھی ادا ہو جاتا ہے پہلی دو رکعتیں خفیفتین مبادئی تہجد کہلاتی ہیں ان میں ہی نیت تحیۃ الوضو۔ ہو سکتی ہے اس کے علاوہ تحیۃ الوضو کے

لئے علیحدہ آپ سے نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ پس تحیۃ الوضوء انہی بارہ رکعتوں میں شامل تھا۔ فقط

والله اعلم | الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ | خیر محمد عفا اللہ عنہ
خیر المدارس ملتان ۱۳۸۲/۱۰/۱ھ | مہتمم خیر المدارس ملتان

بنی غفار کی بچی کا آنحضرتؐ کے ساتھ سوار ہونے والی روایت کی حیثیت اور اس سے مرزائیوں کے استدلالات کے جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی غفار کی ایک نوجوان لڑکی کو اپنے ساتھ اونٹنی پر سوار کیا۔ اس میں علی حقیبۃ رحلہ کا کیا مطلب ہے؟ آگے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کے گلے میں قلادہ ڈالا۔ تو قادیانی فرقہ کہتا ہے کہ غیر محرم عورت کو اونٹ پر سوار کرنا، اور پھر اس کے گلے میں ہار ڈالنا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر محرم عورتوں کے ساتھ پیغمبر کو اختلاط کی اجازت ہے۔

مولوی عبد الرحیم اشعر معرفت مولوی محمد صدیق جھنگوی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان۔

الجواب مسند احمد چونکہ مدرسہ کے کتب خانہ میں مکمل موجود نہیں ہے لہذا اس میں یہ روایت نہیں مل سکی۔ البتہ "سیرت ابن ہشام" ص ۳۴۲ کی جلد ثانی میں یہ روایت مکمل مذکور ہے۔ جس کی سند یہ ہے۔

قال ابن اسحاق حدثنا سلیمان بن سحیم عن امیۃ بن ابی الصلت عن امرأۃ من بنی غفار قد سماھا لی قالت اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اخر الحدیث۔

حدیث پر جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا جواب دینے سے قبل اس کی سند پر بات کرنا مناسب ہے۔ تاکہ اس کی صحت وضعف واضح ہو جائے۔ ذیل میں ہر راوی پر کلام کیا جاتا ہے۔

۱: ابن اسحاق۔ یہ محمد ابن اسحاق مشہور صاحب مغازی ہیں۔ ان کے بارہ میں ائمہ فن کی آراء مختلف ہیں۔

امام نسائی رح فرماتے ہیں "لیس بالقوی"۔ امام دارقطنی رح فرماتے ہیں "لا یحتج بہ" ابو داؤد رح فرماتے ہیں "قدری، معتزلی" سلیمان تیمی رح فرماتے ہیں "کذاب" ہشام بن عروۃ رح کہتے ہیں "بہت بڑا جھوٹا اور کذاب ہے" امام مالک رح نے اس کو "دجال" قرار دیا ہے۔

ولفظه وقال یحیٰ بن ادم حدثنا ابن ادریس قال کنت عند مالک فقیل له ان ابن اسحاق یقول اعرضوا علی علم مالک فانی بیطاره فقال مالک انظروا الی دجال من الدجاجلة ۔ (میزان ج ۳ ص ۲۱)

امام احمدؒ فرماتے ہیں " ھو کثیر التدلیس جدًا " ابن عدیؒ فرماتے ہیں " کان ابن اسحاق یلعب بالدیوک ۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۲)۔

۲ : سلیمان بن سحیم صدوق کذا فی کشف الاستار ۔

۳ : امیة بن ابی الصلت سلیمان کے اساتذہ کے طبقہ میں اس نام کا کوئی راوی موجود نہیں ۔ لہٰذا یہ مجہول ہے البتہ اس نام کا ایک مشہور ثقفی شاعر گزرا ہے ۔ جس کا تذکرہ بعض احادیث میں پایا جاتا ہے ۔

ولفظه قال ردفت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یوما فقال ھل معك من شعر امیة بن ابی الصلت قلت نعم فقال ھیه الحدیث وفی روایة فلقد کاد یسلم فی شعره (صحیح مسلم : ج ۲ : ص ۲۳۹)

لیکن یہ شاعر زمانۂ اسلام سے قبل وفات پا چکا تھا ۔

"اصابہ" میں ہے ۔ امیة بن ابی الصلت الثقفی الشاعر المشهور قال ابن السکن لم یدرکه الاسلام ۔ (ج ۱ : ص ۱۳۳) ۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اسی مقام پر تصریح کرتے ہیں "حتی مات کافرًا " یہ مشہور شاعر بھی سلیمان بن سحیم کا استاذ نہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نام میں کوئی تصحیف یا غلطی واقع ہوئی ہے ۔ صحیح نام امیة بنت ابی الصلت ہے ۔ جیسا کہ "سنن ابی داؤد" جلد ۱ : ص ۴۴ ۔ کی سند میں مذکور ہے ۔

ولفظه ، اخبرنا محمد یعنی ابن اسحاق عن سلیمان بن سحیم عن امیة بنت ابی الصلت عن امرأة من بنی غفار ۔ الحدیث ۔

حافظ ذہبیؒ اور علامہ ابن حجرؒ نے بھی اس کا تذکرہ انہی لفظوں میں کیا ہے ۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں ۔ امیة بنت ابی الصلت عن الغفاریة اللتی حاضت فامرھا ان تغسل الدم بملح فقیل امنة بالنون وقیل بیاء مشددة فھی بکل حال لا تعرف الا بھذا الحدیث رواه ابن اسحاق عن سلیمان بن سحیم عنھا ۔ (میزان ، ج ۱ ، ص ۱۲۸) ۔

مگر یہ راویہ مجہول ہیں ۔ جیسا کہ اقتباس بالا کے آخری الفاظ میں مصرح ہے ۔

علامہ ذہبیؒ نے " میزان الاعتدال ، جلد ۳ " کے آخر میں " باب النساء المجهولات " باندھا ہے ۔ اور اس میں اس امیة بنت ابی الصلت کا ذکر کیا ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں ۔ امیة بنت

ابی الصلت الغفاریة .... ج ۳ ص ۲۹۶ -

حافظ و تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں۔ امیۃ بنت ابی الصلت ما یقال امنۃ لا یعرف حالہا من الثالثۃ (ص ۶۵۵ مطبوعہ نولکشور)۔

حافظ ابن حجر رح نے بھی ان کے مجہول الحال ہونے کی تصریح فرمادی۔ بہر حال یہ راویہ مجہول الحال ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مجہول الاسم بھی ہیں۔ جیسا کہ علامہ ذہبی رح نے تصریح فرمائی ہے۔ امیہ، امنہ امیہ، امہ، اماممہ، ان کے یہ مختلف نام کتابوں میں ملتے ہیں۔

۴ ۱۔ امرأۃ من بنی غفار ان کا نام مذکور نہیں ہے۔ علامہ سہیلی رح نے ان کا نام "لیلیٰ" بتایا ہے۔ کما فی الاصابہ تحت ترجمۃ امامۃ بنت حکم واللہ اعلم۔ احوال رواۃ کے تفصیل کے پیش نظر یہ امر ظاہر ہے کہ یہ روایت قابلِ احتجاج نہیں۔ کیوں کہ اس میں محمد بن اسحاق موجود ہے جس کے بارے میں ائمہ فن کی مختلف آراء آپ پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں۔ امام مالک رح نے دجال تک کہا ہے۔ محمد بن اسحاق کثیر التدلیس جداً کما قال احمد میزان الاعتدال۔ ج ۳ ص ۲۲ اور ابوداؤد کی سند میں یہ سلیمان بن سحیم سے بلفظ "عن" روایت کر رہے ہیں۔ اور مدلس کی مُعَنعَن روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔ اگر کہا جائے کہ سیرت ابن ہشام میں حدثنی سلیمان بن سحیم موجود ہے۔ تو اولاً جواب یہ ہے کہ ابوداؤد کی روایت زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ ان کا اخبرنی کہنا بھی محل نظر ہے۔

قال احمد ھو کثیر التدلیس جداً قیل لہ فاذا قال اخبرنی وحدثنی فھو ثقۃ قال ھو یقول اخبرنی ویخالف (ج ۳ ص ۲۲ میزان الاعتدال)

اس روایت میں محمد بن اسحاق منفرد ہیں اور ایسی روایت کے بارے میں اہلِ فن کا فیصلہ ہے کہ اس میں نکارت ہوتی ہے۔ کیوں کہ ان کا حافظہ الیسا قوی نہیں تھا۔ حافظ ذہبی رح فرماتے ہیں وما انفرد بہ ففیہ نکارۃ فان فی حفظہ شیئاً۔ میزان الاعتدال۔ ج ۳ ص ۲۲۔

امیۃ بن ابی الصلت مجہول الحال ہے اور مجہول الحال راوی کی روایت قابلِ قبول نہیں۔

علی حقیبۃِ رَحلہ قال فی النہایۃ وھی الزیادۃ اللتی تجعل فی مؤخر القتب کذا فی البذل۔ ج ۱ ص ۱۸۸۔ ترجمہ۔ حقیبۃ پالان کا وہ زائد حصہ ہے جو پالان کی پچھلی جانب ہوتا ہے۔ اونٹ کے پالان میں دو آدمیوں کے بیٹھنے کی الگ الگ جگہ بنی ہوتی ہے۔ درمیان میں لکڑی حائل ہوتی ہے۔

اس حدیث میں قادیانیوں کی جانب سے جو اعتراض کیا گیا ہے جہالت اور نادانی پر مبنی ہے۔ کیوں کہ حقیبۃ الرحل پر سوار ہونے سے دونوں میں مَس لازم نہیں آتا۔ کیونکہ درمیان میں لکڑی کا معتد بہ حائل موجود ہوتا ہے۔ علامہ سندھی رح حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح اور صاحب غایۃ المقصود، فرماتے ہیں کہ الا رداف علی الحقیبۃ لا یستلزم المماسۃ فلا اشکال۔ (بذل۔ ج ۱ ص ۱۵۰) وحاشیۂ ابی داؤد۔ ج ۱۔ ص ۴۴۔ جو چاہے اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

وثانیاً یہ کہ اس وقت یہ صحابیہ نابالغہ تھیں۔ چنانچہ خود فرماتی ہیں۔ وکنت جاریۃ حدیثۃ السن۔ اور "جاریۃ" نابالغہ بچی کو کہتے ہیں۔ کما فی القاموس وغیرہ۔ اور اس سفر میں ان کو پہلا حیض آنا یہ بھی اس امر پر دلالت بینہ رکھتا ہے کہ بوقت اِرْدَاف نابالغہ تھیں حیض کی ابتدائی عمر نو سال سے شروع ہو جاتی ہے۔ گویا نو دس سال یا اس سے زائد عمر کی تھیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسی عمر نہیں۔

ثالثاً یہ کہ واقعہ کی حقیقت متعین کرنے کے لئے محل وقوع کی رعایت نہایت ضروری امر ہے۔ یہ واقعہ خلوت میں پیش آیا ہوتا تو اس کی حیثیت کچھ اور ہوتی۔ کسی شادی کی تقریب یا لہو ولعب کی مجلس میں ایسا امر پیش آجاتا تو محل نظر ہو سکتا تھا۔ لیکن ان حقائق سے آنکھ کیسے بند کر لی جائے کہ غزوۂ خیبر کا یہ سفر اس حالت میں ہوا ہے کہ کئی سو سواروں اور بارہ سو پیادوں کی فوج ہمراہ ہے۔

"علقہا بیدہ فی عنقی" اس کا جواب اوّلاً یہ ہے کہ ابو داؤد کی روایت میں یہ زیادتی موجود نہیں ہے۔ ثانیاً یہ کہ اس سے مَس لازم نہیں آتا۔ ومن ادعی فعلیہ البیان۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ

"انا احمد بلا میم" موضوع روایت ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بکر کہتا ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " انا احمد بلا میم " جس کا مطلب یہ ہے کہ میں بھی اَحَدْ ہوں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی ذات وصفات بعینہٖ میری ذات وصفات ہیں۔ میں ہی اللہ تعالیٰ کے ذاتی صفاتی کمالات کا واحد مالک ہوں۔ بس فرق اتنا ہے کہ ایک وجود کے دو نام ہو گئے ہیں۔ ذاتی نام احد ہے اور صفاتی نام " احمد " ہے۔ بکر یہ بھی کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا " انا عربٌ بلا عین " " عین " کو ساقط کر دیا جائے تو لفظ " عرب " کا " رب " بن جاتا ہے۔ گویا دونوں حدیثوں کا واضح مطلب یہ ہوا کہ میں " احد " بھی ہوں اور " رب " بھی ہوں۔ کیونکہ دونوں حدیثیں صحاح ستّہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

لیکن زید کہتا ہے کہ دونوں حدیثیں غلط اور جھوٹی ہیں۔ جو ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتانِ عظیم ہیں۔ ان دونوں حدیثوں پر ایمان لانا لغویات وکفریات میں سے ہے۔

آیا شرعاً بکر کا قول صحیح ہے یا زید کا۔ اگر غلط ہے تو کیا بکر پر تجدیدِ ایمان و اسلام ضروری ہے یا نہیں اور اس کی امامت جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب بکر غلطی پر ہے۔ ہر دو روایتیں موضوع ہیں۔ صحاح ستہ اور حدیث کی معتبر کتب میں ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ زید کا عقیدہ صحیح ہے۔ بکر ہرگز امامت کے لائق نہیں ایسا عقیدہ کفر ہے۔ اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ واجب ہے۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے اندر حلول کیا ہوا ہے وہ اسلام سے خارج ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۷/۱۳۸۴ھ

اَنَّ اللہ خَلَقَ اٰدم علٰی صُورتہٖ "حدیث ہے"

ایک مشہور حدیث ہے اِنَّ اللہ خَلَقَ اٰدم علٰی صورتہٖ اس کا کیا مطلب ہے اور یہ حدیث ہے یا نہیں ؟

الجواب مذکورہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات اور اخلاق کا کچھ حصہ آدم و بنی آدم کو عطاء فرمایا ہے۔ (قرطبی)

فقط واللہ اعلم ؛ محمد انور عفا اللہ عنہ

نوٹ : مذکورہ سوال کے جواب میں طبع اوّل میں نقل کی غلطی ہے۔ صحیح جواب یہی ہے

"معراج کی رات نوّے ہزار کلام ہوئی" موضوع ہے

مشہور ہے کہ جب حضور علیہ السلام معراج پر تشریف لے گئے تو رب العزت کے ساتھ آپ کی نوّے ہزار کلام ہوئی۔ تیس ہزار تو ظاہر ہے جو علماء دین کے پاس ہے۔ اور تیس ہزار باطن ہے جو اولیاء کے پاس ہے جن کو علماء دین علیحدہ چیز سمجھتے ہیں۔ اور تیس ہزار آپ نے کسی کو بتلائی ہی نہیں۔ اگر بتلائی ہی نہیں تو مقصدِ تبلیغ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ ہے فوت ہو جاتا ہے۔ اس کا بیان باوضاحت فرما دیں۔

الجواب یہ بالکل من گھڑت اور بے بنیاد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ؛ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۴/۵/۱۳۸۴ھ

سلمان رضؓ مِنّا اَھلَ البَیتِ کا ثبوت

صاحب اصح السیر صـ۱۸۸ مطبع کراچی میں واقعہ خندق میں فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس روز تنہا دس آدمیوں کا کام کیا۔ مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان رضؓ ہم سے ہیں، انصار کہتے تھے کہ سلمان رضؓ ہم سے ہیں۔ یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ سلمان رضؓ میرے اہل بیت میں سے ہے۔

۲ : کل تقی نقی فھو اھلی ۔

۳ : حضرت ام سلمہ رضؓ نے عرض کیا یارسول اللہ انا من اھل البیت فقال بلیٰ انشاء اللہ۔

یہ تینوں حدیثیں اہل سنت کی کون سی کتب میں ہیں ۔ اور سند کے لحاظ سے کیسی ہیں ۔

الجواب ۱ : یہ حدیث البدایۃ والنہایۃ ج۴ صـ۹۹ پر موجود ہے۔ لیکن اس حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس دن دس آدمیوں کا کام کیا البتہ مہاجرین والانصار کا اختلاف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ سلمان رضؓ میرے اہلبیت میں سے ہیں ، یہ الفاظ یہاں موجود ہیں۔

۲ : بعض معتمد حواشی میں بحوالہ طبرانی (بسند ضعیف) اس حدیث کو نقل کیا گیا ہے۔

۳ : ابن کثیر میں بحوالہ امام احمد یہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے عرض کیا کہ فقلت وانا یارسول اللہ قال صلی اللہ علیہ وسلم وانت ۔ ج۳ ۔ صـ۴۸۴ ۔ فقط واللہ اعلم

محمد اسحاق غفرلہٗ ۱؍۲؍۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح : عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۔

حج کے سلسلہ میں ایک حدیث کی تحقیق

رب تعالےٰ جل شانہٗ اپنے کلام مقدس میں ارشاد فرماتے ہیں فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہٗ ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہٗ ۔ اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص باوجود طاقت مالی و بدنی کے سعادت حج مبارک سے مستفید نہ ہوا ، تو اس کا خاتمہ یہودیت ونصرانیت پر ہوا ۔ اوکما قال ۔ تو حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آدمی مذکور حج ادا نہ کرنے والے کے باقی اعمال فرائض وغیرہ باطل ہو جائیں گے۔ آیت مذکورہ کا مضمون اس کے برعکس ہے۔ اس تعارض کی کیا تطبیق ہوگی ؟

الجواب ۱ : آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو برائی معاف نہ ہوئی اس کی سزا ضرور ملے گی ۔ اور جو نیکی ضائع نہیں ہوئی اس کی جزاء ضرور ملے گی ۔ جیسا کہ دیگر آیات واحادیث سے ثابت ہے ۔ قبول اسلام سے پہلے بہت سے گناہ ہوتے ہیں لیکن اسلام انہیں منہدم کر دیتا ہے ۔ قال اللہ تعالیٰ انّ

اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الاسلام یھدم ماکان قبلہ۔ اور اسی طرح فرمانِ باری تعالیٰ ہے ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ۔ معلوم ہوا کہ ارتداد سے حبطِ اعمال ہو جاتا ہے۔ الغرض آیت میں دیگر نصوص کی روشنی میں قیدِ مذکور لازم ہے اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ باوجود استطاعت کے حج نہ کرنا یہ ناشکری ہے جو کہ ارتداد، یہودیت ونصرانیت اختیار کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ اور ارتداد سے حبطِ اعمال ہوتا ہے، گویا کہ نیکیاں ضائع ہو چکی ہیں۔ اور آیت میں ایسی نیکیوں پر جزا کا ذکر ہے جو ضائع نہ ہوئی ہوں۔ پس آیت و حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

۲ : یہ حدیث مبالغہ اور تشدید پر محمول ہے۔ وھو من باب المبالغۃ والتشدید والایذان بعظمۃ شان الحج کذا فی بعض الحواشی۔

۳ : امام ترمذی رحؒ نے اس حدیث کو متکلم فیہ قرار دیا ہے فرماتے ہیں۔ وفی اسنادہ مقال وھلال بن عبد اللہ مجھول والحارث یضعف فی الحدیث۔

واضح رہے کہ ترکِ حج ارتداد نہیں اور نہ اس سے سابقہ اعمال ضائع ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ناشکری اللہ تعالیٰ کی حفاظتِ خاصہ سے نکل جانے اور ارتداد میں داخل ہو جانے کا سبب بن سکتی ہے جس سے ضیاع ہوتا ہے۔ گویا کہ ترکِ حج سے حبطِ اعمال ہوا تو نہیں لیکن ارتداد کا اندیشہ ضرور لاحق ہو گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ۔ ۶ ر ۲ ر ۱۳۹۴ھ

تعظیمِ اہلِ بیت سے متعلق چند موضوع احادیث

ایک شخص محمود شاہ نامی نے جو اپنے آپ کو محدث ہزاروی کہتا ہے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "السیف المسلول" ہے اس میں یہ احادیث درج ہیں۔

۱ : اکرموا ووقروا اولادی الصالحون للہ والطائحون لی۔ ص۳۸

۲ : اقبلوا عن محسنھم وتجاوزوا عن مسیئھم۔ ص۳۸

۳ : عترتی خلقوا من طینتی ورزقوا فھمی ص۳۸ وص۵۴

۴ : من لم یعرف حق عترتی والانصار والعرب فھو لاحدی ثلث اما ولد زانیۃ واما منافق واما امرأۃ حملت بہ امہ فی غیر طھر۔ ص۳۸

اسی مفہوم کی کئی اور احادیث بھی درج ہیں۔ نیز اس کے عقائد یہ ہیں۔

۶۔ سادات سے جو سلوک کیا جاتا ہے وہ براہِ راست حضورؐ کے ساتھ ہے اور جو ان کی تنقیص کرے وہ کافر و مرتد ہے۔

(السیف المذکور ص)

۵۔ کسی صحیح النسب حسنی و حسینی سید سے کفر کا ہونا ناممکن ہے کیوں کہ وہ لبضعۃ الرسول ہیں اور نور و جزءِ رسول سے کیسے ممکن ہے کہ وہ کفر کا ارتکاب کرے۔؟

۶۔ جس طرح حضور کی تعظیم فرضِ قطعی ہے ایسے ہی سادات کی تعظیم بھی فرضِ قطعی ہے۔ وغیر ذلک۔

الجواب عقائدِ مذکورہ کا کتبِ اہلسنت والجماعت میں کہیں نام و نشان نہیں اور نہ ہی یہ احادیث سننے اور دیکھنے میں آئی ہیں۔ یہ شخص مبتدع اور ضال و مُضِل ہے۔ حدودِ شرعیہ سے متجاوز اور غالی ہے مسلمانوں کو ایسے شخص سے بیعت ہونا جائز نہیں۔

باقی رہا احترام و اکرام حضرات سادات کرام اور اعزاز و تعظیم حدودِ شرعیہ کے اندر تو اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۷/۲/۷ ۱۳ھ

احادیث سے ابدال کا ثبوت طریقت کے عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ دنیا میں ہر وقت ایک غوث، سات قطب اور چالیس ابدال ہوتے ہیں۔ اس سے آگے درجہ صاحبِ خدمت حضرات کا ہے جن کی کوئی تعداد نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عالم کا نظم و نسق ان حضرات کے ناخن تدبیر سے انجام پاتا ہے۔ خیر و شر کی قوتوں کا خالق تو اللہ تعالےٰ ہے لیکن دنیا میں ان قوتوں کے نفاذ میں یہ ہستیاں مؤثر ہوتی ہیں۔ یہ عوام الناس کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ کیونکہ عام طور پر یہ بھی عام لوگ ہی ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ قوت ودیعت ہوتی ہے کہ ایک مقام سے کسی دوسرے بعید مقام تک بغیر کسی ظاہری ذریعۂ آمد و رفت کے بھی جا سکتے ہیں۔ مناسب وقفہ سے ان حضرات کے اجلاس منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں بین الاقوامی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا جاتا ہے۔ اور آئندہ کے لئے پالیسیاں مرتب کی جاتی ہیں۔ کسی ایک ابدال یا قطب کے وفات پاتے ہی اس محکمہ کے سربراہ (غوث) کی طرف سے فوراً نیا آدمی تعینات کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ کا مشہور قصہ حضرت غوث سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رح کا بیان کیا جاتا ہے کہ جس رات بغداد کا قطب فوت ہوا اسی رات ایک چور چوری کی غرض سے حضرت کے گھر آیا اور اندھا ہو کر وہیں رہ گیا۔ حضرت نے اسے ایک نظر میں چور سے قطب بنا کر فوت شدہ قطب کی جگہ مقرر فرما دیا۔ یہ اور اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جو میں نے علماء سے سنے ہیں۔ لیکن اس بارے میں اطمینانِ قلب نصیب نہیں ہوا۔ میرے چند بزرگ مُصر ہیں کہ میں اس عقیدہ کو مان لوں۔ میں ان سے کوئی شرعی دلیل طلب کرتا ہوں لیکن وہ دلیل سے قاصر ہیں۔ آپ ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالیں۔

الجواب یہ عقیدہ نہیں بلکہ ایک مسئلہ ہے۔ ابدال کا موجود ہونا حدیث سے ثابت ہے۔

۱۔ عن علی رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تسبوا الشام

فان فیہم الابدال ۔ رواہ الطبرانی وغیرہ ۔

۲ ۔ واخرج احمد عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول

الابدال بالشام وھم اربعون رجلاً یسقی بہم الغیث وینتصر بہم

علی الاعداء ویصرف عن اھل الشام بہذا العذاب اوغیر ذلک ۔ رسائل ابن عابدین ص ۲۶۵

گو ابن جوزی نے ایسی روایات کو موضوع کہا ہے ۔ لیکن علامہ جلال الدین سیوطی رح نے اس کی تردید کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے ۔ ان خبر الابدال صحیح وان شئت قلت متواتر ۔ علامہ سخاوی رح نے حدیث ۱ کو صحیح قرار دیا اور باقی روایات کی تضعیف کی ہے ۔

نیز دوسرے آثار سے ان حضرات کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ مصائب عامہ کے دفعہ اور حوائج خلق کے پورا ہونے میں ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں ۔ اور نصح للمسلمین ان کا خصوصی وصف بتایا گیا ہے ۔ خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے ۔

فاذا عرضت الحاجۃ من امر العامۃ ابتہل فیہا النقباء ثم النجباء ثم الابدال ۔

امور بالا تو ثابت ہیں لیکن اس کے علاوہ ان کا اجتماع بین الاقوامی مسائل کے بارے میں پالیسیاں طے کرنا یہ کہیں نظر سے نہیں گزرا ۔ حق تعالیٰ شانہ کے ہاں پالیسیاں تو پہلے ہی سے طے شدہ ہیں ۔ انہیں طے کرنے کی کیا حاجت ؟ بظاہر یہ صحیح نہیں ۔ فقط ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم سنداً ضعیف ہے

ایک حدیث کے بارے میں عرض ہے کہ طلب العلم فریضۃ والی جو حدیث ہے اس میں لفظ " مسلمۃ " ہے یا نہیں ؟ کیا یہ حدیث قوی ہے یا ضعیف ؟

قاری عبدالواحد ، خانپور

الجواب علامہ سخاوی رح " مقاصد " میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے الفاظ میں " مسلمۃ " منقول نہیں ۔ مشکوٰۃ میں امام بیہقی سے منقول ہے کہ یہ حدیث جتنے طرق سے منقول ہے سب ضعیف ہیں ۔

وروی البیہقی فی شعب الایمان الی قولہ ومسلم وقال ھذا حدیث متنہ مشہور واسنادہ ضعیف وقد روی من اوجہ کلہا ضعیفۃ اھ (ج ا ص ۳۴)

نیز امام احمد بن حنبل رح ، ابن راہویہ ، ابو علی نیشاپوری اور حاکم وغیرہ سے بھی اس کا غیر صحیح ہونا منقول

ہے۔ علامہ سیوطی رح سے منقول ہے کہ امام نووی رح سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو فرمایا کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔ اگرچہ معنیً صحیح ہے۔ (مرعاۃ: ج ۱: ص ۱۹۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۳ / ۸ / ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

غیبت کے بارے میں ایک حدیث کی تحقیق

کبائر میں سے غیبت کو اشد من الزنا فرمایا گیا ہے یہ حدیث ہے یا مقولہ۔ حالانکہ زنا کی حد نص قرآنی سے ثابت ہے اور دنیا میں قلیل ہوتا ہے اور چھپ کر ہوتا ہے۔ اور غیبت کثیر الوقوع ہوتی ہے اور علی الاعلان اور اس سے فسادات اور خونریزی ہوتی ہے۔ نیز کوئی مقام اور کوئی مجلس وغیرہ اس سے خالی نہیں۔ باوجود اس کے نص قرآنی سے کوئی سزا دنیا میں معلوم نہیں ہوتی۔ دیگر یہ بھی واضح فرمائیں۔ کہ غیبت حقوق اللہ ہے یا حقوق العباد۔ زنا کی اگر حد لگائی جائے تو اس کی کیا صورت اس وقت ہونی چاہیئے۔ کیونکہ حکومت میں اسلامی قواعد جاری نہیں۔

الجواب الغیبۃ اشد من الزنا[1] حدیث ہے بیہقی میں حضرت جابر اور ابوسعید سے مروی ہے نیز احیاء العلوم میں ہے۔

قال انس خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر الربا وعظم شانہ فقال ان الدرھم لیصیبہ الرجل من الربوٰ اعظم عند اللہ فی الخطیئۃ من ست وثلاثین زنیۃ یزنیھا الرجل و اربی الربا عرض الرجل المسلم قال فی حاشیۃ احیاء العلوم رواہ ابن الدنیا بسند ضعیف۔

قرآن مجید میں غیبت کے متعلق فرمایا گیا۔

۲ ؛ ایحب احدکم ان یأکل لحم اخیہ میتا۔

۳ ؛ یہ ضروری نہیں کہ ہر جرم کی سزا بطور حد کے ذکر کی جائے۔ غیبت حقوق العباد سے ہے۔ لہٰذا اس کی بخشش اس شخص سے کرائی جائے۔ جس کی غیبت کی ہے۔ حدود کے اجراء کے متعلق کوشش کرنی

---

[1] مشکوۃ ص۱۵ پر ہے۔ عن ابی سعید وجابر قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغیبۃ اشد من الزناء قالوا یارسول اللہ وکیف الغیبۃ اشد من الزنا قال ان الرجل لیزنی فیتوب فیغفر اللہ لہ وان صاحب الغیبۃ لایغفرلہ حتی یغفرھا لہ صاحبہ رواہ البیہقی۔ محمد انور مرتب

چاہیئے۔ لغیر حاکم یا سلطان کے دوسرا شخص حد نہیں لگا سکتا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ ۱۴/۷/۱۳۶۹ھ

الجواب صحیح احقر محمد عفی عنہ ؛ الجواب صحیح ؛ بندہ عبد الرحمن عفرلہٗ

انکارِ حدیث کے سلسلہ میں شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کی ایک عبارت کی توضیح

شاہ عبد العزیز صاحب محدثِ دہلوی رح نے "فتاوٰی عزیزیہ" میں لکھا ہے کہ۔

سوال ؛ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو حدیث شریف سے انکار کرے۔

جواب ؛ اس مسئلہ میں چند احتمالات ہیں۔ ۱ .... ۲ .... ۳ ....

.... ۴ ؛ آگے لکھتے یہ لکھا ہے کہ کسی آیت شریفہ کے خلاف ہو، یا ایسی ہی کوئی اور مناسب وجہ انکار کی اس کے نزدیک ہو تو ایسے انکار میں کوئی حرج نہیں۔ براہ مہربانی یہ لکھیں کہ شاہ صاحبؒ کی تحقیق ٹھیک ہے یا نہیں ؟

الجواب حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی تحقیق درست ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ایک آدمی کسی حدیث کا انکار کسی غرض فاسدہ کے تحت نہیں بلکہ اس لئے کر رہا ہے کہ وہ اس کے خیال میں کسی آیتِ قرآنی کے خلاف ہے یا کسی حدیث کے خلاف ہے۔ تو اس سے کفر لازم نہیں آنے گا۔ کیونکہ وہ در اصل حدیثِ رسول کا منکر نہیں، بلکہ جو بات بعنوانِ حدیث اسے پہنچی ہے اس کے حدیث ہونے کا منکر ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کا منکر ہے کہ اس بات کو حدیث نہ کہنا چاہیئے۔ بخلاف آج کل کے منکرینِ حدیث کے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ قطع نظر اس سے کہ یہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں یا نہیں، خود حدیث کی حیثیت یہ نہیں کہ اس پر عمل کرنا ضروری ہو بلکہ معاذ اللہ آنحضرت علیہ السلام کی حیثیت محض ایک پیغام رساں کی سمجھتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام نے ہمیں قرآن پہنچا دیا اب آگے ہم اس کو جیسے سمجھتے رہیں، عمل کرتے رہیں۔ اور آنحضرت علیہ السلام نے جو کچھ اس کی تشریح میں فرمایا یا عمل کیا۔ وہ ہمارے لئے حجت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ نظریہ بے شمار نصوصِ قرآنی کے خلاف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جس انکارِ حدیث کو کفر نہیں کہہ رہے اس میں اور موجودہ دور کے منکرینِ حدیث کے نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نیز ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ وہ انکار، ہوائے نفسانی اور کسی غرض فاسدہ کے تحت نہ ہو۔ اور موجودہ منکرینِ حدیث کا بنیادی مقصد یہی ہے

کہ حدیث سے گلو خلاصی کرکے آیات قرآنی کا جو چاہو مطلب بیان کرلو۔ اور جیسے چاہو اپنی مرضی کا دین بنالو۔ ایسے نظریہ کی گمراہی وضلالت میں کوئی شک نہیں۔

"چہارم آنکہ حدیثے را بسبب قوت حدیث دیگر یا بجہت آنکہ اعتماد بر قول ناقل ندارد وحدیث تصور نکرد و بانکار آں پرداختہ و منشاء انکار ہوائے نفسانی و غرض دنیاوی نباشد وہمچنیں سرسبزی کلام خود منظور نداشتہ باشد و غرضے دیگر از اغراض فاسدہ مقصود او نباشد بلکہ بنا بر قواعد اصول حدیث یا مخالفت حدیث مذکور باکدام آیت قرآنی بگمان منکر یا امثال آں انکار حدیث نمودہ باشد پس حرجے درآں نیست"

(فتاویٰ عزیزیہ ج ۱ ص ۱۵) ۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ۱ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۶ / ۵ / ۱۴۰۰ھ

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" صحیح نہیں

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" آیا یہ واقعی حدیث ہے یانہیں؟

الجواب علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل قال شیخنا والزرکشی لا اصل لہ ولا یعرف فی معتبر وروی بسند ضعیف ۔ (تذکرۃ الموضوعات صـ۲۰)

اور موضوعات کبیر ص ۸۲ ۔ میں ہے ۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل قال الدمیری والعسقلانی لا اصل لہ. وکذا قال الزرکشی وسکت عنہ السیوطی ۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت ضعیف ہے اور بقول بعض اس کی کوئی اصل نہیں ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح ، خیر محمد عفی عنہ ۸ / ۴ / ۱۳۸۹ھ

فرضوں کے بعد سر پہ ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنے کا ثبوت

ہر نماز کے بعد سر پہ ہاتھ رکھ کر دعاء پڑھیں ۔ اس کا کہیں ثبوت ہے اگر ہے تو دلیل تحریر کریں ۔ ۱ محمد حسین عثمانی ، ص ب ۳ / ۲۶ مکہ مکرمہ سعودی عرب ۔

الجواب حدیث کی کتاب حصن حصین ص ۸۲ ۔ میں ہے کہ آنحضرت علیہ السلام جب نماز سے فارغ ہوتے تو دائیں ہاتھ کو سر پر پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے ۔

.... بسم اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الرحمن الرحیم اللھم اذھب عنی الھم والحزن۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۰۶/۱/۱۴ھ

قال علیؓ "انا الصدیق الاکبر" روایۃً و درایۃً صحیح نہیں

بعض شیعہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ صدیق اکبر حضرت علیؓ کا لقب تھا، سنیوں نے اسے از خود حضرت ابوبکرؓ پر چسپاں کر دیا اور اس سلسلہ میں ابن ماجہ کی ایک روایت بھی پیش کرتے ہیں۔ براہ کرم مندرجہ ذیل سوالات کا جواب عنایت فرمائیں۔

۱ : حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا لقب کس نے دیا؟

۲ : ابن ماجہ کی وہ روایت کون سی ہے اور اس کا کیا جواب ہے؟

سید ثمر علی، ممتاز آباد ملتان

الجواب

۱ : صدیق کا لقب حضرت ابوبکرؓ کیلئے خود آنحضرت علیہ السلام کا عطا فرمودہ ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت علیہ السلام بمعیت حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم احد پہاڑ پر چڑھے۔ پہاڑ پر لرزہ طاری ہوا، تو آنحضرت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

اسکن احد فلیس علیک الا نبی و صدیق و شہیدان۔ (بخاری، ج ۱ ص ۵۲۳)۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ "صدیق" کا لقب حضرت ابوبکرؓ کے لئے خود آنحضرت علیہ السلام نے استعمال فرمایا ہے۔

اہلِ تشیع کی کتاب "تفسیرِ قمی" ص ۱۵۷ مطبوعہ ایران۔ اور "کشف الغمہ ۲۲۰" میں بھی یہ لقب حضرت ابوبکر کے لئے منقول ہے۔

۲ : یہ حدیث ابن ماجہ، ص ۱۲۔ (اصح المطابع) میں بایں لفظ و سند موجود ہے۔

حدثنا محمد بن اسماعیل الرازی ثنا عبید اللہ بن موسی انبأنا العلاء بن صالح عن المنہال عن عباد بن عبد اللہ قال قال علی انا عبد اللہ واخو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا الصدیق الاکبر لا یقولہا بعدی الا کذاب صلیت قبل الناس بسبع سنین الحدیث۔

مذکورہ روایت کے بارے میں محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ چنانچہ علامہ جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "موضوع افتہ عباد، والمنہال ترکہ شعبہ"۔

علامہ ذہبی اپنی کتاب "میزان" میں عباد کے حالات لکھتے ہوئے اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ھذا کذاب علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

علامہ ذہبی ہی تلخیص المستدرک، ج ۳: ص ۱۱۲ پر لکھتے ہیں۔ حدیث باطل (ماتمس الیہ الحاجۃ ص۳۶)

حاصل یہ ہے کہ یہ روایت روایۃً محض جھوٹ اور باطل ہے۔ جسب معمول اہل تشیع کا افتراء ہے۔ اس کا راوی عبید اللہ بن موسیٰ، شیعہ تھا۔ دیکھئے "کشف الاستار، ص ۱۱، تقریب، ص ۱۷۱۔

نیز منہال بن عمرو اور عباد بن عبداللہ بھی ضعیف ہیں۔ (کشف الاستار: ص ۵۲: تقریب ص ۱۲۲)

اور درایۃً بھی یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا افضل الصحابہ ہونا صراحۃً منقول ہے۔ نیز اس میں خودستائی بھی ہے جو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان سے بہت بعید ہے۔ فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ: ۳ / ۸ / ۱۳۹۹ھ

فضائل درود کی ایک حدیث پر اہم علمی اعتراض کا جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
بعد از سلام مسنون!

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی ایک عبارت اور فضائل درود، مصنفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ایک حدیث مع اپنے اشکالات درج کر رہا ہوں وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ تعلیم الاسلام حصہ چہارم میں شرک فی الصفات کی قسمیں بیان کرتے ہوئے نمبر ۳ پر لکھتے ہیں

"شرک فی السمع والبصر، یعنی خدا تعالےٰ کی صفت سمع و بصر میں کسی دوسرے کو شریک کرنا، مثلاً یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی ہماری تمام باتوں کو دور و نزدیک سے سن لیتے ہیں یا ہمارے کاموں کو ہر جگہ سے دیکھ لیتے ہیں صفت شرک ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ دور و نزدیک سے تمام باتوں کا سننا خدا تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے جس میں کوئی غیر شریک نہیں۔ اور "فضائل درود" کی فصل اول میں حضرت شیخ الحدیث رحنے حدیث نمبر ۷ یہ نقل کی ہے۔

"اللہ جل شانہٗ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت فرما رکھی ہے۔ پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہے گا وہ فرشتہ مجھ کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا ہے فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اس نے

آپ پر درود بھیجا ہے "۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرشتہ خدا تعالےٰ کی صفت سمع میں شریک ہے کہ دور و نزدیک سے ہماری تمام باتوں کو سنتا ہے ۔ فرض کرو یہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع ہے، تب بھی اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث رح کے نزدیک غیر اللہ میں یہ قوت ماننا شرک نہیں ۔ ورنہ وہ کتاب میں درج ہی ذکرتے اور اگر کہا جائے کہ مفتی صاحبؒ کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ ذاتی طور پر کسی غیر اللہ کو دور و نزدیک سے تمام باتوں کے سننے کی قوت حاصل نہیں لیکن عطائی طور پر ممکن ہے ۔ اور حدیث میں عطائی قوت کا ہی ذکر ہے، تو پھر اشکال یہ ہے کہ آج کل کے قبر پرست بھی تو یہی کہتے ہیں کہ ہم انبیاء اور اولیاء کے لئے عطائی طور پر یہ قوت مانتے ہیں کہ دور و نزدیک سے وہ ہماری تمام باتوں کو سن لیتے ہیں ۔ ان کا کیا قصور ہے ؟ کہ ہم انہیں مشرک کہتے ہیں ۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا عقیدہ بلا دلیل ہے، لہذا غلط ہے، لیکن اس عقیدے کو شرک نہیں کہہ سکتے ۔ شاید آپ فرمائیں کہ وہ عطائی تو مانتے ہیں لیکن اس عطائی قوت میں انبیاء و اولیاء کو مستقل اور مختار سمجھتے ہیں جو شرک ہے ۔ تو پھر عرض یہ ہے کہ مستقل اور مختار ہونے کا مطلب واضح فرمائیں کیوں کہ ایک اعتبار سے تو ہم اپنے تمام اختیاری افعال میں مستقل اور مختار کہلاتے ہیں ۔ حالانکہ ہم ادنیٰ سی حرکت میں بھی ارادۂ الٰہی کے محتاج ہیں ۔ بغیر ارادہ و مشیتِ الٰہی کے کچھ بھی نہیں کر سکتے ۔

نہ اشکال کو اتنا تفصیل سے اس لئے لکھا ہے تاکہ جواب منقح ہو اور شرک فی الصفات کی جامع مانع تعریف سمجھ آجائے ۔ جواب الجواب کی نوبت نہ آئے ۔

الجواب

۱ : اس حدیث میں ایک غیر معروف اور ایک مختلف فیہ راوی ہے ۔ چنانچہ الترغیب والترھیب : ج ۲ : ص ۲۸۰ ۔ میں ہے ۔

قال الحافظ رو و ہ کلہم عن نعیم بن ضمضم وفیہ خلاف عن عمران بن الحمیری ولا یعرف اھ ۔

۲ : مراجعت کتب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں صحیح الفاظ اسماء الخلائق بالھمزہ ہے جو اسم کی جمع ہے اور اسماع الخلائق بالعین نہیں ہے جو کہ سمع کی جمع ہے ۔ چنانچہ ترغیب جلد ۲ ۔ ص ۲۸۰ مطبوعہ ادارہ الطباعۃ المنیریہ مصریہ میں ہمزہ کے ساتھ ہے ۔ اور ترغیب کے ایک دوسرے نسخے میں بھی ایسے ہی ہے ۔ نیز حاشیہ میں اس کا معنی بھی یہ کیا گیا ہے ۔

اسند الاعتماد علیہ وجعلہ نائیا وعرفہ اسماء الناس لتبلیغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اھ

اور آخر حدیث کے یہ الفاظ صلی علیک فلان بن فلان بھی اسماء بالہمزہ کے مؤید ہیں۔ اگر کسی نسخے میں اسماع[1] بالعین ہے تو یہ واللہ اعلم تصحیف ہے پس صحیح الفاظ کے مطابق آپ کا اشکال حدیث پر وارد نہیں اور لفظِ اسماع بالعین کی تقدیر پر بھی بظاہر ترجمہ بنتا ہے کہ مخلوق (انسانوں) کی مجموعی قوت سماعت اس فرشتہ کو عطا ہوئی جس کے ذریعہ وہ درود سنتا ہے اس میں بھی کوئی خاص اشکال نہیں۔ کیوں کہ ایسی قوتِ سماعت خداوند قدوس جل وعلا کی غیر محدود، محیط، ازلی ابدی سمع کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں رکھتی جو سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرے کے کروڑویں حصے کو ہو سکتی ہے، شرکت و مساوات چہ معنی؟ فرشتہ کی یہ قوتِ سماعت ہے جیسے عام انسانوں میں فرق صرف قلت و کثرت کا ہے اللہ پاک جب کسی مخلوق میں محدود قوت پیدا فرما دیں جو اس کے فرضِ منصبی کے لئے ضروری ہو تو اس میں کچھ استبعاد نہیں ملک الموت کو اپنی ڈیوٹی کی ادائیگی کے لئے جس وسیع علم و تصرف کی ضرورت تھی وہ ان کو عطا ہوئی یہ شرک نہیں۔ جب اس فرشتہ کی تخلیق استماع درود شریف کے لئے ہوئی ہے تو اسے ایسی قوتِ سماعت عطا کرنا بھی ضروری تھا۔ تقریبِ فہم کے لئے دورِ حاضر کے محیر العقول آلات و ایجادات کو بطورِ نظیر پیش کیا جا سکتا ہے کہ ہزاروں میل دور بات کہی اور سنی جا سکتی ہے۔ غیر ملکی نشر ہونے والی خبریں آپ کا ریڈیو یہاں پر پکڑتا ہے اور آپ کو سناتا ہے خداوند قدوس نے قبرِ نبوی پر اگر ایسے قوٰی پر مشتمل فرشتہ مقرر کر دیا ہو جو انسانوں کے درود شریف کو سن کر پہنچا دے تو اس میں کیا استبعاد ہو سکتا ہے۔ خدا تعالٰے کے غیبی نظام میں متحرک خلائی ریڈیو اسٹیشن کا وجود بھی کوئی قابلِ انکار چیز نہیں۔ خصوصاً حدیث میں وارد ہے کہ

ان للّٰہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام۔

---

[1] الترغیب للمنذری میں صفحہ مذکور پر صرف ایک جگہ اسماء بالہمزہ ہے جو غلط ہے۔ اس کے نیچے اسی صفحہ پر اسماع بالعین ہے۔ اور «بزار» سے جو «مجمع الزوائد : ج ۱، ص ۱۶۲» پر نقل کیا ہے وہ بھی بالعین ہے۔ حافظ ابن القیم رح نے «جلاء الافہام ، ص ۵۱، ۵۲» پر ابو الشیخ اصبہانی، اور معجم طبرانی سے بھی حدیثِ عمار رض نقل کی ہے۔ اس میں بھی اسماع بالعین ہے۔ اور ایک روایت رویانی سے صفحہ ۵۲ پر بلفظ سمع العباد نقل کی ہے۔ لہذا احتمال غلطیِ کتابت کا نہیں۔ البتہ اسماع معروف کا معنی سمجھ میں نہیں آتا۔

الا ان یقال انہ بمعنی مستمعاتہم واللّٰہ اعلم۔

ملخص از مکتوب حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مدظلہ مقیم مدینہ منورہ۔

اور اگر براہِ راست لہروں کے ذریعہ ہی فرشتہ (موکل بالقبر الشریف) درود شریف کی آواز کو حاصل کرتا ہو تو یہ بھی خارج از امکان نہیں۔ کیونکہ جو ڈیوٹی کسی کے ذمہ پر رکھی جاتی ہے تو اس کے آلات بھی اسے مہیا کئے جاتے ہیں۔ نہ اس میں استبعاد ہے نہ شرک۔ وائرلیس کا نظام بھی قابل توجہ ہے۔ واضح رہے کہ پوری فضاء میں ایک خدائی ٹیپ ریکارڈ موجود ہے جو ایک ذرے کی دوسری جگہ منتقلی کی آہٹ بھی ریکارڈ کر رہا ہے اور ایک آواز کو دوسری آواز سے خلط ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد حضرت شیخ الحدیث رح کے ترجمہ پر بھی اشکال باقی نہیں رہتا۔ نیز اس ترجمہ کا خط کشیدہ جملہ قضیہ مہملہ ہے جو قضیہ جزئیہ کے حکم میں ہے۔ تو حاصل ترجمہ یہ ہوگا کہ انسانوں کی بعض باتیں مثلاً درود شریف سننے کی طاقت عطا فرما رکھی ہے اور "تعلیم الاسلام" کا خط کشیدہ جملہ قضیہ کلیہ ہے فافہم۔

ہاں اشکال ہو سکتا ہے کہ کسی نبی ولی کے لئے بھی دور و نزدیک سے بعض باتیں مثلاً ندائے غیب سن لینے کی قوت مان لی جائے تو کیا یہ شرک نہ ہوگا؟

تو جواب یہ ہے کہ علی الدوام ہر انسان کی ایسی باتیں سننے کی قوت ماننا بھی شرک ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سماع و قوت، فوق الفطرت و خلاف عادت ہے۔ اللہ پاک نے انسانوں کو ایسا پیدا نہیں کیا دور و نزدیک کی بات سن سکیں، تو بطورِ خرقِ عادت و کرامت و معجزہ، گاہ بگاہ ایسا ہونے کا فی الجملہ امکان ہے لیکن علی الدوام نہیں۔ اور فرشتہ (موکل بالقبر الشریف) کو پیدا ہی ایسا کیا ہے تو ایسا سماع جزئی گویا اس کی عادت ہے نہ کہ خرقِ عادت۔

حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کے لئے ذاتی علم یا سماعِ محیط لکل شیئ یہ علی الاطلاق شرک ہے! در عطائی و جزئی سماع، دو حال سے خالی نہیں تحت العادت ہے یا خرق العادت، پھر دواماً ہے یا وقتی طور پر ثابت کیا جائے تو یہ اس استبعاد سے شرک ہوگا کہ دور و نزدیک سے علی الاطلاق سننا (جو خاصہ خداوندی ہے) اس میں انسان کو شریک کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ انسان کو ایسا علم و سماع عطا نہیں ہوا تو بدون تخیل خداوندی کے مخلوق میں ایسا وسیع علم و سماع تسلیم کرنا اشراک ہے۔ اسی کی روشنی میں فقہاء کے جزئیات ذیل کو سمجھنا بھی آسان ہے۔

وفی البزازیة قال علمائنا من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر۔ (بحر الرائق ج ۵ ص ۱۳۴)

و بتزوجہ بشہادة اللہ و رسولہ۔ ایضاً (ج ۵ ص ۱۳۰)

وھکذا فی الھندیة رجل تزوج امرأة ولم یحضر الشھود قال خدائے را و رسول را گواہ کردم کُفِّرَ۔ ج ۲ ص ۲۸۳۔

علم مذکورہ کو کفر و شرک بتلایا گیا ہے۔ حالانکہ اس میں علم کلی یا علم ذاتی کا اثبات نہیں "براہین قاطعہ" میں ہے۔ کوئی صفت، صفات حق تعالےٰ کی بندہ میں نہیں اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں اس سے زیادہ کسی میں ہونا ہرگز ممکن نہیں، جس کو جس قدر علم و قدرت وغیرہ عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر نہیں بڑھ سکتا۔ اھ

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

سنن طحاویؒ کی ایک عبارت سے تقیہ پر جواز کے استدلال کا جواب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں عبارت کہ اس میں شیعہ حضرات کی بظاہر تائید ہوتی ہے۔ آیا یہ قول کسی کا الحاقی ہے یا امام طحاوی رح کا قول ہے۔ براہ کرم مختلف نسخوں سے مطابقت کے بعد جواب باصواب سے مستفید فرمائیں۔ عبارت یہ ہے۔

عن عكرمة انه قال كنت مع ابن عباس رض عند معاوية رض نتحدث حتى ذهب هزيع من الليل فقام معاوية فركع ركعة واحدة فقال ابن عباس رض ترى اين اخذها الحمار حدثنا ابوبكر — مثله الا انه لم يقل الحمار وقد يجوز ان يكون قول ابن عباس رض اصاب معاوية رض على التقية اى اصاب فى شيء اخر لانه كان فى زمنه ويجوز عندنا۔ (طحاوی شریف، ج ۱، ص ۱۷۱)۔

کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں کوئی شخص حق بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بھی تقیہ کر کے وقت گزارتے تھے اور یہی بات شیعہ کہتے ہیں۔ نیز مودودی نے بھی تجدید و احیائے دین میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ کوئی آدمی اس زمانہ میں حق بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

الجواب مذکورہ حدیث درج ذیل امور کی بناء پر قابل استدلال نہیں۔

۱: عمران بن حدیر نے اسی حدیث کو عثمان بن عمر سے روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں حمار کا لفظ موجود نہیں جبکہ روایت لاحقہ میں ہے۔ معلوم ہوا کہ حمار کا لفظ روایت میں ثابت نہیں کسی راوی کی طرف سے شاید اضافہ شدہ ہے ورنہ عمران کا دوسرا شاگرد عثمان بھی اسے ضرور نقل کرتا۔

۲: اس روایت کی سند میں متکلم فیہ راوی موجود ہیں ۱: ابو غسان مالک بن یحییٰ کے متعلق علامہ

ذہبی رح فرماتے ہیں۔

تکلم فیہ ابن حبان وقال فی حدیثہ نظر۔ (میزان، ج ۳، ص ۴)۔

دوسرا راوی عبدالوہاب بن عطا بھی ضعیف ہے۔ علامہ ذہبی رح نے امام احمد رح سے نقل کیا ہے۔

انہ ضعیف الحدیث مضطرب۔ وقال النسائیؒ لیس بالقوی وایضا قال متروک الحدیث۔

اس لئے حمار کا لفظ پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتا۔

۳: اگر لفظِ حمار کو ثابت بھی مان لیں، تو ممکن ہے کہ حمار ترکیب میں منادی ہو اور اس کا مصداق مخاطب ہے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ احمق تو کیا سمجھتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رض نے اسے کہاں سے لیا ہے؟ حضور علیہ السلام ہی سے لیا ہے۔ اب یہ حضرت امیر معاویہ رض کی گویا تصویب ہے ایتار برکعۃ پر اعتراض کرنے والے کو ڈانٹ دیا ہے۔ مذکورہ توجیہ کے بعد مذکورہ روایت دیگر روایات صحیحہ کے عین مطابق ہوگئی۔

اوتر معاویۃ رض برکعۃ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا فرمان مختلف طرق سے مروی ہے۔

عن عطاء قال ابن عباس رض اصاب معاویۃ رض (طحاوی) اصاب السنۃ (ابن ابی شیبہ)۔ فقال انہ قد صحب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (بخاری) وفی طریق نافع بن عمر عنہ قال أصاب انہ فقیہ (بخاری) احسن انہ فقیہ (دارقطنی) ومن طریق قتیبہ بن محمد عنہ نحوہ وزاد اصاب الی قولہ لیس احد منا اعلم من معاویۃ رض۔ (دارقطنی)

مذکورہ بالا جملہ روایات سے سائل کا تخطیہ اور حضرتِ معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تصویب واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے مذکورہ روایت حمار والی کی تاویل ناگزیر ہے تاکہ روایاتِ صحیحہ کے موافق ہو جائے ورنہ اسے دیگر صحیح روایات کے مقابلہ میں شاذ و منکر قرار دیا جاتا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایتار برکعۃ کی توجیہ ہو سکتی ہے کہ دو رکعتیں پہلی پڑھ لی ہوں اور ایک رکعت اس وقت پڑھی ہو اور وصل کو ضروری نہ سمجھتے ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے فعل کی توجیہ بھی امام طحاوی رح نے یہی کی ہے۔ طحاوی ج ۱ وکذا فی امانی: ج ۴۔ ص ۲۵۲)۔ وقد یجوز ان یکون قول ابن عباس رض اصاب

معاویۃ رضؓ علی التقیۃ لہ ۔

اس سے تقیہ شیعی مراد نہیں بلکہ توریہ مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ کی دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض تھا اس لئے امام طحاوی دفع تعارض کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہ کا اصاب کہنا توریہ کے طریق سے تھا۔ یعنی ایتار برکعتہ میں تصویب مقصود نہ تھی بلکہ کسی اور بات میں تصویب کی ہے مخاطب نے ایتار برکعتہ میں تصویب سمجھ لی۔ چنانچہ امانی الاحبار میں ہے۔

ھذا من باب الایھام والتوریۃ ۔ (ج ۴: ص ۲۵۲)۔

وقال فی النخب ای علی اتقاء منہ لاجل معاویۃ یعنی دفعا عنہ ما یعیب بہ ذالک الرجل علیہ حتی یمتنع من ان یعیب علیہ ۔

(امانی الاحبار: ج ۴: ص ۲۵۲)۔

صاحب نخب کی کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ سے اہل تشیع کا تقیہ مراد نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالے عنہ کی مدافعت مقصود ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رح نے اعلاء السنن میں اصاب معاویہ رضؓ کی ایک اور توجیہ پیش فرمائی ہے

" اصاب انہ فقیہ معناہ اصاب فی زعمہ لانہ مجتھد وأراد بذلك زجر التابعین الصغار عن الانکار علی الصحابۃ الکبار لا سیّما علی الفقھاء المجتھدین منھم فان کل مجتھد مصیب فی زعمہ وھو یستحق الاجر علی اجتھادہ وان کان مخطأً فی نفس الامر و یدل علی ارادۃ الزجر قولہ دعہ فانہ قد صحب ۔

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں۔

وھذا اولیٰ من قول الطحاوی وقد یجوز أن یکون قول ابن عباسؓ اصاب معاویۃ رضؓ علی التقیۃ لہ الخ (اعلاء السنن، ج ۶ ص ۲۳)

علامہ عثمانی رح نے اپنی توجیہ کو اولیٰ اور راجح قرار دیا ہے۔ امام طحاوی رح کی کلام میں تقیہ سے مراد اہل تشیع والا تقیہ نہیں اولاً اس لئے کہ امام طحاوی رح نے " اصاب فی شیئ " کہہ کر اپنی مراد کو واضح کر دیا کہ اس سے مراد توریہ ہے۔ شارحین طحاوی رح نے بھی لفظِ تقیہ سے توریہ ہی سمجھا ہے صاحب امانی رح فرماتے ہیں۔

وھذا من باب الایھام والتوریۃ : (ج ۴ : ص ۲۵۲)۔

ثانیاً۔ اس لئے کہ روافض کا تقیہ کذب کے مترادف ہے۔ حضرات صحابہ رضؓ کی طرف اس کی نسبت وصفِ عدالت کے منافی ہے۔

ثالثاً ، اس لئے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں ایسا جبر و تشدد ہرگز نہ تھا کہ کسی کو حق بات کہنے کی بھی جرأت نہ ہو وہ بھی ایک مختلف فیہ مسئلہ میں۔ ایسے جبر و تشدد کا دعوےٰ وہی شخص کر سکتا ہے جو تاریخ سے بے خبر ہو۔ کیونکہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بُردباری ضرب المثل ہے۔ کیوں نہ ہوتی جب کہ حلم کا تاج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان کے سر کی زینت بن چکا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ۔

" معاویة احلم امتی واجودھا " (حیاة الاسلام : ص ۱۶۵)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضؓ کا علم ان کے غضب پر غالب تھا اور سخاوت بخل پر غالب تھی۔ (العقد الفرید : ج ۱ ص ۲۳۵)

عرب کا مشہور شاعر اخطل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق اظہارِ خیال ان الفاظ میں کرتا ہے ۔ وحلت لنا دین محمد بحلمہ ؛ از ھرت سفاھا کلا بھا ۔

حضرت معاویہ رضؓ میں وصفِ حلم اتنا کامل و اعلیٰ تھا کہ عرب دنیا کا سب سے بڑا مورخ مستشرق ہٹی لکھتا ہے کہ

" عرب مؤرخین کے نزدیک حضرت معاویہ رضؓ کی سب سے بڑی خوبی حلم و بردباری تھی۔

(ہسٹری آف دی عربز : ص ۱۹۷ ، ۱۹۸)

مذکورہ بالا حوالہ جات اور اس کے علاوہ دیگر مشاہدات کی موجودگی میں یہ کہنا بظاہر مشکل بلکہ غلط ہے کہ ان کے وقت میں جبر و تشدد کی وجہ سے کوئی اظہارِ رائے نہیں کر سکتا تھا بخصوصاً مسائل مختلف فیہ میں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ خیر المدارس ملتان

○

مَا يَتَعَلَّقُ بِالْاَنْبِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی معروف طریقہ پر ہوئی ہے

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی راستہ سے پیدا ہوئے جس سے ہم تم پیدا ہوئے اور اس سے آسان راستہ اور کون سا ہے۔ شریعت مطہرہ مقدسہ اس پر کیا حکم لگاتی ہے۔

الجواب آنحضرت علیہ السلام کی ولادت شریفہ بھی معروف طریقہ پر ہی ہوئی ہے۔ البتہ کیفیت ولادت سے اس طرح بحث کرنا سوء ادبی ہے۔ فقط

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : محمد صدیق غفرلہ، مدرس مدرسہ ہذا۔ ۱۴ : ۴ : ۱۳۹۹ھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ چاک ہونے کی تحقیق

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس کو چیر کر اندر کے حصہ کو دھونے اور پھر رکھ کر سینے کا ذکر متعدد کتب میں لکھا ہے۔ کیا کسی اور نبی کا سینہ بھی اسی طرح چاک کیا گیا تھا؟ اور اس طرح چیرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " کنت نبیًا و ادم بین الماء والطین اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے لولاك لما خلقت الافلاك ظاہر ہوا کہ حضور علیہ السلام روز ازل سے ہی نبی تھے۔ اور جب نبی تھے تو یقینًا پاک بھی ہوں گے۔ پھر سینہ کس لئے چیرا گیا۔ اگر الم نشرح لک صدرک کا مطلب سینہ چیرنا ہے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی خدا کے حضور عرض کی تھی۔ رب اشرح لی صدری۔ مگر یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی سینہ چاک کر کے دھویا گیا۔ اور سیا گیا۔ براہ کرم اس روایت پر روشنی ڈالیں۔

الجواب شق صدر کی روایات صحیح ہیں۔ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ وغیرہما نے اپنی اپنی کتاب میں ان روایات کو نقل فرمایا ہے۔ پس توہمات ذہنیہ کی بنا پر انکار کرنا خلاف تحقیق و منافی دیانت امر ہے۔ دلائل سے جب اس کا وقوع ثابت ہے تو صرف اس بنا پر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی ضرورت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ واقعہ تو ہو چکا ہماری سمجھ میں آئے تو بھی اور نہ آئے تو بھی۔ روزمرہ کی زندگی میں بھی بعض واقعات ایسے پیش آجاتے ہیں کہ عقل انسانی نہ ان کی ضرورت کی قائل ہوتی ہے اور نہ ان کی کوئی توجیہہ کر پاتی ہے۔ لیکن عقل انسانی کی اس درماندگی سے واقعہ کے ہو جانے پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ یہ ہونا اب نہ ہونے سے تو نہیں بدلا جا سکتا ہے۔

الف : اس میں اختلاف ہے کہ شق صدر آنحضرت علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص ہے یا دیگر انبیاء

علیہم السلام کا بھی شق صدر ہوا۔

واختلف هل كان شق صدره وغسله مختصا به او وقع بغيره من الأنبياء وقد وقع للطبراني في قصة تابوت بني اسرائيل ان كان فيه الطست التي يغسل فيه قلوب الانبياء وهذا مشعر بالمشاركة ۔ (فتح الملهم، ج ۱، ص ۳۲۳)۔

ب : ضرورت بروایت صحیح مسلم یہ ہے

فاستخرج القلب فاستخرج منه علقة الحديث (ج ۱، ص ۳۲۳)

قلب مبارک دھویا گیا اور اس میں ایمان و حکمت بھر دیا گیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمة و ايمانا فافرغها في صدري۔

(رواہ مسلم فتح الملهم ج ۱، ص ۳۲۴)۔

اور یہ اعتراض لغو ہے کہ جب آپ پاک تھے تو سینہ کس لئے چیرا گیا۔ قلب پاک ہی میں تو ایمان و حکمت بھرا جاتا ہے۔ نیز پاکی کے بے شمار مراتب ہیں۔ ہر پاکی سے اعلیٰ و بالا اور کمال اور پاکیزگی ہے۔ کمال کے مراتب غیر متناہی ہیں۔ ہر مرتبہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید علو و رفعت عنایت فرمائی جاتی ہے۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سابقہ طہارت اس نظافت کے خلاف نہیں۔ جیسے کمالاتِ معراج آپ کے سابقہ کمالات کے خلاف نہیں اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی ذات گرامی معراج سے قبل کمالات سے خالی تھی العیاذ باللہ۔

لولاك لما خلقت الافلاك کے الفاظ حدیثِ صحیح کے الفاظ نہیں بلکہ مضمون صحیح ہے اور اس کا کسی حدیث سے تعارض نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۱۸ : ۷ : ۱۳۸۶ھ

حق تعالیٰ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا معنی

اللہ تعالیٰ کس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں وہ الفاظ صحیح حدیث سے بیان فرمائیں۔

الجواب ہماری طرف سے درود شریف کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رحمتِ خاصہ کے نزول کی اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے درود کے یہ معنی ہیں

کہ حق جل شانہ اپنی رحمتِ خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرماتے ہیں۔ پس انسانوں کے درود کے لئے الفاظ کی حاجت ہے اور اللہ تعالیٰ کے درود کے لئے الفاظ کی حاجت نہیں۔ لہٰذا یہ سوال غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے درود شریف کے الفاظ کون سے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ : ۱۵ : ۲ : ۱۳۸۸ھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے حقوق کی تفصیل

بعض واعظ حضرات اپنی تقریروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی نسبی شرافت کا پر زور انکار کرتے ہیں اور آپ کی وجہ سے جو اہلِ بیتِ کرام کی تکریم ہے اس کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ اگر کسی سید مومن سے معصیت کا ارتکاب ہو جائے تو اس کیلئے عام اجلاس میں کنجر، کتے وغیرہ کے الفاظ مذمومہ خود بھی استعمال کرتے اور سامعین کو بھی مذکورہ الفاظ استعمال کرلیتے ہیں۔ کہ ساداتِ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبی تعلق بالکل مفید نہیں ہے۔ تمام تر دارو مدار عمل صالح پر ہے۔ اور حتیٰ کہ صاف کہتے ہیں کہ ہمارا سید و شاہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور ہم پر ان کا کوئی احترام وتکریم ضروری نہیں ہے۔ ہم تو دین کے ہیں۔ سین (سید) شین (شاہ) کے نہیں۔ اور صاف کہتے ہیں کہ بھائی خاندانِ نبوی سے تعلق رکھنا کوئی حکم شرعی نہیں۔

خلاصہ ان کی کلام کا یہ ہے کہ سید بحیثیت سید ہونے کے کوئی مستحقِ تکریم نہیں محض عمل ہی سببِ تعظیم ہے۔ غرض اہلِ بیتِ کرام کی محبت ان حضرات کی تقریروں سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور اپنے خیال کے جو مؤیدات پیش فرماتے ہیں بعض حسبِ ذیل ہیں۔ مثلاً بعض وقت ابولہب و ابوجہل، کنعان و آذر کے قصص بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے اسلام ہی قبول نہیں کیا۔ اور لوگوں کو کہتے ہیں کہ دیکھو کنعان کو نوح علیہ السلام کے خاندانِ نبوت سے ہونے نے اور ابولہب وغیرہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی فائدہ نہ دیا۔

اور بعض اوقات آیاتِ قرآنیہ پیش کرتے ہیں مثلاً سورۃ والعصر پڑھتے ہیں۔ حالانکہ "خسر" کا تعلق مجموعۂ ایمان، عمل صالح سے ہے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ جمیع اعمالِ صالحہ کے ساتھ ہے یا بعض کے ساتھ اگر بعض کے ساتھ ہے تو خود حضراتِ واعظین بھی "خسر" میں ہیں۔ اور الفاظ کنجر، کتے وغیرہ کے مستحق ہیں تو پھر سیدوں کی تخصیص کیوں۔ اور بھی آیات مثل یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ الخ وغیرہ پڑھتے ہیں۔

اور کبھی حدیث " اعملی " پیش کرتے ہیں۔ غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی شرف کے ختم ہونے کے واسطے جو آیاتِ قرآنیہ پیش کرتے ہیں۔ ان کا تعلق مجموعۂ ایمان وعمل کے منتفی ہونے سے ہے۔ ایمان کے بعد شرف نسبی منتفی ہونے پر کوئی آیت بطور دلیل نہیں لاتے۔

اب امر طلب یہ ہے کہ خاندانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی شرافت اسلام لانے کے بعد ہے یا نہیں؟ باتفاق علماء اگر جواب نفی میں ہے تو نفی کے صحیح دلائل کیا ہیں؟ اور پھر جن میں نسبی شرافت کا ثبوت ملتا ہے جو حسب ذیل ہیں ان کا کیا جواب ہے۔

۱ : بخاری میں کتاب التفسیر قوله الا المودة فی القربی عن ابن عباس کے تحت حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رح تحریر فرماتے ہیں۔ قربی ال محمد صلی الله علیه وسلم فحمل الاٰیة علی امر المخاطبین بان تودوا اقاربه صلی الله علیه وسلم وهو عام لجمیع المکلفین الخ

۲ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے نسب منقطع ہو جائیں گے مگر میرا نسب منقطع نہیں ہوگا۔ (نقل از مرقات حاشیہ مشکوٰۃ) جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر رشتہ کیا۔

۳ : مسئلہ زکوٰۃ وکفو میں متقی وفاسق کا کوئی فرق نہیں۔ اس سے فقہاءِ کرام کا نسبی شرافت کو باقی رکھنا مفہوم ہوتا ہے۔

۴ : حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نابالغی کی حالت میں فوت ہو چکے ہیں عدمِ شرافتِ نسبی کے ماتحت عام کلیہ کی بنا پر آجائیں گے کہ اعراف میں ہوں گے یا خدام۔ حالانکہ حدیث سے اس کے خلاف مفہوم ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ الی الدلائل العشرۃ جن میں شرافت نسبی کا ثبوت ملتا ہے

الجواب اہل بیت کرام کی محبت واتباع میں اس درجہ غلو کہ شریعت عظمیٰ کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے رفض وتشیع ہے اور ان سے بغض ودشمنی باعث خسران اور علامت خروج ہے پس اعتدال واجب ہے جو کہ اہل السنۃ والجماعت کا مسلکِ حق ہے۔ لہٰذا اس کی قدرے تفصیل متنازعہ فیہ امور کے بارے میں کی جاتی ہے۔ امور مذکورہ کی تنقیح یہ ہے۔

۱ : اہل بیت کرام کی نسبی شرافت شرعاً معتبر ہے یا کہ نہ۔

۲ : اگر معتبر ہے تو اہل اسلام کو اس کی رعایت کے بارے میں شارع علیہ السلام کی طرف سے

کیا ہدایات دی گئی ہیں اور اہلِ بیت کرام کے کیا حقوق ہیں؟
۳ : اور معصیت کی وجہ سے ان کے حقوق پر کوئی اثر پڑتا ہے یا کہ نہیں ؟

تنقیحاتِ بالا کا جواب نمبروار درج ذیل ہے ۔
۱ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور آپؐ کی آل کی نسبی شرافت کا بعض احکام میں شرعًا اعتبار کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ نحن اہل بیت لا تحل لنا الصدقۃ ۔ بخاری (بحر ج ۲ ، ص ۲۶۵)۔ نیز ارشاد فرمایا ان اللہ حرم علیکم یا بنی ہاشم غسالۃ ایدی الناس ۔ تمام امت کے لئے زکوٰۃ کا مال لینا درست ہے (بشرط فقر) خواہ وہ کسی خاندان ہی سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ لیکن خاندانِ نبوت اور آپ کی آل کے لئے یہ مال حرام قرار دیا گیا ہے۔ مخفی نہیں کہ یہ مسئلہ تمام فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے ۔ پس فقہاء کرام کی کلام سے اس بارے میں اقتباسات نقل کرنا تحصیل حاصل ہے البتہ بطورِ نمونہ ایک عبارت " بدائع " سے نقل کی جاتی ہے ۔ تحریم صدقہ کی احادیث نقل کرنے کے بعد اس کی علت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں ۔

والمعنی ما اشار الیہ انہا من غسالۃ الناس فیتمکن فیہا الخبث فصان اللہ تعالیٰ بنی ہاشم من ذلک تشریفا لہم واکراما الخ (ج۲ ص۴۹)

مسئلہ کفائت میں بھی شرافتِ نسب اور اس کی دنائت کا فی الجملہ اعتبار کیا گیا ہے ۔ کما لا یخفیٰ ۔
نیز امامت کے لئے اولیٰ ہونے میں بھی ایک درجہ کے اندر فقہاء نے شرافتِ نسب کا اعتبار کیا ہے کما فی درمختار شامی ، ج ۲ ، ص ۵۲۱)۔ پس معلوم ہوا کہ شرافتِ نسب کا بعض احکام میں شرعًا اعتبار کیا گیا ہے۔

۲ : اہلِ بیت نبوی کے یہ حقوق ہیں کہ ان کے ساتھ محبت رکھی جائے ۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احبوا اللہ لما یغذوکم من نعمتہ واحبونی لحب اللہ واحبوا اہل بیتی لحبی (رواہ الترمذی)

عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی ایک دوسری نفسیاتی وجہ بھی ہے جس کی طرف حدیثِ بالا میں اشارہ موجود ہے ۔ وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا مامور بہا ہونا اور آپ کا جمیع امت کے لئے محبوب ہونا اظہر من الشمس ہے ۔ تو اس محبت کی وجہ سے آپ کے متعلقین اور آپ کی آل کا محبوب ہونا ایک طبعی تقاضا ہے اور ایک ضروری امر ہے کہ

جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کے در و دیوار اور گلی کوچوں تک سے اُنس و محبت کا تعلق ہو جاتا ہے۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ امت ہیں تو آپ کی آل کا محبوب ہونا بھی لازم ہے یعنی آپ کی آل سے لازمی طور پر محبت ہونی چاہئے۔ تو ایک حق یہ ہوا کہ ان سے محبت رکھی جائے۔

۲ : اہل بیت کا دوسرا حق یہ ہے کہ معاشرت میں ان کے ادب و احترام کا خصوصی لحاظ رکھا جائے۔ حدیث میں ہے۔

انی تارك فیكم ما ان تمسكتم به لن تضلوا بعدی الخ

کی شرح میں ملا علی قاری رح لکھتے ہیں۔ والمراد بالاخذ بهم التمسك بمحبتهم ومحافظة حرمتهم الخ وقال ابن المبارك ومعنى التمسك محبتهم والاهتداء بهديهم وسيرتهم زاد السيد جمال الدين اذا لم يكن مخالفا للدين الخ (مرقاة ج ۵ ص ۶۰۰ طبع قدیم)

۳ : شارحین کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محافظتِ احترام کے علاوہ اہل بیت کا تیسرا حق یہ بھی ہے کہ ان کا اتباع بھی کیا جائے جب کہ وہ دین کے مخالف نہ ہوں۔

۴ : ان کا چوتھا حق یہ ہے کہ ان کو ایذاء دینے سے خصوصیت کے ساتھ بچا جائے۔ البتہ شرعی ضرورت کی صورتیں اس سے مستثنیٰ ہوں گی۔ اور حدیث اُذکّرکم اللہ فی اهل بیتی الخ کی شرح میں ملا علی قاری رح نقل کرتے ہیں۔ قال الطیبی ای احذرکم اللہ فی شان اهل بیتی واقول اتقوا اللہ ولا تؤذوهم واحفظوهم الخ

اسی طرح اہل بیت کی فضیلت اور ان سے تعلق رکھنے کی ضرورت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ۔

" الا ان مثل اهل بیتی فیكم مثل سفینة نوح من رکبها نجا ومن تخلف عنها هلك (رواہ احمد)۔

اس حدیث سے مراد بھی یہی ہے کہ اہل بیت کی محبت اور متابعت کو لازم پکڑا جائے۔ کما فی الشروح پس تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ خانوادۂ نبوت بہت سے فضائل کا حامل ہے اور ان کے خصوصی حقوق امت کے ذمہ ثابت ہیں۔

۳ : " کیا ان کی معصیت ان کے حق پر اثر انداز ہوتی ہے " یعنی اگر ان سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو اہل اسلام کے ذمہ نہ تو ان کی محبت کا حکم باقی رہے اور نہ ان کی توقیر و تعظیم وغیرہ کا۔ کیا ایسا ہوگا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان کی معصیت سے ان کے حقوق امت کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوں گے ۔ قواعدِ شرعیہ اور اکابر کی کلام سے یہ ہی مفہوم ہوتا ہے ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر مطلق معصیت کو مُسقِطِ حقوق کہا جائے تو کون سا انسان ہے باستثنائِ انبیاء علیہم السلام جس سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا ۔ اور اہلِ بیت سے نبی کوئی ہوا نہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اہلِ بیت کا امت کے ذمہ کوئی حق نہیں ۔ حالانکہ یہ خلاف منصوص ہے ۔ اور اگر معصیت میں کوئی تحدید وتعیین کی جائے تو اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے جو اس وقت تک ہمارے علم میں موجود نہیں لہٰذا اہلِ بیت سے محبت اور ان کا اکرام و احترام باوجود معمولی معصیت کے بھی مامور بہ ہوگا ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حکیم ترمذی سے نقل کیا ہے کہ نسبتِ طینی کا احترام باقی رہنا چاہیئے اگرچہ نسبتِ دینی میں کمزوری ہو ۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ۔

" ہر کہ جامع ایں دو صفت افتاد و نسبتِ دینی را بانسبتِ طینی جمع گردانید اتم و اکمل شد از غیرِ خود چنانچہ بعضے از اولیاء کہ جامع اند میانِ علم و سیادت و ولایت و باوجود آں رعایت ادب و تعظیم و تقدیم و ادائے حقوق نسبتِ طینی واجب و لازم است ھکذا قال الحکیم " (اشعۃ اللمعات : ج ۴ ، ص ۶۹۶) ۔

اور اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شریعت نے ہر شخص کو اپنی ذمہ داریوں کا مکلف بنایا ہے ترکِ معصیت ان کی ذمہ داری ہے اور ادائے حقوق امت کے ذمہ واجب ہے ۔ تو ان کی تقصیر سے ہماری کوتاہی قابلِ عفو نہیں سمجھی جاوے گی ۔ تعلیماتِ شرعیہ سے یہی ظاہر ہے ۔ چنانچہ اولاد و والدین مصدق و ربِ المال ۔ مولاۃ و ولی وغیرہ کے لئے باہمی حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں شارع علیہ السلام نے اس قسم کی ہدایات دی ہیں کہ ہر فریق کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی تاکید کی گئی ہے ۔ اگرچہ فریقِ ثانی اس کے زعم میں ظلم ہی کر رہا ہو ۔ اس صورت میں بغض فی اللہ جو مامور بہ ہے اس پر عمل کرنے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ قلب میں ان کے اہلِ بیت اور مومن ہونے کی وجہ سے محبت و احترام رکھے لیکن اپنے طرزِ عمل سے ان کے معاصی کا مبغوض ہونا بھی ظاہر کرتا رہے ۔

واضح رہے کہ حکم بالا اس صورت میں ہوگا جب کہ سید پر معصیت اور فسق و فجور کا غلبہ نہ ہو ۔ یا اس کی تعظیم و تکریم سے عوام کے دینی ضرر کا اندیشہ نہ ہو ۔ یا وہ سید کسی بدعت کا داعی نہ ہو ۔ اور مبتدعین کا سرغنہ نہ ہو ۔ ورنہ ایسا ہونے کی صورت میں وہ مستحقِ تعظیم نہیں ہے ۔ کیونکہ فرمانِ نبوی ہے ۔ من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام او کما قال ۔ (مشکوٰۃ ص ۳۱)

نیز یہ امر اس ارشاد نبوی سے بھی ثابت ہے۔ احبوا اھل بیتی لحبی کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بیت سے محبت کرنے کا حکم ان کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے محبوبِ نبوی ہونے کی وجہ سے ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا فاسق مجاہر اور مبتدع محبت نبوی کے شرف سے سرفراز ہونے کا ہرگز مستحق نہیں۔ پس وہ قابلِ محبت اور لائق تعظیم نہیں۔ اسی کی طرف اشارہ کیا ہے سید جمال الدین رحمہ اللہ نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے " اذا لم یکن مخالفا للدین " کی قید بڑھا کر۔ جیسا کہ پہلے مفصل مذکور ہوا۔

الحاصل ایسی صورت میں وہ سید مستحق تعظیم نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مستحق تذلیل ولائق توہین ہے ہرگز نہیں بلکہ ایسے فاسق اور مبتدع کے خیالات وعقائد کی تردید کی جائے لیکن اسے ذلیل نہ کیا جائے۔ سوال میں جو الفاظ تقریر کے درج کئے گئے ہیں ان کا استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

نوٹ: مخفی نہ رہے کہ محبت واکرام اور چیز ہے اور اتباع اور چیز ہے۔ عاصی کی تکریم وتعظیم کی تو گنجائش ہے لیکن دینی احکام کے بارے میں اتباع صرف شریعت مقدسہ ہی کا کیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: محمد عبداللہ عفر اللہ لہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷/۲/۱۳۸۱ھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں کتنی تاخیر ہوئی

مختلف کتب میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ تین دن تک پڑھی جاتی رہی۔ کیونکہ جگہ تنگ تھی اس لئے لوگ باری باری پڑھتے تھے۔ یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں۔

۱: جنازہ کو جلد دفن کرنے کا حکم ہے تو پھر جنازہ کو تین دن تک کیوں روکا گیا؟

۲: نمازِ جنازہ مکان کے اندر نہیں بلکہ کھلے میدان میں پڑھنے کا حکم ہے۔ پھر تنگ جگہ میں کیوں پڑھی گئی؟

۳: نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اگر ایک شخص بھی ادا کر دے تو سب کے ذمہ سے ادا ہو جاتا ہے پھر تمام مسلمانوں کا انتظار کرتے کرتے تین دن تک جنازہ مبارک کو روکے رکھنا کیا بے حرمتی نہیں ہے؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ دوشنبہ کے دن قریب دوپہر یا بعد زوال ہوئی۔ (کما فی البدایہ: ج ۵، ص ۲۴۴)۔

وتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین اشتد الضحیٰ من ذلک الیوم (ای یوم الاثنین۔ناقل) وقیل عند زوال الشمس۔

چند صفحوں کے بعد پھر مصنف رح تحریر فرماتے ہیں۔ص ۲۵۵۔پر۔

وھذا الحدیث فی الصحیح وھو یدل علی ان الوفاۃ وقعت بعد الزوال۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اہم ترین مسئلہ یہ تھا کہ کسی اختلاف و انتشار سے پہلے امامت کی وحدت کو محفوظ رکھنے کی مؤثر تدبیر کی جائے۔کیونکہ لامرکزیت مذہب و ملت کے لئے سم قاتل ہے۔چنانچہ جنگ جمل و صفین کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ معمولی اختلاف کو فتنہ پردازوں نے کن مہیب نتائج سے دو چار کرا دیا۔

بہرحال انتخاب خلیفہ کی فکر ہوئی اور حضرات صحابہ کرامؓ نے کچھ بحث و تمحیص کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرلیا۔اہل حل وعقد کے اجتماع، بحث و تمحیص، تمام صحابہ رض کی بیعت میں دوشنبہ کا باقی ماندہ حصہ (جو تقریباً چند گھنٹے ہوگا) اور سہ شنبہ کی رات گزر گئی اور سہ شنبہ کے دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ انفرادی طور پر پڑھی جاتی رہی اور یہ سلسلہ شنبہ کی شام تک اور آئندہ متصل رات تک جاری رہا۔اور سہ شنبہ اور چہار شنبہ کی درمیانی رات جو کہ شرعاً چہار شنبہ کی رات ہے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دفن فرما دیئے گئے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی یوم الاثنین و دفن لیلۃ الاربعاء (البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۲۶۰)۔

اسی کے بارے میں ج ۵، ص ۲۷۱۔پر تحریر فرماتے ہیں۔

وھو الذی نص علیہ غیر واحد من الائمۃ سلفا وخلفا منھم سلیمان بن طرخان التیمی وجعفر بن محمد الصادق وابن اسحق وموسیٰ بن عقبۃ وغیرھم۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ دفن میں تین دن کی تاخیر واقع نہیں ہوئی۔بلکہ وفات شریفہ سے صرف تقریباً چھتیس (۳۶) گھنٹوں کے اندر اندر دفن مبارک سے فراغت ہوگئی تھی۔تین دن کی تاخیر والی روایت معتمد نہیں۔ابن کثیر رح فرماتے ہیں۔

فقولہ مکث ثلثۃ ایام لا یدفن غریب والصحیح انہ مکث بقیۃ یوم الاثنین و یوم الثلثاء بکمالہ و دفن لیلۃ الاربعاء کما قدمناہ واللہ اعلم۔

(ہدایہ : ج ۵ ، ص ۲۷۱)۔

تفصیل بالا کے پیش نظر آپ کے سوالات کا بالترتیب جواب یہ ہے۔

۱ : تین دن تک تاخیر واقع نہیں ہوئی۔ لہذا جنازہ کو تین دن تک روکے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲ : نماز جنازہ چونکہ انفرادی طور پر پڑھی گئی لہذا اس کے لئے حجرہ شریفہ جیسے متبرک مقام کو چھوڑ کر وسیع جگہ کی تلاش بے سود تھی۔ کیوں کہ وسیع جگہ میں بھی نماز انفرادی طور پر ہی پڑھی جاتی۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کے لئے یہی (انفرادی) طریقہ متعین تھا۔

۳ : تین دن تک روکے رکھنا ہی غلط ہے پس اس سے العیاذ باللہ بے حرمتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک روایت کی رو سے جنازہ کا یہ طریقہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز فرمودہ تھا کما رواہ البیہقی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ وان نظر فی صحتہ ابن کثیر واللہ اعلم پس شبہ نہ کیا جاوے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ : ۶ : ۱ : ۱۳۸۶ھ

بلا وجہ توہین رسالت کے بارے میں سوال بھی توہین ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک پروفیسر نے اپنی کلاس میں طلباء سے سوال کیا کہ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو مسلمانوں کا اس شخص سے کیا معاملہ ہوگا؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس پروفیسر کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنے اور آپ کی توہین کرنے کو کتب مذہب میں اشد ترین جرائم میں سے شمار کیا گیا ہے۔ اور ایسے گھناؤنے جرم کے ارتکاب پر حکومت مرتکب کو قتل یا پھانسی تک سزا دے سکتی ہے۔ لیکن یہ حکومت کا کام ہے عوام اس کے مجاز نہیں۔ لہذا ایسے وقت میں مسلمانوں کا ردعمل یہ ہونا چاہیئے کہ حکومت کے متعلقہ عملہ میں مجرم کے خلاف شکایت کردیں۔

نفس مسئلہ معلوم کرنے کی غرض سے مناسب طریق پر یہ سوال دریافت کرنے میں حرج نہیں۔ لیکن بلا ضرورت نامناسب طریق پر اس سوال کو چھیڑنا سوء ادبی سے خالی نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۷ ، ۱ ، ۱۳۷۹ھ

ساتھ ہی ہمارے کالج کے نوجوانوں کو بھی ٹھنڈے دل سے غور کرنا لازم ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ علماء

تنگ دل ہیں ان کو وسیع الظرف اور فراخ دل ہونا چاہئے۔ چاہے کسی قسم کا سوال ہو اس پہ ناراض نہ ہوں وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے عزیز و محترم نوجوانوں کو معلوم ہو کہ سوال بھی نصف علم ہے۔ غلط سوال پر تنبیہاً ناراض ہونا، طبعاً غصہ آنا کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ سوال کیا ہے۔ بطور مثال اگر کسی شخص کو کہا جائے کہ اگر میں تیرے باپ کو گدھا کہوں تو تیرا رویہ کیا ہوگا۔ تو کیا وہ شخص ایسے سوال سے خوش ہوگا اور ایسے سائل کو عقل مند کہے گا؟

تعجب ہے کہ ایک پروفیسر یہ سوال کرے کہ مسلمانوں کے پیغمبر کی توہین ہو تو مسلمانوں کا کیا ردعمل ہوگا۔ اور ایسے سوال نامہ کو اخبارات میں شائع کرے اس پر طبیعت کو اشتعال نہ ہو۔ یہ تو کوئی انتہائی بے غیرت آدمی ہوگا کہ اس قسم کے سوال کو سن کر خاموش رہ جائے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت اعلیٰ وارفع ہے اگر کوئی شخص یہ سوالنامہ شائع کرے کہ پاکستان میں ایک آدمی مسٹر محمد علی جناح کو خوب دل کھول کر گالیاں دے یا اقبال مرحوم کو برا بھلا کہے تو بتلاؤ اے پاکستانیو! تمہارا کیا ردعمل ہوگا؟ کیا یہ سوال مسلمانوں کو چڑانے کے مترادف نہ ہوگا؟ اور ایسے سائل پر غصہ آئے گا یا نہیں؟

اس لئے یہ سوال سراسر جہالت اور نادانی ہے۔ ہمیں تو تعجب ہوتا ہے کہ پاکستان کے کالجوں میں کیا ایسے عقل مند پروفیسر موجود ہیں غالباً وہ انتہائی ملحد اور بد دین ہیں جو مسلمانوں کی رگ ایمان کو دکھانا چاہتے ہیں۔*

والجواب صحیح:

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان ۷/۱/۱۳۸۹ھ

○

حضرت یوسف علیہ السلام کتنے خوبصورت تھے؟

ہمارے ایک چھوٹے سے شہر میں ایک چھوٹا سا درس ہے اور وہاں ایک تقریب میں ایک مولوی صاحب نے کہا کہ کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہت خوبصورت تھے اس لئے آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں۔

الجواب درج ذیل روایات و احادیث سے حضرت یوسف علیہ السلام کا بہت خوبصورت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے۔ عن انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اعطی یوسف وامہ شطر الحسن ھذا حدیث صحیح :: ج ۲ ص ۵۷۰،

---

* اگر کچھ عرصہ اور ایسے ہی پروفیسر آتے رہے تو ع کار طفلاں تمام خواہد شد۔ محمد انور مرتب

۲ : دوسری حدیث شریف میں ہے۔ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول وھو یصف یوسف حین راٰہ فی السماء الثالثۃ ۔ ———— قال رأیت رجلا صورتہ کصورۃ القمر لیلۃ البدر، قلت یا جبریل من ھذا قال ھذا اخوک یوسف (علیہ السلام)۔ قال ابن اسحق وکان اللہ قد اعطی یوسف من الحسن والھیبۃ مالم یعط احدا من العالمین قبلہ ولا بعدہ حتی کان یقال واللہ اعلم انہ اعطی نصف الحسن وقسم النصف الاخر بین الناس اھ کذا فی الحاکم۔ ج ۲ ص ۵۷۱)۔

۳ : آیتِ کریمہ فلما رأینہ اکبرنہ (الی اخر الاٰیۃ) بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ۔ ۲۲ / ۱ / ۱۴۰۷ھ

آنحضرت علیہ السلام کے والدین کا انتقال کس حالت پر ہوا

۱ : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا کیا نام تھا؛ اور وہ توحید پرست تھے یا بت پرست ؟

۲ : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مسلمان ہوئے تھے یا نہیں ؟

الجواب ۱ : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر تھے اور آذر کے نام سے مشہور تھے۔ روایات میں ہے کہ ان کا انتقال کفر پر ہوا۔

۲ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تھا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے مگر اہل السنۃ والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ ایسے مسائل میں الجھنا اور بحث کرنا جائز نہیں ۔

وینبغی ان لا یسأل الانسان عما لاحاجۃ الیہ کان یقول کیف ھبط جبرئیل ع الخ وابوالنبی علیہ السلام کانا علی ای دین اھ (شامی ج ۵ ص ۹۷۵)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۱ : ۵ : ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان شہر

حضور علیہ السلام بھی لوازمات بشریہ سے مستثنیٰ نہ تھے

ایک صاحب مسائل غسل بیان فرمارہے تھے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی غسل جنابت فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منی آتی تھی۔ تو ایک مولوی صاحب نے کہا کہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے لہٰذا تو کافر ہو گیا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منی آتی تھی ؟ اور فتوائے کفر دینے والا مولوی صاحب حق بجانب ہے یا نہیں ؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوازمات بشریہ سے مستثنیٰ نہ تھے۔ مگر یہ انداز درست نہیں اور اگر کوئی غلطی سے یہ بات کہہ بیٹھے تو اس کی تکفیر بھی درست نہیں۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ؛ ۲/۶/۱۳۹۸ھ
الجواب صحیح ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حضرت حوا کا آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونے کا ثبوت

حضرت حوا کا آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونے کا ثبوت کیا ہے ؛ پسلی کو عربی میں کیا کہتے ہیں۔ مودودی صاحب اس طرح پیدائش کے منکر ہیں کیا صحیح ہے ؟۔

الجواب حضرت حوا کے آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونے کی دلیل صریح حدیث ہے۔

عن ابی ھریرۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استوصوا بالنساء خیراً فانھن خلقن من ضلع وان أعوج شیٔ فی الضلع أعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل أعوج فاستوصوا بالنساء متفق علیہ۔

مشکوٰۃ ؛ ص ۲۸۰ ؛ باب عشرۃ النساء۔

اور "پسلی" کو عربی میں "ضلع" کہتے ہیں۔ تمام اہل لغت نے "ضلع" کے معنی پسلی لکھے ہیں۔ بطور استشہاد چند حوالے لکھے جاتے ہیں۔ "الضلع" پسلی، جمع اضلع وضلوع واضلاع آتی ہے۔ اور "ضلیع" مضبوط پسلیوں والے مرد کو کہتے ہیں اور "ضالع" اس مرد کو کہتے ہیں جو پسلی پر مارنے والا ہو۔ مصباح اللغات ؛ ص ۴۷۵۔

اور ایسے ہی "منجد" ص ۴۶۹ میں ہے۔ بلکہ منجد میں تو پسلیوں کا نقشہ بھی دیا ہے۔ ان سے واضح ہوا کہ "ضلع" پسلی کو کہتے ہیں۔ لہٰذا مودودی صاحب کا انکار صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ؛ بندہ محمد عبداللہ عفر لہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ بندہ اصغر علی عفر لہ

قرآن مجید کے چوتھے پارہ سورہ نساء کے پہلے رکوع میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے خلق منہا زوجہا یعنی آدم علیہ السلام کے (بدن کے) بعض حصے سے ان کی بیوی (حواء) کو پیدا کیا۔ اس آیت کی تفسیر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی۔ جو کہ جواب میں مذکور حدیث میں موجود ہے۔ لہٰذا جواب مرقوم صحیح ہے۔

خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان ۸ ؍ ۱ ؍ ۱۳۷۵ھ

حضرت خضر علیہ السلام کو فرشتہ تسلیم کرنے کی نفی اور انسان ماننے کی صورت میں اشکالات کا جواب

حضرت خضر علیہ السلام کو انسان تسلیم کرنے کی صورت میں ایک الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ جو تین کام انہوں نے کئے ان میں سے پہلے دو کام احکام شریعت سے متصادم ہیں۔ یہ تو درست ہے کہ انہوں نے یہ کام اللہ کے حکم سے کئے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اللہ کے ان احکام کی جو حضرت خضر علیہ السلام کو دیئے گئے نوعیت کیا تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ تشریعی احکام تو نہ تھے کیونکہ یہ کام کسی شریعت میں بھی جائز نہیں رہے۔ اگر یہ احکام تکوینی تھے تو ان کے مخاطب صرف فرشتے ہوتے ہیں۔

کسی انسان کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ حکم شرعی کے خلاف کرے۔ خواہ اسے الہام کے ذریعے اس خلاف شرع کی مصلحت بھی بتادی گئی ہو۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس پر علماء شریعت اور اکابر صوفیاء سب متفق ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی رح نے تفصیل کے ساتھ عبدالوہاب شعرانی، محی الدین ابن عربی، مجدد الف ثانی، شیخ عبدالقادر جیلانی، جنید بغدادی سری سقطی۔ ابوالحسن نوری۔ ابو سعید الخزار، ابوالعباس احمد الدینوری، اور امام غزالی رح جیسے نامور بزرگوں کے اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اہل تصوف کے نزدیک بھی کسی ایسے الہام پر عمل کرنا جائز نہیں جو کہ نص شرعی کے خلاف ہو۔

(روح المعانی: ج ۱۶ ؍ ص ۱۶)

اگر قرآن میں بلفظ صریح آجاتا کہ خضر انسان تھے تو ہم مان لیتے کہ وہ انسان ہوتے ہوئے اس ضابطہ سے مستثنیٰ تھے۔ مگر قرآن میں صرف "عبدا من عبادنا" کے لفظ ہیں جو کہ انسان ہونے کو مستلزم نہیں ہیں۔

حدیث میں بھی کوئی ایسا صریح ارشاد موجود نہیں جس سے حضرت خضر کو نسل انسانی کا فرد قرار دیا گیا ہو۔ اس باب میں مستند ترین روایات وہ ہیں جو عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن ابی بن کعب عن رسول اللہ کی سند سے ائمہ حدیث کو پہنچی ہیں۔

ان میں حضرت خضر کے لئے رجل کا ذکر آیا ہے مگر یہ بھی انسانوں کے لئے مخصوص نہیں۔ خود قرآن میں یہ لفظ جنوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سورۂ جن میں ہے۔

وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن الآیۃ

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جن یا فرشتہ یا کوئی غیر مرئی وجود جب انسانوں کی شکل میں آئے تو اسے انسان ہی کہا جائے گا جیسے سورۂ مریم میں ہے۔" فتمثل لہا بشرا سویا "

الحاصل اس پیچیدگی کو رفع کرنے کے لئے ایک ہی صورت ہے۔ کہ خضر علیہ السلام کو انسان نہ مانیں، بلکہ فرشتوں میں سے، یا اللہ کی کسی اور مخلوق سے سمجھیں۔ متقدمین میں سے بھی بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے جسے ابن کثیر رح نے اپنی تفسیر میں ماوردی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ آپ علمی تحقیق سے میرا خلجان دور فرمائیں۔ اور حضرت خضر کی صحیح پوزیشن واضح فرمائیں۔

الجواب جمہور علماء سلف کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور ان کی شریعت کا زیادہ تعلق حقائق باطنہ شرعیہ سے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام علیٰ ہذا اکثر انبیاء علیہم السلام کی شرائع کا تعلق احکام ظاہرہ سے تھا۔ خضر علیہ السلام کے وہ افعال بھی من عنداللہ شریعت تھی۔ اور وحی منزل تھی۔ اسی واسطے جب خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ وما فعلتہ عن امری تو موسیٰ علیہ السلام نے انکار نہیں فرمایا۔

قد نص العلماء علی ان غالب الانبیاء انما بعثوا لیحکموا بالظاھر دون ما یطلعوا علیہ من بواطن الامور وحقائقہا وبعث الخضر لیحکم علیہ من بواطن الامور وحقائقہا اھ

وفی تفسیر ابن حیان والجمہور علی ان الخضر نبی وکان علمہ معرفۃ بواطن امور اوحیت الیہ اھ (روح البیان ج ۵، ۲۸۱)

خضر علیہ السلام کو ملائکہ سے شمار کرنا قول ضعیف وغریب ہے۔ علامہ عینی رح لکھتے ہیں۔

واغرب ما قیل انہ من الملائکۃ۔ والصحیح انہ نبی وجزم بہ جماعۃ و قال الثعلبی ھو نبی علی جمیع الاقوال معمر محجوب عن الابصار وصححہ ابن الجوزی ایضا فی کتابہ اھ (عمدۃ القاری ج ۱، ص ۴۴۷)۔ فقط

واللہ اعلم

احقر خیر محمد از خیر المدارس ملتان ۹ جمادی الاخریٰ ۷۲ھ ۱۳

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف ایک کرامت کی نسبت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ گھوڑے کی ایک رکاب میں پاؤں رکھتے اور دوسرے پر پاؤں رکھنے سے پہلے پورا قرآن مجید ختم کر لیتے تھے اور یہ ان کی کرامت بتائی جاتی ہے کیا یہ بات صحیح ہے یا من گھڑت۔

الجواب اس سوال کے جواب کے لئے متعدد کتابیں دیکھی گئیں مگر کسی معتمد کتاب میں اس کا ذکر نہیں ملا۔ جہاں تک اس کرامت کے ممکن ہونے کا تعلق ہے تو ایسی بعید بات نہیں ہے جو ناممکن ہو۔ اللہ تعالےٰ عزوجل بسا اوقات کرامۃً وقت میں ایسی برکت عطا فرماتے ہیں کہ تھوڑے سے وقت میں آدمی اتنا کام کر لیتا ہے جو عام آدمی کے لئے صرف ناممکن ہی نہیں بلکہ ناقابل فہم بھی ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام گھوڑے پر زین کسنے کا حکم فرماتے اور زبور کی تلاوت شروع فرماتے اور زین کسے جانے سے پہلے ختم فرما لیتے۔ (بخاری)

عمدۃ القاری شرح بخاری میں اسی واقعہ کے تحت کئی اور ایسے آدمیوں کے واقعات لکھے ہیں جو تھوڑے وقت میں زیادہ کام کر لیتے تھے۔

وفیہ الدلالۃ علی ان اللہ تعالیٰ یطوی الزمان لمن یشاء من عبادہ کما یطوی المکان وھذا لا سبیل الی ادراکہ الا بالفیض الربانی وجاء فی الحدیث ان البرکۃ قد تقع فی الزمن الیسیر حتی یقع فیہ العمل الکثیر وقال النووی اکثر ما بلغنا من ذلک من کان یقرأ اربع ختمات باللیل واربعا بالنہار انتہیٰ ولقد رأیت رجلا حافظا قرأ ثلاث ختمات فی الوتر فی کل رکعۃ ختمۃ فی لیلۃ القدر اھ (عمدۃ القاری، ج ۷، ص ۱۲۴) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۸ / ۱ / ۱۳۹۸ھ

عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ پیدا کرنے کی حکمت

اللہ تعالےٰ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ پیدا کرنے کی حکمت کیا ہے حالانکہ قانونِ قدرت ہے کہ ماں باپ کے ملنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو خلاف قانون کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کو دکھلانا تھا کہ خلاف قانون پر بھی قادر ہے تو وہ حضرت

آدم علیہ السلام کو پیدا کردیا تھا تو اب تحقیق اس بات کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ پیدا کرنے کی ضرورت کیا پیش آئی تھی ؟

مستفتی غلام احمد بہاولپور

الجواب جب یہ واضح ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا خلافِ عادت کرنا اظہار قدرت کے لئے ہے تو واضح ہو کہ خلافِ عادت (خلافِ قانون) عقلی طور پر تین قسموں پر متصور ہو سکتا ہے۔ ۱: بلا ماں باپ۔ ۲: بلا ماں۔ ۳: بلا باپ۔ تو ان تینوں صورتوں کو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے دکھلایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس معہودہ عادت کے خلاف (کہ ماں اور باپ کے واسطہ سے کبھی اولاد ہو) کرنے پر جمیع صور عقلیہ متصورہ قادر ہیں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو ماں اور باپ کے بغیر، اور حوا علیہا السلام کو ماں کے بغیر پیدا کیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرکے اظہارِ قدرت کو تام کردیا۔ نیز اس قسم کے سوالات کا منشاء اللہ تعالیٰ کے فاعل مختار ہونے میں شک ہے۔ اس لئے ایسے سائل کے جواب میں کلی بحث تو مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فاعل مختار تسلیم کرتے ہو یا نہیں۔ لیکن جزئی بحث کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام کیوں کیا اس میں بحث لاحاصل ہے اس لئے کہ کس کس جزئیہ کے بارے میں آپ حکمت تلاش کرکے بتا سکیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہٗ معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد عفی عنہ۔

کیا آنحضرت علیہ السلام مختون پیدا ہوئے تھے ؟

عام مشہور ہے کہ آنحضرت علیہ السلام مختون پیدا ہوئے تھے۔ اگر یہ بات مستند ہو تو اس کی با حوالہ تصدیق فرماویں۔

نیازمند: طالب حسین ضیاء۔ ممتاز آباد ملتان

الجواب اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت منقول نہیں ہے بلکہ علامہ شامیؒ نے بعض محققین سے نقل کیا ہے کہ درست یہی ہے کہ آپ غیر مختون پیدا ہوئے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وقد اختلفت الرواۃ والحفاظ فی ولادۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم مختونا ولم یصح فیہ شیٔ وأطال الذہبی فی رد قول الحاکم أنہ تواترت بہ الروایۃ وقد ثبت عندھم ضعف الحدیث بہ وقال بعض المحققین من الحفاظ الاشبہ بالصواب انہ لم یولد مختونا اھ

(شامی، ج ۵، ص ۴۹۶) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/۹/۱۳۹۵ھ

قرآن پاک افضل ہے یا آنحضرت علیہ السلام

قرآن پاک افضل ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم؟

الجواب یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لہٰذا کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ مع ہذا ضروریات دین میں سے بھی نہیں۔ اس لئے فقہاء نے اس میں توقف کا حکم فرمایا ہے۔

وعنه عليه السلام القرآن احب الى الله تعالى من السمٰوٰت السبع والارض ومن فيهن (درمختار) قوله ومن فيهن ظاهره يعم النبي عليه السلام والمسئلة ذات خلاف والاحوط الوقف (شامی ج۱ ص۱۹۵)

فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۰/۹/۱۳۹۷ھ

حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے نکاح کے وقت آپؐ کی عمر مبارک

جس وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدیجۃ الکبریٰؓ سے شادی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا عمر تھی؟ اور خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کی کیا عمر تھی؟ اور جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عائشہ رضؓ سے شادی ہوئی تو اس وقت آپ علیہ السلام کی کیا عمر تھی اور عائشہ صدیقہ رضؓ کی کیا عمر تھی؟ بذریعہ حوالہ تحریر فرما کر مشکور فرمائیں تاکہ بے یقین کو یقین کامل ہوجائے۔

الجواب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح جب ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ہوا تو اس وقت آپ (علیہ السلام) کی عمر مبارک پچیس سال دو ماہ دس دن تھی۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ (تاریخ الاسلام، حصہ اول ص۳۴)

اور جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچاس سال اور چھ ماہ تھی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی عمر چھ سال تھی اور رخصتی کے وقت نو (۹) سال تھی۔ (تاریخ الاسلام، حصہ اول، ص ۱۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۵/۹/۱۴۰۶ھ

فضلاتِ نبویہ پاک ہیں

بکر نے تقریر کے دوران یہ حدیث شریف بیان کی کہ ایک صحابیہؓ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب مبارک پی لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ تیرا پیٹ درد نہ کرے گا۔ زید اس کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ بکواس ہے۔ جب زید سے کہا گیا کہ تو نے حدیث کو بکواس کیوں کہا؟ تو زید نے کہا کہ میں نے واقعۂ حدیث کو بکواس نہیں کہا بلکہ اس واقعۂ تقریر کو بکواس کہا ہے۔ اب زید کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مندرجہ بالا مسئلہ کے ثبوت کے لئے زید کے سامنے مدارج النبوت ج ۱ ص ۲۱ سے حدیث پیش کی گئی۔ زید فوراً بولا کہ میں اس حدیث کو نہیں مانتا۔

الجواب یہ واقعہ صحیح ہے اور علماء اہل السنۃ والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات بول و براز طاہر ہیں۔ زید کا انکار کرنا جہالت پر مبنی ہے۔ چونکہ آج کل علم کی کمی ہے۔ لوگوں کو ایسے نادر مسائل کا علم نہیں ہوتا اس لئے وہ انکار کر دیتے ہیں۔ جب زید کہتا ہے کہ میرا مقصد صرف واقعہ کا انکار تھا حدیث کی توہین مطلوب نہ تھی تو ہم زید پر کفر و فسق کا فتویٰ نہیں لگا سکتے۔ کسی شخص کی ذات پر فتویٰ لگانے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ البتہ زید کو توبہ کرنی چاہئے۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبداللہ عفر اللہ لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۷ صفر ۱۳۷۶ھ

کیا خود آنحضرت علیہ السلام پر بھی درود پڑھنا واجب تھا؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کیا آنحضرت علیہ السلام پر خود بھی اپنے آپ پر درود پڑھنا واجب تھا جیسے کہ آیت یایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔

الجواب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ تھے۔ یہ خطاب آپ کے علاوہ باقی تمام مؤمنین کو ہے۔

وفی المجتبی لا یجب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی علی نفسہ اھ (درمختار)

وفی الشامیۃ لانہ غیر مراد بخطاب صلوا ولا داخل تحت ضمیرہ کما ھو المتبادر من ترکیب صلوا علیہ وقال فی النھر لا یجب علیہ بناء علی ان یایھا الذین آمنوا لا یتناول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف یا ایھا الناس، یا عبادی کما عرف فی الاصول اھ والحکمۃ فیہ واللہ تعالیٰ اعلم انھا دعاء وکل شخص مجبول علی الدعاء لنفسہ وطلب الخیر لھا فلم یکن فیہ کلفۃ والایجاب من خطاب التکلیف لا یکون الا فیما فیہ کلفۃ ومشقۃ علی النفس ومنافرۃ لطبعھا لتحقق الابتلاء اھ (ج ۱ ص ۳۸۱) ۔ فقط

واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ۔

آنحضرت علیہ السلام سے صرف عمامہ اور صرف ٹوپی پہننا بھی ثابت ہے

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں بغیر پگڑی کے ٹوپی پہنی ہے یا کہ نہیں؟ اور بغیر ٹوپی کے پگڑی پہنی ہے کہ نہیں۔ بحوالہ تحریر فرماویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ٹوپی یا صرف پگڑی بھی پہنی ہے۔ زاد المعاد ۱ ج ۴۳ میں ہے۔ وکان یلبس القلنسوۃ بغیر عمامۃ ویلبس العمامۃ بغیر قلنسوۃ اھ ولا بأس بلبس القلانس وقد صح انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یلبسھا (کذا فی العالمگیری) وفی الترمذی کانت کمام اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم بطحا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

۲۰ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی نسبت بمعنی معروف صحیح نہیں

ایک شخص نے توبہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ قصہ شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ حکم فرمایا فرشتوں کو کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو سب نے کیا مگر شیطان نے نہ کیا راندہ گیا توبہ نہ کی۔ اور آدم علیہ السلام کو فرمایا ولا تقربا ھذہ الشجرۃ الآیۃ حضرت خطا کر بیٹھے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بالمشافہ حضرت آدم علیہ السلام کو یہ حکم فرمایا تھا تو ابلیس سے بھی خطا ہوئی اور حضرت ع سے بھی ہوئی۔ لیکن حضرت ع نے توبہ کر لی اور ابلیس نے توبہ نہ کی۔ تو حضرت ع توبہ کرنے کے بعد اپنے مرتبہ پر رہے اور ابلیس راندہ گیا۔ یہ بیان صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حضرت آدم علیہ السلام کے فعل میں اور شیطان کے عصیان میں شیطان و آدم علیہ السلام کا فرق ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اس ظاہری غلطی کو سنگین جرم کہنا بھی سنگین جرم ہے۔ آپ کا عصیان نسیان کی بنا پر تھا۔ شیطان نے جب خدا کی قسم کھائی تو دھوکہ میں آگئے اور یہ سمجھے کہ کوئی بندہ خدا تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ تو یہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نام کا احترام اور اطاعت تھی۔ گو صورت کے لحاظ سے حکم عدولی تھی۔ اور اسی بنا پر عتاب کیا گیا۔ ورنہ تو خود اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی صفائی میں ارشاد فرماتے ہیں فنسی ولم نجد لہ عزمًا الآیۃ کہ آدم علیہ السلام

بھول گئے اور جو کچھ کیا وہ عزم اور ارادہ سے نہیں کیا۔ اور معصیت کے لئے یہ ضروری ہے۔ واعظ کو بھی توبہ کرنی چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ ۲۷/۱۱/۱۳۹۶ھ

حضرت جبریل علیہ السلام حضرات شیخین سے افضل ہیں؟

زید کہتا ہے کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں۔ بکر اس عقیدہ کی مخالفت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو ضرور حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں لیکن کوئی غیر نبی جبریل ع سے افضل نہیں ہو سکتا۔ زید کہتا ہے کہ عوام مؤمنین عوام ملائکہ سے افضل ہیں، اور خواص مؤمنین خواص ملائکہ سے افضل ہیں۔ دونوں سے کون صادق ہے؟ بمع دلائل تحریر کریں۔

۲: ایک شخص کہتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمسخر فرمایا کرتے تھے۔ عام مؤمنین اس شخص کو ناپسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تمسخر کی نسبت توہین ہے۔ کیا وہ شخص حق بجانب ہے؟ یا عام مؤمنین جو اسے ناپسند کرتے ہیں۔

الجواب حضرت جبریل علیہ السلام حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل ہیں۔

کما فی رد المحتار۔ عن الروضة اجمعت الامة علی ان الانبیاء افضل الخلیقة وان نبینا علیه السلام افضلهم وان افضل الخلائق بعد الانبیاء الملائکة الاربعة ...... وان الصحابة والتابعین ..... افضل من سائر الملائکة الخ .... وحاصله ان قسم البشر الی ثلاثة اقسام خواص کالانبیاء واوساط کالصالحین من الصحابة وغیرهم وعوام کباقی الناس ... وجعل خواص البشر افضل من الملائکة خاصهم وعامهم بعدهم فی الفضل خواص الملائکة فهم افضل من باقی البشر اوساطهم وعوامهم و بعدهم اوساط البشر فهم افضل عن عدا خواص الملائکة الخ (ج ۲: ص۲۹۲)۔

۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تمسخر کی نسبت بے ادبی اور گستاخی ہے۔ لہٰذا قائل پر توبہ

لازم ہے۔ تمسخر بازاری لوگوں کا فعل ہے۔ خوش طبعی الگ چیز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

نیند میں بھی انبیاء کرام شیطانی اثرات سے محفوظ رہتے تھے

انبیاء کرام ع کو اور انسانوں کی طرح جنابت ہوتی ہے یا نہیں؟ حالتِ مذکورہ کے بعد آیا انبیاء کرام علیہم السلام پر یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غسل جنابت فرض ہے؟

الجواب حضرات انبیاء علیہم السلام کو حالتِ نوم میں اثرِ شیطانی سے جنابت نہیں ہوتی۔ حق سبحانہ وتعالےٰ نے ان مقدس ہستیوں کو ان اثرات سے محفوظ فرمایا ہے۔ البتہ مباشرت وجماع کے بعد ان حضرات پر غسل ضروری تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں غسل فرماتے تھے جیساکہ روایت ذیل سے ظاہر ہے۔

عن ابی رافع ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاف ذات یوم علی نسائہ یغتسل عند ھذہ وعند ھذہ الحدیث (رواہ ابوداؤد)

عن غضیف بن الحارث قال قلت لعائشۃ رض ارأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یغتسل من الجنابۃ فی اول اللیل اوفی آخرہ قالت ربما اغتسل فی اول اللیل وربما اغتسل فی آخرہ۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۳/۲/۱۳۸۹ھ

شبِ معراج غوث الاعظم رح کے کاندھے پر پاؤں رکھ کر جانا غلطِ محض ہے

مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج حضرت سیدنا غوث الاعظم رح کے کندھے پر پاؤں رکھ کر اس جگہ سے آگے تشریف لے گئے کیا یہ درست ہے؟

۲: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد نبوت ہوتی تو حضرت سیدنا غوث الاعظم رح نبی ہوتے کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

الجواب حدیثِ معراج اور دیگر احادیث میں اس قصے کا کوئی ذکر نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آغازِ سفر سے انتہا تک پورا واقعہ نقل فرمایا ہے اور اس میں براق اور سیڑھی کا ذکر ہے شراحِ حدیث نے بھی اس قصے کو کہیں نقل نہیں کیا۔ نفس قصہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی غالی عقیدت مند ذہن کی اختراع ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کی کوئی سند بیان نہیں کی جاتی۔ جو کسی واقعہ کے غلط اور صحیح ہونے کے لئے بنیادی معیار ہے۔ بعض لوگ جوشِ عقیدت میں ع

کچھ بڑھا بھی دیتے ہیں زیبِ داستاں کیلئے

۲: یہ بھی موضوع اور کذبِ صریح ہے ذخیرۂ احادیث میں کہیں اس کا ذکر نہیں۔ حضرت غوث الاعظم رح

کے وجود سے پہلے اس جملہ کا بھی کوئی وجود نہ تھا۔ اگر یہ پیشین گوئی ہوتی تو آپ کی ولادت سے پہلے کوئی تو اس کا ذکر کرتا۔ مسلم شریف میں سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" آخر زمانہ میں کچھ دجال اور کذاب ہوں گے جو تم کو ایسی احادیث بیان کریں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی، نہ تمہارے آباء نے۔ ایسے لوگوں سے بچنا یہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں مبتلا نہ کردیں۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۳۰/۷/۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

سایۂ نبوی کے حدیث سے دلائل

کیا خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ تھا یا نہیں؟ جو بھی صورت ہو احادیث سے دلائل ذکر فرمادیں۔ لعل محمد خضدار۔

الجواب

صحیح روایات واحادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ مبارک تھا۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد قال اللھم سجد لک سوادی وخیالی وبک آمن فؤادی ابوء بنعمتک علی وھذا ما جنیت علی نفسی یا عظیم یا عظیم اغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب العظیمۃ الا الرب العظیم۔

(ج ۱، ص ۵۳۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عموماً حالت سجدہ میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ یا اللہ میرے جسم اور سایہ نے تجھے سجدہ کر دیا اور دل بھی تجھ پر ایمان لے آیا اور میں خود بھی تیری نعمتوں کا معترف ہوں۔ اور اپنی لغزشوں کی معافی بھی تجھ ہی سے چاہتا ہوں۔ مولا! تو بڑا ہے بڑے ہی بڑی لغزشیں معاف فرمایا کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں لفظ " خیال " استعمال ہوا ہے۔ لفظ " خیال " کے بارے میں علامہ احمد مصطفی المراغی اپنی تفسیر " المراغی " میں ارشاد فرماتے ہیں۔

والظلال واحدھا ظل وھو الخیال الذی یظھر للجرم۔

یعنی ظلال کا واحد ظل ہے جس کے معنی خیال کے ہوتے ہیں۔ اور خیال وہ ہے جو جسم کے لئے بصورت

سایہ ظاہر ہوتا ہے ۔

تفسیر بحر المحیط میں علامہ ابو حیان فرماتے ہیں ۔

قال الفراء الظل مصدر یعنی فی الاصل ثم اطلق علی الخیال الذی یظھر للجرم وطولہ بسبب انحطاط الشمس وقصرہ بسبب ارتفاعھا فھو منقاد للہ تعالٰی فی طولہ وقصرہ ومیلہ من جانب الی جانب ۔

(بحر المحیط ، ج ۵ ، ص ۴۷۸)

مشہور نحوی فراء فرماتے ہیں لفظ ظل اصل میں مصدر ہے پھر اس کو خیال کے معنی میں لے لیا گیا ہے۔ جو بصورت سایہ جسم کے لئے ظاہر ہو جس کی لمبائی سورج کے نیچا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور کمی سورج کے بلند ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے ۔ یہ سایہ اللہ تعالٰی کا مطیع و فرمانبر دار رہتا ہے ۔ کمی اور زیادتی میں بھی اور اِدھر اُدھر جھکنے میں بھی ۔

مذکورہ بالا دونوں حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ " سجد لک سوادی وخیالی " جسم اور سایہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ نیز اس روایت کو علامہ ذہبی رح نے تلخیص مستدرک میں حدیث صحیح کہا ہے ۔

دوسری حدیث ؛ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ قال بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی ذات لیلۃ صلاۃ اذ مد یدہ ثم اخرھا فقلنا یا رسول اللہ رأیناک صنعت فی ھذہ الصلاۃ شیئا لم تکن تصنعہ فیما قبلہ قال اجل انہ عرضت علی الجنۃ فرأیت فیھا دالیۃ قطوفھا دانیۃ فاردت ان اتناول منھا شیئا فاوحی الی ان استأخر فاستأخرت ثم عرضت علی النار فیما بینی وبینکم حتی رأیت ظلی وظلکم فیھا فاومیت الیکم ان استاخروا ۔

مستدرک حاکم ، ج ۴ ، ص ۴۵۶

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور نماز کی حالت میں آپ کا ہاتھ مبارک اچانک آگے بڑھا مگر پھر جلد ہی پیچھے ہٹا لیا ۔ ہم نے عرض کیا کہ حضور ! آج تو آپ نے خلاف معمول نماز میں نئے عمل کا اضافہ فرمایا ۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ قصہ یہ ہے کہ میرے سامنے ابھی ابھی جنت پیش کی گئی میں نے اس میں بہترین پھل دیکھے تو جی میں آیا کہ اس میں سے کچھ اچک لوں مگر فوراً حکم ملا کہ پیچھے ہٹ جاؤ ۔ تو میں پیچھے ہٹ گیا ۔ پھر مجھ پر جہنم پیش کی گئی ۔ اس کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا

دیکھتے ہی میں نے تمہاری طرف اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹے رہو۔
اس روایت کو بھی علامہ ذہبی رح نے حدیث صحیح کہا ہے۔

تیسری حدیث۔ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی سفر لہ۔ فاعتل بعیر لصفیۃ وفی ابل زینب فضل فقال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بعیرا لصفیۃ اعتل فلو اعطیتہا بعیرا من ابلک فقالت انا اعطی تلک الیہودیۃ قال فترکہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذا الحجۃ والمحرم شہرین او ثلاثۃ لا یاتیہا قالت حتی أیست منہ وحولت سریری قالت فبینما انا یوما بنصف النہار اذا انا بظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبلاً۔

مسند امام احمد بن حنبل رح ج ۶ ص ۱۳۲

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ اچانک حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ اتفاق سے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک سواری زائد تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اپنی زائد سواری حضرت صفیہ رض کو دے دو۔ حضرت زینب رض نے کہا کیا اس یہودیہ کو دوں؟ پس اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے۔ اور ذوالحجہ اور محرم دو تین مہینے مسلسل ان کے پاس بھی نہیں آئے۔ حضرت زینب رض فرماتی ہیں، یہاں تک کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئی۔ اور اپنا سامان وغیرہ بھی منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر اچانک ایک دن کیا دیکھتی ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایۂ مبارک آ رہا ہے۔

چوتھی حدیث۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ ذکر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدثہم ان جبریل علیہ السلام جاءہ فصل بہ الصلوات وقتین وقتین الا المغرب جاء نی فصلی بی الظہر حین کان فیئی مثل شراک نعلی ثم جاء فصلی بی العصر حین کان فیئ مثلی۔ الحدیث (رواہ بزار وحشا مجمع الزوائد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے دو دو وقت کی نمازیں پڑھائیں مگر مغرب دونوں دن ایک ہی وقت پر پڑھائی۔

ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب میرا سایہ میرے تسمے کے برابر ہو گیا۔ اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب میرا سایہ میرے برابر ہو گیا۔

مذکورہ بالا احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک تھا۔

فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۶/۵/۱۴۰۰ھ

ذکر و اوراد، دعا، اور تعویذات
و
ما یتعلق بالسلوک

درودِ تاج کے بعض الفاظ کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ درودِ تاج میں دافع البلاءِ والوباء والقحط والمرض والالم کے الفاظ آتے ہیں یہ پڑھنے درست ہیں۔ ان کے پڑھنے سے شرک تو لازم نہیں آتا ؟

الجواب

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں معنی " دافع البلاء " کہنا کہ آپ کے ذریعہ سے بلاء دفع ہوتی ہے درست ہے۔ اور بایں معنی کہ آپ خود استقلالاً بلاء کو دفع کرتے ہیں درست نہیں۔ ایسے الفاظ جو موہم شرک ہوں اور عوام میں مفسدہ کا باعث ہوں قابلِ اجتناب و احتراز ہیں۔ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمتِ اقدس میں درود بھیجنے کے لئے دوسرے صحیح درود شریف بہت ہیں ان کو ہی پڑھا جائے۔ (ماخوذ من مجموعۃ الفتاوی ج۱ ص۱۹۲)

الجواب صحیح   فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۸ شوال ۱۳۷۹ھ

درودِ پاک میں "ونورِ عرشہ" کا حکم

درود شریف صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی الہ واصحابہ و اہل بیتہ وازواجہ و ذریاتہ ونور عرشہ اجمعین کیا یہ درود شریف صحیح ہے بعض کہتے ہیں کہ غلط ہے۔ اس لئے کہ بریلوی پڑھتے ہیں۔

الجواب

اگر نورعرشہ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے تو یہ لفظ آپ کے نام کے ساتھ آنا چاہئے۔ اگر کوئی اور چیز مراد ہے تو اس پہ درود کا کیا طلب اور پہلی صورت میں اس لفظ کی بجائے "سید الانبیاء" ذکر ہو جائے تو کیا حرج ہے ؟

فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بخشش کیلئے ستر ہزار دفعہ کلمہ پڑھنا ۵۰۰۰

۱ : زید اپنی زندگی میں اپنے لئے پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھ کر اپنے لئے ذخیرہ کرتا ہے کہ بعد موت کے میری بخشش ہو جائے۔

۲ : یا اسی طرح کسی کی موت کے بعد اسے پچھتر ہزار دفعہ پڑھ کر بخشتا ہے تو کیا ان دونوں کی بخشش ہو جائے گی ؟

۳ : یہ تعداد کتنی ہے ؟   ۴ : پورا کلمہ طیبہ یا صرف پہلا حصہ پڑھے ؟

سائل ہدایت شاہ راولپنڈی۔

الجواب ۱، ۲ : بعض روایات میں وارد ہے کہ جس نے کلمہ طیبہ ستر ہزار دفعہ پڑھا یہ اس کے لئے جہنم سے فدیہ ہو جائے گا۔ نقله الشامی فی رسالة منة الجليل اور امام قرطبی رح سے ایسے بھی نقل کیا گیا ہے۔ کہ دوسرے کے لئے بھی پڑھا جا سکتا ہے پس زید اور جس کے لئے پڑھا گیا ہے دونوں کے لئے امید مغفرت ہے۔

۳ : ستر ہزار (۷۰۰۰۰)

۴ : صرف لاالٰہ الا اللہ۔ عن الشیخ القرطبی انه قال سمعت فی بعض الاخبار ان من قال لا اله الا الله سبعين الف مرة كانت فداءه من النار اھ (منة الجليل) کبھی کبھی آخری جزء بھی کہہ لینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴ : ۱۰ : ۱۴۰۰ھ

ختم خواجگان کا حکم

استفتاء : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ختم خواجگان ہمیشہ روزانہ خاندانِ نقشبندیہ میں پڑھا جاتا ہے چنانچہ جب سے جنگ پاک و ہند شروع ہوئی ہے فجر کی نماز میں امام مسجد قنوتِ نازلہ بھی پڑھتے ہیں۔ اور بعد نماز ظہر چند مقتدیوں کو شامل کر کے ختم بھی پڑھتے ہیں۔ اور یہ امام مجددیہ خاندانِ نقشبندیہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ جو کام قرآن و حدیث اور فقہ میں نہ ہو وہ خلاف شریعت ہے۔

الجواب ختم خواجگان مذکورہ بالا ورد و وظائف کے قبیل سے ہے یہ کوئی خلافِ شریعت کلمات پر مشتمل نہیں ہے پس اسکے پڑھنے سے کوئی نقصان و حرج نہیں۔ البتہ اسے شرعی حکم کی حیثیت نہ دی جائے کہ تارک پر نکیر کی جانے لگے۔ جو شخص خوشی سے شریک ہو ٹھیک ہے اور شریک نہ ہونے والے پر کوئی الزام نہیں۔ کسی امر کے بدعت اور ممنوع بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا شرعاً ثبوت بھی نہ ہو۔ اور اسے دینی حکم بنالیا جائے اور اس کے نہ کرنے والے کو مطعون ٹھہرایا جانے۔

فقط واللہ اعلم : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ۔

دعا میں لی خمسة اطفی بہا الخ پڑھنا جائز نہیں

موضع تارا سنگھ متصل دیپالپور ضلع ساہیوال کی جامع مسجد کے شمالی اور جنوبی دروازوں پر امام صاحب نے یہ لکھوا دیا تھا۔ لی خمسة أطفی بها حر الوباء الحاطمة ؛ المصطفى والمرتضى وابناهما والفاطمة - امام مسجد مذکور اکثر نمازوں کے بعد یہ پڑھا کرتا تھا کسی

نمازی نے اس شعر کو مسجد کے دروازوں سے مٹا دیا۔ تو امام مذکور سخت ناراض ہوا۔ اور مٹانے والوں کو دشنام طرازی سے نوازتا رہا۔ کیا امام کا یہ عمل جائز تھا یا نہیں؟ شعر کا لکھنا جائز تھا یا مٹانا جائز۔ اور یہ شعر حدیث ہے یا شیعہ کی ایجاد ہے۔ اور اس کا کیا مطلب کیا ہے؟

الجواب امام مذکور کا اکثر نمازوں کے بعد دعا میں یہ شعر پڑھنا درست نہیں بلکہ یہ شعر دعا کے دوران پڑھنا ہی نہیں چاہئے۔ اسی طرح اس کا مسجد کے دروازوں پر لکھنا، لکھوانا بھی جائز نہیں۔ اس نمازی نے بہت اچھا کیا۔ اس کام کی وجہ سے امام مذکور کا اس سے ناراض ہونا اور دشنام وغیرہ دینا بالکل غلط ہے۔ امام مذکور کو اس سے توبہ کرنی چاہئے اور شخص مذکور سے معافی مانگ لینی چاہئے۔ امداد الفتاوی میں ہے کہ ظن غالب ہے کہ یہ شعر شیعہ کی ایجاد ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۴ ص ۳۰۳)

فقط واللہ اعلم بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۲ : ۵ : ۱۳۸۷ھ

دم کرنے پر مال لینا جائز ہے

ایک شخص نے کسی بیمار سے کہا کہ جب آپ کو شفاء ہو جائے گی اتنا فلاں مال لوں گا۔ اگر شفاء نہ ہو تو کچھ نہیں لوں گا۔ اس معالج نے قرآن پاک کی کوئی سورت پڑھ کر پانی پر دم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیمار کو شفاء عطا فرمائی۔ اب اس معالج کو وہ مال لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وفی الشامیۃ وما استدل بہ بعض المحشین علی الجواز بحدیث البخاری فی اللدیغ فھو خطاء لان المتقدمین المانعین الاستئجار مطلقا اجوز والرقیۃ بالاجرۃ ولو بالقران کما ذکرہ الطحاوی، ج ۵، ص ۳۷۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تعویذ پر یا کوئی آیت پڑھ کر دم کرنے پر اجرت لینا جائز ہے۔ لیکن صورت مسئولہ میں شخص مذکور کے اس کہنے (اگر شفاء نہ ہو تو کچھ نہ لوں گا) اجارہ کو فاسد کر دیا۔ کما فی الشامیۃ۔ اور اجارہ فاسدہ میں اجیر اجرت مثل کا مستحق ہوتا ہے۔ الحاصل صورت مسئولہ میں دم کنندہ اس چیز کے لینے کا حقدار نہیں جس پر ان دونوں کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ البتہ اجر مثل کا حقدار ہے۔

فقط واللہ اعلم: بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفر لہ ۲۱ : ۱۱ : ۱۳۷۶ھ

چاند کی دعا منہ پھیر کر مانگنی چاہئے

۱ : چاند کو دیکھ کر ماثورہ دعا ، اللّٰھم اھلہ الخ کے کلمات زبان سے ادا کئے جائیں اور ہاتھ نہ اٹھائے جائیں تاکہ ستارہ پرستوں سے تشبہ نہ ہو کیا اس طرح درست ہے ؟

۲ : قبر پہ جا کر جب میت کے حق میں دعائے خیر کی جائے تو اس وقت بھی ہاتھ نہ اٹھائے جائیں ۔ تاکہ قبر پرستوں سے مشابہت نہ ہو ۔ کیا یہ دونوں مسئلہ درست ہیں ؟

الجواب

۱ : عن قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا رأی الھلال صرف وجھہ عنہ (ابو داؤد) وفی بذل المجھود ج ۵ ، ص ۲۹۹ ۔ قولہ صرف وجھہ عنہ قال المنذری ھذا مرسل الی قولہ وکتب مولانا محمد یحیی المرحوم فی التقریر قولہ صرف وجھہ عنہ وذلک لئلا یلزم حین یدعو بالدعوات تشبہ لعبدۃ الشمس والقمر ۔

روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ چاند دیکھ کر دعا کرتے وقت منہ پھیر لینا چاہئے ۔

۲ : قبرستان میں دعا کرتے وقت مستقبل قبلہ ہو تو رفع ایدی درست بلکہ مستحب ہے ۔ وفی حدیث ابن مسعود رض رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر عبد اللہ ذی البجادین ...... الی فلما فرغ من دفنہ استقبل القبلۃ رافعا یدیہ اخرجہ ابو عوانۃ فی صحیحہ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۴۴)

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم

خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ محمد اسحٰق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۸۶/۸/۱۴ھ

دوسرے کیلئے استخارہ کیسے کرے

دوسرے کے کام کے لئے استخارہ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر ہو سکتا ہے تو الفاظ استخارہ کیسے پڑھے ؟

الجواب

دوسرے شخص کے لئے بھی استخارہ جائز ہے ۔ اور انی استخیرک کے بعد لِفُلَانٍ نام لے کر بڑھا دیا جائے اور ان ھذا الامر خیر لی کی بجائے لہٗ کہا جاوے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہٗ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ

نادِ علیًا الخ کا وظیفہ پڑھنا جائز نہیں

بعض لوگ مصائب و پریشانیوں میں ناد علیا مظہر العجائب کا وظیفہ پڑھتے ہیں ۔ شرعًا اس کا پڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب حلِ مشکلات اور دفعِ مصائب کے لئے احادیث میں اور بہت سے زود اثر وظائف موجود ہیں۔ علماء و محدثین سے پوچھ کر ان کا ورد کیا کریں۔ ایہام شرک کی وجہ سے نادِ علیا کا وظیفہ پڑھنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

سوا لاکھ آیت کریمہ کا شرعی حکم

آج کل یہ عام رواج ہوتا جارہا ہے کہ کسی گاؤں یا محلے کے لوگ کسی مشکل کے وقت جمع ہو کر آیتِ کریمہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کو سوا لاکھ دفعہ اس خیال سے ورد کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اس آیت کے ورد سے مشکل سے نجات دی تھی اسی طرح ہماری مشکل بھی دور ہو جائے گی۔ اس ورد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز مشکل کے وقت سلام نے اللہ تعالےٰ سے دعاء کرنے کا کیا طریقہ سکھایا ہے؟

الجواب سوا لاکھ مرتبہ آیتِ کریمہ کا ورد کرنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ کہ مصیبت کے وقت ایسا کرنا ضروری ہے۔ بلکہ دعاء کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ جیسے دوسرے طریقوں سے دعاء کرنا جائز و مشروع ہے ایسے ہی آیت کریمہ پڑھ کر دعاء کرنا بھی مشروع ہے۔ البتہ بزرگوں کا تجربہ ہے کہ آیت ہذا کا وردِ مذکور کرکے دعاء کی جائے تو قبولیت کی بہت امید ہے اور دفع بلاء کا ظن غالب ہے۔ بس اس ورد کی شرعی حیثیت یہی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ۔

غیر معلوم المعنیٰ وظیفہ پڑھنے کا حکم

دنیا میں بہت سے منتر اور عزیمتیں اور قرآنی آیات و تعویذات مطلب برآری کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں بعض وہ ہیں جو سمجھ میں نہیں آتے۔ اور بعض آتے ہیں۔ اور مختلف زبانوں میں یہ منتر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات غیر خدا کو پکارا جاتا ہے اور مطلب میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ کام کس حد تک جائز ہے۔ جس کی مثال پیشِ خدمت ہے۔ یاشمکاشالہ یا طامی طالہ طامی حق طمطی طمطی یا طالی الخ

یہ ایک لمبا عمل ہمزاد تابع کرنے کا ہے۔ بتی میں تعویذ ہوتا ہے اور بتی کی لو پر نگاہ رکھنی پڑتی ہے۔ یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب مذکورہ عمل پڑھنا جائز نہیں۔ شامی میں ہے : ج ۵ : ص ۲۴۰ ۔
ولا بأس بالمعاذات اذا كتب فيها القرآن او اسماء الله تعالى
ويقال رقاه الراقى رقيا ورقيته اذا عوذه ونفث فى عوذته
قالوا وانما تكره العوذة اذا كانت بغير لسان العرب ولا
يدرى ما هو ولعله يدخله سحرا وكفرا وغير ذالك واما
ما كان من القرآن اوشئى من الدعوات فلا بأس به اھ
نیز ہمزاد بھی ایک جن ہوتا ہے اور جنوں کو تابع اور مسخر کرنے سے حدیث میں منع وارد ہوئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

بخاری شریف کی مندرجہ ذیل حدیث سے منع مستنبط ہوتی ہے۔
عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم انه
صلى صلوة فقال ان الشيطان عرض لى فشد على ليقطع الصلوة
على فامكننى الله منه فذعته ولقد هممت ان اوثقه الى سارية
حتى تصبحوا فتنظروا اليه فذكرت قول سليمان رب هب لى
ملكا لا ينبغى لاحد من بعدى فرده الله خاسئا (بخاری ج ا ص ۱۶۱)
كذا ذكره الشراح ۔ والجواب صحیح

محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹/۱/۱۳۸۰ھ

عملیات کے ذریعہ کمائے ہوئے پیسے کا حکم

عملیات اور وظائف کے ذریعہ مال حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ جبکہ ایسے عملیات تجربہ میں آچکے ہیں کہ مصلے کے نیچے پیسے رکھ کر عمل شروع کیا اور مصلے کے نیچے سے بغیر شمار کئے اٹھا کر خرچ کرتے رہے اور پیسے ختم نہ ہوتے۔ حافظ عبدالستار علو والی۔

الجواب حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالےٰ نے لکھا ہے کہ "یہ بواسطۂ جنات چوری ہے لہذا حرام ہے۔" (امداد الفتاوی ؛ ج ۴ ؛ ص ۵۱۰)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

درود شریف کے بارے میں چند مسائل ۱ : صلوٰۃ وسلام خارج نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟
۲ : سلام بالاخفاء پڑھے یا بالجہر ؟
۳ : مخصوص طرز میں پڑھے یا جیسے چاہے۔ ۴ : قعود میں پڑھے یا قیام میں ؟

الجواب
۱ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا ایک بہترین عبادت ہے اور یہی ایک ایسی عبادت ہے جو کبھی رد[1] نہیں ہوتی۔ لھذا خارج نماز بھی جتنا پڑھا جاسکے غنیمت سمجھے۔

۲ : دعاء وعبادت میں اصل اخفاء ہے لقولہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ الآیۃ اگر کسی وقت طبیعت کا تقاضا جہر کا ہو تو چند شرائط کے ساتھ گنجائش ہے۔

۱- : جہر مفرط نہ ہو۔ جہر کی وجہ سے کسی عبادت کرنے والے کی عبادت میں خلل نہ آوے۔

۲- : کسی سونے والے اور بیمار کو اذیت نہ ہو۔

۳- : ریا مقصود نہ ہو۔

۳ : اگر مخصوص طرز سے مراد نغمہ اور لَے ہے تو یہ شریعت میں کوئی مطلوب نہیں۔ از خود پیدا ہو تو ممنوع نہیں۔ کثرت مقصود ومطلوب ہونی چاہیئے۔

۴ : جن عبادات کو کسی خاص کیفیت سے ادا کرنا مقصود ہے۔ ان عبادات میں شریعت نے کیفیت ذکر کی ہے۔ کہ یہ عبادات بیٹھ کر کی جائیں یا کھڑے ہو کر وغیرہ وغیرہ۔
اور جن میں شریعت نے کوئی خاص قید ذکر نہیں کی ان کو عام باادب طریقے پر ادا کیا جائے گا مستحسن طریقہ یہی ہے کہ احترام کے ساتھ قبلہ رو بیٹھ کر دل جمعی کے ساتھ عبادت کی جاتے۔ درود شریف میں بھی یہ ادب ملحوظ رکھا جائے گا۔ قیام کو لازم سمجھنا غلط ہے۔ اور اگر اس خیال سے قیام ہو کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں تو یہ عقیدہ فاسد اور قیام ممنوع ہے۔ اور اگر کوئی خاص گروہ اس عقیدہ کے تحت قیام کرتا ہے تو ان کے تشبہ سے بچنا بھی ضروری ہے۔ نیز عقیدہ ہو کہ میرا درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بذریعہ ملائکہ پیش کیا جارہا ہے۔ درود کے الفاظ مسنون ومنقول ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور : نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۲۴ : ۸ : ۱۳۹۸ھ

[1] فیہ نظر - محمد انور مرتب

دم کی ایک مروج صورت کا حکم

گزارش ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مسجد کے باہر بچے اور لوگ برتن لئے کھڑے رہتے ہیں کہ نماز ختم ہو اور وہ اپنے برتن میں دم کرائیں۔ رمضان شریف میں بوتلوں کی قطار کی قطار لگ جاتی ہے۔ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ نیز اس کے متعلق کوئی حدیث نبوی ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب

اس میں کوئی خلاف شرع امر نہیں۔ ہاں شور و شغب ہوتا ہو تو شور سے روکنا چاہیئے۔ دم کرنا حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے زخم ہو گیا تھا فرماتے ہیں کہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ نے تین مرتبہ دم فرمایا تو زخم درست ہو گیا۔ فاتيت النبي عليه السلام فنفث فيه ثلاث نفثات فما اشتكيتها حتى الساعة۔ (مشکوٰۃ، ص۵۳۳)۔

نیز حدیث میں ہے۔ كان رسول الله عليه السلام اذا صلى الغداة جاء خدم المدينة بآنيتهم فيها الماء فما يأتون باناء الا غمس يده فيها فربما جاءوا بالغداة الباردة فيغمس يده فيها اھ (مشکوٰۃ ص ۵۱۹)

فقط واللہ اعلم ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۹؍۱۰؍۱۳۹۵ھ

دم اور تعویذ دینے کا ثبوت

اگر کسی شخص پر آسیب کا اثر ہو، اس کو دور کرنے کے لئے قرآن وحدیث کی روشنی میں تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ سننے میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کسی قسم کا تعویذ بنا کر گلے میں لٹکانا شرک ہے یا منع ہے۔ کیا اس قسم کی حدیث کتب احادیث میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی وضاحت کیجئے۔

۲ : جو لوگ تعویذوں کا پیشہ کرتے ہیں اور اجرت لیتے ہیں۔ کیا یہ اجرت لینا جائز ہے؟

الجواب

بخاری ومسلم میں روایت آتی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سانپ کے ڈسے ہوئے کو سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اس کے عوض میں کچھ بکریاں بھی لیں۔ ایسے ہی ابن ماجہ میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خير الدواء القرآن ذكره ابن القيم في زاد المعاد واحتج به فهو حسن او صحيح عنده۔

نیز بخاری ومسلم میں ہی روایت آتی ہے کہ آنحضرت علیہ السلام معوذتین پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کرتے تھے۔ عن عائشة رضي الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا اشتكى

يقرءها نفسه بالمعوذات اهـ (بخاری ج۲ ص ۵۰،)

قرآنی آیات یا ادعیۂ احادیث سے شفاء کا انکار کرنا سراسر جہالت وحماقت اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کے تجربات کو جھٹلانا ہے۔

رہا تعویذات کا مسئلہ تو حصن حصین کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو آدمی ان کلمات کو پڑھ نہ سکے تو ان کلمات کو لکھ کر گلے میں ڈال لے۔ (حصن حصین صفحہ طبع لکھنؤ) نیز یہی روایت ابوداؤد میں بھی موجود[1] ہے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ تعویذ کے کلمات شرکیہ یا غیر معلوم المعنی نہ ہوں۔ جاہلیت والے ایسے ہی تعویذ استعمال کرتے تھے۔ جن کے الفاظ شرکیہ تھے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد کا مطلب بھی یہی ہے۔ کہ ایسے تعویذوں سے بچا جائے۔ کیونکہ اس حدیث کے آخر میں لفظ یہ ہیں۔ "کہ یہ شرک ہے" اور ظاہر ہے کہ شرکیہ تعویذ ہوں گے تو ان کے استعمال سے شرک لازم آئے گا۔ جائز تعویذوں کے بارے میں یہ ارشاد نہیں ہے۔

۲: نفس اجرت لینا تو جائز ہے جیسا کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے دم کرنے پر اجرت لینا ثابت ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں مجبور کرنا، ناحق تنگ کرنا یا اور کوئی ایسی بات کرنا ممنوع ہے۔

فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ : الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ ۲/۲/۱۴۰۱ھ

تعویذات کیلئے مستند کتب

تعویذات کے لکھنے اور ان کے پہننے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد یا عمل ہے یا نہیں؟

۲: لوگ ہمیں تعویذ لکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ان کو لکھ کر دیا جائے تاکہ وہ شرکیہ تعویذات وعملیات سے بچیں۔

الجواب ۱: حصن حصین صفحہ پر ایک حدیث آئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو آدمی ان کلمات کو پڑھ نہ سکے تو تعویذ بنا کر گلے میں ڈال لے۔ نیز تعامل سلف بھی ایک اہم دلیل ہے۔

۲: اعمال قرآنی، مجربات عزیزی، شفاء العلیل اس سلسلہ میں مفید ومعتمد علیہا ہیں۔

فقط واللہ اعلم۔

---

[1] عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعلمہم من الفزع کلمات اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضبہ وشر عبادہ ومن همزات الشیاطین وان یحضرون وکان عبداللہ بن عمرو یعلمهن من عقل من بنیہ ومن لم یعقل کتب فاعلقہ علیہ (ابوداؤد، ج ۲، ص ۵۴۳)۔ فیہ دلیل علی جواز کتابۃ التعاویذ والرقی وتعالیقہا۔ (بذل المجهود، ج ۵، ص ۱۰)۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۳ ؍ ۶ ؍ ۱۳۹۹ھ

اعینونی عباد اللہ کے وظیفے کا حکم

کتاب " شہباز شریعت " جو ایک بڑے عالم کی لکھی ہوئی ہے ، ص ۳۴۲ - پر ہے کہ اعینونی عباد اللہ رحمکم اللہ - یا عباد اللہ اعینونی - اس کو نو مرتبہ پڑھا جائے جو شخص غائب سے امداد چاہے وہ یہ پڑھے - ایک شخص اعتراض کرتا ہے کہ جب غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز نہیں ہے جیسا کہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ ناجائز ہے - تو مذکورہ وظیفہ جائز کیسے ہے ؟ اور ان اللہ کے بندوں سے کون سے بندے مراد ہیں - کیا یہ حدیث سے ثابت ہے ؟

الجواب باوجود تلاش کے اصل کتاب سے یہ حدیث نہیں مل سکی اور کتاب بھی پوری نہیں تھی شاید دوسری جلدوں میں یہ حدیث موجود ہو - لہذا حدیث کی صحت اور ضعف کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی - البتہ ان عبارات کو ہر شخص غائب سے استمداد کیلئے پڑھنا جائز نہیں - اور نہ ہی بطور وظیفہ ان کا پڑھنا روا ہے - بلکہ یہ تو صرف اس شخص کے لئے ہے جو صحرا میں کوئی چیز گم کر دے ، جیسا کہ خود الفاظِ حدیث سے ظاہر ہے - پس اس حدیث سے ہر غائب سے ہر مقام پر ہر وقت مطلقاً استمداد و استعانت کا جواز ثابت نہیں ہوگا - نیز یہ بھی متعین نہیں کہ یہ عباد اللہ کس طرح اعانت کرتے ہیں - دعا کرتے ہیں یا کسی اور طریق سے اور ان عباد اللہ کے مصداق میں علماء کا اختلاف ہے - بعض کہتے ہیں کہ یہ فرشتے ہیں - اور بعضوں کے نزدیک ابدال ہوتے ہیں - واللہ اعلم بالصواب -

اگر بعض فرشتوں کو یا رجالِ غیب کو صحراء میں حق تعالیٰ سبحانہ نے اسی خدمت پر مامور فرمایا ہو تو کچھ عجب نہیں - لیکن اس سے مطلقاً استمداد غیر اللہ کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا -

تتمہ - حدیث کے الفاظ یہ ہیں -

وھو بارض لیس بہا انیس فلیقل یا عباد اللہ اعینونی ...... فان للہ عبادا لا یراھم - حدیث سے امورِ ذیل مستفاد ہوئے -

۱ : جب صحرا میں کوئی شئے گم ہو جائے تو اس وقت خط کشیدہ الفاظ کہے جائیں -

۲ : وہاں کچھ رجالِ غیب ہوتے ہیں جو ہر شخص کو نظر نہیں آتے -

حدیث میں یہ نہیں بتایا گیا کہ عباد اللہ کی اعانت کی نوعیت کیا ہوتی ہے - وہ صرف دعا کرتے

ہیں یا کچھ اور۔ پس اس میں کوئی قابلِ تعجب بات نہیں کہ اللہ تعالے عز وجل اس لق و دق صحرا میں کچھ رجالِ غیب کو ایسے امور کے لئے مامور فرما دیتے ہوں۔ لیکن یہ ندائے غیب نہیں ہوگی بلکہ وہیں کے رہنے والوں کو پکارنا ہے۔ نہ معلوم ان کی کتنی تعداد ہے کہ وہ ہمیں نظر نہ آتے ہوں۔ اور ان کا وہاں موجود ہونا خود اس حدیث سے ثابت ہے۔ بخلاف " یا شیخ عبدالقادر الخ کے کہ یہ ندائے غیب ہے۔ کیونکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ العزیز ہر جگہ اور ہر گھر میں موجود ہوتے ہیں۔ پس دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔ البتہ یہ کہ " یا عباد اللہ الخ " کو ہر جگہ پر بطور وظیفہ پڑھنا پھر بھی جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ حدیث سے ایسا عموم ثابت نہیں ہوتا۔ جس مقدار کے لئے حدیث سے اجازت معلوم ہوتی ہے اس کو جائز سمجھا جائے۔ یعنی صرف جنگل میں جب کہ کوئی چیز گم ہو جائے۔ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کے خلاف یہ اس لئے نہیں ہوگا کہ یہ اعانت ایسی ہی ہے جیسے ایک انسان دوسرے انسان کی معمولی کاموں میں امداد کرتا ہے۔

اس تفصیل و بحث کی حاجت اس وقت ہے جب کہ سند کے اعتبار سے حدیث کی صحت معلوم ہو جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

وہ تعویذات کرنے جائز ہیں جن میں شرکیہ کلمات نہ ہوں

رقیہ یعنی دم، تعویذ، تمیمہ، تینوں کی وضاحت کریں کہ کون سے ناجائز اور شرک ہیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب احادیث کی روایات اس کے بارے میں مختلف ہیں۔ بعض سے جواز اور بعض سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے فقہاء نے تعویذات کے متعلق ضابطہ یہ لکھا ہے کہ قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ یا ایسے کلمات جن سے کوئی کفر و شرک لازم نہ آتا ہو۔ بلکہ شرک کا وہم بھی نہ ہوتا ہو۔ ایسے دم اور تعویذات کرنا، اور استعمال کرنا شرعاً درست ہے۔ اس کے علاوہ شرکیہ کلمات والے تعویذات کا استعمال ناجائز ہے۔ بلکہ فقہاء نے ایسے دم اور تعویذات سے بھی منع کیا ہے جن کے معنی معلوم نہ ہوں۔ شامیہ میں ہے۔ قالوا انما تکرہ العوذ اذا کانت بغیر لسان العرب ولا یدری ما ھو لعلہ یدخلہ کفر او غیر ذالک (شامی ج ۵ ص ۲۴۴)

فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

ذکر بالجہر کے احکام

۱ : علماءِ احناف کے ہاں " ذکر " بلند آواز سے کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ مسجد میں اگر کسی کی نماز خراب ہونے ، یا کسی مسافر کی نیند خراب ہونے یا ریا کا خوف نہ ہو تو ذکرِ جہر کرنا کیسا ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی کا خوف ہو تو کیا حکم ہے۔ نیز جہر کتنا اونچا جائز ہے۔

۲ : بعض صوفیاء کے ہاں حلقہ بنا کر مسجد میں ذکر بالجہر کیا جاتا ہے یہ عمل کیسا ہے۔

۳ : سلاسل اربعہ نقشبندی ، سہروردی ، چشتی ، قادری یہ دلائل اربعہ کی رو سے حق ہیں یا نہیں۔

۴ : حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ اور ان کے جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور جمعرات کو بعد از نمازِ مغرب لائٹ بند کر کے ، حلقہ بنا کر شیر انوالہ مسجد میں ذکرِ جہر کرواتے ہیں۔ اور جہر اتنا اونچا ہوتا ہے کہ پاس بیٹھنے والے سن اور سمجھ سکتے ہیں۔ یہ کیسا ہے ؟

الجواب

۱ ، ۲ : ذکر جہر ہر طور سے جائز ہے کسی کو کسی طرح سے منع نہیں کرنا چاہیئے۔ ذکر کسی ہیئت کے ساتھ مقید نہیں۔ بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے۔ خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر۔ یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر۔ غرضیکہ کوئی ہیئت ہو جائز ہے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یقعد قوم یذکرون الله الا حفتهم الملائکة ۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۶)

وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الله تعالی انا عند ظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسی ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منهم (متفق علیه)

وقال الله تعالی یذکرون الله قیاما وقعودا وعلی جنوبهم الآیة

وفی تفسیر الاحمدی فی بحث الجهر والاخفاء : وهذا بحث مختلف فیه بین الانام فی زماننا ولا طائل تحته اذ المقصود بکل الوصول الی الله تعالی بای طریق کان ۔

البتہ اس میں اس بات کا خیال ضرور رہے کہ یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ کسی نائم یا نمازی کو اذیت نہ ہو۔ اور جہر نہایت مفرط نہ ہو۔ نیز کسی طریقہ کو لازم نہ سمجھا جائے۔ (امداد الفتاوی ج ۵ ص ۱۶۱)

ذکر جہر ادنیٰ کی حد تو متعین ہے۔ وہ یہ کہ ساتھ والوں کے علاوہ دوسرے بھی سن سکیں۔ کما فی الشامیۃ ج ۱ ص ۴۹۹۔

وأدنی الجهر اسماع غیرہ ممن لیس بقرب به لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں۔ واعلاہ لاحد له فافهم (شامی ج ۱، ص ۴۹۹) اپنے نشاط پر موقوف ہے مگر اس کے جواز کی شرط وہی ہے کہ کسی مصلی ونائم کو تشویش نہ ہو کما صرح به الفقهاء۔

۳ : سلاسل اربعہ حق ہیں۔

۴ : جائز ہے بشرطیکہ نہ کرنے والوں پر نکیر نہ کیا جاتا ہو۔ اور اس کو عبادت مقصودہ نہ سمجھا جاتا ہو۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۲۲ ، ۴ ، ۱۳۸۶ھ

سپیکر پر ذکر جائز نہیں

ذکر جہر زور زور سے سپیکر پر پڑھنا درست ہے؟ اسی طرح حدیث وتفسیر کہ آدھی رات کو لوگوں کی نیند حرام ہو۔ یا نماز کے اوقات میں جبکہ دوسری مساجد میں نماز ہو رہی ہو۔ آیا یہ درست ہے یا نہیں؟۔

الجواب بلند آواز سے ذکر کرنے سے کسی نمازی کو یا سونے ہوئے کو تکلیف ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں۔ اور جہر مفرط ذکر میں ویسے ہی درست نہیں۔ کسی کو تکلیف ہو یا نہ ہو۔ ودلیلہ مافی الاتقان : ج ۱ ص ۱۱۳ ۔ قال النووی ان الاخفاء افضل حیث خاف الریاء او تأذی المصلون او النائم بجهرہ اھ

اور ابو داؤد میں سند صحیح کے ساتھ روایت ہے۔ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ اعتکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد فسمعهم یجهرون بالقراءۃ فکشف الستر وقال ان کلکم مناج ربه فلا یؤذین بعضکم بعضا اھ

(امداد الاحکام : ج ۱ : ص ۲۲۸)

اور درس میں اصل مقصود حاضرین کو سنانا ہوتا ہے لہذا آواز انہیں تک محدود رکھی جائے۔ فقط

(ورفع صوت بذکر) لانه حیث خیف الریاء او تأذی المصلین او النیام الی ان قال وفی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرها الا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصل او قارئ

لہ شامی ج ۱ ص ۳۶۳۔ وقال الشامی ای رفع الصوت بالذکر بدعۃ۔ (شامی ج ۵)

واللہ اعلم، محمد انور، نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷ ۹ ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

لفظِ یا اللہ کے ساتھ دعا مانگنا- ایک شخص کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے وقت، یا پکارتے وقت صفاتی نام لینا چاہئے ذاتی نام سے دعا نہیں کرنی چاہئے

اس بات کے متعلق وہ یہ دلائل پیش کرتا ہے۔

۱: اصول ہے کہ اپنے سے بڑے کو نام سے پکارنا بے ادبی ہے۔ اور کسی معاشرے میں بھی یہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً باپ یا استاد کو نام سے پکارا جائے تو وہ یقیناً ناراض ہوگا۔

۲: کسی اللہ کے رسول نے اللہ تعالیٰ کو ذاتی نام سے نہیں پکارا۔ اگر جائز ہوتا تو کیا انبیاء علیہم السلام کو ذاتی نام سے نفرت تھی؟ بوقت پکار یا اللہ کہتے۔

۳: آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ ذاتی نام سے پکارنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ لا تجعلوا دعاء الرسول الآیۃ جب باری تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے احترام کے خواہاں ہیں کہ یا محمد کہہ کر کوئی نہ پکارے بلکہ یا رسول اللہ، یا یا ابا القاسم کہے۔

۴: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ مالکم لا ترجون للہ وقارا ؛ وقد خلقکم اطوارا ؛ (سورۃ نوح۔ پ ۲۹) جب انسانوں میں کوئی محترم ہے، تو اللہ تعالیٰ کے متعلق احترام کی پرواہ کیوں نہیں؟

خلاصہ یہ ہے کہ دعا، یا اللہ کہہ کر مانگنی چاہئے یا صفاتی نام سے۔ مثلاً اے میرے مالک، اے میرے پروردگار وغیرہ نیز اللّٰھم لفظِ الٰہ سے مشتق ہے اور لفظِ اللہ خدا تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ تو کیا اس شخص کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب اسم ذات کے ساتھ دعا کرنا درست ہے۔ جلالین شریف میں ہے۔ وکان صلی اللہ علیہ وسلم یقول یا اللہ یا رحمٰن فقالوا انہ ینہانا ان نعبد الٰہین وھو یدعو الٰہا آخر معہ فنزل قل لھم ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ای سموہ بایھما او نادوہ بان تقولوا یا اللہ یا رحمٰن۔ (ص ۲۳۹)۔

مذکورہ عبارت سے ظاہر ہے کہ خدائے پاک نے قرآن پاک میں یا اللہ کہہ کر دعا مانگنے کی اجازت دی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح دعا فرماتے تھے۔ اور دوسری آیت بھی اس کے بارے میں

صریح ہے۔ وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بہا۔ اسماء حسنٰی میں لفظِ اللہ بھی داخل ہے پس اس سے پکارنا بھی جائز ہے۔ حواشی جلالین میں ہے۔

بل یدعی باسمائہ التی ورد التوقیف علی وجہ التعظیم فیقال یا اللہ یا رحمٰن یا عزیز یا کریم۔ (ص ۱۴۵)

قل اللّٰھم کا ترجمہ صاحبِ جلالین نے "یا اللہ" کیا ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ کے آخر میں میم مشدد حرفِ نداء کا بدل ہے۔ اس لئے یا اللّٰھم نہیں کہا جاتا۔ اور اللّٰھم سے بے شمار جگہوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء فرمانا ثابت ہے۔ کما لا یخفٰی۔ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۸۰

اور ایک حدیث میں ہے۔ لا تقوم الساعۃ حتی لا یقال فی الارض اللہ اللہ۔ معلوم ہوا کہ اللہ اللہ کا ذکر جائز ہے۔ ان دلائل کے مقابلہ میں سوال میں ذکر کردہ قیاسات کا کوئی اعتبار نہیں جب نقل مل جائے تو عقل کا کام صرف تسلیم کرنا ہے نہ کہ قیاس لڑانا۔ بندوں کے ضعف کی بناء پر حق جلّ شانہٗ نے اپنا پاک نام لینے کی اجازت دی ہے۔ تو ناراض کیوں ہوں گے؟ انبیاء علیہم السلام سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ آپ یا اللہ کہتے تھے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۲۷/۸/۱۳۹۹ھ

فرضوں کی جماعت کے بعد دعا کا ثبوت

دعاء بعد از ادائیگی جماعت نماز فجر، ظہر، عصر مغرب، عشاء مانگنے کے لئے مطابق حدیث یا سنت کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ جائز ہے۔ کونسی احادیث سے ثابت ہے؟

الجواب فرضوں کے بعد دعاء مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے احادیث میں صراحت موجود ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرضوں کے سلام کے بعد کچھ دیر ذکر و دعا میں مشغول رہتے تھے اور آپ کے یہ اذکار اور دعائیں بھی احادیث میں منقول ہیں۔ بناء بریں ائمہ اربعہ اور احناف کا مسلک ہے کہ فرائض کے بعد امام و مقتدی کا دعاء مانگنا سنت و مستحب ہے۔ متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض کے بعد دعاء مانگنے کی ترغیب دی۔ اور کچھ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ان کے مناسبِ حال ادعیہ بھی تلقین فرمائیں۔

آنحضرت علیہ السلام کا عمل

عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث۔ اخرجہ ابن ابی شیبہ

فی مصنفہ)۔

٢ : عن ابی بکرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعو بھن اللّٰھم انی اعوذبک من الکفر دبر کل صلوۃ اھ (رواہ احمد والترمذی والنسائی)۔

کیا خیال ہے جب نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگ رہے ہوں گے تو صحابہ خاموشی سے دیکھ رہے ہوں گے۔

٣ : قال محمد بن یحیی الاسلمی رأیت عبد اللہ بن الزبیر ورأی رجلا رافعا یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلوتہ فلما فرغ منہا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ رجالہ ثقات نقلہ السیوطی عن ابن ابی شیبہ۔

ان حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بعد کی دعائیں

٤ : عن ابی امامۃ ما دنوت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دبر صلوۃ مکتوبۃ ولا تطوع الا سمعتہ یقول اللھم اغفرلی ذنوبی وخطایای کلھا الحدیث (اخرجہ ابن السنی)

٥ : عن المغیرۃ بن شعبۃ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فرغ من الصلوۃ قال لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر ولفظ البخاری دبر کل صلوۃ اھ

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)۔

٦ : عن عبد اللہ بن الزبیر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی دبر الصلوات لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ الحدیث (رواہ مسلم)

٧ : عن انس رضی اللہ عنہ قال ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنا الا قال حین اقبل علینا بوجھہ اللھم انی اعوذبک من کل عمل یخزینی ومن کل صاحب یؤذینی واعوذبک من عمل یلھینی واعوذبک من کل فقر ینسینی واعوذبک من کل غنی یطغینی اھ (رواہ البزار وابو یعلی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف

متوجہ ہو کر یہ دعا مانگتے تھے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بجائے شرکت کرنے کے یا آمین کہنے کے اٹھ کر چل دیتے ہوں۔

۸ : عن علی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من الصلوۃ قال اللّٰھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت الحدیث : (ابوداؤد)۔

۹ : عن ثوبان رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان ینصرف من صلوٰتہ استغفر ثلاث مرات ثم قال اللھم انت السلام الخ ۔ (ابوداؤد)

نمازوں کے بعد دعا کے بارے میں آپ کے ارشادات

۱۰ : عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقرء المعوذات دبر کل صلوۃ (رواہ ابوداؤد)

۱۱ : قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات ۔ (رواہ الترمذی)

۱۲ : عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا معاذ انی واللہ احبک فلا تدع دبر کل صلوۃ ان تقول اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک الحدیث ۔ (ابوداؤد والنسائی)

۱۳ : عن الفضل بن عباس الصلوۃ مثنی مثنی تشہد فی رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع بیدیک یقول ترفعھما الی ربک مستقبلاً ببطونھما وجھک وتقول یا رب یا رب ومن لم یفعل فھو کذا وکذا وفی روایۃ فھو خداج (اخرجہ الترمذی)

۱۴ : اخرج الطبرانی من روایۃ جعفر بن محمد الصادق قال الدعاء بعد المکتوبۃ افضل من الدعاء بعد النافلۃ کفضل المکتوبۃ علی النافلۃ کذا فی السعایۃ ۔

۱۵ : العلماء لا خلاف بان المذاھب الاربعۃ فی ندب الدعاء سرا للامام والقوم واجاز المالکیۃ والشافعیۃ جھر الامام بہ لتعلیم المؤمنین اوتا مینھم

علی دعائہ اھ (از کتاب مسلک السادات الی سبیل الدعوات، مؤلفہ شیخ محمد علی مفتی مالکیہ بمکۃ)۔

علماء امت کا اجماع

۱۶ : فقد اجمع العلماء علی استحباب الذکر والدعاء بعد الصلوٰۃ وجاءت فیہ احادیث کثیرۃ۔

(تہذیب الاذکار للرملی)

کتب تفسیر سے ثبوت

۱۷ : ابن السنی انہ قال فی تفسیر قولہ تعالیٰ فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم الآیۃ ای اذکروا اللہ تعالیٰ وادعوا بعد الفراغ من الصلوٰۃ انتہیٰ۔ (التحفۃ للمرغوبۃ) فہذہ نبذۃ من دلائل فصلت وبینت فی النفائس المرغوبۃ ومسلک السادات وان شئت التفصیل فطالعہ فانہ یشفیک ویکفیک ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مزید تفصیل مطلوب ہو تو دیکھئے رسالہ "النفائس المرغوبہ" مؤلفہ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ اس میں دوسو پندرہ سے زائد علماء عرب وعجم کی تصدیق و توثیق سے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۶/۱ ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

بارش حاصل کرنے کا مسنون طریقہ

ایک علاقہ بچھی بالا ضلع ڈیرہ غازی خاں میں ایک بزرگ علی شاہ کا مزار ہے اس کے متعلقین نے مشہور کر رکھا ہے کہ صاحب قبر نے اپنی حیات میں ارشاد فرمایا تھا کہ جب بارش بند ہو جائے تو دو قومیں (حاجیانی عالیانی) صرف میرے مزار کو اس صورت میں غسل دیں کہ ایک نوعمر نابالغ لڑکی کسی قریب کے کنوئیں سے پانی بھر لاوے اور پانی کے ساتھ چوب صندل، گانجنی (گل سرشوئی) تیل سرسوں، دہی (حضرات) چیزیں شامل ہوں غسال غسل دے بند بارانی ٹوٹ کر پھر آبادی ہو جائے گی۔

کیا اس طریقہ پر غسل دینا اور اس کو ذریعہ نزول بارش سمجھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور ایسے طریقہ پہ روکنے اور طعن کرنے والے کا کیا حکم ہے۔ نیز اگر کوئی کہے کہ نزول مطر تو من جانب اللہ ہے لیکن تیمناً اور تبرکاً اور حسب ارشاد ولی ہم ایسا کام کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب بارش حاصل کرنے کا مسنون طریقہ استغفار۔ دعا۔ اور نمازِ استسقاء پڑھنا ہے جو کہ نزولِ بارش کے لئے مجرب ہے جو لوگ مسنون طریقہ کو ترک کرتے ہیں وہ ایسی رسوم، اور بدعات بے اصل میں مبتلا رہو ہی جاتے ہیں۔ ایسا فعل بالکل بے سند ہے چھوڑ دینا لازم ہے۔ جو لوگ منع کرتے ہیں وہ حق پر ہیں۔ اور جو لوگ ایسا کام کرتے ہیں وہ راہِ سنت سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ان کی یہ تاویل کہ ہم تیمناً و تبرکاً ایسا کرتے ہیں غلط ہے۔ بارش کی بندش کے وقت کسی نبی یا صحابی یا تابعی یا امام یا ولی کی قبر سے تیمن و تبرک اس طرح کسی نے بھی حاصل نہیں کیا ایسا عمل چھوڑ دینا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ؛ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۷۴ھ

ادعیہ ماثورہ میں زیادتی الفاظ خلافِ اولیٰ ہے

فرض نماز کے بعد جو ایک مرتبہ دعا مانگی جاتی ہے مثلاً اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام (نماز حنفی بحوالہ مسلم شریف از شیخ عصر حضرت مولانا خیر محمد صاحب زید مجدہ)

اس دعا میں جو بعض لوگوں نے تصرف اور غلو کرکے کچھ زائد الفاظ اور بڑھا دیئے ہیں مثلاً منک السلام کے بعد والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا برحمتک دارالسلام اور تبارکت کے بعد وتعالیت بھی پڑھتے ہیں۔ ان زائد الفاظ کا ثبوت احادیث وغیرہ میں ملتا ہے یا نہیں۔ برصورتِ نفی اگر یہ الفاظ بھی پڑھے جائیں تو موجب ثواب (بدعتِ حسنہ) ہوں گے یا موجبِ معصیت (بدعتِ سیئہ) ہوں گے ؟

نیز وہ اپنے جملے "حینا ربنا بالسلام" کا معنی کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو ہمیں حالتِ اسلام پر زندہ رکھ۔ آیا حینا (از تحیہ) اس کے معنی زندہ رکھنے کے ہیں یا سلام کرنے اور درود بھیجنے کے ہیں۔ اگر اس کے معنی زندہ رکھنے کے ہوں تو پھر ہمیں تتبع اور تلاش کے باوجود کوئی استشہاد نہیں ملتا کہ فلاں محقق اور لغوی نے "تحیہ" کے معنی یہ کئے ہیں زندہ رکھنے کے۔ بر تقدیر نفی معنی لغو اور بیہودہ ہو جاتے ہیں فافہم۔

۲ ؛ اذان کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے مثلاً اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ اٰت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودن الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد (حصنِ حصین) اگر لوگ والفضیلۃ کے بعد والدرجۃ الرفیعۃ اور اسی طرح وعدتہ کے بعد وارزقنا شفاعتہ بھی

پڑھتے ہیں۔ آیا ان الفاظ کے پڑھنے کا کہیں ثبوت ہے یا نہیں ؟

الجواب ۱ ؛ نماز مفروضہ اور اذان کے بعد افضل یہ ہے کہ ادعیہ ماثورہ پڑھی جائیں جو نماز حنفی میں درج ہیں۔ ان ادعیہ میں بعض کلمات۔ مثلاً والیک یرجع السلام اھ والدرجۃ الرفیعۃ اھ وغیرھا بعد میں زائد ہو کر شہرت پذیر ہوگئے ہیں۔ احادیث مرفوعہ میں ان کا ثبوت نہیں اس لئے ان کا پڑھنا خلافِ اولیٰ کے درجہ میں جائز ہوا۔ علامہ شامی رح لکھتے ہیں۔ قال ابن حجر فی شرح المنهاج وزیادۃ والدرجۃ الرفیعۃ وختمہ بیا ارحم الراحمین لا اصل لهما (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۷۹) والاولی ان یدعو بالادعیۃ المأثورۃ اھ (شرح نقایہ ج ۱ ص ۶۲) واما زیادۃ والدرجۃ الرفیعۃ المشتهرۃ علی الالسنۃ فقال السخاوی رح لم أرہٗ فی شیئ من الروایات (حاشیہ شرح نقایہ ج ۱ ص ۶۲)۔

۲ ؛ لفظ حینا ربنا بالسلام مشتق ہے حیوٰۃ سے۔ اس کے معنی زندہ رکھ، درست ہیں۔ علامہ طاہر گجراتی ایک حدیث کا ترجمہ۔ ان الملائکۃ قالت لآدم حیاك الله اھ ای ابقاك الله من الحیوۃ اھ کرتے ہیں۔ (مجمع البحار ج ۱ ص ۳۲۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ، خادم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان ۲۶ ذلقعدہ ۷۳ ۱۳ھ

الدّعاء بعد المکتوبۃ برفع الیدین ایها العلماء الکرام والجهابذۃ العظام ما جوابکم عن قول الشاطبی فی کتابہ الاعتصام ج ۱: ص ۱۷ -" فتارۃ نسبت الی القول بان الدعاء لا ینفع ولا فائدۃ فیہ کما یعزی الی بعض الناس بسبب انی لم التزم الدعاء بهیئۃ الاجتماع فی ادبار الصلوۃ حالۃ الامامۃ وسیأتی مافی ذالك من المخالفۃ للسنۃ وللسلف الصالح والعلماء "؟

ولم ار ردا لذالك فی المصنفات لبخاری الاوان ومسلم الزمان کحضرۃ الجنجوهی و مجاهد العصر لیث الدهر شعبی الوقت کحضرۃ النانوتوی و زهری للتصانیف و عکرمۃ للتبلیغ کحضرۃ صاحب بذل المجهود (قدس الله اسرارهم) ورأیت جمهور الاحناف واهل الظواهر یلتزمون بالدعاء عقیب الصلوۃ حالۃ الامامۃ۔ فبکمال عنایتکم وبنعمۃ الله علیکم و فضلہ اسرعوا بالجواب لتکون هذہ

ذخر الآخرتکم۔

ڈاکٹر ضیاء الحسن الانصاری، میڈیکل افیسر ضلع مظفرگڑھ۔

الجواب اقول وباللہ التوفیق: مسئلۃ الدعاء بعد الصلوات مختلفۃ فیہا۔ انکر الحافظ ابن القیم سنیۃ الدعاء بعد السلام مستقبل القبلۃ سواء الامام والمأموم والمنفرد۔ وقال لم یفعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا الخلفاء بعدہ ولا أرشد علیہ امتہ انما ھو استحسان رآہ من راہ عوضا من السنۃ بعدھا قال وعامۃ الادعیۃ المتعلقۃ بالصلوۃ انما فعلہا فیہا وامر بہا فیہا کما فی ھدی النبوۃ لابن القیم وردّہ الحافظ ابن الحجر وقال من ادعاہ من نفیہ مطلقا فدعواہ مردود۔

والاحادیث التی یستدل بہا علیہا الاولی ما رواہ ابوداؤد والنسائی عن معاذ بن جبل ان النبی علیہ السلام قال لہ یا معاذ انی واللہ لاحبک فلا تدع دبر کل صلوۃ ان تقول اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک الحدیث

والثانیہ عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی علیہ السلام یدعوا بہن (اللھم انی اعوذبک من الکفر والفقر وعذاب القبر) دبر کل صلوۃ اھ (احمد والترمذی والنسائی)

الثالثۃ عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ الصلوۃ مثنی مثنی تشھد فی رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیک یقول ترفعھما الی ربک مستقبلا ببطونہما وجہک وتقول یارب یارب ومن لم یفعل فھو کذا وکذا وفی روایۃ فھو خداج اخرجہ الترمذی والروایات فی ھذا الباب کثیرۃ فالدعاء بعد الصلوات من السنن الثابتۃ فلا تکن فی مریۃ واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ غفرلہ: ۲۷ رجب ۱۳۷۰ھ

الدعاء بعد المکتوبات برفع الایدی ثابت بالاحادیث المرفوعۃ جمعہا العلامۃ المفتی کفایت اللہ الدہلوی فی رسالۃ مستقلۃ فی ھذا الباب تسمی بالنفائس المرغوبۃ فارجع الیہا واغتنمہا۔ خیر محمد الجالندھری عفا اللہ عنہ۔

دُعاء کرتے وقت دونوں ہتھیلیوں میں فاصلہ ہو

دعاء کرتے وقت دونوں ہتھیلیوں کے کنارے آپس میں ملے ہوئے چاہئیں یا دونوں میں فاصلہ ہونا چاہئے ؟ ۔

الجواب بہتر یہی ہے کہ دونوں ہتھیلیاں پھیلی ہوئی ہوں اور دونوں کے درمیان قدرے فاصلہ ہو۔ " الافضل ان یبسط کفیہ ویکون بینہما ف.جة کذا فی القنیة (نفع المفتی ص۵) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان ۱۴۰۲/۸/۳ھ

دعاء میں آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ الآیۃ کو ضروری سمجھنا

ایک عالم دین کہتا ہے کہ دعاء میں آیت کریمہ انّ اللّٰہَ وملٰئکتہ یصلّون علی النّبیّ ضروری ہے۔ اس کے بارہ میں وضاحت فرمائیں کہ آیا یہ آیت ضروری ہے یا نہیں ؟ ۔

الجواب دعاء میں اس آیت کے پڑھنے کو ضروری سمجھنا اور اسے ایک خاص فرقے کا شعار بنا لینا درست نہیں۔ کیوں کہ عہد رسالت اور عہد صحابہؓ وخیر القرون میں اس کا ثبوت نہیں۔ لہٰذا اسے دعاء کے لئے مخصوص کرنا صحیح نہیں۔ باقی اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر اس آیت کا پڑھنا درست ہے معارف الحدیث میں دعاء کے اندر یا نماز کے اندر پڑھنے کا نہیں لکھا ویسے پڑھنے کو کوئی منع نہیں کرتا ۔

فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۱۴۰۳/۷/۳ھ

آیاتِ قرآنیہ والے تعویذ کو جلانے کا حکم

آیاتِ قرآنی کو تعویذ میں لکھ کر تعویذ کو جلانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اس تعویذ کو جلانے کے ارادے سے لکھتا ہے آیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟ وضاحت سے فتوےٰ صادر فرمائیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب آیاتِ قرآنی لکھ کر تعویذ کو جلانا جائز نہیں ہے۔ کمافی الشامیة : ج ۵ ، ص ۲۸۰ ۔

وفی الذخیرة المصحف اذا خلق وتعذر القراۃ منہ لا یحرق بالنار الیہ اشار محمد وبہ ناخذ ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۱۳۹۶/۵/۵ھ
الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔

عملیات کے ذریعہ ملائکہ و جنات کو مسخر کرنا

۱ : جنات کو عمل کے ذریعہ مسخر کرنا درست ہے یا نہیں ؟

۲ : بعض علماء و بزرگانِ دین کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات ان کے تابع تھے آیا وہ جنات اکتساباً تابع کئے گئے تھے یا خود بخود ان کے تابع ہوگئے تھے ؟

۳ : مؤکل اصطلاحِ عاملین میں بصیغۂ اسم فاعل ہے یا بصیغہ اسم مفعول یعنی بکسر الکاف ہے یا بفتح الکاف ہے ؟

۴ : یہ مؤکل از نوعِ جنات ہوتا ہے یا از نوعِ فرشتگان ، یا دونوں پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اگر فرشتوں پر اطلاق ہوتا ہے تو ان پر "تابع کرنے" کا لفظ بولنا جائز ہے یا نہیں ؟

۵ : تسخیرِ فرشتگان کسی قرآنی آیت سے یا اسماء الٰہی وغیرہ سے ہوسکتی ہے یا نہیں ؟

۶ : تسخیرِ فرشتگان بحکم شرع شریف جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ۱ : جلب منفعت کے لئے مسخر کرنا جائز نہیں گو عمل صحیح کے ذریعہ سے کیا جائے ۔ کیوں کہ اس میں استرقاقِ حر یعنی آزاد کو غلام بنانا ہے ۔ اور بلا حق شرعی اس سے بیگار لینا ہے جو کہ حرام ہے ۔ (معارف القرآن ، ج ۷ ، ص ۲۶۷)

۲ : ظاہر ہے کہ وہ ممنوع شرعی کا ارتکاب نہ کرتے ہونگے بلکہ اللہ تعالیٰ بطور کرامت جنات کو ایسے لوگوں کے تابع کر دیتے ہیں اس میں کسی عمل و وظیفہ کو دخل نہیں ۔ (معارف القرآن ، ج ۵ ، ص ۲۶۵) ۔ بظاہر وہ تسخیر اس قبیل سے ہوتی تھی ؎

تو گردن از حکمِ داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

۳ : قاعدہ کی رو سے تو مؤکل بفتح الکاف ہونا چاہئے ۔

۴ : ۵ ، کتاب لاجواب شمس المعارف الکبرٰی جو تعویذات و عملیات کے لئے اصل کی حیثیت رکھتی ہے اس میں ج ۱ ، ص ۸۶ ۔ میں ایک عمل کے تحت لکھا ہے ۔ طاعتہ الملئکہ اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی مسخر ہوسکتے ہیں ۔

۶ : قواعد کے لحاظ سے جائز نہیں ——— فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۔

پیرِ طریقت میں کن اوصاف کا ہونا ضروری ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام دریں مسئلہ کہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کی جائے تو ان میں کون سی خصوصیات موجود ہوں۔ اس کی وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب کسی دیندار متقی، متبعِ سنت شیخ سے بیعت کرنا دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے پس اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ فی زمانہ ضروری ہے۔ لیکن پیر و شیخ کے شرائط یہ ہیں۔

۱ : دین کی کتابوں اور مسائل کا ضروری علم ہونا۔

۲ : کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرنا۔

۳ : کسی شیخِ کامل کی خدمت و تربیت میں ایک عرصہ تک رہ چکا ہو۔ اور مجاز بھی ہو۔

۴ : دنیا داروں کی بہ نسبت دیندار لوگوں (علماء و صلحاء) کا رجحان اس کی طرف زیادہ ہو۔

۵ : اس کی صحبت میں بیٹھنے سے طلبِ دنیا کی سرد پڑنے لگے اور آخرت کا شوق دن بدن بڑھتا چلا جائے۔

۶ : اس سے تعلق رکھنے والوں میں اکثر کی دینی حالت اچھی ہو گئی ہو۔ مثلاً بے نمازی نماز و روزہ کے پابند ہو گئے ہوں۔ داڑھی منڈانے والے اس گناہ کو چھوڑ چکے ہوں، دیگر معاملات اور معاشرت میں بھی پابندیٔ شریعت کا غلبہ ہو۔ وغیر ذالک۔

ایسے شیخ کی بیعت اس زمانہ میں کیمیا ہے۔ اور جو پیر ایسا نہ ہو اس سے بیعت نہ کرے۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۰/۱/۱۳۸۳ھ

"مَن لیس لہ شیخ فشیخہ ابلیس" کسی بزرگ کا قول ہے

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام دریں مسئلہ کہ آیا یہ حدیث شریف ہے یا کسی شیخ و بزرگ کا قول ہے؟ "من لیس لہ شیخ فشیخہ ابلیس" اس کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

الجواب من لیس لہ شیخ فشیخہ ابلیس، یہ مقولہ بعض بزرگوں کا ہے۔ حدیث شریف نہیں۔ البتہ اس کا مطلب درست ہے۔ کہ جو شخص اپنے استاذ، والد، یا کسی متبعِ سنت شیخ کو اپنا رہنما نہیں بناتا وہ شیطان کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ کذا فی بعض الفتاوی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۰/۱/۱۳۸۳ھ

آنحضرت علیہ السلام کی طرف مُرَوَّجہ "وجد و رقص" کی نسبت کذب و افترا ہے

حافظ جیون داجل نے ایک کتاب بنام ضیاء نورانی لکھی ہے۔ جس میں حضرت خواجہ محکم الدین صاحب سیرانی رہ کے کشف و کرامات لکھنے کے بعد وجد و سرور اور رقص پر جواز کا ثبوت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ " حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات صحن مسجد میں تشریف فرما تھی۔ کہ ایک مرد اور دو عورتیں حبشی تشریف لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شعر ترنم سے پڑھو۔ انہوں نے وہ شعر ترنم سے پڑھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ان کا طواف کیا، اور پھر رقص کیا۔ ابوبکرؓ نزدیک آئے تو حضور نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر وجد کیا۔ اور زمین پر پاؤں مارتے رہے۔ عمرؓ آیا تو اس کا چہرہ متغیر ہوا۔ اور اس نے چاہا کہ دف والوں کو نکال دوں۔ مگر حضور نے فرمایا کہ خدا کی رحمت کے نزول کا وقت ہے ان کو نہ نکال۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کے چار ٹکڑے کر کے ان کو دیئے "

ہمارے گاؤں کے نزدیک ایک چک ہے اس چک کی مسجد میں ایک سید صاحب امام مسجد ہیں اور جمعہ کی نماز بھی یہاں پڑھایا کرتے ہیں۔ دوران خطبہ انہوں نے کہا کہ بے شک تماشہ دیکھو، قوالی سنو، نقلیں دیکھو۔ کیوں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی نے بمعیت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خود دیکھا ہے۔ تم بھی ان چیزوں کے دیکھنے کو سنتِ محمدی سمجھو۔ جو شخص اس کے عدم جواز کا فتویٰ دے وہ کافر ہے اور سنت کا منکر ہے۔ خود بھی دیکھو اپنی عورتوں کو بھی دکھاؤ۔

الجواب یہ واقعہ مذکورہ اور اس قسم کے دوسرے واقعات سب موضوع اور بناوٹی ہیں۔ ان کا کوئی پایۂ ثبوت نہیں۔ ایسی غلط باتیں حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے سے ایمان کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ کیوں کہ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین اور بے ادبی ہے۔ اور ایسے غلط اور برے عقیدے والے امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے بلکہ جائز ہی نہیں۔

" ضیاء نورانی " کتاب ہم نے نہیں دیکھی۔ اگر ایسے واقعات اس میں درج ہیں تو یہ کتاب غلط اور غیر معتبر ہے۔ اس کا مطالعہ جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ خادم الافتاء مدرسہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

تصوّف کے لئے "تسہیل قصد السبیل" کا مطالعہ ضروری ہے

کیا مرید اپنے پیر کو مندرجہ ذیل الفاظ سے پکار سکتا ہے؟ شرعاً یہ کہاں تک جائز ہے۔ ۱: آنحضرت۔ ۲: میرے پیر (نام لکھ کر) رحمۃ للعالمین تھے یا ہیں۔
۳: ندا کرنا کسی ولی کو لفظ یا سے اور سلے کر کے پکارنا۔
۴: کسی نبی یا ولی سے نزدیک یا دور سے امداد طلب کرنا۔
۵: کسی نبی یا ولی سے فریاد کرنا۔
۶: کوئی نبی یا ولی اپنی قبر سے دور کی پکار سنتا ہے؟

الجواب پیری و مریدی تو جائز ہے۔ بزرگان دین نے اس طریق سے بہت سی دینی خدمات انجام دی ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں راہِ اعتدال کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ اکابر اولیاء میں سے ایک بزرگ کا رسالہ بھی ہے " آداب الشیخ والمرید "۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی ایک کتاب " تصوّف و درویشی " کے سلسلہ میں بنام " تسہیل قصد السبیل " ہے۔ جس میں پیری مریدی کے آداب ذکر فرمائے ہیں۔ اور اس رسالہ کا خلاصہ بھی شائع فرمایا ہے۔ لہٰذا اگر تصوف اور درویشی کی حقیقت بھی ہو تو اس کتاب کا مطالعہ فرمادیں۔

اس سلسلہ میں افراط و تفریط اور غلو و مبالغہ زیادہ ہو چکا ہے۔ واقعی بہت سے لوگ پیروں کو حد سے زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔ حضرات پیرانِ عظام جو صحیح معنوں کے اندر شیخِ طریقت ہوتے ہیں ہم لوگوں نے ان کو خدائی اختیارات سپرد کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ سو یاد رہے کہ پیر کو دور سے پکارنا، اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ پکار کو دور سے سنتا ہے غلط عقیدہ ہے۔ ناجائز ہے وغیر ذالک۔ اس قسم کے عقائد صحیحہ اور فاسدہ کی تفصیل بہشتی زیور کے پہلے حصہ میں مطالعہ فرمادیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲ / ۱۱ / ۱۳۸۲ھ

ذکر کے وقت روشنی ختم کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک دیوبندی عالم ایک عرصہ تک اپنے عہد حیات میں سلسلہ قادری کے طریق پر اپنے متبعین کے حلقۂ ذکر میں ہر جمعرات کو ذکر اللہ کی مجلس منعقد کرتے تھے۔ مذکورہ بزرگ کے جانشین نے ہماری مسجد میں ذکر اللہ کی مجلس منعقد کی۔ ذکر کے لئے بتی گل کر دی جاتی ہے۔ ذکر کے برکات بتائے جاتے ہیں۔ چند احباب نے اس سلسلہ میں اعتراض کئے ہیں جو جماعتی انشقاق کا باعث بن رہے ہیں۔ جس مسجد میں دیوبندی حنفی غیر مقلد وغیرہ اور دیگر اہلِ توحید ایک جگہ جمع ہوتے تھے اب ان میں نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ اعتراضات

یہ ہیں۔

۱ : خانۂ خدا میں بتی بجھانا بدعت ہے۔

۲ : مسجد میں ذکرِ جہر کرنا بدعت ہے۔ کیا امام اعظم رح سے ثابت ہے ؟

۳ : گیارہ مرتبہ قل ہو اللہ شریف پڑھ کر شیخ عبد القادر جیلانی رح کو ایصالِ ثواب کرنا بدعت ہے۔

مہربانی فرما کر اس کا مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب ۱ : ذکر کرنا انفرادی یا اجتماعی طریق سے جائز ہے۔ بلکہ مستحب ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہہ کی بات نہیں۔ البتہ ذکر کرتے وقت بتی بجھانا اگرچہ اس میں یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ اگر ایسے وقت میں بتی بجھائی کہ لوگ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہوں یا آجا رہے ہوں، کسی نے جوتا اٹھانا ہے۔ کسی نے سامان لینا ہے۔ بتی بجھانے سے لوگوں کو تکلیف ہونے لگے تو یہ بتی بجھانا گناہ ہوگا۔ لایذاء الناس۔

اور اگر ایسے وقت میں بتی گل کی جب کہ سب لوگ نماز سے فارغ ہو کر چلے گئے۔ ماسوائے ذاکرین و شاغلین کے مسجد میں کوئی نہیں رہا تو پھر بتی بجھانے میں کوئی حرج نہیں۔

۲ : ذکرِ جہر ہلکی آواز سے جیسے مکھی کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے ثابت ہے اس میں دل جمعی اور سکون اور دفعِ وسواس ہوتا ہے۔ البتہ جہرِ عنیف جس سے قریب والے نمازیوں کو تشویش لاحق ہو جائز نہیں۔

۳ : قرآن خوانی اور دیگر عباداتِ بدنیہ کا ثواب اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک میت کو پہنچتا ہے معتزلہ اس میں مخالف ہیں۔ لہٰذا ایصالِ ثواب جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۵ / ۵ / ۱۳۸۳ھ

ذاتِ باری تعالےٰ پر لفظِ شخص کا اطلاق

لفظِ شخص کا اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر کیسے ہے ؟ اگر صحیح نہیں تو شاہ رفیع الدین رح کے ترجمہ میں موجود ہے۔ اس کی کیا تاویل ہے ؟

الجواب ذاتِ باری تعالےٰ پر شخص کا اطلاق حدیث شریف میں دو مقامات پر واقع ہے۔ ولا شخص اغیر من اللہ ـ ولا شخص احب الیہ العذر الحدیث

(مسلم شریف : ج ۱ : ص ۴۹۱)۔ لیکن یہ لفظ مؤول باحد ہے۔ نووی رح لکھتے ہیں "ای لا احد (اغیر) وانما قال لا شخص استعارۃ ـ یہی تاویل شاہ رفیع الدین رح کے

ترجمہ میں کی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۲۵ / ۱ / ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ خیر المدارس ملتان۔

سلسلہ نقشبندیہ کے ایک خاص تصور کا حکم

سلسلۂ مبارکہ نقشبندیہ فضلیہ غفوریہ حضرت سید نا مولانا محمد عبدالغفور العباسی الدرویشیہ، محلہ باب المجیدی مدینہ منورہ، حجاز مقدس،۔ ناشر، سید محمد علاؤالدین جیلانی نقشبندی، مجددی، چشتی، قادری۔ کے صفحہ ۲۰ پر طریقۂ ذکر یوں مرقوم ہے کہ۔

" یہ خیال رکھے کہ جس جگہ مرشد نے انگلی رکھ کر ذکر تلقین کیا تھا۔ اس جگہ سوراخ ہو گیا ہے، آسمان سے ہلکے زرد رنگ کے نور کی ایک دھار میرے پیر کے دل پر گر رہی ہے اور ان کے دل سے ہو کر میرے دل میں اس سوراخ کے ذریعہ آ رہی ہے "

الجواب شرعاً اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ مجاہدات و ریاضات سلوک، شرعی احکام نہیں ہوتے بلکہ از قبیل تدابیر و معالجات باطنیہ ہیں مقصود یکسوئی اور حصول رضائے باری تعالےٰ ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ ۲۱ / ۳ / ۱۴۰۰ھ

تصورِ شیخ کا ترک ہی اولیٰ ہے

علمائے دیوبند کی نظر میں " تصورِ شیخ " کیسا ہے؟ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل، فقیر سعید قریشی ہاشمی، باغ گل بیگم مزنگ لاہور۔

الجواب حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں " درست ہے اکابر نے پاک نیت سے اس عمل کو کیا ہے " (مجموعۃ الفتاوٰی، جلد ۲، ص ۳۰۰)۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔ " کسی کا تصور کرنا بطور خیال کے کچھ حرج نہیں، مگر رابطہ جو مشائخ میں مروج ہے کہ اس کو مشائخ نے کسی علاج کے واسطے تجویز کیا تھا۔ اگر اس ہی حد پر رہے کہ جس حد پر بزرگوں نے تجویز کیا تھا تو چنداں دشوار نہیں۔ گو ترک اس کا بھی اولےٰ ہے کہ مختلف فیہ بین العلماء ہے۔ اور ایسا ضروری بھی نہیں کہ بدوں اس کے کام نہ چل سکے۔ اور جو اس حد سے بڑھ جاوے تو البتہ ناجائز ہے۔ انتہیٰ بلفظہٖ (فتاوٰی رشیدیہ، ج ۱، ص ۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

اشغالِ صوفیہ کی اصل حدیث سے ثابت ہے۔

سلاسلِ اربعہ نقشبندیہ، سہروردیہ، چشتیہ میں ذکر اللہ کا جو طریقہ رائج ہے یہ شرعاً ثابت ہے یا نہ؟ فرائض کے علاوہ ذکر اللہ کے لئے کوئی خاص طریق مقرر ہے یا نہ۔ اگر نہیں تو پھر کسی طریق کو مخصوص بنانا بدعت ہے یا نہ؟

الجواب سلاسلِ اربعہ کے اوراد و اشغال اور ان کی ہیئت خاصہ جائز ہیں اور ان کی حقیقت معالجہ نفسانی ہے۔ بزرگانِ سلسلہ نے مفید سمجھ کر انہیں تجویز کیا ہے۔ لیکن یہ احکامِ شرعیہ میں داخل نہیں۔ لہذا یہ بدعت بھی نہیں۔ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو غلط فہمی پر مبنی ہے۔ قطب العالم حضرت گنگوہی قدس سرہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

• صوفیہ کرام کے اشغال بطورِ معالجہ کے ہیں۔ سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اصل علاج ثابت ہے مگر شربت بنفشہ حدیثِ صریح سے ثابت نہیں۔ ایسا ہی سب اذکار کی اصل ثابت ہے۔ سو یہ بدعت نہیں۔ ہاں ان ہیئات کو سنتِ ضروری سمجھنا بدعت ہے۔ اور اسی کو علماء نے بدعت لکھا ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰)۔

فقط واللہ اعلم : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۳/۸/۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

شمائمِ امدادیہ کی پانچ عبارتوں پر اعتراضات کے جواب

کتاب "شمائمِ امدادیہ" حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ میں چند ایک ایسی عبارات دیکھنے میں آئی ہیں۔ کہ جن پر مخالفین نے اعتراضات کئے ہیں جس کے جواب کے لئے آپ کی طرف رجوع کی ضرورت پڑی ہے۔ براہِ کرم مندرجہ ذیل عبارتوں کا جوابِ شافی عنایت فرمائیں۔ تاکہ مؤثر مدافعت ہوسکے۔

۱ : لفظِ غوث حضرت جیلانی کے نام پہ استعمال کیا گیا ہے جس کی تفسیر اور عدمِ جواز آپ سے بھی مخفی نہیں۔ اس جگہ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ اہلِ بدعت کہیں تو ان پر کفر کا فتویٰ لگتا ہے۔ ص۴۳

۲ : ایک بیمار کو لفظِ اللہ کہنے سے روک کر لفظِ آہ کے استعمال کا حکم دیا گیا ہے۔ اور لفظِ اللہ کے استعمال سے اضافۂ علالت کا ذکر اور لفظِ آہ سے شفا کا بیان ہے۔ تو گویا کہ لفظِ آہ اسمِ "اللہ" سے افضل ہوا۔ ص۵۶

۳ : قیام بوقتِ میلاد کو جائز کہتے ہوئے احتمالِ تشریف آوری حضور علیہ السلام کو جائز ٹھہرایا گیا ہے حالانکہ

عجب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر فقہائے کرام تک کوئی روایت ایسی نہیں ملتی تو ایسی بے سروپا حکایات سے کیا فائدہ؟ اس کی صحیح تاویل یا عدمِ صحت کی تصدیق فرمائیں۔ ص ۵۰، ۵۱۔ ص ۴۸ قابلِ غور ہے

۴ : چند ابیات ۱؎ تم مددگار، امداد، امداد کو پھر خوف کیا؟
عشق سے پرسن کے باتیں کانپتے ہیں دست و پا
۲؎ آسرا دنیا میں ہے از بس تیری ذات کا
تم سوا اوروں سے ہرگز کچھ نہیں ہے التجا
اے شہِ نورِ محمد وقت ہے امداد کا

۵ : عارف جنتی اور دوزخی کو پہچان لیتے ہیں۔ ص۵۵۔

الجواب عباراتِ مسئولہ کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک اجمالی اور ایک تفصیلی۔ اجمالی جواب یہ ہے کہ مسائل کے بارے میں قرآن و حدیث وفقہ سے دلیل لانا ضروری ہے۔ محض اقوالِ مشائخ اس کے لئے کافی نہیں۔ چنانچہ محققین نے اس کی تصریح کی ہے۔ پس قیامِ مولود کے جواز کے بارے میں یہ مجمل اقوال حجت نہیں بن سکتے۔

اور تفصیلی جواب ہر عبارت کا ذیل میں ملاحظہ کریں۔

۱ : "غوث" ایک مرتبۂ ولایت کا نام ہے۔ جیسے قطب، ابدال وغیرہ۔ جیسا کہ اس کی مفصل تشریح علامہ شامی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "اجابت الغوث ببیان حال النقباء والنجباء والاوتاد والغوث" میں کی ہے۔ اور دیگر اکابر نے بھی یہی لکھا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ ابن عربی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں۔

وقد یسمی رجل البلد قطب ذلک البلد وشیخ الجماعۃ قطب تلک الجماعۃ ولکن الاقطاب المصطلح علی ان یکون لہم ھذا الاسم مطلقا من غیر اضافۃ لایکون الا واحدًا وھو الغوث ایضا (ص۲۶۵ رسائل ابن عابدین) (وایضا قال) والعدد ویقال لہم الاوتاد ایضا اربعۃ والغوث واحد۔ (ص۲۶۹)۔

غوث کے قائل پر کفر کا فتویٰ تو ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

۲ : کسی دوائی یا لفظ سے اگر شفاء ہو جائے تو اس سے دوائی مذکورہ کی یا لفظ کی افضلیت ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ ورنہ سقمونیا، سولف وغیرہ کو ذکر اللہ سے افضل کہنا لازم آئے گا۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ یہ سراسر کم فہمی معترضین کی ہے۔ اور واقعہ مسطورہ کی توجیہ خود حضرت حاجی صاحب

قدس سرہ نے فرمادی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آہ آہ کرنے میں اپنے ضعف و بے چارگی اور عبدیت کا اظہار ہے۔ اور بے چارگی میں دعا، زیادہ قبول ہوتی ہے۔ تو ان بزرگوں کی آہ و زاری سے اللہ تعالےٰ نے شفاء عنایت فرمادی ۔ بخلاف اللہ اللہ کہنے کے ۔ کیوں کہ یہ ذکر اللہ تو ہے لیکن اس میں اپنی بیچارگی اور ضعف و عدمِ تحمل کا اظہار نہیں۔ ثواب تو یقیناً کامل ہوگا ۔ مگر تکلیف زائل نہ ہوتی ۔ واضح رہے ۔ کہ حکایات حالاتِ جزئیہ خاصہ سے متعلق ہوتی ہیں ۔ ان سے کسی کلیہ کا استنباط نہیں کیا جاسکتا ۔

۳ : دلائلِ صحیحہ سے قیامِ مروّجہ فی المولود کا جائز نہ ہونا ثابت ہے۔ پس تاوقتیکہ اس کے جواز کا ثبوت قرآن و حدیث و فقہ سے نہ دیا جائے صرف نقل حکایت کافی نہیں ۔ اور اس سے اس کا جواز ثابت نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ ایک نفس قیام عند ذکر اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ اور دوسرے یہ قیام مع انضمام مفاسد کے ہے ۔ اول الذکر نفسہٖ کسی نے منع نہیں کیا۔ بلکہ اس کی ممانعت مانعین کے نزدیک بوجہ انضمام مفاسد کے ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ صرف قیام خالی عن المفاسد کو جائز فرماتے ہیں۔ وہ بھی اس درجہ میں کہ فاعل پر نکیر نہ کی جائے ۔ نہ یہ کہ ایسا کرنا واجب یا سنت ہے ۔ آنحضرت علیہ السلام کی روحِ مقدسہ کی تشریف آوری ایسی مجالس میں کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں ۔ لہذا اس کا اعتقاد کرنا کہ تشریف لاتے ہیں ، قول بلا دلیل ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ عدم وقوع سے عدمِ امکان یا استحالہ لازم نہیں آتا ۔ یہی ثبوتِ امکان واحتمال حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے ۔ حضرت حاجی صاحب رح وقوع کا اعتقاد یا جزم نہیں فرماتے ۔ پس اعتراض کی حاجت نہیں ۔

۴ : ان اشعار کے معنی میں کوئی خرابی نہیں ۔ کیوں کہ یہ سلسلۂ سلوک طریق حضرت اپنے شیخ سے اعانت و توجہ کی درخواست کر رہے ہیں ۔ چنانچہ " پھر خوف کیا عشق سے " کا جملہ اس پر دال ہے ۔ نیز " سن کے باتیں کانپتے ہیں دست و پا " اس پر دلالت کرتا ہے ۔ ظاہری استاد سے ایسی درخواست ممنوع نہیں تو باطنی استاد سے کیوں جائز نہیں ؟ " اور دل سے ہرگز نہیں ہے التجا " اس مصرعہ میں " اوروں " سے مراد دیگر مشائخ ہیں ۔ میرے واسطے میرا شیخ کامل ہے ۔ اصطلاح میں اسے توحیدِ مطلب کہتے ہیں ۔ نعوذ باللہ تعالیٰ ، حق تعالیٰ سے استغناء مقصود نہیں ۔ یہی معنی اس سے پہلے مصرعہ کا ہے ۔ عموم لفظ سے دھوکہ نہ کھایا جائے ۔

۵ : " عارف جنتی اور دوزخی کو پہچان لیتے ہیں " اس ملفوظ سے مراد ظاہر ہے کہ علامت اور آثار سے پہچان لیتے ہیں ۔ یا بعض اوقات بذریعہ کشف والہام اولیاء کو یہ معلوم ہو جاتا ہے ۔ اور اس معنی میں شریعت کی مخالفت لازم نہیں آتی ۔ البتہ ایسی پہچان یا کشف والہام میں قطعیت کا یقین کرنا

ضروری نہیں ۔اور نہ ہی ایسا ہونا ضروری ہوتا ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۶ رم ر ۸۶ ۱۳ھ

الجواب صحیح ۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

○

کیا بیعتِ طریقت ضروری ہے؟ بعض لوگ بیعت کی اہمیت پر بہت زور دیتے ہیں ۔آپ فرمائیں کہ کیا مروجہ بیعتِ طریقت ضروری ہے ؟ ۔اگر کوئی شخص کسی سے بیعت نہ ہو تو اس سے قیامت کے دن سوال ہوگا ؟

الجواب بیعت کا مقصد نسبتِ احسان کو حاصل کرنا ہے جو کہ حدیث شریف " ان تعبد اللہ کانک تراہ الحدیث " میں مذکور ہے ۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ یہ نسبت کسی صاحب نسبت کے توسل ہی سے حاصل ہوتی ہے ۔ گو بعض کو اس کے بغیر بھی حاصل ہو جاتی ہے مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے ۔ لہذا اس نسبت کو حاصل کرنے کے لئے بیعت ہونا مستحب ہے ۔ (فتاوی رشیدیہ ، ص ۷۵)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

○

مَا يَتَعَلَّقُ
بِالْفِرَقِ الْمُخْتَلِفَةِ

اہل السنۃ والجماعۃ کی تعریف

اہل السنۃ والجماعۃ کی تعریف بحوالہ کتب معتبرہ مفصل و مدلل مطلوب ہے۔

عتیق الرحمن، فیصل آباد

الجواب

۱: اہل السنۃ والجماعۃ میں تین لفظ ہیں۔ ایک لفظ "اہل" ہے جس کے معنی اشخاص اور افراد اور گروہ کے ہیں۔ دوسرا لفظ "سنت" ہے جس کے معنی طریقہ کے ہیں۔ تیسرا لفظ "جماعت" ہے جس سے جماعتِ صحابہؓ مراد ہے۔ پس اہل السنۃ والجماعۃ اس گروہ کا نام ہے جو آنحضرت علیہ السلام کی سنت اور جماعتِ صحابہؓ کے طریقے پر ہو۔ اور حضرات فقہاء اور محدثین اور متکلمین، اولیاء و عارفین سب اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ اصولِ دین میں سب متفق ہیں ان حضرات میں اختلاف فروعی اور جزئی ہے اصولی نہیں۔

(عقائد الاسلام: ج ۱، ص ۱۷۵)

۲: اہل السنۃ والجماعۃ وہ مسلمان ہیں جو عقائد و احکام میں حضرات صحابہؓ کے مسلک پر ہوں اور قرآن کے ساتھ سنت نبویہ کو بھی حجت مانتے اور اس پر عمل کرتے ہوں۔

قال فی شرح العقائد النسفیۃ فبھت الجبائی وترک الاشعری مذھبہ فاشتغل ھو ومن تبعہ بابطال رأی المعتزلۃ واثبات ماورد بہ السنۃ ومضی علیہ الجماعۃ، ص ۱۴

یہ تو اس لقب کے معنی ہیں اور اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو عقائد میں امام ابوالحسن اشعری یا ابو منصور ماتریدی کے متبع ہوں۔ کما فی حاشیۃ الخیالی علی شرح العقائد، ص ۱۹۔

(از امداد الاحکام: ج ۱، ص ۱۷)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ: ۲۸/۱۱/۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

تبلیغی سفر میں ایک روپیہ خرچ کرنیکا ثواب سات لاکھ تک مل سکتا ہے؟

تبلیغی جماعت والے اپنے سفر کے وہی فضائل بیان کرتے ہیں جو جہاد کے بارے میں وارد ہیں کیا یہ درست ہے اور آپ کے حوالہ سے ابو داؤد شریف کی روایت کا خلاصہ پیش کرتے ہیں کہ ایک روپیہ خرچ کرو گے تو

سات لاکھ تک کا ثواب ملے گا۔ ابوداؤد کی وہ روایت بھی نقل فرمادیں ۔

الجواب تبلیغی جماعت میں دورہ کرنا بھی جہاد کے اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ لہٰذا وہ فضائل جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وارد ہوئے ہیں وہ تبلیغی گشت وسفر کے لئے پیش کئے جاسکتے ہیں کیونکہ اس دعوت وتبلیغ کے ذریعہ سے بھی اسلام دنیا میں چمکا ہے اس لئے اس راستہ میں نکل کر ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے۔

عن علی وابی الدرداء وابی هريرة وابی امامة وعبد الله بن عمر وجابر بن عبد الله وعمران بن حصين رضی الله عنهم اجمعين كلهم يحدثون عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من ارسل نفقة فی سبيل الله واقام فی بيته فله بكل درهم سبع مائة دراهم ومن غزا بنفسه فی سبيل الله وانفق فی سبيل الله فله بكل درهم سبع مائة الف درهم ثم تلا هذه الآية والله يضاعف لمن يشآء الآية (مشكوٰة ۱ : ۱۲۰ ، ص ۳۳۵) فقط والله اعلم

بندہ محمد اسحاق معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ محمد عبد اللہ غفر لہٗ ۲۸/۱۲/۱۳۷۵ھ

مذاہب اربعہ میں انحصار اجماع سے ثابت ہے

دلائل حصر در مذاہب اربعہ چیست آیا مذہب خامس باطل است؟

الجواب سلف میں ایک بڑی جماعت مجتہدین کی ہوتی ہے۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ مثلاً ابن ابی لیلیٰ رح سفیان ثوری رح، امام اوزاعی رح، ربیعۃ الرای رح، لیث رح، اسحاق رح وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰے اجمعین۔ ان کے زمانہ میں ان حضرات میں سے کسی بھی ایک امام کی اتباع کرنا جائز تھا۔ کیونکہ سب اہل حق میں سے تھے اور مذاہب اربعہ یا خمسہ کی کوئی تخصیص یا ان میں انحصار نہ تھا۔ چنانچہ ہر امام کے لئے کم وبیش کچھ نہ کچھ لوگ تقلید کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ مقلدین خواہ ان کے شاگردوں کا مخصوص و محدود حلقہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن مرورِ زمانہ سے ایک ایک کر کے سب مجتہدین کے مذاہب مندرس ہوتے چلے گئے۔ بلکہ بعض ائمہ کے مذاہب سرے سے باضابطہ مدون ہی نہیں ہوسکے تھے تا آنکہ امت کے ہاتھوں میں کسی ایک کا مذہب بھی مدون ومنضبط شکل میں موجود نہیں رہا۔ البتہ ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم کے

مذاہب کو حق تعالٰے نے یہ مقبولیت عنایت فرمائی کہ مشرق و مغرب میں ان کا چرچا ہوا۔ اور کروڑھا انسانوں نے اس کو معمول بہا بنایا۔ اور تا حال بنائے ہوئے ہیں۔ اور صدیوں سے ہزارہا ایسے علماء و فقہاء مذاہب اربعہ کے متبع پائے جاتے رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق مختلف اعتبارات سے ان مذاہب کی خدمت کر کے بام عروج تک پہنچانے کی سعی بلیغ کی ہے۔

چنانچہ بحمدہ تعالٰے ہر مذہب اپنے اپنے اصول و فروع، و براہان و دلائل کے ساتھ منضبط، و منقح شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ ہر ایک شخص بدوں کسی الجھن کے اس پر عمل کر سکتا ہے۔ پس مذاہب اربعہ کے اسی شیوع و انتشار اور تحریر و انضباط کے پیش نظر متاخرین نے اجماع کیا ہے کہ اب مذاہب اربعہ میں انحصار ہے۔ اور مذہب خامس کا احداث باطل ہے۔ اور مدوّن اور محرّر ہونے کی وجہ سے دیگر کسی مجتہد کے مذہب پر عمل جائز نہیں۔

چنانچہ سند المتاخرین حضرت مولانا عبد الحیٔ صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

اور اب ہمیں سوائے تقلید کے کوئی چارہ ہی نہیں اور اسی طرح اجماع ہے کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی مذہب پر عمل نہ کرے۔

فی الاشباہ وما خالف الائمۃ الاربعۃ مخالف للاجماع وان فیہ خلاف لغیرھم فقد صرح فی التحریر ان الاجماع انعقد علی عدم العمل بمذہب مخالف للاربعۃ لانضباط مذاھبھم وانتشارھا وکثرۃ اتباعھا (مجموعۃ الفتاوی ج ۱ - ص ۹۴)۔

علامہ شامی رح نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ احداث مذہب خامس جائز نہیں۔ ایک بحث کے سلسلے میں کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فانہ لا یجوز احداث قول عن للمذاھب الاربعۃ۔ (شامی ج ۱ ص ۴۶)۔

پس تفصیل بالا سے ہر سہ استفسارات بالا کا جواب ظاہر ہے کہ ابتداً مذاہب اربعہ میں انحصار نہیں تھا۔ کما لا یخفیٰ۔ اور اب ان میں انحصار ہے۔ اور دلیل اس کی اجماع ہے اور وجہ اس کی ان مذاہب کی تدوین و انضباط و انتشار و مقبولیت عند اللہ و عند الناس ہے۔ کما فی التحریر۔

احداث مذہب خامس باطل ہے۔ کما فی الشامیۃ۔ لمخالفۃ الاجماع قلت وایضا لفقدان المجتہد فی زماننا لعدم استجماع شرائطہ کما قال ابن نجیم فی بعض رسائلہ ان القیاس بعد الاربعۃ منقطع (شامی ج ۱ ص ۵۵)

واضح رہے کہ یہ امتناع، امتناع عادی ہے۔ فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ۔

سبّ معاویہؓ سے میل جول میں سلب ایمان کا اندیشہ ہے

ایک شخص میاں خان گڑھ کا رہنے والا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں برے لفظ کہتا ہے اور شیعہ مذہب والوں سے دوستی رکھتا ہے۔ نیز اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعت سے کہلاتا ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟
مولوی برخوردار، خان گڑھ

الجواب ایسا شخص جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں سب و بدگوئی کرے، اور لوگوں کو بھی اس بات پر برانگیختہ کرے وہ ہرگز ہرگز اہل السنۃ والجماعت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایسے شخص سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہیے۔ ورنہ ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفر لہ مفتی خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح، خیر محمد ۳ ذلقعدہ ۱۳۶۹ھ

تفضیلی شیعہ کسے کہتے ہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ تفضیلی شیعہ کون ہے۔ اس کی تعریف بیان کریں۔

الجواب تفضیلی شیعہ اسے کہتے ہیں جو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر صرف فضیلت دے۔ بس۔ اور حضرات خلفائے ثلاثہ کا پورا احترام کرتا ہو۔ اور ان کو خلیفہ برحق تسلیم کرتا ہو۔ غاصب اور منافق وغیرہ خیال نہ کرتا ہو۔ اور ان حضرات خلفاء ثلاثہؓ اور دیگر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی صحابی کی ذرہ برابر توہین یا تنقیص شان کو حرام سمجھتا ہو۔ ایسے تفضیلی شیعہ کے ساتھ عقد مناکحت فیما بین المسلمین جائز ہے لیکن چونکہ پاکستان میں عام طور پر ایسے شیعہ موجود نہیں ہیں۔ بلکہ عموماً غالی اور سبی اور بدعقیدہ لوگ ہیں۔ اور اس کے ساتھ تقیہ بھی کرتے ہیں۔ لہذا موجودہ دور کے شیعوں کے ساتھ عقد مناکحت جائز نہیں۔
فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق نائب مفتی
الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ ۲۰۲-۳-۱۳۸۳ھ

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کو بگاڑ کر کہنا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو "حسینے" لفظ نام سے پکارنا کیسا ہے؟

الجواب کسی شخص کو آدھے نام سے پکارنا معیوب ہے ۔ مثلاً خدا بخش کو " خدے " کہہ کر بلانا ٹھیک نہیں بلکہ ایسے پکارنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ پکارنے والے کے دل میں جس کو آدھے نام سے پکار رہا ہے یا بلا رہا ہے اس کی بالکل عزت و حرمت نہیں ہے ۔ اگر پکارنے والے کے دل میں اس کا احترام ہوتا تو پورا نام تو کیا بلکہ بہت سے القاب و آداب کے بعد اس کا نام مبارک زبان پر لاتا ۔ جو لوگ " حسے " کہہ کر پکارتے ہیں ان کے دلوں میں حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا کوئی احترام نہیں ہوتا ۔ لہٰذا پورے نام سے پکارنا چاہیئے ۔ اور " حسے " کہنا ٹھیک نہیں ۔ قرآن مجید میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے ۔ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْاَلْقَابِ (سورۃ حجرات) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ ؛ الجواب صحیح : محمد عبداللہ عفر لہٗ

علماء دیوبند اور محمد بن عبدالوہاب

ہمارے بیلہ شہر کے مقامی مولوی صاحب نے بیان کیا ہے ۔ جو کہ خود دیوبندی عقائد رکھتا ہے وہابیت کے متعلق کہ وہابیت کی تحریک محمد بن عبدالوہاب سے تعلق رکھتی ہے ۔ اور اس کے گروپ کے افراد کو وہابی کہا جاتا ہے ۔ اور علماء دیوبند کا اس محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ سخت اختلاف ہے ۔ اور اس گروپ پر علماء دیوبند نے کفر کا فتوےٰ دیا ہے ۔ کیونکہ وہ رسول پاک کی قبر کی زیارت کا منکر ہے ۔ نیز مولوی صاحب نے چند کتابیں دکھائیں ۔ ان میں سے ایک کتاب " الشہاب الثاقب " مؤلفہ حضرت حسین احمد مدنی رح ہے تو آپ سے گزارش ہے کہ آپ محمد بن عبدالوہاب کے متعلق علماء دیوبند کے عقائد اور خیالات واضح فرمائیں ۔

المستفتی نذر محمد بلوچستان

الجواب یہ درست ہے کہ وہابی کا لقب محمد بن عبدالوہاب کے پیروکاروں کے لئے ہی مشہور ہوا علماء دیوبند کو نہ ان سے تلمذ کا رشتہ حاصل ہے اور نہ عقیدت کا ۔ بلکہ بہت سے مسائل میں ان کے خلاف ہیں ۔ لیکن علماء دیوبند نے ان کی تکفیر نہیں کی ۔ حضرت مدنی رح کی " الشہاب الثاقب " بھی دیکھی گئی ہے ہمیں تو اس میں تکفیر کا حکم نہیں ملا ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تقلید کو شرک کہنے والا اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے

ما قولکم ایہا العلماء الکرام والفضلاء العظام !

اندریں مسئلہ کہ زید تقلیدِ شخصی کو حرام بلکہ شرک و کفر سے تعبیر کرتا ہے اور مقلدینِ ائمہ کو مشرک و کافر سمجھتا ہے حتیٰ کہ ائمہ دین کے بارے میں بھی کہتا ہے کہ وہ بھی معاذ اللہ کافر و مشرک تھے۔ اب ایسے شخص کا نمازِ جنازہ یا اس کے ساتھ میل جول، سلام و کلام یا اس کے ساتھ کسی قسم کی شرکت درست ہے یا نہیں ؟

۲ : کیا شریعتِ مطہرہ میں زید مسلمان ہے یا اسلام سے خارج ہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو امامِ اعظم رح کے مقلد کہتے ہوئے اس کے ساتھ کسی قسم کا برتاؤ کریں ، تو ان کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب ایسا شخص جو تقلیدِ ائمہ کو شرک کہے اور مقلدوں کو مشرک بتلاوے اہلِ ہویٰ میں سے ہے اہل السنۃ والجماعت سے خارج و مبتدع ہے۔ مقلدین کو چاہیئے کہ ایسے آدمی کی بات نہ سنتے ہوئے اپنے مسلک پر کاربند رہیں۔ ایسے آدمیوں سے بحث و مناظرہ اور چھیڑ چھاڑ کرنے سے ان کو عزت اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی بات بالکل نہ سننا ان کا علاج ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۹ / ۱۲ / ۱۳۷۶ھ

کم علم عوام بھی تبلیغ کر سکتے ہیں

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین حامیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ زید کہتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر حکام کا کام ہے عوام الناس کی ذمہ داری نہیں۔ کیوں کہ امر و نہی کی اصل افعل ولاتفعل ہے۔ علیٰ سبیل الاستعلاء۔ اور اس طریق پر امر و نہی حکام ہی کر سکتے ہیں۔ پس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا ، اور حضرت مولانا احتشام الحسن رحمہما اللہ تعالیٰ اور دیگر حضرات نے اپنی کتب میں عام لوگوں کے لئے جو اس قسم کی حدیثیں تحریر کی ہیں ، صحیح نہیں۔ کیوں کہ عوام اس کے اہل نہیں۔

کیا زید کی یہ بات قابلِ قبول ہے ، اگر نہیں تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مصور کون ہیں ؟

۲ : امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے علم شرط ہے۔ لہٰذا یہ فریضہ صرف علماءِ کرام سے متعلق ہوگا۔

۳ : امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والے کا خود عامل ہونا ضروری ہے کیونکہ " دیگراں را نصیحت و خود را فضیحت " تو صحیح نہیں۔ لہٰذا جماعت میں چلنے والے ایسے افراد کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کہاں تک جواز ہے۔ بینوا بالتفصیل توجروا عند اللہ الاجر الجزیل۔

کریم بخش عفرلہ مدرس مدرسہ جامعہ علوم شرعیہ جی ٹی روڈ ، غلہ منڈی ساہیوال

الجواب امر و نہی کا علیٰ سبیل الاستعلاء ہونا یہ اصطلاح اہل اصول ہے۔ اہل عربیہ کی اصطلاح نہیں۔ کما استفید من ھذہ العبارۃ ان ارید اصطلاح العربیۃ فالتعریف غیر جامع لان صیغۃ افعل عندھم امر سواء کان علی طریق الاستعلاء او غیرہ۔ (التلویح علی التوضیح صـ۳۲۴)۔

لہذا کارِ خیر کے لئے التماس اور دعاء بھی اس لحاظ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل ہوں گے۔ حالانکہ التماس کی تعریف "طلب الفعل مع التساوی" اور دعا "دعوۃ" کی تعریف "طلب الفعل مع الخضوع" اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تفاسیر میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو دعوت الی الخیر کی دو نوعیں قرار دیا گیا ہے۔ نیز ان کو ترغیب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہ مناسب امور کے کرنے کی ترغیب امر بالمعروف ہے اور نامناسب امور کے چھوڑنے کی ترغیب نہی عن المنکر ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن میں ہے۔

الدعوۃ الی فعل الخیر یندرج تحتھا نوعان احدھما الترغیب فی فعل ماینبغی وھو الأمر بالمعروف والثانی الترغیب فی ترک مالا ینبغی وھو النھی عن المنکر۔ (ج ۱: صـ۲۳۲)

چونکہ دعوت الی الخیر جنس ہے۔ لہذا جہاں بھی دعوت الی الخیر الی اللہ کا بیان ہے۔ وہاں اس کے تحت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ضمناً بطور انواع مطلوب ہیں۔ کما فی قولہ تعالیٰ

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی" وقولہ تعالیٰ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" وقولہ تعالی ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین"

آخر الذکر آیت کی تشریح میں تفسیر عثمانی میں ہے۔

" پہلے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الخ میں ان مخصوص مقبول بندوں کا ذکر تھا جنہوں نے صرف اللہ کی ربوبیت پر اعتقاد جما کر اپنی استقامت کا ثبوت دیا"

یہاں ان کے ایک اور اعلیٰ مقام کا ذکر کرتے ہیں۔

" یعنی بہترین شخص وہ ہے جو خود اللہ کا ہو رہے اسی کی حکم برداری کا اعلان کرے۔ اسی کی پسندیدہ روش پر چلے اور دنیا کو اسی کی طرف آنے کی دعوت دے اس کا قول وفعل بندوں کو خدا کی طرف کھینچنے میں مؤثر ہو۔ جس نیکی کی طرف بلائے بذات خود اس پر عامل ہو۔ خدا کی نسبت اپنی بندگی اور فرمانبرداری کا اعلان

کرنے سے کسی موقعہ پر اور کسی وقت نہ جھجکے اس کا طغرائے توسیت صرف اسلام ہو اور ہر قسم کی تنگ نظری اور فرقہ دورانہ نسبتوں سے یکسو ہو کر اپنے مسلم خالص ہونے کی منادی کرے۔ اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو بلانے جس کی دعوت دینے کے لئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تھے اور صحابہ رضنے اپنی عمریں صرف کی تھیں۔ انتہیٰ بلفظہ

وفی روح المعانی، ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللّٰہ ای الی توحیدہ تعالیٰ وطاعتہ والظاہر العموم فی کل داع الیہ تعالیٰ والی ذالک ذہب الحسن ومقاتل وجماعۃ وقیل بالخصوص۔

وفی المدارک۔ ھو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم دعا الی التوحید الی ان قال او اصحابہ علیہ السلام او المؤذنون او جمیع الھداۃ والدعاۃ الی اللّٰہ اھ اور یہ دعوت الی اللہ فی الجملہ فرض ہے۔

احکام القرآن للجصاص ج میں ہے۔

فیہ بیان ان ذالک احسن قول ودل بذالک علی لزوم فرض الدعاء الی اللّٰہ اذ لا یجوز ان یکون النفل احسن من الفرض فلو لم یکن الدعاء الی اللّٰہ فرضا وقد جعلہ من احسن قول اقتضی ذالک ان یکون احسن من الفرض وذالک ممتنع ۔ ج ۳، ص ۳۸۵۔

۲ : دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اصطلاح اہلِ اصول ہی مراد ہو تب بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکام کے ساتھ اختصاص ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ افعل ولا تفعل کا علی سبیل الاستعلاء کہنا قائل کے اعتبار سے ضروری نہیں بلکہ اصل آمر کے اعتبار سے ضروری ہے۔ جیسے کسی اعلیٰ کی طرف سے پیغام رسانی کرتے ہوتے کوئی ادنیٰ کسی اعلیٰ کو جو افعل ولا تفعل کہتا ہے یعنی امر و نہی کرتا ہے حالانکہ ادنیٰ ہونے کی وجہ سے اس کا یہ قول علیٰ سبیل الاستعلاء نہیں اس کے باوجود وہ آمر کہلاتا ہے۔ کیوں کہ عرف میں اس جیسی کلام اس ادنیٰ درجہ کے قائل کی شمار نہیں ہوتی۔ بلکہ جس کی طرف سے پیغام رسانی کی جا رہی ہے یہ کلام اس کی سمجھی جاتی ہے۔ اور چونکہ آمر مستعلی ہے لہٰذا اس کے استعلاء کا اثر قائل میں بھی آجائے گا۔ بعینہٖ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حال ہے۔ کہ اگرچہ امر و نہی کرنے والا ادنیٰ ہو لیکن چونکہ اس کی حیثیت مبلغ (پیغام رساں) کی ہے اس لئے اس میں استعلاء۔ کا نہ ہونا اس کے قول کو امر و نہی کہنے میں مضر اور مانع نہیں ہے۔ کیوں کہ اصل آمر اور ناہی تو خدا اور رسولِ خدا ہیں جن میں بدرجۂ اتم علو موجود ہے بلکہ وہ تو سرچشمہ ہیں۔

وھذا الجواب مستفاد من ھذہ العبارۃ " ویرد علیٰ عکس التعریف

قول الادنی للاعلیٰ افعل تبلیغا او حکایۃ عن الآمر المستعلی فانہ امر ولیس علی سبیل الاستعلاء من القائل قلنا مثالہ لا یعد فی العرف مقول ھذا القائل الادنی بل مقول المبلغ عنہ وفیہ استعلاء من جھتہ۔ (تلویح علی التوضیح ص۳۲۴)

ان اصولی ردجوابوں کے بعد ہم اپنے موقف کی تائید میں قرآن وحدیث اور جزئیات فقہ کے حوالجات پیش کرتے ہیں جن سے اس فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مسلمانوں کے تمام اشخاص سے علی العموم متعلق ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

۱ : قرآن مجید میں امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی دیگر امم پر فضیلت اور خیریت کا سبب اور باعث فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ الآیۃ

اس آیت کے تحت تفسیرِ خازن میں ہے کہ اس آیت میں اگرچہ خطاب صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو ہے لیکن حکم عام ہے۔ یعنی پوری امت کو شامل ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے کتب علیکم الصیام۔ کتب علیکم القصاص ان میں الفاظ کے اعتبار سے خطاب حاضرین یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو ہے لیکن روزے اور قصاص کا حکم پوری امت پر لاگو ہے۔ ایسے ہی یہاں

ولفظہ : قال الزجاج قولہ کنتم خیر امۃ الخطاب فیہ مع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکنہ عام فی حق الکل کذا ھھنا۔

(خازن ج۱ ص ۳۳۸)۔

نیز لفظِ امت بھی عموم پر دال ہے۔ کیونکہ ہر ایماندار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہے۔

اصل الامۃ الطائفۃ المجتمعۃ علی الشئ الواحد فامۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ھم الجماعۃ الموصوفون بالایمان باللہ والاقرار بنبوتہ اھ

اس کی تائید حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ذیل ارشادات سے بھی ہوتی ہے۔

قال علیہ السلام لا تجتمع امتی علی الضلالۃ۔ وروی انہ علیہ السلام یقول یوم القیامۃ امتی امتی۔

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر کے تحت تفسیر کبیر میں ہے کہ اس

سے حکم سابق یعنی اس کی خیریت کی علت اور سبب کا بیان مقصود ہے کیوں کہ اصول فقہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ حکم کو اگر اس کے مناسب وصف کے ساتھ ذکر کیا جائے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وصف اس حکم کے لئے علت ہے جیسے کہتے ہیں کہ زید معزز آدمی ہے لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے اور انہیں کپڑا پہناتا ہے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔ تو گویا زید کا معزز ہونا اس کے کھانا کھلانے، کپڑا پہنانے اور دیگر ضروریات کا خیال رکھنے کی بناء پر ہے۔ اگر یہ اوصاف نہ ہوں تو اسے یہ اعزاز حاصل نہ ہوگا۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے پہلے كنتم خير أمة ارشاد فرما کر اس امت کے بہتر اور افضل ہونے کا حکم لگایا۔ اور اس کے متصل یہ تین اوصاف امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور ایمان باللہ ذکر کیں۔ معلوم ہوا کہ اس امت کی افضلیت انہیں اوصاف کی رہین منت ہے۔

ولفظه تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله اه

واعلم ان هذا كلام مستأنف والمقصود منه بيان علة تلك الخيرية كما تقول زيد كريم يطعم الناس ويكسوهم ويقوم بمصالحهم وتحقيق الكلام انه ثبت في اصول الفقه ان ذكر الحكم مقرونا بالوصف المناسب له يدل على كون ذلك الحكم معللا بذلك الوصف فههنا حكم تعالى بثبوت وصف الخيرية لهذه الامة ثم ذكر عقيبه هذا الحكم وهذه الطاعات اعني الامر بالمعروف والنهي عن المنكر والايمان فوجب كون تلك الخيرية معللة بهذه العبادات اه (ج ٨، ص ١٩١)

بلکہ تینوں اوصاف میں سے بنیادی اور حقیقی علتیں صرف پہلی دو ہیں یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیوں کہ ایمان باللہ تو تمام حق پرست امتوں میں مشترک ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سب پر فضیلت دی۔ ظاہر ہے کہ اس خیریت وفضیلت کا باعث ایمان باللہ تو نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس خیریت کے حصول میں مؤثر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اسی بناء پر صفت ایمان کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ البتہ ایمان باللہ اس مؤثر کی تاثیر کے لئے شرط ہے۔ جب تک یہ نہ ہو کوئی عمل اور عبادت بھی اس صفت خیریت میں مؤثر نہ ہوگی۔

ان الايمان بالله امر مشترك فيه بين جميع الامم المحقة ثم انه تعالى فضل هذه الامة على سائر الامم المحقة فيمتنع ان يكون المؤثر في حصول هذه الزيادة هو كون هذه الامة اقوى حالا في الامر

بالمعروف والنہی عن المنکر ۔ واما الایمان باللہ فھو شرط لتأثیر ھذا المؤثر فی ھذا الحکم لانہ مالم یوجد الایمان لم یصر شئ من الطاعات مؤثرا فی صفۃ الخیریۃ فثبت ان الموجب بھذہ الخیریۃ ھو کونھم آمرین بالمعروف ناھین عن المنکر واما ایمانھم فذلک شرط التاثیر والمؤثر الصق بالاثر من شرط التاثیر فلھذا السبب قدم اللہ تعالیٰ ذکر الامر بالمعروف والنہی عن المنکر علی ذکر الایمان ۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ، ص ۱۹۱)

چونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس پوری خیریت اور فضیلت کا باعث ہے ۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر سلاف رحمہم اللہ نے اپنے اپنے انداز میں اس کی اہمیت بیان فرمائی ہے ۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من امر بالمعروف ونھی عن المنکر کان خلیفۃ اللہ فی ارضہ وخلیفۃ رسولہ وخلیفۃ کتابہ ۔

جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے وہ خدا کی زمین میں خدا ، اور اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کا نائب ہے ۔

عن علی رضی اللہ عنہ افضل الجھاد الامر بالمعروف والنہی عن المنکر

افضل جہاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے ۔

روی الحسن عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ انہ قال ایھا الناس ائتمروا بالمعروف وانھوا عن المنکر تعیشوا بالخیر ۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ۔ انہوں نے فرمایا ۔ اے لوگو ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو خیریت کے ساتھ رہو گے ۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ من لم یعرف بقلبہ معروفا ولم ینکر منکرا نکس وجعل اعلاہ اسفلہ ، وعن الثوری رح اذا کان الرجل محببا فی جیرانہ محمودا عند اخوانہ فاعلم انہ مداھن ، وھذہ کلھا فی الکبیر ۔

۲ : قرآن مجید کی دوسری آیت جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تمام مسلمانوں کے افراد سے متعلق ہونے کی دلیل ہے ۔

والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون

عن المنکر ویقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ ویطیعون اللہ ورسولہ اولٰئک سیرحمہم اللہ۔ الآیۃ

اس آیت میں بھی مذکورہ بالا اوصاف تمام مؤمنین کے بیان کئے گئے ہیں۔ بلکہ مؤمنات کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔ نیز اقامت صلوٰۃ۔ ایتاءِ زکوٰۃ اللہ ورسول کی اطاعت ان اوصاف کا تعلق تمام مؤمنین سے ہے جس میں کچھ بھی خفا نہیں۔ ان کے قرینے سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تعلق بھی تمام مؤمنین سے ہوگا نہ کہ صرف حکام سے۔ اختصار کے پیش نظر ترجمہ نہیں کیا گیا۔

۳ ؛ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون۔

۴ ؛ لعن الذین کفروا (الی) کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون

۵ ؛ یا بنی اقم الصلوٰۃ وأمر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما اصابک ان ذلک من عزم الامور۔

فائدہ ؛ اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب اللہ ورسول سابقہ شرائع کو بغیر کسی انکار کے بیان فرمائیں تو وہ ہمارے لئے بھی واجب العمل ہیں۔ کما ہو مقرر فی کتب الاصول۔

آیات کی طرح احادیث بھی عموم پر دال ہیں

۶ ؛ عن ابی سعید الخدری رضؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان وفی المرقاۃ قولہ منکم ای فی غیرہ من المؤمنین والخطاب للصحابۃ اصالۃ ولغیرھم من الامۃ تبعا اھ

مرقات کی مذکورہ عبارت سے ایک تو اس فریضے کا عموم ثابت ہوا کہ تمام مسلمان اس کے اہل ہیں۔ دوسرا ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تعلق صرف مؤمنین سے ہے انہیں کو ہی نیکی کی ترغیب اور برائی سے روکا جائے گا۔ کیوں کہ کفار تو شریعت کے فروعی احکام کے مکلف ہی نہیں۔

۷ ؛ عن حذیفۃ رضؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ

لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر اولیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عذابا من عندہ ثم لتدعنہ فلا یستجاب لکم رواہ الترمذی۔

۸ : کل کلام ابن آدم علیہ لا لہ الا امر بمعروف اونہی عن منکر او ذکر اللہ اوکما قال ۔ ان کے علاوہ بے شمار احادیث ہیں ۔

۹ : فتاوی عالمگیری میں ہے ۔

ان الامر بالمعروف علی وجوہ ان کان یعلم باکبر رأیہ انہ لوامرھم بالمعروف یقبلون ذلک ویمتنعون عن المنکر واجب علیہ ولا یسعہ ترکہ ولوعلم باکبر رأیہ انہ لوامرھم بذلک قذفوہ وشتموہ فترکہ افضل اھ ۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ امر بالمعروف حکام کے ساتھ خاص نہیں ۔کیوں کہ حکام کے ساتھ تو قذف وشتم کا معاملہ نہیں ہوتا۔

۱۰ : شامی میں ہے ۔

لوکان مع امرأتہ وھو یزنی بہا او مع محرمہ وھما مطاوعان قتلہما جمیعا مطلقاً اھ ۔ لانہ لیس من الحد بل من الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔ قلت ویدل علیہ ان الحد لا یلیہ الا الامام اھ

۱۱ : مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے حکام کے ساتھ خاص نہ ہونے پر صراحت موجود ہے ۔

ولا یختص ذلک باصحاب الولایات بل ھو ثابت علی احاد المسلمین فان السلف الصالح کانوا یامرون الولاۃ بالمعروف وینھونھم عن المنکر مع تقریر المسلمین ایاھم وتزک توبیخہم علی التشاغل بہ ۔ (ج ۵ ص)

اور یہ فریضہ حکام کے ساتھ خاص نہیں ۔بلکہ مسلمانوں کے تمام افراد پر ثابت ہے ۔سلف صالحین حکام کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے تھے ۔

(ج ۔س ۲) فریضہ تبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو علما کیساتھ خاص کرلینا بھی درست نہیں ۔کیوں کہ علماء کا کام راہِ حق بتانا اور سیدھا راستہ دکھانا ہے ۔پھر اس کے موافق عمل کرانے اور مخلوقِ خدا کو اس پہ چلانے میں دوسرے لوگ بھی برابر کے شریک ہیں ۔ بلکہ زیادہ تر یہی مکلف ہیں ۔حدیث شریف میں ہے ۔

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامیر الذی علی الناس راع علیہم وھو مسئول عنہم والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسئول عنہم والمرأۃ راعیۃ علی بیت بعلہا وولدہ وھی مسئولۃ عنہم والعبد راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنہ فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ (بخاری ومسلم)

نیز علماء نے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے علم کو شرط قرار دیا ہے وہ بھی صرف ان افعال واقوال کے بارہ میں ہے۔ جو باریک قسم کے ہوں اور اجتہاد کے متعلق ہوں۔

لیکن واجبات ظاہرہ اور محرمات مشہورہ جیسے نماز، روزہ، زنا، شراب وغیر ذلک اس قسم کے جتنے احکام ہیں تو ان کو تمام مسلمان جانتے ہیں لہذا ان جیسے امور میں یہ فریضہ ان پر ثابت ہوگا چنانچہ مرقاۃ میں ہے۔

ثم انہ انما یأمر وینہی من کان عالما بما یأمر بہ وینہی عنہ وذلک یختلف باختلاف الشئ فان کان من الواجبات الظاھرۃ والمحرمات المشھورۃ کالصلوۃ والصیام والزنا والخمر ونحوھا فکل المسلمین عالم بھا وان کان من دقائق الافعال والاقوال وما یتعلق بالاجتہاد فلم یکن للعوام مدخل فیہ۔ لان انکارہ علی ذلک للعلماء اھ (ج ۵: ص ۳)

جواب سوال نمبر ۳ اگرچہ بعض نے ایسے شخص یعنی فاسق کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مجاز قرار نہیں دیا۔ لیکن اکثر علماء کے نزدیک یہ فریضہ اس کی طرف بھی متوجہ ہے۔ کیونکہ دو چیزیں الگ الگ واجب ہیں۔ ۱: خود نیکی پر چلنا، برائی سے بچنا۔ ۲: دوسروں کو نیکی پر چلانا اور برائی سے بچانا۔ تو کسی بناء پر ایک واجب کے چھوٹ جانے کی وجہ سے دوسرا واجب کیوں کر چھوڑا جا سکتا ہے؟ نہ تو ایک کا چھوٹنا دوسرے کے چھوڑنے کو مستلزم ہے اور نہ اس کے لئے مبیح ہے۔

۱: العلماء قالوا الفاسق لہ ان یأمر بالمعروف لانہ وجب علیہ ترک ذلک المنکر ووجب علیہ النہی عن ذلک المنکر فبان ترک احد الواجبین لا یلزمہ ترک الواجب الأخر۔ (تفسیر کبیر: ج ۸، ص ۱۷۹)

۲: وفی المرقاۃ شرح المشکوۃ: ولا یشترط فی الامر والناھی ان یکون کامل الحال متمثلا ما یأمر بہ مجتنبا عما ینہی عنہ بل یجب علیہ مطلقا لان الواجب علیہ شیئان ان یأمر نفسہ وینہاھا ویأمر

غیرہ وینهاه فاذا اخل باحدهما کیف یباح له الاخلال بالآخر ۔(ج۵:ص۳)

۳: وقریب من هذافی الهندیة : ج۴،ص ۱۱۱ :۔اسی مضمون کی تصریح حدیث میں بھی موجود ہے۔

عن انس رضی الله تعالی عنه قال قلنایارسول الله لانامربالمعروف حتی نعمل به کله ولاننهی عن المنکرحتی نجتنبه کله فقال صلی الله علیه وسلم بل مروابالمعروف وان لم تعملوا به کله وانهوا عن المنکر وان لم تجتنبوه کله او کماقال۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک کہ خودتمام پر عمل نہ کریں اور برائیوں سے منع نہ کریں جب تک کہ خودتمام برائیوں سے نہ بچیں تو آپ نے فرمایانہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرواگرچہ تم خودان سب کے پابند نہ ہو اور برائیوں سے منع کرواگرچہ تم خودان سب سے نہ بچ رہے ہو۔تفسیر کبیر میں ہے۔

عن السلف مروابالخیروان لم تفعلوا ۔کہ بھلائی کاحکم کرواگرچہ خودنہ کرسکو۔عن الحسن انه سمع مطرف بن عبدالله یقول لااقول مالاافعل فقال واینایفعل مایقول ودالشیطان لو ظفربهذه الکلمة منکم فلایامراحدبمعروف ولاینهی عن منکر .(ج۸:ص ۱۷۹)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے مطرف بن عبداللہ رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے (میں ایسی بات نہیں کہتا جس پر میں عمل نہیں کرتا) سن کرارشادفرمایا کہ ہم میں سے کون ہے جواپنی ہر کہی ہوئی بات پر عمل کرتا ہو۔شیطان پسند کرتا ہے کہ کاش وہ تمہاری اس بات میں کامیاب ہوجائے پھر نہ کوئی امر بالمعروف کرے اور نہ نہی عن المنکر :

اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خودعمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں یا بے عملی میں کوئی حرج نہیں عمل بہرحال ضروری ہے دوسروں کوامرونہی کرتے ہوئے اپنے سے غافل نہ ہو، بلکہ جس قدر دوسروں کی اصلاح کی ضرورت ہے اس سے بہت زیادہ اپنے نفس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی حدیثوں میں بہت زیادہ اہتمام سے منع فرمایا ہے کہ لوگوں کونصیحت کرتا پھرے اور خودمبتلائے معاصی رہے۔

قرآن مجید میں ہے اتأمرون الناس بالبروتنسون انفسکم الآیة کیاتم حکم کرتے ہولوگوں کونیک کام کااور بھولتے ہواپنے آپ کو۔

بہرکیف اپنی طرف سے پوری کوشش کر کے عمل کرتا رہے اپنے اختیار سے عمل میں کوئی کمی نہ آنے دے لیکن اگر سستی یا کسی عذر کی بناء پر ایک بات پر خود عمل نہیں کر سکا تو دوسروں کو اس کی دعوت دینے سے نہ ہچکچائے۔ یہی دعوت خود اس کو عمل پر ڈالنے کا پیش خیمہ بنے گی جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

الحاصل:۔ مذکورہ بالا دلائل قویہ صحیحہ سے محقق ہو گیا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دعوت الی الخیر کا فریضہ علی الاطلاق نہ حکام کے ساتھ خاص ہے نہ علماء سے اور نہ متقین سے بلکہ مسلمانوں کے تمام افراد اس کے مکلف ہیں۔

ھذاماعندی واللّٰہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم.

غیر مسلم کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کا حکم:۔ ہمارے ہاں دولڑ کے عیسائی اور ہندو ہیں کیا ہم ان کے ساتھ کھا پی سکتے ہیں؟ ان سے تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں؟ اگر تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں تو کس حد تک؟

الجواب:۔ کفار کے ساتھ بلا ضرورت میل جول فی نفسہ برا ہے کیوں کہ صحبت واختلاط ہی سے محبت بڑھتی ہے۔ اور ساتھ کھانے سے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور کفار سے تعلق ومحبت بنص قرآن ممنوع ہے حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ ''اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفۃ اصحاب الجحیم '' میں اس موضوع پر مفصل کلام فرمایا ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ کافر سے زائد از حاجت کوئی تعلق نہ رکھے لیکن ان کے ساتھ احسان وسلوک کرتے رہیں، آپ کے عمل سے وہ متاثر ہوں متنفر نہ ہوں، ان کو صراط مستقیم پر لانے کا دل میں جذبہ ہو تڑپ ہو مگر دل میں ان کی محبت نہ ہو۔ اگر کوئی ضرورت اکٹھے کھانے کی داعی ہو تو جائز ہے خلاصہ یہ کہ اکٹھے کھانا دلی محبت سے نہ ہو تو ضرورت کے تحت جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۱/۷/۱۴۰۳ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مرزائیوں کے ساتھ تعلقات کے مفصل احکام:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ فرقہ مرزائیہ کا کفر وارتداد جبکہ شرعاً، عقلاً، نقلاً نصف النہار کی طرح روشن اور واضح ہو چکا ہے تو اس صورت میں اہل اسلام فرقۂ مرزائیہ کے ساتھ حدودِ شرعیہ میں رہتے ہوئے کس حد تک معاملات وبرتاؤ کر سکتے ہیں، مرزائیوں کی دعوتیں ان کے ساتھ کھانا پینا کاروبار، لین دین حتیٰ کہ ان کے ساتھ نشست وبرخاست

تک کے مسائل پر روشنی ڈالیں۔

الجواب:۔واضح رہے کہ موالات یعنی دلی محبت ومودت کسی غیر مسلم سے کسی بھی حال میں قطعاً جائز نہیں لقوله تعالى يايها الذين امنوا لاتتخذوا عدوى وعدوكم اولياء ۔(الآیۃ) البتہ مواسات یعنی ہمدردی، خیر خواہی، نفع رسانی کی اجازت ہے لیکن جو کفار برسرپیکار ہوں ان کے ساتھ اس کی بھی اجازت نہیں تعلقات کا تیسرا درجہ مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ ہے یہ بھی غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو یا وہ بحیثیت مہمان آئے ہوں یا ان کے شر اور فتنہ سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو۔ آخری درجہ معاملات ہے یعنی کفار سے تجارت، اجارات، صنعت وحرفت کے معاملات۔ یہ بھی جائز ہیں۔ بجز ایسی حالت کے کہ ان سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ اگر ایسا ہو تو یہ بھی جائز نہیں۔

مذکورہ بالا توضیح سے نتیجہ یہ نکلا کہ اگر مرزائیوں کے ساتھ نشست و برخاست، کھانا پینا آمد ورفت، میل جول، دلی محبت اور دوستی کی بناء پر ہو تو ناجائز اور حرام ہے اگر کسی دینی وشرعی غرض کے تحت ہو تو جائز ہے مگر چونکہ عام طور پر اس قسم کے تعلقات دلی دوستی کی بناء پر ہوتے ہیں اور ان تعلقات کی خاصیت بھی یہ ہے کہ یہ دلی قرب پیدا کرتے ہیں مزید برآں عوام الناس میں تصحیح نیت کا بھی اہتمام نہیں ہوتا اس لیے اس قسم کے تعلقات کو علی الاطلاق منع کیا جاتا ہے لیسند باب المفاسد.

قال الله تعالى ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار الآية

تعلقات کی یہ تفصیل مختلف آیات قرآنی کا خلاصہ ہے! الحاصل مرزائیوں کی تقریبات میں شمولیت اور ان کے ہم پیالہ وہم نوالہ بن کر رہنا جائز نہیں، کیوں کہ اس کا انجام خود مرزائی بن جانا ہوتا ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ اس لیے سخت احتراز لازم ہے۔

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰/۷/۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

هندوؤں سے تعلقات کے بارے میں:۔ میں کچھ کاروبار کرتا ہوں جس میں ہندوؤں سے بھی تعلقات رکھنے ہوتے ہیں میں اس میں کیا رویہ اختیار کروں اپنے ملک میں اقلیتی غیر مسلموں سے بات چیت، اٹھنے بیٹھنے وغیرہ کی کہاں تک گنجائش ہے؟ ایک ایسے ملک میں جہاں حکومت غیر مسلم ہو (جیسے ہندوستان) وہاں تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے ساتھ اٹھتا، بیٹھتا ہو تو اس مسلمان کے گھر نہ جانا اور تعلقات توڑنا

کیسا ہے؟

المستفتی :۔اظہار الحق صندوق البرید ۶۲ ۷ جادہ طرابلس لیبیا

الجواب :۔سچا مؤمن وہ ہے جو ایک مقصد کے تحت زندگی گزارتا ہے اس کا اٹھنا ، بیٹھنا ، سونا ، جاگنا ، آنا جانا ، بولنا یا نہ بولنا ، اسی مقصد کے تحت ہوتا ہے اور وہ مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ، اور خوشنودی ہے اور جو ایک مقصد کے تحت زندگی گزار رہا ہو وہ کبھی بھی کسی ایسے شخص سے دلی لگاؤ اور محبت پیدا نہیں کرے گا جو اس کے مقصد کا دشمن اور مخالف ہو۔کافر خواہ کوئی بھی ہو وہ مسلمان کے مقصد کا کھلا دشمن ہے اور یہ ایک حقیقت ہے محسوس ہو نہ ہو ، کوئی سمجھے نہ سمجھے یہی وجہ ہے کہ قرآنی تصریحات کے مطابق کسی بھی کافر سے کسی بھی حال میں دلی دوستی اور یارانہ جائز نہیں خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کے ساتھ محبت و دوستی رکھنے والا کس منہ سے خدا کو کہے گا کہ اے اللہ میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں اور تجھ سے محبت کرتا ہوں۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب　　　　شرم تم کو مگر نہیں آتی

البتہ غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی لین دین ، حسن سلوک ، احسان و رواداری ، ہمدردی و نفع رسانی کی اسلام اجازت دیتا ہے بشرطیکہ یہ بھی اسی مقصد کے تحت ہوں ، یعنی ان کو راہ راست پر لانا اور انہیں اسلام کے محاسن سے آگاہ کرنا مقصود ہو۔اسی غرض کے تحت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار کی مہمان نوازیاں بھی کی ہیں ۔انہیں عطیات بھی دیئے ہیں اور جس قدر اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری برتی ہے کسی مذہب کی تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی ہے یار و اغیار سب ہی اس کے شاہد ہیں اس ضروری وضاحت کے بعد اب اپنے سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

۱: جس خوش اخلاقی سے وہ پیش آئے آپ اس سے بڑھ کر پیش آئیں مگر یہ ضرور خیال رہے کہ یہ تعلقات دینی حدود میں رہیں اور مقصد تعلقات پر قربان نہ ہو۔

۲: فقہاءؒ نے ابواب کی شکل میں ذمیوں کے حقوق و فرائض بیان کیے ہیں کسی مستند فقہ کی کتاب میں دیکھ لیے جائیں۔تعلقات کی حد میں اس کا حکم وہی ہے جو ایک عام غیر مسلم کا ہے۔

۳: تفصیل گزر چکی ہے۔

۴: اگر اس مسلمان کا غیر مسلمان سے یارانہ اور دلی دوستی ہے تو پھر اس مسلمان کو چھوڑ دیا جائے تاکہ اسے احساس پیدا ہو اور اگر یہ نہیں تو پھر تعلقات توڑنے مناسب نہیں۔فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ۔۲۲/۸/۱۳۹۸ھ　　　　الجواب صحیح :بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

شیعہ اثناعشریہ کے خاص عقائد

جن کی بناء پر متقدمین ومتاخرین علماء وفقہاء نے ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے

از بندہ عاجز محمد منظور نعمانی عفااللہ عنہ

اثناعشریہ کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ کے بعد خاص طور سے ان کے یہ تین عقیدے اس طرح آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں جس کے بعد کسی شک وشبہ اور تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

ایک:۔ یہ کہ حضرات شیخین (سیدنا حضرت ابوبکر صدیق وسیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) نہ صرف یہ کہ کافر ومنافق تھے بلکہ اگلی امتوں کے اور اس امت کے خبیث ترین کافروں، فرعون، ہامان، ونمرود اور ابولہب وابوجہل سے بھی حتیٰ کہ شیطان مردود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے، اور جہنم میں سب سے زیادہ عذاب انہیں دونوں پر ہے۔

دوسرا:۔ یہ کہ موجودہ قرآن محرف ہے اس میں ہر طرح کی تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے یہ بعینہ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل فرمائی گئی تھی۔

تیسرا:۔ یہ کہ ان کا بنیادی عقیدہ "امامت" ختم نبوت کی قطعی نفی کرتا ہے لہذا وہ اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے ختم نبوت کے منکر ہیں اگر چہ زبان سے حضور کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں (جس طرح قادیانی بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتے ہیں)۔

☆

اب تینوں عقیدوں کے بارے میں اثنا عشریہ کے ائمہ معصومین کے ارشادات اوران کے ان علماء ومجتہدین کے بیانات جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ملاحظہ فرمائے جائیں۔

شیخین کے بارے میں:

شیعہ اثناعشریہ کی حدیث کی کتابوں میں ان کے نزدیک سب سے زیادہ مستند ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی (م ۳۲۸ھ) کی کتاب ''الجامع الکافی'' ہے اس کا درجہ ان کے نزدیک وہی ہے جو علماء اہلسنت کے نزدیک امام بخاری کی ''الجامع الصحیح'' کا ہے، بلکہ اس سے بھی بالاتر اس کے آخری حصہ ''کتاب الروضہ'' میں شیعوں کے ساتویں امام معصوم ابوالحسن موسیٰ کا ایک طویل مکتوب پوری سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔اس میں شیخین کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

فلعمری لقدنافقاقبل ذالک وردّا علی اللہ جل ذکرہ کلامہ وھزیابرسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وھما الکافران علیھما لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین
(کتاب الروضۃ ۔ص ۶۲ طبع لکھنو)

میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ دونوں پہلے سے منافق تھے انہوں نے اللہ کے کلام کو رد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ تمسخر کیا۔وہ دونوں قطعی کافر ہیں۔ان پر اللہ کی،اوراس کے فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی لعنت

اوراسی کتاب الروضہ میں شیعوں کے پانچویں امام معصوم امام باقر کا یہ ارشاد شیخین کے بارے میں روایت کیا گیا۔

ان الشیخین فارقاالدنیاولم یتوبا ولم یتذاکرا ما صنعابامیر المؤمنین علیہ السلام فعلیھما لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین.
کتاب الروضۃ۔ ص ۱۱۵ طبع لکھنو)

یہ دونوں دنیا سے چلے گئے اورانہوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کیا تھا،اس سے توبہ نہیں کی اوراس کو یاد بھی نہیں کیا،تو ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی لعنت

ملا باقر مجلسی شیعوں کے گیارہویں صدی ہجری کے بہت بڑے مجتہد اور محدث ہیں علمائے شیعہ ان کو خاتم المحدثین کہتے اور لکھتے ہیں، کثیر التصانیف ہیں۔ہمارا اندازہ ہے کہ ان کی کتابیں شیعوں میں دوسرے تمام مصنفوں سے زیادہ مقبول ہیں،ان کو شیعہ مذہب کا ترجمان اعظم کہا جاسکتا ہے(خمینی صاحب نے بھی اپنی کتاب کشف الاسرار میں مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لیے مجلسی کی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے۔ کشف الاسرار۔ص ۱۲۱)ان مجلسی صاحب نے اپنی کتاب ''جلاء العیون'' میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منسوب کر کے ایک طویل روایت نقل کی ہے،اس میں یہ بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ،

درجہنم تابوتے ہست کہ دوازدہ کس درآں تابوت ہستند شش کس ازگزشتگاں

جہنم میں ایک صندوق ہے جس میں بارہ آدمی بند ہیں چھ پچھلی امتوں کے اور چھ اس امت کے

وشش نفراز ایں امت، وآں تابوت در چاہے ہست درقعر جہنم ، وبرآں چاہ سنگے افتادہ است کہ حق تعالیٰ ہرگاہ بخواہد کہ جہنم را مشتعل سازد امر میفرماید کہ آں سنگ را از سرچاہ بردارند چوں سنگ را بر میدارند۔ جمیع جہنم مشتعل شود از حرارت آں چاہ۔ پس من درحضور شما پرسیدم کہ آنہا کیستند؟ فرمود کہ اما از پیشینیاں پس ایں شش نفر قابیل و فرعون و نمرود، وپے کنندہ ناقہ صالح، و دوکس از بنی اسرائیل کہ بعد از موسیٰ وعیسیٰ دین ایشاں راتغیر دادند، وامت ایشاں را گمراہ کردند۔ اما ازیں امت پس دجال است وپنج نفرابوبکر وعمر وابوعبیدہ بن الجراح وسالم مولی حذیفہ وسعد بن العاص (جلاء العیون۔ص ۱۴۷ طبع ایران)

اور وہ صندوق جہنم کے ایک آتشی کنویں میں ہے اور وہ کنواں ایک پتھر سے بند کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ جب جہنم کی آگ کو بھڑکانا چاہے گا تو حکم فرمائے گا کہ جس پتھر سے کنواں بند کیا گیا ہے اس کو ہٹادیا جائے جب وہ پتھر ہٹادیا جائے گا تو اس کنویں کی آگ سے سارا جہنم بھڑک اٹھے گا، (آگے راوی کہتا ہے) میں نے حضرت امام سے پوچھا کہ وہ بارہ آدمی کون ہیں جو اس صندوق میں بند ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگلی امتوں کے چھ آدمی تو یہ ہیں قابیل، نمرود، فرعون اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا قاتل اور بنی اسرائیل میں سے وہ دو آدمی جنہوں نے حضرت موسیٰ وعیسیٰ کے بعد ان کے دین کو بدل ڈالا اوران کی امتوں کو گمراہ کیا اور اس امت کے چھ آدمی یہ ہیں، دجال۔ اور ابوبکر۔ عمر۔ ابوعبیدہ بن الجراح۔ سالم مولی حذیفہ اور سعد بن العاص

(راقم سطور عرض کرتا ہے کہ مجلسی نے جہنم کے اس آتشی تابوت کی روایت جس میں بارہ آدمی بند ہیں جن میں معاذ اللہ شیخین بھی ہیں اپنی دوسری کتاب حق الیقین میں بھی ذکر کی ہے (حق الیقین۔ص ۵۰۲)

اور جلاء العیون میں ملا باقر مجلسی نے ایک اور روایت ذکر کی ہے جس میں حضرات شیخین کے بارے میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ

آں دو مرد اعرابی کہ ہرگز ایمان بخدا ورسول نیاوردہ بودند یعنی ابوبکر وعمر۔ (ص ۱۶۰)

وہ دو اعرابی جو خدا اور اس کے رسول پر ہرگز ایمان نہ لائے یعنی ابوبکر اور عمر۔

(راقم سطور عرض کرتا ہے کہ ملا باقر مجلسی نے یہ روایت ''حق الیقین'' میں بھی ذکر کی ہے (ص ۵۰۲)

اور جلاء العیون ہی میں مجلسی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے

ہیچ عاقل را مجال آں نیست کہ شک کند در کفر عمر پس لعنت خدا و رسول بر ایشاں باد۔ وبر ہر کہ ایشاں را مسلماں داند وہر کہ درلعن ایشاں توقف نماید (جلاء العیون ص ۴۵)

کسی صاحب عقل کے لیے اس کی مجال اور گنجائش نہیں ہے کہ عمر کے کافر ہونے میں شک کرے پس خدا اور رسول کی لعنت ہو عمر پر اور ہر اس شخص پر جو اس کو مسلمان جانے اور ہر اس آدمی پر جو اس پر لعنت کرنے میں توقف کرے (یعنی لعنت کرنے سے زبان کو روکے)

ملا باقر مجلسی کی تصانیف جلاء العیون ، حق الیقین ، زادالمعاد ، حیات القلوب وغیرہ سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے متعلق اس طرح کی انتہائی زہریلی اور اشتعال انگیز روایتیں اور عبارتیں بلا مبالغہ سیکڑوں کی تعداد میں نقل کی جاسکتی ہیں لیکن غیر ضروری طوالت ہوگی اس لیے حق الیقین سے صرف ایک روایت اور نقل کی جاتی ہے جو مجلسی نے شیخ مفید کی ''کتاب اختصاص'' کے حوالے سے شیعوں کے چھٹے امام معصوم جعفر صادق کی روایت سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیان کی حیثیت سے نقل کی ہے۔ واضح رہے کہ شیعوں کے نزدیک شیخ مفید کا مقام یہ ہے کہ ان کے بارھویں امام غائب (امام مہدی) غار میں روپوش ہوجانے اور غیبت صغریٰ کا دور ختم ہوجانے بعد بھی شیخ مفید کو خطوط لکھتے تھے جو کسی غیبی نامعلوم طریقے سے ان کو مل جاتے تھے شیعوں کی معتبر کتاب ''احتجاج طبرسی'' میں ان کے نام امام غائب کے وہ خطوط موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام غائب کے خاص معتقدین میں سے تھے [1]۔ اس لیے یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ یہ راویت شیعوں کی معتبر ترین روایتوں میں سے ہے۔ اسی لیے اس کی طوالت اور اس کے مضمون کی انتہائی خباثت اور دل آزاری کے باوجود دل پر جبر کر کے اس پوری راویت کو ذیل میں درج کیا جارہا ہے (نقل کفر کفر نباشد) ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ

شیخ مفید در کتاب اختصاص از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام فرمود کہ روزے بیروں رفتم از پشت کوفہ وقنبر در پیش روئے من راہ می رفت، ناگاہ ابلیس پیدا شد۔ گفتم من کہ عجیب پیر گمراہ شقی ہستی تو۔ گفت چرا ایں را می گوئی یا امیرالمؤمنین" بخدا سوگند

شیخ مفید نے ''کتاب اختصاص'' میں حضرت جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ امیرالمؤمنین (حضرت علی علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ ایک دن میں شہر کوفہ کے پیچھے باہر گیا اور قنبر (خادم وغلام) میرے آگے جارہا تھا کہ اچانک ابلیس میرے سامنے آگیا، میں نے اس سے کہا کہ عجیب گمراہ، بدبخت ہے تو اس نے کہا اے امیرالمؤمنین آپ یہ بات کیوں کہتے ہیں خدا کی قسم کھا کے

---

[1] امام غائب اور ان کے خطوط کے بارے میں یہ جو کچھ تحریر کیا گیا ہے شیعوں کے عقیدہ کی بنیاد پر لکھا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک تو امام غائب کی شخصیت ہی ایک فرضی شخصیت ہے اس کے لیے راقم سطور کی کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت کا مطالعہ کیا جائے۔ ص ۱۶۸ تا ۱۷۶۔

شیخ مفید کے نام امام غائب کے جن خطوط کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے وہ احتجاج طبرسی طبع نجف اشرف جلد دوم کے ص ۳۲۲ تا ۳۲۵ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعی دنیا میں ان کے ائمہ معصومین کے بعد شاید شیخ مفید ہی کا درجہ اور مرتبہ ہے۔

ترا حدیثے نقل کنم ازخود و از خداوند
عزوجل۔ و در ما بین ما ثالثے
نہ بود ۔بدرستیکہ چوں مرا بزمین
فرستاد خدا بسبب آں خطائے
کہ کردم ۔چوں باسمانے چہارم
رسیدم۔ ندا کردم کہ الہی و سیدی
گمان نہ دارم کہ از من شقی تر
خلقی آفریدہ باشی ۔ حق تعالی
وحی فرمود سوئے من ۔ کہ بلکہ
آفریدہ ام خلقی را کہ از تو
شقی تر است ۔برو بہ سوئے خازن
جہنم تا صورت او را و جائے
او را بتو بنماید۔ رفتم بسوئے
مالک، وگفتم خداوند ترا سلام
مے رساند۔ و مے فرماید کہ بہ من بنمائے
کسے را کہ از من شقی تر است مالک
مرا برد بہ سوئے جہنم وسرپوش بالائے
جہنم را برداشت۔ آتشے
سیاہ بیروں آمد کہ گماں کردم
کہ مرا و مالک را خواہد خورد ۔مالک
باں گفت کہ ساکن شو۔ ساکن
شد، پس مرا برد بطبقہ دوم آتشے
بیروں آمد ازاں سیاہ تر و گرم تر
پس گفت ساکن شو۔ ساکن شد
وہم چنیں کہ بہر مرتبہ اے کہ مے برد
از مرتبہ سابق تیرہ ترو گرم تر
بود تا بطبقہ ہفتم ببرد۔ آتشے
ازاں بیروں آمد کہ گماں کردم
کہ مرا و مالک را وجمیع آنچہ خدا

میں آپ کوایک بات سناتاہوں جومیرے اور
خداوندعزوجل کے درمیان ہوئی اورہمارے
درمیان کوئی تیسرانہ تھا ۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ
نے مجھے میری اس خطا کی بناپر جومیں نے کی تھی
آسمان سے زمین پر بھیج دیا۔ جب میں
چوتھے آسمان پر پہنچاتو میں نے خداوندعزوجل سے عرض
کیا کہ اے میرا خدا اورمیرے مالک وآقا ،میں
گمان نہیں کرتا کہ تو نے مجھ سے زیادہ شقی اور
بدبخت کوئی مخلوق پیدا کی ہوگی، تواللہ تعالی
نے میری طرف وحی فرمائی کہ میں نے ایسی مخلوق
پیدا کی ہے جوتجھ سے بھی زیادہ شقی اور بدبخت ہے
توجہنم کے داروغہ کے پاس جا تاکہ وہ تجھ کو
اس مخلوق کی صورت اوراس کی جگہ دکھلادے
تومیں جہنم کے داروغہ کے پاس گیا اورمیں نے اس
سے کہا کہ خداوند عزوجل تجھ کوسلام کہتا ہے اور
حکم دیتا ہے کہ مجھے اس آدمی کودکھلادے جومجھ
سے بھی زیادہ شقی اور بدبخت ہے توجھے وہ جہنم کی
طرف لے گیا اورجہنم کے اوپر جو سرپوش تھا وہ
اس نے اٹھایا،اس میں سے سیاہ رنگ کی ایسی
آگ باہرنکلی کہ میں نے گمان کیاکہ یہ آگ مجھے اور
داروغہ جہنم کو بھی کھاجائے گی ،داروغہ جہنم نے اس
سے کہا کہ ساکن ہوجا تووہ ساکن ہوگئی پھروہ
مجھے جہنم کے دوسرے طبقہ میں لے گیا تواس میں
سے ایسی آگ نکلی جوپہلی والی آگ سے بھی زیادہ
سیاہ اورگرم تھی توداروغہ جہنم نے اس آگ سے
کہا کہ ساکن ہوجا۔تووہ ساکن ہوگئی۔اسی طرح
داروغہ جہنم جس طبقے میں لے جاتا اس میں سے
ایسی آگ نکلتی جو اس سے پہلے سب طبقوں کی
آگ سے زیادہ تیزوتراورزیادہ گرم ہوتی،یہاں

آفریدہ است۔ خواہد سوخت پس دست بدیہ ہائے خود گزاشتم و گفتم۔ اے مالک امرکن او را کہ سرد وساکن شود۔ و الا می میرم مالک گفت۔ تو نخواہی مُرد تا وقت معلوم۔ پس صورت دو مرد را دیدم کہ در گردن ایشاں زنجیر ہائے آتش بود و ایشاں را بجانب بالا آویختہ بودند۔ و بر سر آنہا گروہے ایستادہ بودند وگرزہائے آتش در دست داشتند و بر ایشاں می زدند، گفتم مالک اینہا کیستند؟ گفت مگر نہ خواندی آنچہ در ساق عرش نوشتہ بود۔ دمن دیدہ بودم کہ خدا بر ساق عرش دو ہزار سال پیش از انکہ دنیا را یا آدم را خلق کند نوشتہ بود ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ ونصرتہ بعلی ''اینہادودشمن ایشاں و دوستم کنندہ بر ایشانند

یعنی ابوبکروعمر

(حق الیقین ص ۵۰۹ و ۵۱۰)

تک کہ وہ مجھے جہنم کے ساتویں طبقے میں لے گیا۔اس میں سے ایسی آگ نکلی کہ میں نے گمان کیا کہ یہ آگ مجھے اور داروغہ جہنم کو بھی اور اللہ کی پیدا کی ہوئی تمام مخلوقات کو جلا کے بھسم کردے گی۔تو میں نے اس آگ کی دہشت اور خوف سے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے اور اس طرح آنکھیں بند کر لیں۔اور میں نے داروغہ جہنم سے کہا کہ اس آگ کو حکم دو کہ یہ ٹھنڈی اور ساکن ہو جائے،ورنہ میں مرجاؤں گا،داروغہ جہنم نے کہا تو ہرگز اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ وقت نہ آجائے جو تیری موت کے لیے خدا کی طرف سے مقرر اور اس کے علم میں ہے(آگے ابلیس بیان کرتا ہے کہ) میں نے جہنم کے اس ساتویں طبقے میں دو آدمیوں کو دیکھا کہ ان کی گردنوں میں آگ کی زنجیریں ہیں۔اور ان کو اوپر کی جانب لٹکا دیا گیا ہے۔اور ان کے سر پر دو گروہ کھڑے ہیں۔اور آگ کے گرز ان کے ہاتھوں میں ہیں اور وہ ان دونوں آدمیوں پر آگ کے وہ گرز مارتے ہیں،میں نے کہا کہ اے داروغہ جہنم!یہ دونوں کون ہیں؟اس نے کہا کہ تو نے وہ نہیں پڑھا جو عرش کے پایہ پر لکھا ہوا تھا؟(ابلیس کہتا ہے) کہ میں نے دیکھا تھا کہ خدا نے دنیا کے یا آدم کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا کہ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ ونصرتہ بعلی''

کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا،اور محمد اللہ کے رسول ہیں میں نے محمد کی مدد علی کے ذریعہ کی اور قوت بخشی)یہ دونوں آدمی (جن کے گلے میں آتشی زنجیریں ہیں اور جن پر آگ کے گرزوں کی مار پڑ رہی ہے)یہ دونوں علی کے دشمن اور ان پر ظلم وستم کرنے والے ہیں یعنی یہ ابوبکر اور عمر ہیں۔

راقم سطور حضرات علمائے شریعت ومفتیان عظام سے معذرت خواہ ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے متعلق ایسی خبیث اور دل آزار عبارتیں اور روایتیں ان کے سامنے پیش کیں جن کا مطالعہ یقیناً انتہائی

تکلیف کا باعث ہوگا۔ خود راقم سطور نے کتابوں میں اِن کا مطالعہ انتہائی قلبی اذیت کے ساتھ کیا تھا اور شدید کراہت کے ساتھ ان کو اپنے قلم سے لکھا ہے۔ صرف اس لئے کہ شیعہ مذہب کی حقیقت اور اثناء عشریہ کا عقیدہ و مسلک صحیح طور پر سامنے آ جائے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ اس سلسلہ میں یہاں پیش کیا گیا ہے۔ وہ محض ''مشتے نمونہ از خروارے'' ہے۔ اس سلسلہ کی اسی طرح کی چند اور انتہائی دل آزار اور خبیث روایات راقم سطور کی کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' میں صفحہ ۱۹۵ سے صفحہ ۲۱۹ تک دیکھی جاسکتی ہیں۔ جو مجلسی کی تصانیف ہی سے نقل کی گئی ہیں۔ جو بلاشبہ شیعہ مذہب کا ترجمان اعظم ہے۔ اور خمینی صاحب نے جس کی فارسی تصانیف کے مطالعہ کا شیعوں کو اپنی تصنیف ''کشف الاسرار'' میں مشورہ دیا ہے۔ اور ان پر اپنا اعتماد ظاہر کیا ہے۔ (کشف الاسرار ص ۱۲۱) مجلسی کے بارہ میں پاکستان کے ایک بلند پایہ شیعہ مجتہد کا بیان بھی آگے درج کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں خود خمینی صاحب کے فرمودات بھی ملاحظہ ہوں

روح اللہ خمینی صاحب (جو شیعہ عالم اور مجتہد ہونے کے ساتھ اپنے نظریہ ''ولایۃ الفقیہ'' کے مطابق امام غائب معصوم (امام مہدی) کے گویا (قائم مقام بھی ہیں) ہمارے اس دور میں شیعہ مذہب کے سب سے بڑے نمائندے سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے بھی حضرات شیخین اور ان کے تمام رفقاء سابقین اولین صحابہ کرام کے بارہ میں تقیہ کی لاگ لپیٹ کے بغیر صفائی سے وہی عقیدہ ظاہر کیا ہے جو کلینی اور مجلسی کی نقل کی ہوئی شیعوں کے ائمہ معصومین کی مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا ہے۔ خمینی صاحب نے اپنی معرکۃ الآرا فارسی تصنیف ''کشف الاسرار'' میں ص ۱۱۲ سے ۱۲۰ تک اس موضوع پر بہت طویل اور مفصل کلام کیا ہے۔ راقم سطور نے اپنی کتاب ''ایرانی انقلاب، اور امام خمینی اور شیعیت'' میں (ص ۵۲ سے ۶۹ تک) اُن کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ اور ان کی بقدر ضرورت وضاحت کی ہے۔ اور آخر میں ان عبارتوں کا حاصل چند نمبروں میں لکھا ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے یہاں صرف اسی کو نقل کر دینا کافی سمجھا ہے۔ خمینی صاحب کی عبارتیں اُن کی کتاب ''کشف الاسرار'' میں یا راقم سطور کی کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

حضرات شیخین ذوالنورین اور عام صحابہ کرامؓ
کے بارے میں خمینی صاحب کے فرمودات کا حاصل

۱۔ شیخین ابوبکر، عمر اور ان کے رفقاء عثمان، ابوعبیدہ وغیرہ دل سے ایمان ہی نہیں لائے

تھے۔ صرف حکومت اور اقتدار کی طمع اور ہوس میں انہوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے کو چپکا رکھا تھا۔ (یہ چپکا رکھنا خود خمینی صاحب کی تعبیر ہے۔ ان کے الفاظ ہیں) ''آنہانیکہ سالہا در طمع ریاست خود را بدین پیغمبر چسپاندہ بودند۔ (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۳)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت و اقتدار حاصل کرنے کا ان کا جو منصوبہ تھا۔ اس کے لئے وہ ابتداء ہی سے سازش کرتے رہے اور انہوں نے اپنے ہم خیالوں کی ایک طاقتور پارٹی بنالی تھی۔ ان سب کا اصل مقصد اور مطمح نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت پر قبضہ کر لینا ہی تھا۔ اس کے سوا اسلام سے اور قرآن سے ان کا کوئی سروکار نہیں تھا۔ (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۳-۱۱۴)

۳۔ اگر بالفرض قرآن میں صراحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امامت وخلافت کے لئے حضرت علیؓ کی نامزدگی کا ذکر بھی کر دیا جاتا۔ تب بھی یہ لوگ ان آیات قرآنی اور خداوندی فرمان کی وجہ سے اپنے اس مقصد اور منصوبہ سے دستبردار ہونے والے نہیں تھے۔ جس کے لئے انہوں نے اپنے کو اسلام سے اور رسول اللہؐ سے چپکا رکھا تھا۔ اس مقصد کے لئے جو حیلے اور جو داؤ پیچ ان کو کرنے پڑتے وہ سب کرتے۔ اور فرمانِ خداوندی کی پرواہ نہ کرتے۔ (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۳)

۴۔ قرآنی احکام اور خداوندی فرمان کے خلاف کرنا ان کے لئے معمولی بات تھی۔ انہوں نے بہت سے قرآنی احکام کی مخالفت کی اور خداوندی فرمان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس سلسلہ میں خمینی صاحب نے ''مخالفتہائے ابوبکر بانص قرآنی'' اور ''مخالفتہائے عمر با قرآن'' کے عنوانات قائم کر کے ان کی مخالفت قرآن کی مثالیں بھی دی ہیں۔ (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۵-۱۱۹)

۵۔ اگر وہ اپنا مقصد (حکومت و اقتدار) حاصل کرنے کے لئے قرآن سے ان آیات کا نکال دینا ضروری سمجھتے (جن میں امامت کے منصب پر حضرت علیؓ کی نامزدگی کا ذکر کیا گیا ہوتا) تو وہ اُن آیتوں ہی کو قرآن سے نکال دیتے۔ وہ آیتیں ہمیشہ کے لئے قرآن سے غائب ہو جاتیں۔ اور وہ توریت وانجیل ہی طرح محرّف ہو جاتا۔ (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۴)

۶۔ اگر وہ ان آیات کو قرآن سے نہ نکالتے، تب وہ یہ کر سکتے تھے اور یہی کرتے کہ ایک حدیث اس مضمون کی گھڑ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو سنا دیتے کہ آخری وقت میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ امام وخلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ شوریٰ سے طے ہوگا۔ اور علیؓ جن کو امامت کے منصب کے لئے نامزد کیا گیا تھا۔ اور قرآن میں بھی اس کا ذکر کر دیا گیا تھا ان کو اس منصب سے معزول کر دیا گیا۔

(کشف الاسرار۔ ص ۱۱۴)

۷۔ اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ عمرؓ اُن آیات کے بارے میں کہہ دیتے کہ یا تو خود خدا سے ان آیتوں کے نازل کرنے میں یا جبریل یا رسول خداؐ سے ان کے پہچاننے میں اشتباہ ہو گیا یعنی غلطی اور چوک ہو گئی۔

(کشف الاسرار۔ ص ۱۱۹-۱۲۰)

۸۔ خمینی صاحب نے (حدیث قرطاس کا ذکر کرتے ہوئے) بڑے دردناک نوحہ کے انداز میں (حضرت عمرؓ کے بارے میں) لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری وقت میں اس نے آپ کی شان میں ایسی گستاخی کی جس سے روح پاک کو انتہائی صدمہ پہنچا۔ اور آپؐ دل پر اس صدمہ کا داغ لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس موقع پر خمینی صاحب نے صزاحت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ عمر کا یہ گستاخانہ کلمہ دراصل اس کے باطن اور اندر کے کفر و زندقہ کا ظہور تھا۔ اس موقع پر خمینی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

''ایں کلام یاوہ کہ از اصل کفر و زندقہ ظاہر شدہ'' (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۹)

۹۔ اگر یہ شیخین (اوران کی پارٹی والے) دیکھتے کہ قرآن کی ان آیات کی وجہ سے (جن میں امامت کے لئے حضرت علی کی نامزدگی کی گئی ہوتی) اسلام سے وابستہ رہتے ہوئے ہم حصول حکومت کے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے اسلام کو ترک کر کے اور اس سے کٹ کر ہی یہ مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔ تو یہ ایسا ہی کرتے اور (ابوجہل وابولہب کا موقف اختیار کر کے) اپنی پارٹی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو جاتے۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۴)

۱۰۔ عام صحابہ کا حال یہ تھا کہ یا تو وہ ان کی (شیخین کی) خاص پارٹی میں شریک و شامل، اُن کے رفیق کار اور حکومت طلبی کے مقصد میں ان کے پورے ہم نوا تھے۔ یا پھر وہ تھے جو ان لوگوں سے ڈرتے تھے۔ اور ان کے خلاف ایک حرف زبان سے نکالنے کی ان میں جرأت و ہمت نہیں تھی۔ (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۹-۱۲۰)

خمینی صاحب کے بیانات جو اُن کی کتاب ''کشف الاسرار''[1] کے حوالہ سے سطور بالا میں آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ اُن کے سامنے آ جانے کے بعد اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ حضرات شیخین اور ان کے خاص رفقاء سابقین اولین صحابہ کرام کے بارہ میں ان کا عقیدہ بھی وہی ہے جو کلینی اور مجلسی کی نقل کی ہوئی روایات سے معلوم ہوا تھا کہ یہ سب (معاذ اللہ) کافر و منافق ایمان سے قطعی محروم، خالص دنیا پرست تھے۔ صرف حکومت اور اقتدار کی طمع میں انہوں نے منافقانہ طور پر صرف زبان سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ باطن میں وہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے۔ **استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔**

---

[1] خمینی صاحب کی یہ تصنیف ''کشف الاسرار'' فارسی زبان میں قریباً ساڑھے تین سو صفحات کی کتاب ہے یہ پہلی دفعہ ایران میں ۱۳۶۲ھ میں طبع ہو کر شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد بھی شائع ہوتی رہی ہے۔ خمینی صاحب کے برپا کئے ہوئے انقلاب کے بعد کے طبع شدہ ایڈیشن کا نسخہ بھی خود راقم سطور نے دیکھا ہے۔

عقیدۂ تحریفِ قرآن

شیعہ اثنا عشریہ کی بنیادی اور مسلمہ کتابوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی ایسے یقین کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آئی، جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن محرّف ہے، اس میں اسی طرح تحریف ہوئی ہے، جیسی اگلی آسمانی کتابوں، تورات، انجیل وغیرہ میں ہوئی تھی۔ وہ بعینہ وہ ''کتاب اللہ'' نہیں ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی تھی۔ اثنا عشریہ کی حدیث کی ان کتابوں میں جن میں ان کے ائمہ معصومین کی روایات جمع کی گئی ہیں (جن پر مذہب شیعہ کا دارومدار ہے) خود اُن کے اکابر محدثین ومجتہدین کے بیان کے مطابق دو ہزار سے زیادہ ائمہ معصومین کی وہ روایات ہیں جن سے قرآن کا محرف ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اُن کے اُن علماء ومجتہدین نے جو اثنا عشری مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں، اپنی کتابوں میں اعتراف کیا ہے کہ یہ روایات متواتر ہیں، اور تحریف قرآن پر ان کی دلالت صاف اور صریح ہے، جس میں کوئی ابہام واشتباہ نہیں ہے اور یہ کہ یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ اسی مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری کے آخر بلکہ چوتھی صدی کے قریباً نصف تک پوری شیعی دنیا کا یہی عقیدہ رہا۔ اس صدی کے قریباً وسط میں سب سے پہلے صدوق ابن بابویہ قمی (متوفی ۳۸۱ھ) نے اور اس کے بعد پانچویں صدی میں شریف مرتضیٰ (متوفی ۴۳۶ھ) اور شیخ ابوجعفر طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نے اور چھٹی صدی ہجری میں ابوجعفر طبرسی مصنف تفسیر ''مجمع البیان'' (متوفی ۵۴۸ھ) نے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ وہ قرآن کو عام مسلمانوں کی طرح محفوظ اور غیر محرّف مانتے ہیں۔ لیکن شیعی دنیا نے ان کی اس بات کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ ائمہ معصومین کی متواتر اور صریح روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے رد کردیا۔ مختلف زمانوں میں شیعوں کے اکابر واعاظم علماء ومجتہدین نے قرآن کے محرّف ہونے کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے اہم کتاب جو مطالعہ میں آئی۔ وہ شیعوں کے ایک بڑے مجتہد اور خاتم المحدثین علامہ حسین محمد تقی نوری طبرسی کی کتاب ہے۔ جس کا نام ہے ''فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب'' یہ عربی زبان میں باریک قلم سے لکھی ہوئی قریباً چار سو صفحات کی کتاب ہے۔ اس کے مصنف نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ قرآن میں ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے۔ دلائل کے انبار لگادیئے ہیں، اس کے علاوہ اُن کتابوں کی طویل فہرست دی ہے جو مختلف زمانوں میں شیعہ اثنا عشریہ کے اکابر علماء ومجتہدین نے موجودہ قرآن کو محرّف ثابت کرنے کے لئے لکھی ہیں۔ اس کے مطالعہ کے بعد اس میں شک شبہ نہیں رہتا۔ کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ قرآن پاک کے بارے میں یہی ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے۔ اور ہر طرح کی تحریف ہوئی۔ اور اثنا عشری فرقہ کے جن لوگوں نے خاص کر جن علماء مصنفین نے تحریف کے عقیدہ سے انکار کیا ہے۔ اس کی سمجھ میں آنے والی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے یہ انکار کچھ مصلحتوں کے

تقاضے سے کیا ہے۔ یعنی تقیہ کیا ہے (یہ بات خود شیعوں کے اکابر علماء و مجتہدین نے لکھی ہے۔ جیسا کہ آگے معلوم ہو جائے گا)۔

یہ کتاب مصنف نے تیرہویں صدی کے آخر میں اس وقت لکھی تھی جب شیعہ اثناعشریہ کے بہت سے علماء نے ازراہ مصلحت بنی قرآن پاک میں تحریف کے اپنے عقیدہ سے انکار کی پالیسی اختیار کر لی تھی۔ علامہ حسین محمد تقی نوری طبرسی نے اس کو ائمہ معصومین اور اثناعشری مذہب سے انحراف سمجھا، اور اس کی تردید ضروری سمجھی۔ اور یہ کتاب لکھی یہ کتاب مصنف کی زندگی ہی میں ایران میں طبع ہوئی تھی، اسی کا عکس لے کر حال ہی میں پاکستان میں اس کو طبع کر دیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب نے کسی شیعہ کے لئے تحریف کے عقیدہ سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ اس کے چند اقتباسات بھی ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں پیش کئے جائیں گے۔ پہلے اثناعشریہ کی حدیث کی معتبر ترین کتابوں سے اُن کے ائمہ معصومین کے چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں، جن میں صراحت کے ساتھ قرآن پاک میں تحریف اور تغییر و تبدیل کا ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن میں تحریف کے بارے میں ''آئمہ معصومین'' کے ارشادات

(۱) سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں آیت نمبر ۲۳ ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ اس آیت کے بارے میں شیعوں کی اصح الکتب ''اصول کافی'' میں ان کے پانچویں ''امام معصوم'' امام باقر کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے۔

نزل جبرئيل بهذه الاية علىٰ محمد صلى الله عليه و اٰله هكذا و ان كنتم في ريب مما نزلنا علىٰ عبدنا في عليٍّ فاتوا بسورة من مثله (اصول کافی ص ۲۶۴)

جبریل امین یہ آیت اس طرح لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہوئے تھے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فِيْ عَلِيٍّ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے موجودہ قرآن کو مرتب کیا یا کرایا۔ (یعنی حضرات خلفائے ثلاثہؓ) انہوں نے اس آیت میں سے "في علي" کے الفاظ نکال دیئے۔

(۲) سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۱۵ اس طرح ہے۔ ''وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ ......'' اصول کافی میں روایت ہے کہ اثناعشریہ کے چھٹے ''امام معصوم جعفر صادق نے'' قسم کھا کے فرمایا کہ خدا کی قسم یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔

''ولقد عهدنا الى ادم من قبل كلمات في محمد وعلي و فاطمة والحسن والحسين والائمة من ذريتهم فنسي..... هكذا والله انزلت علىٰ محمد

صلی اللہ علیہ والہٖ (اصول کافی ۔ص ۲۶۳)

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے پورا خط کشیدہ حصہ نکال دیا گیا ہے۔

(۳) سورۂ احزاب کے آخری رکوع میں آیت ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا. اصول کافی ہی میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔

ومن يطع الله ورسوله في ولاية علي والائمة من بعده فقد فاز فوزاً عظيما مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے في علي والائمة من بعده کے الفاظ نکال دیئے گئے۔ (اصول کافی ص ۲۶۲)

(۴) موجودہ قرآن پاک میں سورۃ نساء کی آیت نمبر ۱۷۰ اس طرح ہے۔ ''يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. اصول کافی میں ہے کہ اس آیت کے بارے میں امام باقر نے ارشاد فرمایا۔

نزل جبرئيل بهذه الاية هكذا .... يا ايها الناس قد جاء كم الرسول بالحق من ربكم في ولاية علي فامنوا خيرا لكم وان تكفروا بولاية علي فان لله ما في السموات وما في الارض. (اصول کافی ۔ص ۲۶۷)

امام باقر کے اس ارشاد کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں ''في ولاية عليٍّ'' اور ''بولاية عليٍّ'' کے الفاظ تھے۔ اور اس طرح اس میں امیر المومنین علی کی ولایت و امامت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور اس کے انکار کو کفر قرار دیا گیا تھا۔ لیکن موجودہ قرآن کو مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کرنے والوں (خلفاءِ ثلٰثہ) نے آیت میں سے یہ الفاظ نکال دیئے۔

اثنا عشریہ کی اسی اصح الکتب ''اصول کافی'' سے اس طرح کی روایتیں بڑی تعداد میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ جن میں ان کے ائمہ معصومین نے قرآنی آیات میں اس طرح کی تحریف اور قطع و برید کا قسمیں کھا کھا کے دعویٰ فرمایا ہے۔ یہاں اس سلسلہ کی صرف ایک ہی روایت اور ملاحظہ فرمائی جائے۔

عن هشام بن سالم عن ابي عبدالله عليه السلام قال ان القرآن الذي جاء به جبريل عليه السلام الىٰ محمد صلي الله عليه واله سبعة عشر الف اية (اصول کافی ۔ص ۶۷۱)

ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ قرآن جو جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر نازل ہوئے تھے۔ اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

موجودہ قرآن پاک میں خود شیعہ مصنفین کے لکھنے کے مطابق کل آیات چھ ہزار سے کچھ ہی اوپر ہیں۔ (ساڑھے چھ ہزار بھی نہیں ہیں) لیکن امام جعفر صادق کا ارشاد ہے کہ اصلی قرآن جو جبرئیل علیہ السلام لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔ مطلب یہ ہوا کہ موجودہ قرآن کو مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کرنے والوں نے دو تہائی کے قریب قرآن غائب کر دیا۔ اصول کافی

کے شارح علامہ قزوینی نے اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

مراد اینست کہ بسیارے ازاں قرآن ساقط شدہ۔ ودر مصاحف مشہورہ نیست۔ (صافی شرح اصول کافی جز ششم ص ۷۵ طبع لکھنو)

امام جعفر صادق کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اصل قرآن میں سے بہت سا حصہ ساقط اور غائب کر دیا گیا۔ اور وہ موجودہ قرآن کے مشہور نسخوں میں نہیں ہے۔

اصول کافی کی یہ صرف پانچ روایتیں نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ اسی کتاب سے اس طرح کی روایتیں بڑی تعداد میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اب آپ حضرات کی خدمت میں اثنا عشریہ کی بعض دوسری معتبر کتابوں سے بھی اُن کے ائمہ معصومین کے چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں۔ جن میں قرآن میں تحریف اور قطع برید کی بات صفائی اور صراحت سے فرمائی گئی ہے۔

''تفسیر عیاشی'' شیعوں کی قدیم، مستند ترین تفسیر ہے۔ اس کے حوالہ سے ''تفسیر صافی'' میں امام باقر کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

لو لانه زيد في القران ونقص ما خفي حقنا على ذي حجى. (تفسیر صافی جلد اول ص ۱۱ طبع طہران)

اگر قرآن میں زیادتی اور کمی نہ کی گئی ہوتی تو کسی عقل رکھنے والے پر ہم ائمہ کا حق پوشیدہ نہ رہتا۔

اور اسی صفحہ پر ''تفسیر عیاشی'' کے حوالہ سے امام جعفر صادق کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

لو قرء القران كما انزل لا لفيتنا فيه مسمّين (تفسیر صافی جلد اول ص ۱۱)

اگر قرآن اسی طرح پڑھا جاتا۔ جیسا کہ وہ نازل ہوا تھا۔ تو تم اس میں ہم ائمہ کا تذکرہ نام بنام پاتے۔

پانچویں صدی ہجری کے ایک جلیل القدر شیعہ محدث وفقیہ احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی کی کتاب ''الاحتجاج'' بھی مذہب شیعہ کی خاص معتمد اور معتبر کتابوں میں سے ہے۔ اس میں روایت ہے کہ ایک زندیق نے قرآن پاک پر اپنے چند اعتراضات امیر المومنین علی علیہ السلام کے سامنے پیش کئے، آپ نے اُن سب کے جوابات دیئے۔ اُن میں اس زندیق کا ایک اعتراض یہ تھا کہ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۤءِ ... الأية نحوی قاعدہ سے جملہ شرطیہ ہے۔ لیکن شرط و جزاء میں جو جوڑ اور ربط ہونا چاہیئے وہ اس آیت میں بالکل نہیں ہے۔ امیر علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا۔

هو مما قدمت ذكره من اسقاط المنافقين من القران. وبين القول في اليتامى وبين نكاح النساء من الخطاب و القصص اكثر من ثلث القران.

یہ اسی قبیل سے ہے جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ کہ منافقین نے قرآن میں سے بہت کچھ ساقط کر دیا ہے۔ اور اس آیت میں (یہ تصرف ہوا ہے کہ) ''ان خفتم الا تقسطوا في اليتامى'' اور ''فانكحوا ما طاب لكم من النساء'' کے درمیان تہائی سے زیادہ قرآن تھا۔ جس میں خطاب تھا اور قصص

(احتجاج طبرسی جلد اول ص ۳۷۷ طبع نجف اشرف) تھے (منافقین نے وہ سب ساقط اور غائب کردیا)۔

''احتجاج طبرسی'' کی اسی روایت میں ہے کہ اس زندیق کے بعض دوسرے اعتراضات کے جواب میں بھی امیر علیہ السلام نے یہی تحریف والی بات فرمائی۔ لیکن ان سب کا نقل کرنا غیر ضروری ہے۔

تحریف سے متعلق ''ائمہ معصومین'' کی روایات کے اس سلسلہ کو اسی پر ختم کیا جاتا ہے۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اثناعشریہ کے اکابر محدثین و مجتہدین کے بیان کے مطابق ان کی حدیث کی کتابوں میں دو ہزار سے زیادہ ائمہ معصومین کی روایات ہیں جو بتلاتی ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے اور ہر طرح کی ہوئی ہے۔

اب اس مسئلہ سے متعلق چند اُن اکابر علمائے شیعہ کے بیانات پیش کئے جاتے ہیں۔ جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ شیعوں کے عظیم المرتبت محدث وفقیہ سید نعمت اللہ الموسوی الجزائری نے اپنی کتاب ''الانوار النعمانیہ'' میں اس مسئلہ پر کسی قدر تفصیل سے کلام کیا ہے اور صفائی اور صراحت کے ساتھ اور مدلل طور پر بتلایا ہے کہ موجودہ قرآن کے بارہ میں اثناعشریہ کا کیا عقیدہ ہے۔

قرآن مجید کی قراءت سبعہ (وہ سات قرأتیں) جو شیعوں کے علاوہ ساری امت مسلمہ کے نزدیک متواتر ہیں۔ اور ان کا یہ تواتر ہی مسلمانوں کے اس ایمان و یقین کی بنیاد ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اور آپ سے امت کو ملا۔ ان قراءت سبعہ کے تواتر کا انکار کرتے ہوئے شیعوں کے یہ جلیل القدر محدث وفقیہ نعمت اللہ الجزائری تحریر فرماتے ہیں۔

ان تسليم تواترها عن الوحي الالهي و كون الكل قد نزل به الروح الامين يفضي الى طرح الاخبار المستفيضة بل المتواترة الدالة بصريحها على وقوع التحريف في القران كلاماً ومادة واعراباً مع ان اصحابنا رضوان الله عليهم قد اطبقوا علىٰ صحتها و التصديق بها. نعم قد خالف فيها المرتضى والصدوق والشيخ الطبرسي وحكموا بان ما بين دفتي هذا المصحف هو القران المنزل لا غير ولم يقع فيه تحريف و

(مطلب یہ ہے کہ) ان قراءت سبعہ کو متواتر تسلیم کرنے اور ان کو بعینہ وحی الٰہی اور جبریل امین کے ذریعہ نازل شدہ مان لینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ائمہ معصومین کی ان تمام مشہور بلکہ متواتر حدیثوں کو جو صفائی اور صراحت کے ساتھ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں اس کی عبارتوں اور اس کے کلمات اور اعراب میں بھی تحریف ہوئی ہے (اُن سب حدیثوں کو) نامعتبر قرار دے کر رد کردینا پڑے گا حالانکہ صورتحال یہ ہے کہ ہمارے اکابر و مشائخ متقدمین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں اور تحریف کے بارہ میں جو کچھ ان میں بتلایا گیا ہے وہ برحق اور واقعہ کے مطابق ہے اور ہم اس کو مانتے ہیں۔ ہاں ہمارے مشائخ متقدمین میں سے شریف مرتضیٰ اور صدوق اور شیخ طبرسی نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہی موجودہ

لا تبدیل

قرآن بعینہٖ وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا اور اس میں کسی طرح کی تحریف اور تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

آگے سید نعمت اللہ الجزائری صفائی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ

والظاهر ان هذا القول صدر منهم لاجل مصالح كثيرة...... كيف وهؤلاء الاعلام رووا في مؤلّفاتهم اخبارًا كثيرةً تشتمل على وقوع تلك الامور في القرآن وان الاية هكذا انزلت ثم غيُرت الى هذا.

اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ہمارے ان حضرات (شریف مرتضیٰ، صدوق، شیخ طبرسی) نے یہ بات بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے (اپنے عقیدہ اور ضمیر کے خلاف کہی ہے) یہ ان کا عقیدہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ خود انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑی تعداد میں وہ حدیثیں روایت کی ہیں جو بتلاتی ہیں کہ قرآن میں مذکورہ بالا ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے۔ اور یہ کہ فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔ پھر اس میں یہ تبدیلی کردی گئی۔

سید نعمت اللہ الجزائری اسی سلسلہ کلام میں (اپنے اس دعوے کے ثبوت میں قرآن میں کہ تحریف ہوئی ہے اور موجودہ قرآن بعینہٖ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی) آگے لکھتے ہیں۔

انه قد استفا من في الاخبار ان القران كما انزل لم يولفه الا امير المومنين عليه السلام بوصية من النبي صلى الله عليه واله فبقى بعد موته ستة اشهر مشتغلا يجمعه فلما جمعه كما انزل اتى به الى المتخلفين بعد رسول الله صلى الله عليه واله فقال هذا كتاب الله كما انزل فقال له عمر بن الخطاب لا حاجة بنا اليک ولا الى قرانک فقال لهم على عليه السلام لن تروه بعد هذا اليوم ولا يراه احد حتى ظهر ولدى المهدى عليه السلام وفى ذالک القران زيادات كثير وهو خال من التحريف

بہت سی حدیثوں میں جو درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں یہ وارد ہوا ہے کہ قرآن جس طرح نازل ہوا تھا۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ کی وصیت کے مطابق صرف امیر المومنین علیہ السلام نے آپ کی وفات کے بعد پورے چھ مہینے اسی میں مشغول رہ کر جمع کیا تھا۔ جب آپ نے اس کو جمع کرلیا۔ تو اس کو لے کر ان لوگوں کے پاس آئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ کے بعد امیر المومنین کی امامت وخلافت سے منکر ہو کر خلیفہ بن گئے تھے، آپ نے اُن سے فرمایا کہ یہ بعینہٖ وہ کتاب اللہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ پر نازل ہوئی تھی۔ تو عمر بن الخطاب نے کہا کہ ہم کو تمہاری اور تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ آج کے دن کے بعد تم اس کو کبھی نہ دیکھ سکو گے اور کوئی بھی نہ دیکھ سکے گا اس وقت تک کہ جب میرے بیٹے مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ وہ اس قرآن کو ظاہر کرے گا۔ اس میں بہت سی زیادتیاں ہیں" اور وہ تحریف سے بالکل خالی ہے۔

سید نعمت اللہ الجزائری نے آگے کلینی کی اصول کافی سے وہ روایت بھی نقل کی ہے جس میں امام جعفر صادق کی روایت سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ

فاذا قام قرأ کتاب اللّٰہ علی حدّہ واخرج المصحف الذی کتبہ علی علیہ السلام.

جب مہدی ظاہر ہوں گے تو وہ کتاب اللہ قرآن کو اس کی صحیح صورت میں پڑھیں گے اور قرآن کا وہ نسخہ دنیا کے سامنے پیش کریں گے جو علی علیہ السلام نے لکھا تھا۔

جزائری نے پوری روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

والاخبار الواردۃ بھذا المضمون کثیرۃ جدا.

اور اس مضمون کی جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اسی سلسلہ کلام میں سید نعمت اللہ الجزائری نے ''امیر المومنین علی علیہ السلام'' کے جمع کئے ہوئے اور لکھے ہوئے قرآن کے بارے میں اپنے ائمہ معصومین کی روایات کی روشنی میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ جب ہمارے مولا صاحب الزمان (مہدی) ظاہر ہوں گے۔

فیرتفع ھذا القراٰن من ایدی الناس الی السماء ویخرج القراٰن الذی الفہ امیر المومنین علی علیہ السلام. (الانوار النعمانیہ جلد دوم ص ۳۵۷ تا ۳۶۴ طبع ایران)

تو موجودہ قرآن آسمان کی طرف اُٹھالیا جائے گا کسی کے بھی ہاتھ میں (اس کا نسخہ) نہیں رہے گا۔ اور صاحب الزمان (مہدی) اس قرآن کو نکال کر پیش فرمائیں گے جس کو امیر المومنین علی علیہ السلام نے جمع اور مرتب فرمایا تھا۔

سید نعمت اللہ الموسوی الجزائری شیعہ اثنا عشریہ کے عظیم المرتبت محدث وفقیہ ہیں[1] انہوں نے اپنے اس بیان میں پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ مندرجہ ذیل باتوں کا اعتراف بلکہ دعویٰ کیا ہے۔

(۱) یہ کہ قرأت سبعہ (وہ ساتوں قرأتیں) جن کے تواتر کی بنیاد پر موجودہ قرآن کو متواتر اور یقینی طور پر کتاب اللہ مانا جاتا ہے متواتر نہیں ہیں۔ لہٰذا موجودہ قرآن بھی متواتر نہیں ہے اور وحی الٰہی اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تواتر ثابت نہیں ہے۔

(۲) ہمارے ائمہ معصومین کی وہ روایتیں جو بتلاتی ہیں کہ موجودہ قرآن میں ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے متواتر ہیں اور تحریف پر ان کی دلالت صاف اور صریح ہے جس میں کوئی ابہام واشتباہ نہیں ہے۔

(۳) ہمارے اصحاب (یعنی اثنا عشری فرقہ کے اکابر ومشائخ متقدمین) کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ تحریف کی یہ روایتیں صحیح ہیں۔ اور وہ ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ یعنی انہی روایات کے مطابق اُن کا عقیدہ ہے۔

(۴) ہمارے علماء متقدمین میں سے شریف مرتضیٰ، صدوق، اور شیخ طبرسی نے اس سے اختلاف ظاہر کیا ہے اور موجودہ قرآن کو ہی اصل قرآن کہا ہے اور اس میں تحریف اور کسی تبدیلی کے واقع ہونے سے انکار کیا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ انہوں نے بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے (یعنی تقیہ کیا ہے)۔

---

[1] الانوار النعمانیہ کے شروع میں ''ترجمۃ المؤلف'' کے زیر عنوان ۱۰ صفحات میں سید نعمت اللہ الجزائری (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ کے شیعہ علماء ومجتہدین نے بھی بالعموم تحریف کے عقیدہ سے انکار کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ لیکن حقیقت وہی ہے جو اُن کے عظیم المرتبت محدّث ومجتہد نے صفائی کے ساتھ ظاہر کی ہے۔

(۵) اصلی قرآن وہ تھا اور وہی ہے جو امیر المومنین علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمع اور مرتب کیا تھا۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر غاصبانہ طور پر قبضہ کرنے والوں نے اس کو قبول نہیں کیا تو حضرت امیر علیہ السلام نے اس قرآن کو کسی کو بھی نہ دکھانے کا فیصلہ کرلیا۔ (وہ رازدارانہ طور پر ایک امام سے دوسرے امام کو منتقل ہوتا رہا۔ اور اب وہ بارہویں امام غائب (مہدی) کے پاس ہے۔ (جو غار میں روپوش ہیں) اس میں موجودہ قرآن کے مقابلہ میں زیادات ہیں (یعنی ایسے بہت سے مضامین ہیں جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں) جب وہ (مہدی) ظاہر ہوں گے۔ تو وہ اسی اصلی اور مکمل قرآن کو دُنیا کے سامنے پیش کریں گے۔ اور اس وقت موجودہ قرآن کے سارے نسخے آسمان کی طرف اُٹھا لئے جائیں گے کسی کے ہاتھ میں اُس کا کوئی نسخہ نہیں رہے گا۔ موجودہ قرآن مجید کے بارہ میں یہ ہے شیعہ اثنا عشریہ کا اصل عقیدہ جو ان کے اس جلیل القدر محدّث وفقیہ نے صفائی کے ساتھ اور اپنے نزدیک مدلل طور پر بیان کیا ہے۔

اس کے بعد شیعوں کے ایک دوسرے عظیم المرتبت محدث اور مجتہد علامہ حسین محمد تقی نوری طبرسی کی کتاب ''فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب'' سے چند عبارتیں آپ حضرات کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ اس کتاب کا موضوع ہی جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے۔ موجودہ قرآن کو محرف ثابت کرنا ہے۔ یہ چار سو صفحے کی ضخیم کتاب ہے اس کے مصنف نے اپنے دعوے کے ثبوت میں شیعی نقطۂ نظر سے دلائل کے گویا انبار لگادیئے ہیں۔ اگر اس میں سے وہ عبارتیں نقل کی جائیں۔ جو یہاں نقل کرنے کے لائق ہیں تو کم از کم پچاس صفحات پر آئیں گی۔ لیکن یہاں صرف چند ہی عبارتیں نقل کی جائیں گی۔

قرآن میں تورات وانجیل ہی کی طرح تحریف ہوئی ہے

مصنف نے نمبر وار وہ دلائل پیش کئے ہیں جن سے ان کے نزدیک قرآن میں تحریف کا ہونا ثابت

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا تذکرہ ہے۔ اس میں موصوف کے بارے میں ان اکابر واعاظم علمائے شیعہ کے بیانات نقل کئے گئے ہیں جو بلاشبہ شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان سب کے بیانات اس پر متفق ہیں کہ سید نعمت اللہ الجزائری اثنا عشریہ کے نہایت بلند پایہ عالم ومصنف جلیل القدر اور عظیم المرتبت محدث وفقیہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو) ''الانوار النعمانیہ'' ص ی زیر عنوان جمل الثنا علیہ۔

ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں نمبر ۴ پر انہوں نے ان روایات کا حوالہ دیا ہے۔ جو یہ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں اسی طرح تحریف ہوئی ہے۔ جس طرح تورات وانجیل میں ہوئی تھی۔ اس سلسلہ کلام کو شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الامر الرابع ذکر اخبار خاصة فیها دلالة او اشارة علیٰ کون القرآن کالتوراة والانجیل فی وقوع التحریف والتغییر فیه و رکوب المنافقین الذین استولوا علی الامة فیه طریقة بنی اسرائیل فیهما. وهی حجة مستقلة لا ثبات المطلوب (فصل الخطاب۔ ص ۰۷)

اور چوتھی بات ہے اثنا عشریہ کی اُن روایات کا ذکر جو صراحتہً یا اشارۃً یہ بتلاتی ہیں کہ تحریف اور تغیر وتبدل کے واقع ہونے میں قرآن تورات اور انجیل ہی کی طرح ہے۔ اور جو یہ بتلاتی ہیں کہ جو منافقین امت پر غالب آگئے اور حاکم بن گئے تھے (ابوبکر وعمر وغیرہ) وہ قرآن میں تحریف کرنے کے بارے میں اسی راستہ پر چلے جس راستہ پر چل کر بنی اسرائیل نے توراۃ و انجیل میں تحریف کی تھی۔ اور یہ ہمارے دعوے (یعنی تحریف) کے ثبوت کی مستقل دلیل ہے۔

آگے مصنف نے اکابر علماء شیعہ کی کتابوں کے حوالہ سے کئی صفحوں میں وہ روایات نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن میں اسی طرح کی تحریف کی گئی۔ جیسی تحریف حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات وانجیل میں کی گئی تھی۔

متقدمین علماء شیعہ سب ہی تحریف کے قائل اور مدعی ہیں صرف چار وہ ہیں جنہوں نے تحریف سے انکار کیا ہے

علامہ نوری طبرسی نے اسی فصل الخطاب میں زیر عنوان ''المقدمۃ الثالثۃ'' (تیسرا مقدمہ) لکھا ہے کہ ہمارے علماء میں اس مسئلہ میں کہ قرآن میں تحریف اور تغیر وتبدل ہوا ہے یا نہیں۔ دو قول مشہور ہیں۔ پھر اس کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الاول وقوع التغییر والنقصان فیه وهو مذهب الشیخ الجلیل علی بن ابراهیم القمی شیخ الکلینی فی تفسیره صرّح ذالک فی اوله وملأ کتابه من اخباره مع التزامه فی اوله بان لا یذکر فیه الاما رواه مشائخه وثقاته ومذهب تلمیذه ثقة الاسلام الکلینی رحمه اللّٰه

پہلا قول یہ ہے کہ قرآن میں تغیر وتبدل ہوا ہے اور کمی ہوئی ہے (یعنی کچھ حصہ اس میں سے ساقط اور غائب کیا گیا ہے) اور یہ مذہب ہے ابوجعفر یعقوب کلینی کے شیخ علی بن ابراہیم قمی کا۔ انہوں نے اپنی تفسیر کے شروع ہی میں اس کو صراحت اور صفائی سے لکھا ہے اور اپنی کتاب کو تحریف (ثابت کرنے والی) روایات سے بھر دیا ہے۔ اور انہوں نے اس کا التزام کیا ہے کہ وہ اپنی اس کتاب میں وہی روایات ذکر کریں گے۔

على ما نسبه اليه جماعة لنقله الاخبار الكثيرة الصريحة في هذا المعنى في كتابه الحجة خصوصا في باب النكت و النتف من التنزيل والروضة من غير تعرض لردها او تاويلها (فصل الخطاب۔ص ۲۵)

جن کو وہ اپنے مشائخ اور ثقہ حضرات سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہی مذہب ہے ان کے شاگرد وثقۃ الاسلام کلینی رحمہ اللہ کا جیسا کہ علماء کی ایک جماعت نے ان کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب ''الجامع الکافی'' ''کتاب الحجہ میں اور بالخصوص اس کے ''باب النکت و النتف من التنزیل'' اور ''کتاب الروضہ'' میں بہت بڑی تعداد میں وہ روایات (ائمہ معصومین سے) نقل کی ہیں۔ جو صراحۃً تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر نہ تو انہوں نے ان روایات کو رد کیا ہے اور نہ ان کی کوئی تاویل کی ہے۔

اس عبارت میں علامہ نوری طبرسی نے تحریف کے قائل علمائے متقدمین میں سے سب سے پہلے صرف ان دو کا ذکر کیا ہے (ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی اور انکے شیخ علی بن ابراہیم قمی) واضح رہے کہ یہ دونوں حضرات وہ ہیں جنہوں نے (شیعی نظریہ کے مطابق) غیبت[1] صغریٰ کا پورا زمانہ پایا ہے۔ بلکہ ان کے تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق ان دونوں نے گیارہویں امام حسن امام حسن عسکری کا بھی کچھ زمانہ پایا ہے[2]۔

اس کے بعد علامہ طبرسی نے پورے پانچ صفحے میں دوسرے ان متقدمین اکابر علماءِ شیعہ کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے اپنی تصانیف میں تحریف اور تغیر و تبدل کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کی تعداد میں چالیس سے کم نہ ہوگی۔ زیادہ ہی ہوگی۔ اس سب کے بعد مصنف نوری طبرسی نے لکھا ہے۔

ومن جميع ما ذكرنا ونقلنا بتتبعي القاصر يمكن دعوى الشهرة العظيمة بين المتقدمين وانحصار المخالفين فيهم باشخاص معينين ياتي ذكرهم قال السيد المحدث الجزائري في الانوار ما معناه ان الاصحاب قد اطبقوا على صحة الاخبار المستفيضة

اور ہم نے اپنی محدود تلاش اور محدود مطالعہ سے تحریف کے بارے میں شیعہ اکابر علمائے متقدمین کے جو اقوال نقل کئے ان کی بنیاد پر دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے علمائے متقدمین کا یہی مذہب عام طور سے مشہور تھا (کہ قرآن میں تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے) اور اس کے خلاف رائے رکھنے والے بس چند متعین اور معلوم افراد تھے جن کا ناموں کے ساتھ ابھی ذکر آ جائے گا۔ (آگے مصنف

---

[1] یعنی وہ زمانہ جبکہ شیعی عقیدہ کے مطابق امام غائب کے پاس ان کے سفیروں اور ایجنٹوں کی خفیہ آمد و رفت ہوتی تھی۔ (تفصیل اس عاجز کی کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' ص ۷۶ پر دیکھی جا سکتی ہے)۔

[2] اصول کافی کے آخر میں اس کے مؤلف محمد بن یعقوب رازی کلینی کا تذکرہ ہے اس میں لکھا ہے کہ ''فالظاهر انه رضي الله عنه ادرك تمام الصغرىٰ بل بعض ايام العسكري عليه السلام ايضاً'' (اصول کافی طبع لکھنؤ ص ۶۶۵)

بل المتواترة الدالة بصريحها علی وقوع التحریف فی القرآن کلاماً ومادۃً و اعراباً والتصدیق بها. نعم خالف فیها المرتضیٰ والصدوق والشیخ الطبرسی.
(فصل الخطاب۔ ص۳۰)

نوری طبرسی نے سید نعمت اللہ الجزائری کی کتاب الانوار النعمانیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا) ہمارے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ مشہور بلکہ متواتر روایات جو صراحۃ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی اس کی عبارت میں بھی اس کے الفاظ اور اعراب میں بھی وہ روایات صحیح ہیں، اور ان روایات کی تصدیق (یعنی ان کے مطابق عقیدہ رکھنے) میں بھی ہمارے اصحاب کے درمیان اتفاق ہے۔ ہاں اس میں صرف شریف مرتضیٰ اور صدوق اور شیخ طبرسی نے اختلاف کیا ہے۔

آگے اختلاف کرنے والوں میں مصنف نے ان تین حضرات کے علاوہ چوتھا نام ابوجعفر طوسی کا بھی ذکر کیا ہے اور تحریف سے انکار کے سلسلہ میں ان سب کی عبارتیں نقل کر کے مصنف نے سب کا جواب دیا ہے۔

ملحوظ رہے کہ یہ چاروں حضرات، ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی سے کافی متاخر ہیں۔ پھر ان میں سب سے متاخر ابوعلی طبرسی ہیں۔ (ان کا سنہ وفات ۵۴۷ ہے) انہوں نے تحریف سے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا تھا اس کا جواب دینے کے بعد مصنف علامہ نوری طبرسی نے لکھا ہے۔

وان طبقته لم یعرف الخلاف صریحا الا من هذه المشائخ الاربعة. (فصل الخطاب ص۳۴)

اور ابوعلی طبرسی کے طبقہ تک (یعنی چھٹی صدی ہجری کے وسط تک) ان چار مشائخ کے سوا کسی کے متعلق بھی معلوم نہیں ہوا کہ انہوں نے اس مسئلہ میں صراحۃً اختلاف کیا ہو (یعنی قرآن میں تحریف ہونے سے صراحت کے ساتھ انکار کیا ہو)۔

راقم سطور نے عرض کیا تھا کہ مصنف نے اپنے عقیدہ اور نقطہ نظر کے مطابق قرآن میں تحریف واقع ہونے پر دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔

تحریف کی روایتیں دو ہزار سے زیادہ:

الدلیل الثانی عشر الاخبار الواردة فی الموارد المخصوصة من القرآن الدالة علی تغییر بعض الکلمات والآیات والسور باحدی الصور المتقدمة وهی کثیرة جدًا حتی قال السید نعمت الله الجزائری

بارہویں دلیل ائمہ معصومین کی وہ روایات ہیں جو قرآن کے خاص خاص مقامات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جو بتلاتی ہیں کہ قرآن کے بعض کلمات اور اس کی آیتوں اور سورتوں میں اُن صورتوں میں سے کسی ایک صورت کی تبدیلی کی گئی ہے۔ جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور وہ روایات بہت زیادہ

فی بعض مؤلفاته کما حکی عنه ان الاخبار الدالة علی ذالك تزید علی الفی حدیث و ادعی استفاضتها جماعة کالمفید و المحقق الداماد والعلامة المجلسی وغیرهم بل الشیخ ایضا صرح فی التبیان بکثرتها بل ادعی تواترها جماعة یاتی ذکرهم
(فصل الخطاب صـ ۲۲۷)

ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے (جلیل القدر محدث) سید نعمت اللہ الجزائری نے اپنی بعض تصانیف میں فرمایا ہے جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ قرآن میں اس تحریف اور تغیر و تبدل کو بتلانے والی ائمہ اہل بیت کی حدیثوں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔ اور ہمارے اکابر علماء کی ایک جماعت نے مثلاً شیخ مفید اور محقق داماد اور علامہ مجلسی نے ان حدیثوں کے مستفیض اور مشہور ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور شیخ طوسی نے بھی تبیان میں بصراحت لکھا ہے کہ ان روایتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے — بلکہ ہمارے علماء کی ایک جماعت نے جن کا آگے ذکر آئے گا۔ ان روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

روایات تحریف کے تواتر کا دعویٰ کرنیوالے اکابر علماء شیعہ

پھر کتاب کے آخر میں ان اکابر و اعاظم علمائے شیعہ کا مصنف نے ذکر کیا ہے جنھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں تحریف اور تغیر و تبدل کی روایتیں متواتر ہیں۔ اور بلاشبہ ان کا یہ دعویٰ شیعہ حضرات کی کتب حدیث کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ مصنف رقمطراز ہیں۔

وقد ادعی تواتره ای تواتر وقوع التحریف والتغییر والنقص جماعة منهم المولی محمد صالح فی شرح الکافی حیث قال فی شرح ما ورد ان القرآن الذی جاء به جبرئیل الی النبی صلعم سبعة عشر الف آیة — وفی روایة سلیم ثمانیة عشر الف آیة، ما لفظه. ”و اسقاط بعض القرآن وتحریفه ثبت من طرقنا بالتواتر معنی کما یظهر لمن تامل فی کتب الاحادیث من اولها الی آخرها۔

ومنهم الفاضل قاضی القضاة علی بن عبد العالی علی ما حکی

اور قرآن میں تحریف اور تغیر و تبدل اور اس کو ناقص کئے جانے کی روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ہمارے اکابر علماء کی ایک جماعت نے ان میں سے ایک مولانا محمد صالح ہیں۔ انھوں نے کافی کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو قرآن رسول اللہ پر جبرئیل لیکر نازل ہوئے تھے اس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں (اور اسی حدیث کی سلیم کی روایت میں بجائے سترہ ہزار کے اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) آیات بتلائی گئی ہیں) اس حدیث کی شرح میں مولانا محمد صالح نے فرمایا ہے۔

”اور قرآن میں تحریف اور اس کے بعض حصوں کا ساقط کیا جانا، ہمارے طریقوں سے تواتر معنوی ثابت ہے جیسا کہ ہر اس شخص پر ظاہر ہے جس نے ہماری حدیث کی کتابوں

عنه السيد في شرح الوافية ...

کا اول سے آخر تک غور سے مطالعہ کیا ہے ۔

اور انہی علماء میں سے جنھوں نے قرآن میں تحریف اور کمی بیشی کی حدیثوں کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے ایک قاضی القضاۃ علی بن عبد العالی بھی ہیں جیسا کہ جناب سید نے شرح وافیہ میں ان سے نقل کیا ہے ۔

ومنهم الشيخ المحدث الجليل ابو الحسن الشريف في مقدمات تفسيره

اور انہی میں سے ایک شیخ محدث جلیل ابو الحسن الشریف ہیں انھوں نے بھی اپنی تفسیر کے مقدمات میں ان روایات کے معنوی تواتر کا دعویٰ کیا ہے ۔

ومنهم العلامة المجلسي قال في مرآة العقول في شرح باب انه لم يجمع القرآن كله الا الائمة عليهم السلام بعد نقل كلام المفيد ما لفظه والاخبار من طرق الخاصة والعامة في النقص والتغيير متواترة وبخطه على نسخة صحيحة من الكافي كان يقرءها على والده وعليها خطهما في آخر كتاب فضل القرآن عند قول الصادق ع "القرآن الذي جاء به جبرئيل ع على محمد سبعة عشر الف آية" ما لفظه "لا يخفى ان هذا الخبر وكثير من الاخبار الصحيحة صريحة في نقص القرآن وتغييره وعندي ان الاخبار في هذا الباب متواترة معنى" وطرح جميعها يوجب رفع الاعتماد عن الاخبار رأسا بل ظني ان الاخبار في هذا الباب لا يقصر عن اخبار الامامة فكيف يثبتونها

اور ہمارے انہی علماء کبار میں سے جنھوں نے تحریف کی روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے، ایک علامہ مجلسی بھی ہیں، انھوں نے اپنی کتاب "مرآۃ العقول" میں اصول کافی کے باب "انہ لم یجمع القرآن کلہ الا الائمۃ علیہم السلام" کی شرح میں شیخ مفید کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ قرآن میں کمی اور تبدیلی کیے جانے کے بارے میں احادیث و روایات جو شیعوں اور غیر شیعوں کی سندوں سے روایت کی گئی ہیں، وہ متواتر ہیں۔ اور اصول کافی کے اس نسخہ پر جو انھوں نے اپنے والد کے سامنے پڑھا اور اس پر ان دونوں کے قلم کی تحریر ہے، کتاب فضل القرآن کے خاتمہ پر جہاں امام جعفر صادق کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے کہ "جو قرآن جبرئیل محمد کے پاس لائے تھے اس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں"۔ علامہ مجلسی نے اپنے قلم سے لکھا ہے کہ "ظاہر ہے کہ یہ حدیث اور اس کے علاوہ بہت سی صحیح حدیثیں صراحت کے ساتھ یہ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں کمی اور تبدیلی کی گئی ہے ...." اس کے آگے علامہ مجلسی کہتے ہیں کہ "میرے نزدیک اس باب میں حدیثیں معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں۔ اور ان سب کو نظر انداز کرنے اور ناقابل اعتماد قرار دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ احادیث و روایات پر سے اعتماد بالکل اٹھ

بالخیر (فصل الخطاب ص۳۲۸-۳۲۹) جائے گا (اور احادیث کا سارا ذخیرہ ناقابلِ اعتبار ہو جائے گا) بلکہ میرا گمان ہے کہ اس باب کی (یعنی قرآن میں تحریف اور کمی و تبدیلی کی) حدیثیں مسئلہ امامت کی حدیثوں سے کم نہیں ہیں۔ پھر (جب متواتر حدیثوں کو بھی نظر انداز کیا جا سکے گا۔ تو) مسئلہ امامت کو (جو مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد ہے) احادیث و روایات سے کیوں کر ثابت کیا جا سکے گا۔

علامہ نوری طبرسی کی "فصل الخطاب" سے جو عبارتیں یہاں نقل کی گئیں، ان سے مندرجہ ذیل چند حقیقتیں ایسی صراحت اور صفائی کے ساتھ معلوم ہوئیں جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں۔

۱۔ یہ کہ قرآن میں اسی طرح کی تحریف قطع و برید اور تبدیلی ہوئی ہے، جیسی کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی آسمانی کتابوں تورات و انجیل میں کی تھی۔

۲۔ شیعہ اثنا عشریہ کی حدیث کی کتابوں میں تحریف کی روایتیں دو ہزار (۲۰۰۰) سے زیادہ ہیں۔

۳۔ متقدمین علمائے شیعہ سب ہی تحریف کے قائل ہیں۔ صرف چار ہیں جنہوں نے تحریف سے انکار کیا ہے (جن کے بارے میں سید نعمت اللہ الجزائری نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ انکار بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے کیا ہے ان کا عقیدہ یہ نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے)

۴۔ شیعوں کی اصح الکتب "الجامع الکافی" کے مؤلف ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی (جنہوں نے غیبت صغریٰ کا پورا زمانہ پایا۔ اور کچھ زمانہ گیارھویں امام معصوم حسن عسکری کا بھی پایا)۔ اور ان کے علاوہ عام طور سے شیعوں کے علمائے متقدمین اس کے قائل ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔

۵۔ اثنا عشریہ کے بہت سے ان بلند پایہ علماء و مجتہدین نے جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں تحریف کی حدیثیں متواتر ہیں)۔ اور مذہب شیعہ کے ترجمان اعظم ملا باقر مجلسی کے بیان کے مطابق ان کی تعداد اثنا عشری مذہب کی اساس و بنیاد مسئلہ امامت کی حدیثوں سے کم نہیں ہے ان کو ناقابل اعتبار قرار دیکر نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہمارے حدیث کے سارے ذخیرہ سے اعتماد اُٹھ جائے گا۔ اور امامت کا مسئلہ بھی بے بنیاد ہو جائے گا، کسی طرح اسکو ثابت نہیں کیا جا سکے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ علامہ نوری طبرسی کی اس کتاب "فصل الخطاب" کے مطالعہ کے بعد یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے کہ کسی اثنا عشری شیعہ کے لئے اثنا عشری رہتے ہوئے قرآن میں تحریف کے عقیدہ سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے اس فرقہ کے جو لوگ تحریف کے عقیدہ سے انکار کرتے ہیں، ان کے انکار کی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جا سکتی کہ یا تو وہ تقیہ کرتے ہیں (جو اثنا عشری مذہب میں صرف جائز نہیں، بلکہ واجب و فرض اور گویا جزو ایمان ہے)[1] یا اپنے مذہب کی بنیادی کتابوں سے

لہ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اثنا عشری مذہب میں تقیہ کا کیا مقام ہے اور اس کی کیسی تاکید ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بھی ناواقف اور بے خبر ہیں۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا۔ "فصل الخطاب" کے مصنف یہ علامہ طبرسی شیعوں کے بڑے عالی مقام محدث اور مجتہد تھے شیعی دنیا میں ان کو عظمت اور تقدس کا جو مقام حاصل تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ۱۳۲۰ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو ان کو نجف اشرف میں "مشہد مرتضوی" کی عمارت میں دفن کیا گیا جو شیعہ حضرات کے نزدیک "اقدس البقاع" یعنی روئے زمین کا مقدس ترین مقام ہے جہاں صرف ایسے ہی شیعہ اکابر و مشائخ دفن ہو سکتے ہیں جن کو شیعی دنیا میں عظمت و تقدس اور مقبولیت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل ہو۔ اور ان کو ائمہ معصومین کا خاص درجہ کا وارث و نائب مانا جاتا ہو۔

کسی اثنا عشری کیلئے تحریف سے انکار اور اہل سنت کی طرح قرآن پر ایمان از روئے عقل بھی ممکن نہیں؛

اثنا عشریہ کے عقیدۂ تحریف قرآن کے بارے میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ ان کے ائمہ معصومین کی صریح و متواتر روایات اور ان کے متقدمین و متاخرین اکابر علماء و مجتہدین کے تحریری بیانات کی بنیاد پر عرض کیا گیا۔ اب آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ کسی اثنا عشری کے لئے اثنا عشری عقائد رکھتے ہوئے تحریف سے انکار اور اہل سنت کی طرح قرآن پر ایمان از روئے عقل بھی ممکن نہیں ہے اور اس کے سمجھنے کے لئے کسی خاص درجہ کی ذہانت اور باریک بینی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہر معمولی عقل رکھنے والا بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ غور فرمایا جائے۔

گزشتہ صفحات میں حضرات شیخین (صدیق اکبر و فاروق اعظم) نیز ذی النورین حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے بارے میں اثنا عشریہ کے ائمہ معصومین کی جو روایات اور ان کے اکابر علماء و مجتہدین کے جو بیانات

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور اس کی کیا حقیقت ہے نیز ائمہ معصومین کے تقیہ کے واقعات معلوم کرنے کیلئے راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" میں تقیہ کا بیان ص۲۲۷ سے ص۲۴۰ تک دیکھا جائے، یہاں بھی صدوق بن بابویہ قمی کے رسالہ اعتقادیہ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمائی جائے۔

والتقیۃ واجبۃ لایجوز رفعھا الی ان یخرج القائم فمن ترکھا قبل خروجہ فقد خرج عن دین اللہ تعالیٰ وعن دین الامامیۃ وخالف اللہ ورسولہ والائمۃ

(رسالہ اعتقادیہ مع اردو شرح احسن الفوائد ص۳۹۲ طبع سرگودھا (پاکستان)

تقیہ واجب ہے اور اس کا ترک کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ حضرت القائم" (امام مہدی) کا ظہور ہو، تو جو کوئی ان کے ظہور سے پہلے اس کو ترک کریگا تو وہ اللہ کے دین سے اور امامیہ (یعنی شیعہ اثنا عشریہ) کے دین سے نکل جائیگا۔ اور اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول پاک کی اور ائمہ معصومین کی مخالفت کرے گا۔

ان کی کتابوں سے نقل کئے جا چکے ہیں ان سے معلوم ہو چکا ہے کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ان حضرات کے بارے میں یہ ہے کہ یہ کافر و منافق تھے، اور اگلی امتوں اور اس امت کے بھی خبیث ترین کافروں سے بدتر درجے کے کافر تھے۔ اور دوزخ میں سب سے زیادہ عذاب انہی پر ہو رہا ہے۔ اور گزشتہ صفحات ہی سے یہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے اس زمانہ کے شیعوں کے امام اکبر روح اللہ خمینی صاحب نے حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے خاص رفقاء تمام اکابر صحابہ کے بارے میں اپنی فارسی تصنیف "کشف الاسرار" میں پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ بلکہ ادعائی انداز میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ لوگ ایک دن کے لئے بھی دل سے ایمان نہیں لائے تھے، بلکہ صرف حکومت و اقتدار پر قبضہ کر لینے کی طمع اور ہوس میں منافقانہ طور پر اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو گئے تھے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور حیات میں برابر اپنے اسی مقصد کے لئے سازشیں کرتے رہے۔ یہ ایسے بدکردار تھے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے قرآن میں تحریف بھی کر سکتے تھے، آیتیں کی آیتیں اس میں سے حذف اور غائب کر سکتے تھے۔ جھوٹی حدیثیں گھڑ کے لوگوں کو سنا سکتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کسی وقت یہ لوگ محسوس کرتے کہ مسلمان رہ کر حکومت پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اسلام سے رشتہ توڑ کے اور (ابوجہل وابولہب وغیرہ کی طرح) اسلام دشمنی کا موقف اختیار کر کے اور اسلام کے خلاف جنگ کر کے ہی یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے تو یہ ایسا ہی کرتے اور اسلام کے کھلے دشمن ہو کر مقابلہ میں آجاتے۔[1]

حضرات خلفائے ثلٰثہ اور ان کے رفقاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنے کے ساتھ اثنا عشریہ یہ بھی مانتے ہیں۔ (اس پر نوحہ و ماتم بھی کرتے ہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی منافق لوگ (جو دل سے آپ کے، آپ کے اہل بیت کے اور آپ کے دین کے دشمن تھے) اپنی سیاسی کرتب بازی سے خلیفہ بن کر غاصبانہ اور ظالمانہ طور پر حکومت پر قابض ہو گئے۔ پھر خلافت پر قابض ہو جانے کے بعد بھی یہ ایسے بدکردار رہے کہ جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ زہرا پر بھی طرح طرح کے ظلم ڈھائے، (ظاہر ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی شقاوت تھی) اور خمینی صاحب کے فرمانے کے مطابق یہ ظالم اپنے دور خلافت میں اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق کھلم کھلا قرآنی احکام کو انتہائی بے پروائی سے پامال کرتے رہے (کشف الاسرار ص ۱۱۵ تا ۱۱۹)

اس سب کے ساتھ اثنا عشریہ یہ بھی مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پورے ۲۴ سال تک (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک) بلا شرکت غیرے انہی لوگوں کا اقتدار رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور جانشین اور مسلمانوں کے فرمانروا کی حیثیت سے یہی سب کچھ کرتے رہے انہی کے اہتمام سے قرآن اس کتابی شکل میں مرتب اور شائع ہوا جس شکل میں وہ آج ہمارے سامنے ہے۔

اب غور فرمایا جائے کہ جس فرقہ یا جس شخص کا عقیدہ حضرات خلفائے ثلٰثہ کے بارے میں وہ ہو جو اثنا عشریہ کا اوپر بیان کیا گیا۔ کیا از روئے عقل یہ ممکن ہے کہ ان کے مرتب اور شائع کئے ہوئے قرآن کے بارے میں اسکا

---

[1] خمینی صاحب کی وہ عبارتیں جن میں یہ سب کچھ فرمایا گیا ہے انکی تصنیف "کشف الاسرار" کے صفحہ ۱۱۳ و ۱۱۴ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ راقم سطور نے اپنی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" میں بھی یہ عبارتیں نقل کر دی ہیں (ص ۵۵ تا ۶۰)

یہ ایمان و یقین ہو کہ بعینہٖ وہی کتاب اللہ ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ اور اس میں اسکو مرتب اور شائع کرنے والوں نے (جو منافق تھے اور جن کا کردار وہ تھا جو اثنا عشری عقیدہ کے مطابق اوپر بیان کیا گیا) اپنی نفسانی اغراض و خواہشات کے تقاضے سے کوئی تحریف کسی قسم کی قطع و برید اور کمی یا زیادتی نہیں کی پڑ ظاہر ہے کہ ہر عقل رکھنے والا اس کا جواب یہی دیگا کہ ممکن نہیں ہے ۔ ملحوظ رہے کہ ایمان اس یقین اور اس قلبی تصدیق کا نام ہے جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ جسطرح کسی چیز کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد شک شبہ کا امکان نہیں رہتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کا درجہ تو بہت اعلیٰ و بالا ہے حضرات خلفائے ثلاثہ کے بارے میں وہ عقیدہ رکھنے کے ساتھ جو اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے قرآن کے بارے میں کسی درجہ کا اعتبار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ کو کسی بھی قانون داں بلکہ کسی بھی باشعور انسان کے سامنے رکھدیا جائے تو وہ یہی جواب دیگا۔

حاصل کلام

اثنا عشریہ کے عقیدہ تحریف قرآن کے بارے میں یہانتک جو کچھ عرض کیا گیا اسکا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ اثنا عشری مذہب کی بنیادی اور مستند کتابوں میں شیعوں کے ائمہ معصومین کے ارشادات اور انکے اکابر و اعاظم علماء و مجتہدین کی تصنیفات کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت آفتاب نیمروز کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہی ہے کہ موجودہ قرآن محرف ہے۔ اس میں ہر طرح کی تحریف اور قطع و برید ہوئی ہے ۔ علاوہ ازیں ان کے لئے از روئے عقل بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اسکو یقین کیساتھ تحریف و تبدیل سے محفوظ بعینہٖ وہ کتاب اللہ مان سکیں۔ جو اللہ تعالیٰ کیطرف سے اسکے نبی کریم سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ حضرات خلفائے ثلثہ اور انکے رفقاء تمام اکابر صحابہ کے بارے میں ان کے عقیدہ نے قرآن پر ایمان اُن کے لئے ناممکن بنادیا ہے لہذا اب جو شیعہ علماء و مجتہدین تحریف کے عقیدہ سے انکار اور موجودہ قرآن پر ہم اہل سنت ہی کی طرح ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ اُنکے اس رویہ کی کوئی معقول اور قابل قبول توجیہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی کہ یہ اُن کا تقیہ ہے، جو شیعہ مذہب میں انکے امام غائب (مہدی) کے ظہور کے وقت تک فرض و واجب اور گویا جزو ایمان ہے۔ اس کی ایک روشن دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اپنے شائخ متقدمین میں سے "الجامع الکافی" کے مؤلف ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی، اور انکے استاذ علی بن ابراہیم قمی اور "الاحتجاج" کے مؤلف احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی وغیرہ اُن سب شائخ متقدمین کو جنکا ذکر "فصل الخطاب" میں علامہ نوری طبرسی نے مدعیان تحریف کی حیثیت سے کیا ہے، اور اسی طرح اپنے علمائے متاخرین میں، ملا باقر مجلسی، سید نعمت اللہ الجزائری، علامہ قزوینی شارح اصول کافی، اور علامہ نوری طبرسی جیسے ان سب حضرات کو اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ جو نہ صرف یہ کہ موجودہ قرآن کے محرّف ہونے کے قائل ہیں بلکہ اس عقیدہ کے علمبردار ہیں۔ اور جنہوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ جو شخص قرآن کے محرّف ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے وہ قرآن پر ایمان سے محروم ہے۔ اسکا شمار تو مومنین میں بھی نہ ہونا چاہیئے،

اثنا عشریہ کا عقیدۂ امامت ختمِ نبوت کی نفی کرتا ہے لہٰذا وہ عقیدۂ ختم نبوت کے منکر ہیں۔

اثنا عشری مذہب کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعے کے بعد ایک یہ حقیقت بھی اسی طرح آنکھوں کے سامنے آتی ہے جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اثنا عشریہ کا عقیدۂ امامت جو اس مذہب کی اساس و بنیاد ہے عقیدۂ ختم نبوت کی قطعی نفی کرتا ہے اور اس بارہ میں ان کا عقیدہ جمہور اُمت مسلمہ سے بالکل مختلف ہے۔ وہ "ختم نبوت" اور "خاتم النبیین" کے الفاظ کے تو قائل ہیں (جس طرح کہ قادیانی بھی قائل ہیں) لیکن اس کی حقیقت کے منکر ہیں۔ شیعوں اور قادیانیوں کے علاوہ اُمت کے تمام فرقوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت و رسالت جس حقیقت اور جس مقام و منصب کا عنوان ہے اس کا سلسلہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ پر ختم فرما دیا ——— ہر نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث و نامزد اور بندوں کے لئے اللہ کی حجت ہوتا تھا، اس پر ایمان لانا نجات کی شرط ہوتا تھا، اس کو وحی کے ذریعہ اللہ کے احکام ملتے تھے۔ وہ معصوم ہوتا تھا، بندوں پر اس کی اطاعت فرض ہوتی تھی۔ صرف وہی اور اس کی تعلیم امت کے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور مرجع و ماخذ ہوتا تھا۔ اگر وہ صاحب کتاب ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب بھی نازل ہوتی تھی، یہی نبوت کی حقیقت اور نبی کا مقام و منصب تھا اور جمہور اُمتِ محمدیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "خاتم النبیین" ہونے کا مطلب یہی ہے کہ آپ کے بعد یہ مقام و منصب کسی کو عطا نہیں ہو گا۔

لیکن شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ مقام و منصب اور یہ سب امتیازات بلکہ ان سے بھی بالاتر مقامات و درجات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے بارہ اماموں کو حاصل ہیں وہ نبیوں کی طرح بندوں پر اللہ کی حجت ہیں۔ ان کے بغیر اللہ کی حجت بندوں پر قائم نہیں ہوتی۔ وہ نبیوں ہی کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد، معصوم اور مفترض الطاعت ہیں۔ ان پہ ایمان لانا اسی طرح نجات کی شرط ہے جس طرح نبیوں پر ایمان لانا شرط نجات ہے، ان پر فرشتوں کے ذریعہ وحی بھی آتی ہے۔ اللہ کے احکام بھی آتے ہیں۔ ان کو معراج بھی ہوتی ہے، ان پر کتابیں بھی نازل ہوتی ہیں۔ یہ تو وہ صفات اور اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات ہیں، جن میں یہ "آئمہ معصومین" انبیاء علیہم السلام کے شریک اور ان کے برابر ہیں لیکن اثنا عشریہ کے نزدیک ان کو ان کے علاوہ ایسے بلند مقامات اور کمالات بھی حاصل ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ دنیا ان ہی کے دم سے قائم ہے اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ہماری یہ دُنیا امام کے وجود سے خالی ہو جائے تو سب نیست و نابود ہو جائے۔ اور مثلاً یہ کہ ان کی پیدائش اس عام طریقہ اور عام راستہ سے نہیں ہوتی جس طریقہ اور راستہ سے عام انسانوں کی پیدائش ہوتی ہے بلکہ وہ اپنی ماؤں کی ران میں سے نکلتے ہیں۔ اور مثلاً یہ کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر ان کی

تکوینی حکومت ہے۔ یعنی اُن کو "کن فیکون" کا اقتدار و اختیار حاصل ہے۔ اور یہ کہ ان کو اختیار ہے کہ جس چیز یا جس عمل کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیدیں۔ اور مثلاً یہ کہ تمام ائمہ عالم ما کان وما یکون ہیں۔ کوئی چیز ان سے مخفی نہیں۔ اور مثلاً یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے وہ علوم بھی عطا ہوئے جو نبیوں اور فرشتوں کو بھی نہیں دئے گئے۔ اور مثلاً یہ کہ وہ دنیا اور آخرت کے مالک و مختار ہیں۔ جس کو چاہیں دیدیں۔ بخشدیں اور جس کو چاہیں محروم رکھیں۔ اور مثلاً یہ کہ وہ اپنی موت کا وقت بھی جانتے ہیں اور ان کی موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جمہور امت محمدیہ کے نزدیک یہ شان انبیاء علیہم السلام کی بھی نہیں ہے، بلکہ ان میں بعض تو وہ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں لیکن اثنا عشریہ کے نزدیک ان کے ائمہ کی یہی شان ہے اور یہ سب صفات و مقامات ان کو حاصل ہیں سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون ہ

ائمہ کی صفات و امتیازات اور ان کے بلند مقامات و درجات کے بارے میں یہ جو کچھ لکھا گیا۔ وہ ان کی اصح الکتب " اصول کافی" کتاب الحجہ" کی روایات اور اُن کے ائمہ معصومین کے ارشادات کا حاصل اور خلاصہ ہے، ان روایات وارشادات کا متن اصل کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب، جناب خمینی اور شیعیت" میں بھی (صفحہ ۱۱۹ سے ۱۶۵ تک) ان تمام روایات کا متن دیکھا جاسکتا ہے جو اصول کافی ہی سے بحوالہ صفحات نقل کیا گیا ہے۔

اپنے ائمہ کے ان ارشادات اور ان روایات ہی کے مطابق اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے۔ اسی کے ساتھ وہ مانتے ہیں کہ ان اماموں کے لئے "نبی" کا لفظ نہیں بولا جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمادیا گیا ہے۔

ان سب چیزوں کے سامنے آجانے کے بعد کسی صاحب عقل و دانش کو اس میں شک شبہ نہیں رہ سکتا کہ اثنا عشریہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی حقیقت ختم نہیں ہوئی۔ وہ تو امامت کے عنوان سے ترقی کے ساتھ جاری ہے۔ البتہ آپ کے بعد کسی کو نبی نہیں کہا جائے گا۔ بس یہی ان کے نزدیک ختم نبوت کی حقیقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دئے جانے کا تقاضا ہے، اثنا عشری مذہب کے ترجمان اعظم، ان کے خاتم المحدثین علامہ باقر مجلسی نے اپنے ائمہ معصومین کی روایات کے حوالے سے صراحت اور صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے اور اپنے نزدیک اس کو دلیل سے بھی ثابت کیا ہے۔ اپنی کتاب "حیات القلوب" کی تیسری جلد میں (جو صرف امامت ہی کے موضوع پر ہے) تحریر فرماتے ہیں۔

از بعضے اخبار معتبرہ کہ انشاء اللہ بعد ازیں مذکور خواہد شد۔ معلوم می شود کہ مرتبہ امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبری است۔	ائمہ کی بعض معتبر روایات سے جو انشاء اللہ اس کے بعد ذکر کی جائیں گی معلوم ہوجاتا ہے کہ امامت کا مرتبہ نبوت کے مرتبہ سے بالاتر ہے۔

آگے یہ علامہ مجلسی دلیل کے طور پر فرماتے ہیں۔

چنانچہ حق تعالی بعد از نبوت بحضرت ابراہیم خطاب فرمودہ کہ انی جاعلک للناس اماما۔
(حیات القلوب جلد سوم ص۲ طبع ایران)

چنانچہ حق تعالی نے حضرت ابراہیم کو نبوت عطا فرمانے کے بعد ان سے فرمایا تھا کہ میں تجھ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امامت نبوت سے آگے کے درجہ کی چیز ہے۔

اس کے چند سطر آگے علامہ مجلسی نے لکھا ہے۔

واز برائے تعظیم حضرت رسالت پناہ و آنکہ آنجناب خاتم انبیاء باشد منع اطلاق اسم نبی و آنچہ مرادف آنست بر آنحضرت کردہ اند۔
(حیات القلوب جلد سوم ص۳)

اور حضرت رسالت پناہ کی تعظیم کے لئے اور اس وجہ سے کہ آنجناب خاتم انبیاء ہیں۔ نبی اور اس کے ہم معنی لفظ کے اطلاق کو حضرت امام پر منع کرتے ہیں۔

علامہ مجلسی کی اس عبارت سے صراحت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ اپنے ائمہ کی احادیث و روایات کی بنیاد پر یہ ہے کہ امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے اور ہمارے ہی زمانے کے پاکستان کے ایک بلند پایہ مجتہد علامہ محمد حسین نے شیخ صدوق کے رسالہ "العقائد" کی اردو میں ضخیم شرح لکھی ہے۔ اس میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ

"ائمہ اطہار سوائے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر تمام انبیاء اولوالعزم وغیرھم سے افضل و اشرف ہیں۔"
(احسن الفوائد فی شرح العقائد ص۲۱۰ طبع پاکستان)

اور اس زمانے کے شیعی دنیا کے امام خمینی صاحب نے بھی "الحکومۃ الاسلامیۃ" میں صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ

وان من ضروریات مذھبنا ان لائمتنا مقاما لا یبلغہ ملک مقرب ولا نبی مرسل
(الحکومۃ الاسلامیۃ ص۵۲ طبع تہران)

ہمارے مذہب (شیعہ اثنا عشریہ) کے ضروری اور بنیادی عقائد میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین کو وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے، جس تک کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی نہیں پہونچ سکتا۔

علامہ مجلسی، علامہ محمد حسین اور خمینی صاحب کی ان تصریحات کے بعد اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اثنا عشریہ کے نزدیک ان کے ائمہ کا مقام و مرتبہ انبیاء علیہم السلام سے بالاتر ہے اور وہ ان اعلیٰ مقامات اور بلند تر درجات پر فائز ہیں جن تک کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کہ ان ائمہ پر نبی کے لفظ کا اطلاق اس وجہ سے نہیں کیا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبیین" فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فی الحقیقت عقیدۂ ختم نبوت کی قطعی نفی ہے۔

اس حقیقت کو کہ اثنا عشریہ کا عقیدۂ امامت ختم نبوت کی نفی کرتا ہے، اور وہ اپنے اس عقیدہ

کی وجہ سے فی الحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتب شیعہ کے مطالعہ اور اپنی خداداد فکر و بصیرت سے یقین کے ساتھ سمجھا اور صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ "تفہیمات الٰہیہ" میں ارقام فرماتے ہیں۔

امام باصطلاح ایشاں معصوم مفترض الطاعۃ منصوب للخلق است و وحی باطنی درحق امام تجویزمی نمایند۔ پس درحقیقت ختم نبوت را منکر اند گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء میگفتہ باشند۔

(تفہیمات الٰہیہ ص۲۴۴)

شیعہ اثنا عشریہ کی اصطلاح اور ان کے عقیدہ میں امام کی شان یہ ہے کہ وہ معصوم ہوتا ہے، اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے اور مخلوق کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتا ہے، اور شیعہ امام کے حق میں وحی باطنی کے قائل ہیں پس فی الحقیقت وہ ختم نبوت کے منکر ہیں، اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاءؐ کہتے ہیں۔

اس موضوع سے متعلق راقم السطور نے اوپر جو کچھ عرض کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ کسی کو بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس نتیجۂ فکر کے بارے میں کوئی شک شبہ نہیں رہے گا کہ شیعہ اپنے عقیدۂ امامت کی وجہ سے ختم نبوت کے منکر ہیں۔ آگے انشاء اللہ حضرت شاہ صاحب کی تصنیف "مسوّیٰ شرح موطا امام مالکؒ" کی عبارت نقل کی جائے گی، جس میں انہوں نے اس بنیاد پر شیعہ اثنا عشریہ کو زنادقہ اور مرتدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔

حاصل کلام حضرات علماء شریعت واصحاب فتویٰ کی خدمت میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ سے ان کے یہ تین عقیدے ایسے یقین کے ساتھ جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

ایک یہ کہ شیخین (حضرت صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ) کے بارہ میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) نہ صرف یہ کہ کافر و منافق تھے بلکہ اگلی اُمتوں کے شدید ترین کافروں، نمرود اور فرعون و ہامان، اور اس اُمت کے خبیث ترین کافروں ابولہب و ابوجہل سے بھی حتیٰ کہ شیطان مردود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے اور جہنم میں سب سے زیادہ عذاب انہیں پر ہے۔ دوسرا یہ کہ موجودہ قرآن محرف ہے، اس میں ہر طرح کی تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے۔ یہ بعینہٖ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوئی تھی۔

تیسرا یہ کہ ان کا بنیادی عقیدہ امامت ختم نبوّت کی قطعی نفی کرتا ہے لہٰذا وہ اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے ختم نبوّت کے منکر ہیں، اگرچہ زبان سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں جس طرح قادیانی

بھی آپ کو خاتم النبیین اور خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔

اس کے بعد یہ عاجز راقم سطور متقدمین و متأخرین علماء وفقہاء کی چند عبارتیں بھی آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہے جن میں شیعہ اثنا عشریہ کے عقائد ذکر کر کے ان کے بارے میں شرعی فیصلہ فرمایا گیا ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں متقدمین و متأخرین اکابر علمائے امت اور فقہائے کرام کے فیصلے اور فتوے

امام ابن حزم اندلسیؒ متوفی ۴۵۶ھ

امام ابن حزم اندلسی نے "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" میں امامیہ یعنی شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

ومن قول الامامية كلها قديما وحديثا ان القرآن مبدل زيد فيه ما ليس منه ونقص منه كثير وبدل كثير۔ (الفصل فی الملل والاہواء والنحل ص ۱۸۲ ج ۴)

اور انہی امام ابن حزم نے اپنی اسی کتاب میں دوسری جگہ اسلام اور قرآن پر عیسائیوں کے کچھ اعتراضات نقل کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ تھا کہ:۔

ان الروافض يزعمون ان اصحاب نبيكم بدلوا القرآن واسقطوا منه وزادوا فيه۔

امام ابن حزم نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کا بالترتیب جواب دیا ہے، اس اعتراض کے جواب میں تحریر فرمایا:۔

واما قولهم فی دعوى الروافض بتبديل القراءات فان الروافض ليسوا من المسلمين (الفصل لابن حزم جلد ۲ ص ۷۸)

قاضی عیاض مالکیؒ متوفی ۵۴۴ھ

قاضی عیاض مالکیؒ نے "کتاب الشفاء" میں شیعوں ہی کے بارے میں کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

نقطع بتكفير كل قائل قال قولا يتوصل به الى تضليل الامة وتكفير جميع الصحابة

کتاب الشفاء جلد ۲ ص ۲۸۶

اور یہی قاضی عیاض اسی کتاب میں آگے تحریر فرماتے ہیں۔

وكذلك من انكر القرآن او حرفا منه او غير شيئا منه او زاد فيه۔

(ج ۲ ص ۲۸۹)

اسی سلسلہ کلام میں آگے فرماتے ہیں۔

وكذلك نقطع بتكفير غلاة الرافضة فی قولهم ان الأئمة افضل من الانبياء

(ج ۲ ص ۲۹۰)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی متوفی ۵۶۱ھ

"غنیۃ الطالبین" حضرت قدس سرہ کی معروف تصنیف ہے۔ اس میں حضرت نے ایک فصل قائم فرمائی ہے جس کا عنوان ہے۔

فصل فی الفرق الضالۃ عن طریق الھدیٰ (ان فرقوں کے بیان میں جو گمراہ ہوگئے)

اس فصل میں خوارج اور پھر شیعوں کے مختلف فرقوں کے ذکر کے بعد ارقام فرمایا ہے۔

والذی اتفقت علیہ طوائف الرافضۃ و فرقہا اثبات الامامۃ عقلاً وان الامامۃ نص وان الائمۃ معصومون من الآفات والغلط والسھو والخطاء .... ومن ذلک تفضیلھم علیاً فی جمیع الصحابۃ وتنصیصھم علی امامتہ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتبرءھم عن ابی بکر وعمر وغیرھما من الصحابۃ الا نفراً منھم .... ومن ذلک ایضاً ادعاءھم ان الامۃ ارتدت بترکھم امامۃ علی الا ستۃ نفر وھم علی وعمار والمقداد بن الاسود وسلمان الفارسی ورجلان آخران .... ومن ذلک قولھم ان للامام ان یقول لست بامام فی حال التقیۃ .... وان الاموات یرجعون الی الدنیا قبل یوم الحساب .... ومن ذلک ان الامام یعلم کل شیئ ماکان ومایکون من امر الدنیا والدین حتی عدد الحصی وقطر الامطار وورق الاشجار وان الائمۃ تظھر علی ایدیھم المعجزات کالانبیاء علیھم السلام۔ (غنیۃ الطالبین ۱۵۶۔۱۵۷)

آگے حضرت شیخ قدس سرہ نے اسی سلسلہ کلام میں شیعوں کے مختلف فرقوں اور ان کے عقائد ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ شیعوں اور یہودیوں کے درمیان افکار و اطوار میں بہت مشابہت مماثلت ہے، پھر اس کی بہت سی مثالیں دی ہیں اس سلسلہ بیان کے آخر میں فرمایا ہے

والیھود حرفت التوراۃ وکذلک الرافضۃ حرّفوا القرآن لانھم قالوا القرآن غُیِّرَ وبُدِّل وخولف بین نظمہ وترتیبہ واُحیل عما انزل علیہ وقرء علی وجوہ غیر ثابتۃ عن الرسول وانہ قد نقص منہ وزید فیہ۔

(غنیۃ الطالبین صـ۱۶۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی تصنیف الصارم المسلول میں ارقام فرماتے ہیں وقال القاضی ابو یعلیٰ

الذی علیہ الفقہاء فی سب الصحابۃ ان کان مستحلاً لذالک کفر وان لم یکن مستحلاً فسق ولم یکفر سواء کفّر او طعن فی دینھم مع اسلامھم

اسی سلسلہ کلام میں آگے فرماتے ہیں۔

وقطع طائفة من الفقهاء من أهل الكوفة[1] وغيرهم بقتل من سب الصحابة وكفر الرافضة۔

قال محمد بن يوسف الفريابي وسئل عمن شتم ابا بكر قال كافر، قيل فيصلى عليه قال لا۔

شیخ الاسلام اسی سلسلہ میں آگے فرماتے ہیں۔

قال ابوبكر بن هانى لا توكل ذبيحة الرافضة والقدرية كما لا توكل ذبيحة المرتد مع انه توكل ذبيحة الكتابى۔ لان هؤلاء يقومون مقام المرتد۔

(الصارم المسلول صفحہ ۵۷۵)

علامہ علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ علامہ علی قاریؒ نے "شرح فقہ اکبر" میں ان عقائد اور ان فرقوں کا بیان کرتے ہوئے جن کے کفر پر ائمہ اور علماء کا اجماع ہے۔ تحریر فرمایا ہے۔

من جحد القرآن اى كله او سورة منه او اية۔

(شرح فقہ اکبر لملا علی قاری صفحہ ۵۳)

اور انہی علامہ علی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے حوالے سے مظاہر حق کے تتمہ میں نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے زمانے کے روافض اور خوارج کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

انهم يعتقدون كفر اكثر اكابر الصحابة فضلاً عن سائر اهل السنة والجماعة فهم كفرة بالاجماع بلا نزاع

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ تتمہ مظاہر حق جلد چہارم صفحہ ۹۳)

علامہ بحر العلوم لکھنوی علامہ ممدوح کی "مسلم الثبوت" کی شرح "فواتح الرحموت" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو شیعوں کے عقیدہ تحریف قرآن کا علم نہیں تھا۔ شیعی عالم ابو علی طبرسی کی تفسیر جامع البیان کے مطالعہ سے ان کو معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن کامل مکمل نہیں ہے۔ اس کے جمع کرنے اور ترتیب دینے والے صحابہ کی تقصیر اور کوتاہی سے اس کے کچھ حصے غائب ہوگئے (اگرچہ خود اس مصنف کو اس عقیدہ سے اختلاف ہے) بہرحال ابو علی طبرسی کی اس کتاب کے مطالعہ سے جب علامہ بحر العلوم کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے تحریر فرمایا۔

فمن قال بهذا القول فهو كافر لانكاره الضرورى فافهم۔

(فواتح الرحموت صفحہ ۶۱۱ طبع نولکشور لکھنؤ)

---

[1] ملحوظ رہے کہ روافض کے بارے میں کوفہ کے علماء و فقہاء کا فیصلہ و فتویٰ خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ کوفہ رفض اور تشیع کا مرکز رہا ہے۔ اس لئے وہاں کے علماء و فقہاء روافض کے عقائد و احوال سے زیادہ واقف رہے ہیں۔

علامہ کمال الدین المعروف بابن الہمامؒ متوفی ۶۸۱ھ

علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ باب الامامت میں تحریر فرمایا ہے۔

وفی الروافض ان من فضل علیا علی الثلاثة فمبتدع وان انکر خلافة الصدیق او عمر رضی اللہ عنہما فھو کافر۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۴ طبع بیروت)

فتاویٰ عالمگیری

فتاویٰ عالمگیری جو سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور حکومت میں ان کے حکم سے علماء و اصحاب فتویٰ کی ایک جماعت نے مرتب کیا اس میں ہے۔

الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنھما العیاذ باللہ فھو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللہ وجھہ علی ابی بکر رضی اللہ عنہ لا یکون کافرا الا انہ مبتدع۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ

ردالمحتار باب المرتد میں علامہ ابن عابدین کا رویہ تکفیر کے بارے میں سخت احتیاط کا ہے۔ جیسا کہ اس کے مطالعہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ تاہم وہ فرماتے ہیں۔

نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی اللہ عنہا او انکر صحبة الصدیق (ردالمحتار جلد ۲ ص ۲۹۴)

ایک اہم انتباہ:- شیعوں کی تکفیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فقہا اور اہل فتویٰ کی عبارتوں میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر "قذف" (تہمت لگانے) کا جو ذکر آتا ہے (جو شامی کی مندرجہ بالا عبارت میں بھی ہے) اس سے مراد ایک سخت اور گندے گناہ کی تہمت ہے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں (در اصل بعض خبیث النفس منافقین کی شرارت سے) حضرت صدیقہ پر لگائی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں حضرت صدیقہ کی برات نازل فرما کر قیامت تک کے لئے ان کی پاکدامنی کی خداوندی شہادت اسی طرح محفوظ فرما دی جس طرح حضرت مریم صدیقہ کی پاکدامنی کی شہادت محفوظ کر دی گئی ہے، اس لئے ائمہ، فقہاء اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو بدبخت اس گناہ کی نسبت حضرت صدیقہ کی طرف کرے اس کے کفر وارتداد میں شک شبہ کی گنجائش نہیں، کیونکہ وہ قرآن کی تکذیب کرتا ہے۔

راقم سطور اس سلسلہ میں حضرات علمائے شریعت کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ حضرات فقہا نے جس تہمت کا "قذف" کے لفظ سے ذکر کیا ہے وہ ایک گناہ کی تہمت تھی۔ لیکن اثنا عشریہ کے علماء و مصنفین اس سے بھی شدید تر بلکہ خبیث ترین گناہ اور جرم کی تہمت حضرت صدیقہ پر لگاتے ہیں۔ شیعوں کے خاتم المحدثین اور شیعہ مذہب کے ترجمان اعظم علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتابوں میں حضرت صدیقہؓ کو باربار "منافقہ" لکھا ہے۔ اور اس سے بھی آگے یہ کہ (معاذ اللہ) انھوں نے اور

اُن کے ساتھ دوسری ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے باہم سازش کر کے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔ (اس کی تفصیل راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب جناب خمینی اور شیعیت" کے صفحہ ۲۲۱ و ۲۲۲ پر دیکھی جا سکتی ہے۔)

اس سلسلہ کی ایک مختصر سی روایت یہاں بھی ملاحظہ فرمائی جائے، مجلسی نے "حیات القلوب" میں لکھا ہے۔

و عیاشی بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ عائشہ و حفصہ آنحضرت را بزہر شہید کردند (حیات القلوب ج ۲ صفحہ ۸۷۰)	اور عیاشی نے معتبر سند سے امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ عائشہ و حفصہ نے آنحضرت صلعم کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ تہمت "قذف" والی تہمت سے ہزار درجہ زیادہ شدید و خبیث ہے۔ حضرات علماء کرام فرمائیں کیا ایسی بات کسی ایسے شخص کے قلم سے نکل سکتی ہے جس کے قلب میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو ـــــ واضح رہے کہ یہی وہ مجلسی ہیں جن کی کتابیں شیعوں میں سب سے زیادہ مقبول ہیں۔ اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جناب خمینی صاحب نے اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں فرمایا ہے کہ دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے ملا باقر مجلسی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ (کشف الاسرار صفحہ ۱۲۱)

اور ہمارے ہی زمانے کے ایک بلند پایہ شیعہ مجتہد علامہ محمد حسین نے جنہوں نے اثنا عشری کی حمایت اور اہلسنت کے رد میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور شیخ صدوق کے رسالہ "الاعتقادات" کی اردو میں شرح بھی لکھی ہے، اسی میں انہوں نے علامہ مجلسی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے "غواص بحار الاخبار ناشر علوم ائمہ اطہار سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ"

(احسن الفوائد فی شرح العقائد صفحہ ۴۳۶)

آج کے شیعی دنیا کے امام خمینی اور پاکستان کے ان بلند پایہ مجتہد کے ان بیانات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ شیعی دنیا میں علامہ مجلسی کا کیا مقام ہے۔ ہمارے زمانے کے شیعہ بھی حضرت صدیقہ کے بارے میں اپنا یہی عقیدہ ظاہر کرتے ہیں کہ مومنہ نہیں منافقہ تھیں۔ (العیاذ باللہ)

ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعلق یہ بات تو ضروری سمجھ کر جملہ معترضہ کے طور پر عرض کر دی گئی، ورنہ شیعہ اثنا عشریہ سے متعلق متقدمین و متاخرین علماء و فقہاء کے فتاویٰ پیش کئے جا رہے تھے ـــــ

اب یہ عاجز آخر میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصنیف، موطا امام مالک کی شرح "مسوّیٰ" سے اس مسئلہ سے متعلق ان کا محققانہ کلام، اور اس کے بعد ماضی قریب چودھویں صدی ہجری کے برصغیر ہی کے چند اکابر علماء و اصحاب فتویٰ کے فتووں کا اجمالی ذکر کر کے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا فیصلہ :-

شاہ صاحب نے پہلے بتلایا ہے کہ کافر تین قسم کے ہیں ـــــ فرماتے ہیں۔

ان المخالف للدین الحق ان لم یعترف به ولم یذعن له لا ظاهراً ولا باطناً فهو کافر، وان اعترف بلسانه وقلبه علی الکفر فهو المنافق، وان اعترف به ظاهراً لکنه یفسّر بعض ما ثبت من الدین ضرورۃً بخلاف ما فسّرہ الصحابة و التابعون واجمعت علیه الامة فهو الزندیق۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے زندقہ کی چند مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ اسی سلسلہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

وکذالک من قال فی الشیخین ابی بکر وعمر مثلاً لیسا من اهل الجنة مع تواتر الحدیث فی بشارتهما — او قال ان النبی صلی الله علیه وسلم خاتم النبوۃ لکن معنی هٰذا الکلام انه لا یجوز ان یسمی بعدہٗ احدٌ بالنبی، واما معنی النبوۃ وهو کون الانسان مبعوثاً من الله تعالیٰ الی الخلق، مفترض الطاعة معصوماً من الذنوب ومن البقاء علی الخطاء فیما یری فهو موجودٌ فی الائمة بعدہٗ فذالک هو الزندیق وقد اتفق جماهیر المتاخرین من الحنفیة والشافعیة علی قتل من یجری ذالک المجری۔ (مسوّیٰ شرح مؤطا امام مالک صفحہ ۱۱۰ طبع دہلی ۱۲۹۳ھ)

ماضی قریب کے برصغیر ہی کے اکابر علماء کے فتوے!۔

چودھویں صدی ہجری کے اکابر علمائے اہلسنت میں حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو اثنا عشری مذہب سے واقفیت کے بارے میں امتیاز اور تخصص کا مقام حاصل تھا، اس مذہب کے وسیع وعمیق مطالعہ کے بعد وہ یقین کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کے بعض عقائد اسلام کے بنیادی عقائد سے متصادم ہیں، اس لئے اثنا عشری فرقہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور اہل حدیث کی طرح اسلامی فرقہ نہیں ہے بلکہ اپنے قطعی موجب کفر عقائد کی وجہ سے وہ قادیانیوں کی طرح دائرہ اسلام سے خارج ہے —— پھر انھوں نے اپنا دینی فریضہ سمجھا کہ امت کے عوام وخواص کو (جنھوں نے شیعہ مذہب کا مطالعہ نہیں کیا ہے) اس حقیقت سے واقف اور باخبر کرنے کی ممکن کوشش کی جائے توفیق الٰہی ان کی رفیق ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر ان سے وہ کام کرالیا جو انشاء اللہ ہمیشہ امت کی رہنمائی کرتا رہے گا —— اس سلسلہ میں انھوں نے اب سے قریباً ۴۳ سال پہلے ایک فتویٰ بھی لکھا جو اس دور کے دیگر اکابر علماء واصحاب فتویٰ کی تصدیقات کے ساتھ۔

"شیعہ اثنا عشریہ کے کفر وارتداد سے متعلق اکابر علماء کا متفقہ فتویٰ"

کے عنوان سے شائع ہوا تھا —— اس فتوے پر دارالعلوم دیوبند کے اس دور کے مفتی مولانا ریاض الدین صاحب اور صدر المدرسین وشیخ الحدیث حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب، حضرت

مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور تمام ہی اساتذۂ دارالعلوم کی تصدیقات ہیں ــــــ ان کے علاوہ مدرسہ عالیہ اسلامیہ امروہہ کے صدر المدرسین حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہوی اور امروہہ کے دیگر حضرات علماء کرام کی بھی تصدیقات ہیں۔ نیز حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی بھی تصدیق ہے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

اس فتوے کے بارے میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ یہ فتویٰ جب طبع ہوکر شائع ہوا تو مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی علیہ الرحمہ نے اس فتوی کے بارے میں اپنے کچھ اشکالات لکھ کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجے، حضرت نے پوری تفصیل سے تمام اشکالات کا جواب تحریر فرمایا اور فتوے کے ہر جزء کی تصویب و تصدیق فرمائی۔ یہ سوال و جواب ایک مختصر رسالہ ہو گیا تھا۔ پہلے یہ اسی زمانہ میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے شائع ہونے والے ماہنامہ "النور" میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد امداد الفتاویٰ میں بھی محفوظ ہو گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ جلد چہارم ص ۵۸۴ تا ۵۸۷ طبع دیوبند)

دورِ حاضر کے حضرات علمائے شریعت و اصحاب فتویٰ کی خدمت میں گزارش

آپ حضرات نے شیعہ اثناعشریہ کے "ائمہ معصومین" کی وہ روایات، ان کی بنیادی اور مسلم کتابوں کی وہ عبارات اور اُن کے اُن اکابر و اعاظم متقدمین و متاخرین علماء و مجتہدین کے جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ بیانات ملاحظہ فرمالئے جن کے مطالعہ کے بعد اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ

(۱) حضرات شیخین صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) اگلی امتوں کے اور اس امت کے خبیث ترین کافر، (فرعون و نمرود اور ابوجہل و ابولہب) سے حتیٰ کہ شیطان الغول و مردود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے۔

(۲) اور یہ کہ موجودہ قرآن اُن کے نزدیک محرف ہے اس میں ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے، وہ بعینہ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی گئی تھی۔

(۳) اور یہ کہ منصب امامت، نبوت سے بالاتر منصب ہے۔ اور اسی وجہ سے منصب امامت کے حامل ائمہ کا مقام وہ ہے جس تک کسی نبی یا رسول کی بھی رسائی نہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی حقیقت ختم نہیں ہوئی بلکہ وہ (ترقی کے ساتھ) امامت کے عنوان سے جاری ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کا مطلب اور حاصل صرف یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے احترام و تعظیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی اور کے لئے نبی و رسول کا لفظ استعمال نہیں کیا جائے گا۔

پھر آپ نے شیعہ اثنا عشریہ کے ان عقائد کی بنا پر امت کے متقدمین و متاخرین حضرات علماء و فقہاء کے فیصلے اور فتوے بھی ملاحظہ فرمائے۔

اب آپ حضرات سے درخواست ہے کہ ان سب چیزوں کے سامنے آجانے کے بعد آپ کے نزدیک شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں جو شرعی حکم ہو۔ عام امت مسلم کی واقفیت اور رہنمائی کے لئے وہ تحریر فرمایا جائے۔ واجرکم علی اللہ۔

بلا شبہ اپنے کو مسلمان کہنے والے کسی کلمہ گو شخص یا فرقہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کا فیصلہ بڑا سنگین اور خطرناک کام ہے اور اس بارے میں آخری حد تک احتیاط کرنا علماء کرام کا فرض ہے لیکن اسی طرح جس شخص یا فرقہ کے ایسے عقائد یقین کے ساتھ سامنے آجائیں جو موجب کفر ہوں تو عام مسلمانوں کے دین کی حفاظت کے لئے اس کے بارے میں کفر وارتداد کا فیصلہ اور اعلان کرنا بھی علمائے دین کا فرض ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے نازک ترین وقت میں منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ وغیرہ مدعیان نبوت اور ان کے متبعین کے بارے میں صدیق اکبرؓ نے جو فیصلہ فرمایا اور جو طرز عمل اختیار کیا وہ آپ کے لئے تا قیامت رہنما ہے۔

قادیانی نہ صرف یہ کہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمہ گو ہیں، بلکہ انھوں نے اپنے خاص مقاصد کے لئے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق ایک صدی سے بھی زیادہ مدت سے اپنے طریقہ پر اسلام کی تبلیغ واشاعت کا جو کام خاص کر یورپ اور افریقی ممالک میں کیا۔ اس سے باخبر حضرات واقف ہیں اور خود ہندوستان میں قریباً نصف صدی تک اپنے کو مسلمان اور اسلام کا وکیل ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کا انھوں نے جس طرح مقابلہ کیا، تحریری اور تقریری مناظرے اور مباحثے کئے، وہ بہت پرانی بات نہیں ہے، پھر ان کا کلمہ ان کی اذان اور نماز وہی ہے جو عام امت مسلمہ کی ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں ان کے فقہی مسائل قریب قریب وہی ہیں جو عام مسلمانوں کے ہیں، لیکن جب یہ بات یقین کے ساتھ سامنے آگئی کہ وہ فی الحقیقت عقیدہ ختم نبوت کے منکر ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں اگرچہ زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتے ہیں۔ اور اسی طرح کے ان کے دوسرے موجب کفر عقیدے غیر مشکوک طور پر سامنے آئے۔ تو علمائے کرام نے ان کے بارہ میں کفر وارتداد کا فیصلہ اور اس کا اعلان کرنا اپنا فرض سمجھا اور اگر وہ یہ فرض ادا نہ کرتے تو خدا کے مجرم ہوتے،

لیکن اثنا عشریہ کا حال یہ ہے کہ مذکورہ بالا موجب کفر عقائد کے علاوہ ان کا کلمہ الگ ہے ان کا وضو الگ ہے ان اذان اور نماز الگ ہے۔ زکوٰۃ کے مسائل بھی الگ ہیں۔ حتیٰ کہ موت کے بعد کفن دفن اور وراثت کے مسائل بھی الگ ہیں۔ اگر ان کو تفصیل سے لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

بہر حال اپنے اس دور کے حضرات علماء کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اپنی علمی و دینی ذمہ داری اور عند اللہ مسئولیت کو پیش نظر رکھ کر اثنا عشریہ کے کفر و اسلام کے بارے میں فیصلہ فرمائیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار الافتاء
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراچی ۵۔ پاکستان

Darul - Ifta
Jamia-tul-Uloom-il-Islamiyyah
Al'ama Muhammad Yusuf Banuri Town
Karachi-5 Pakistan

P. O. Box 3465
PHONES 413570-419..

REF
DATE

الجواب باسمہ تعالیٰ

فاضل مستفتی نے شیعہ اثنا عشریہ کے جن حوالہ جات کا ذکر کیا ہے وہ ہم نے شیعہ کتابوں میں خود پڑھے ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر شیعوں کی کتابوں میں ایسی عبارات صاف صاف موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ

الف: وہ تمام جماعت صحابہ کو مرتد اور منافق سمجھتے ہیں یا ان مرتدین کے حلقہ بگوش

ب: وہ قرآن کریم کو (جو امت کے ہاتھوں میں موجود ہے) بعینہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نہیں سمجھتے بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اصل قرآن جو خدا کی طرف سے نازل ہوا تھا وہ امام غائب کے پاس غار میں موجود ہے اور موجودہ قرآن (نعوذ باللہ) محرف و مبدل ہے اس کا بہت سا حصہ (نعوذ باللہ) حذف کر دیا گیا بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا دی گئی ہیں۔

قرآن شریف ضروریات دین میں سب سے اعلیٰ و ارفع چیز ہے اور شیعہ بلا اختلاف ان کے متقدمین اور متاخرین سب کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں اور ان کی کتابوں میں زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کی موجود ہیں جن میں پانچ قسم کی تحریف بیان کی گئی ہے ۱: کمی ۲: بیشی ۳: تبدل الفاظ ۴: تبدل حروف ۵: تبدل ترتیب سورتوں، آیتوں، اور کلمات میں بھی،

"اصول کافی" اور اس کا تتمہ الروضہ ملا باقر مجلسی کی کتابوں، جلاء العیون، حق الیقین، حیات القلوب، زاد المعاد، نیز حسین بن محمد تقی النوری الطبرسی کی کتاب، فصل الخطاب،

فی تحریف کتاب رب الارباب " جو ۲۹۸ صفحات پر مشتمل ہے" سے قرآن کریم کا محرف ہونا ثابت کیا ہے۔

مؤلف مذکور نے بزعم خود بے شمار روایات سے قرآن کریم کی تحریف ثابت کی ہے

ج ۔ قادیانیوں کی طرح وہ لفظی طور پر ختم نبوت کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں، لیکن انہوں نے نبوت محمدیہ کے مقابلہ میں ایک متوازی نظام عقیدہ امامت کے نام سے تصنیف کرلیا ہے۔ ان کے نزدیک امامت کا ٹھیک وہی تصور ہے جو اسلام میں نبوت کا تصور ہے، چنانچہ امام نبی کی طرح منصوص من اللہ ہوتا ہے، معصوم ہوتا ہے، مفترض الطاعۃ ہوتا ہے، ان کو تحلیل وتحریم کے اختیار ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ بارہ امام تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں

(اصول کافی ، تفسیر مقدمہ مراۃ الانوار

ان عقائد کے ہوتے ہوئے اس فرقہ کے کافر اور خارج از اسلام ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا صرف انہی تین عقائد کی تخصیص نہیں بلکہ بغور نظر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شیعیت اسلام کے مقابلہ میں بالکل ایک الگ اور متوازی مذہب ہے جس میں کلمہ طیبہ سے لے کر میت کی تجہیز وتکفین تک تمام اصول وفروع اسلام سے الگ ہیں اس لئے شیعہ اثنا عشریہ بلاشک وشبہ کافر ہیں علماء امت نے اثنا عشریہ شیعوں کو ہر زمانہ میں کافر قرار دیا البتہ

(۱) اس فتویٰ کی اشاعت نہیں ہوئی

(۲) تقیہ اور کتمان کے دبیز پردوں میں شیعہ مذہب چھپا رہا

(۳) خمینی صاحب کے آنے کے بعد شیعہ اثنا عشری نے بین الاقوامی طور پر وجوہ ثلاثہ سابقہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے مذہب کی خوب اشاعت کی ، خمینی صاحب خود کو امام غائب کا نمائندہ سمجھتے ہیں اور اپنا حق سمجھتے ہیں کہ مذہب شیعہ کی اصلی طور بلاکتمان اشاعت ہو اس لئے اب صورت حال مختلف ہوگئی۔

فاضل مستفتی نے بڑی محنت سے استفتاء مرتب کیا ہے اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تقریبًا ہر دور میں شیعہ اثنا عشری کو کافر قرار دیا گیا ہے اس استفتاء کی تحریر کردہ عبارتوں کے بعد جواب استفتاء کے لئے مزید عبارت کی ضرورت نہیں البتہ بعض عبارات طرۃً للباب بیان کی جاتی ہے

(۱) سورۃ الفتح پ۲۶ کے آخری رکوع میں جہاں سورت ختم ہوتی ہے وہاں ارشاد خداوندی ہے۔

لیغیظ بھم الکفار اس آیت کے ذیل میں "روح المعانی" میں علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں

وفی المواہب ان الامام مالکا قد استنبط من ہذہ الآیۃ تکفیر الروافض الذین یبغضون الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فانہم یغیظونہم ومن غاظہ الصحابہ فہو کافر ووافقہ کثیر من العلماء انتہی

وفی البحر ذکر عند مالک رجل ینتقص الصحابۃ فقرأ مالک ہذہ الآیۃ فقال من اصبح من الناس فی قلبہ غیظ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد اصابت ہذہ الآیۃ ویعلم تکفیر الرافضۃ بخصوصہم. وفی کلام عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ما یشیر الیہ ایضا. فقد اخرج الحاکم وصححہ عنہا فی قولہ تعالیٰ (لیغیظ بھم الکفار) قالت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم امروا بالاستغفار لہم فسبوہم.

روح المعانی پارہ ۲۶ ص ۱۳۹

قرآن کریم کی آیت کے بعد احادیث مبارکہ میں صحابہ کرامؓ کے مقام رفیع کی نشاندہی فرمائی گئی ہے شارحین حدیث نے ان پر جو کچھ لکھا ہے اسکو دیکھ لیا جائے۔

(۲) عن ابی سعید الخدری قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذہبا ما بلغ مد احدہم ولا نصیفہ متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۵۵۳)

وعن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم۔ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص ۵۵۴)

وجمع ذلک یقتضی القطع بتعدیلہم وتعدیل الصحابۃ ولا یحتاج احد منہم مع تعدیل اللہ لہ الی

تعدیل احد من الخلق علی انہ لو لم یرد من اللہ ورسولہ فیہم شئی مما ذکرنا لاوجبت الحال التی کانوا علیہا من الہجرۃ والجہاد ونصرۃ الاسلام وبذل المہج والاموال وقتل الآباء والابناء والمناصحۃ فی الدین وقوۃ الایمان والیقین القطع علی تعدیلہم والاعتقاد لنزاھتہم وانہم کافۃ افضل من جمیع الخالفین بعدھم والمعدلین الذین یجیئون من بعدھم ھذا مذھب کافۃ العلماء ومن یعتمد قولہ

ثم روی بسندہ الی ابی زرعۃ الرازی قال اذا رأیت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق وذلک ان الرسول حق والقرآن حق وما جاء بہ حق وانما ادی الینا ذلک کلہ الصحابۃ وھولاء یریدون ان یجرحوا شہودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ والجرح بہم اولی وھم زنادقۃ انتہی (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ص ۱۰ ج ۱)

قرآن وحدیث کے اجماع امت کو دیکھا جائے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر سب سے پہلے اجماع ہوا یہ اجماع سب سے قوی ہے کیونکہ اس میں صحابہ کرام، اہل بیت، اہل مدینہ سب ہی شامل ہیں روافض اس اجماع کو تسلیم نہیں کرتے اور منکر اجماع کافر ہے

وقال ابن دقیق العید قد یوخذ من قولہ " المفارق للجماعۃ " ان المراد المخالف لاہل الاجماع فیکون متمسکا لمن یقول : مخالف الاجماع کافر

وقد نسب ذلک الی بعض الناس ولیس ذلک بالبین. فان المسائل الاجماعیۃ تارۃ یصحبہا التواتر بالنقل عن صاحب الشرع کوجوب الصلوۃ مثلا. وتارۃ لا یصحبہا التواتر. فالاول یکفر جاحدہ لمخالفۃ التواتر لا لمخالفۃ الاجماع والثانی لا یکفر (اکفار الملحدین ص ۲۱)

موجودہ اجماع کے ساتھ تواتر بھی شامل ہے اس لئے اس کا انکار یقیناً کفر ہے۔

والاصل ان من کان من اہل قبلتنا ولم یغل حتی .... ولا خلاف منکر خلافۃ ابی بکر او عمر او عثمان لانہ کافر (اکفار الملحدین لشیخ انور ص ۵۱)

فتاویٰ ھندیہ (فتاویٰ عالمگیریہ) جو بعہد اورنگ زیب عالمگیر مرتب ہوا جسکی ترتیب و تدوین میں ہندوستان کے اکابر علماء شریک ہوئے جن کے تراجم "نزہتہ الخواطر" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

اسی فتاویٰ کے صـ ۲۶۴ پر ہے الروافض اذا کان یسب الشیخین ویلعنہما والعیاذ باللہ فھو کافر ..... من انکر امامۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فھو کافر وعلی قول بعضھم ھو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انہ کافر وکذلک من انکر خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ فی اصح الاقوال کذا فی الظہیریہ ویجب اکفارھم باکفار عثمان وعلی وطلحۃ وزبیر وعائشہ رضی اللہ عنہم

ویجب اکفار الروافض فی قولہم برجعۃ الاموات الی الدنیا وبتناسخ الارواح وبانتقال روح الالہ الی الائمۃ وبقولہم ان جبریل علیہ السلام غلط فی الوحی الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دون علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وہؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامہم احکام المرتدین کذا فی الظہیریہ ..

فتاویٰ للشیخ الامام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز الکردری المتوفی ۸۲۷ھ و ذکر الائمۃ ان علیہ التعویل فرغ من تالیفہ سنۃ ثمنی عشرۃ وثمان مائۃ۔

فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ صـ ۳۱۸ ج ۶

ومن انکر خلافۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ فھو کافر فی الصحیح ومنکر خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ فھو کافر فی الاصح ویجب اکفار الخوارج فی اکفارھم جمیع الامۃ سواھم ویجب اکفارھم باکفار عثمان وعلی وطلحہ وزبیر وعائشہ رضی اللہ عنہم

پھر صـ ۳۱۹ ج ۶ پر یہ عبارت ہے الرافضی ان کان یسب الشیخین ویلعنہما فھو کافر۔

البحر الرائق شرح کنز الدقائق للعلامۃ زین الدین الشہیر بابن نجیمؒ صـ ۱۳۱ ج ۵

وبقذفہ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا من نسائہ صلی اللہ علیہ وسلم فقط وبانکارہ صحبۃ ابی بکر

رضی اللہ عنہ بخلاف غیرہ وبانکارہ امامۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ علی الاصح کانکارہ خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ علی الاصح

خلاصۃ الفتاوٰی للشیخ الاجل الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبدالرشید البخاری وما یتصل بہذا

الرافضی ان کان یسب الشیخین ویلعنہما فہو کافر ص ۳۸۱ ج ۴

صاحب درمختار فرماتے ہیں ۔

اوالکافر بسب الشیخین اوبسب احدھما فی البحر عن الجوہرۃ معزیا للشہید من سب الشیخین اوطعن فیہما کفر ولاتقبل توبتہ وبہ اخذ الدبوسی وابو اللیث وہو مختار للفتوی ۔انتہی

صاحب درمختار کی اس عبارت پر علامہ ابن عابدین شامی نے طویل کلام کیا ہے ۔لیکن آخر میں واضح طور پر یہ تحریر فرمایا ہے ۔

نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا اوانکر صحبۃ الصدیق اوالالوہیۃ فی علی اوان جبریل غلط فی الوحی اونحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن رد المحتار ص ۳۳۶ ج ۴

ترجمہ فتاوٰی عزیزیہ میں شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں

بلاشبہ فرقۂ امامیہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰے عنہ کی خلافت سے منکر ہیں اور کتب فقہ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ کی خلافت کا جس نے انکار کیا وہ اجماع امت کا منکر ہوا وہ کافر ہوگیا ص ۲۷۷

لہذا شیعہ اثناعشری رافضی کافر ہیں مسلمانوں سے ان کا نکاح ، شادی بیاہ جائز نہیں حرام ہے مسلمانوں کے لئے ان کے جنازے میں شرکت جائز نہیں ان کا ذبیحہ حلال نہیں ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں غرض ان کے ساتھ غیرمسلموں جیسا سلوک اور معاملہ کیا جائے

واللہ تعالٰی أعلم وعلمہ أتم وأحکم

الجواب صحیح: محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ ۹/۲/۱۴۰۷ھ

ولی حسن دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۸/صفر ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح: محمد ولی غفرلہ ۲۵/۲/۱۴۰۷ھ الجواب صحیح: رضاء الحق غفرلہ

الجواب صواب: احمد الرحمٰن غفرلہ مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

دین اسلام کا منبع و مأخذ دو چیزیں ہیں (الف) قرآن محفوظ (ب) قیامت تک باقی رہنے والی ناقابلِ تفسیخ تعلیمات نبویہ، پورا دین انہی دو سے ماخوذ ہے اور ان دونوں (کتاب وسُنّت کی نقل و اشاعت کا عقلاً و نقلاً ایک اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے یعنی جماعتِ صحابہؓ، یہی وہ مقدس گروہ ہے جس نے قرآن وسنت اور پوری شریعت مطہرہ کو ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے وصول کر کے اُمت میں منتقل کیا۔

اگر ان تینوں چیزوں میں سے کسی ایک کی بھی نفی کر دی جائے تو اس سے پورے دین کی نفی ہو جاتی ہے قرآن وسنّت کے انکار کا کفر ہونا تو ظاہر ہے اسی طرح صدر اوّل جماعتِ صحابہؓ اور ان کے ایمان و عدالت کی نفی کرنے کے بعد بھی کوئی شخص مسلمان باقی نہیں رہ سکتا کیونکہ ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے مابین صدر اوّل کا واسطہ حذف ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ پاک کا بھیجا ہوا دین آسمان سے نازل ہو کر اُسی ذات پر منقطع و ختم ہو گیا جس پر وہ نازل کیا گیا تھا اور اس دین کا کوئی حصہ یا حکم قطعی طور پر اُمت کے پاس موجود نہیں اور یہ ہدم اسلام اور ابطالِ شریعت کے مترادف ہے۔

علامہ نوویؒ، قاضی عیاضؒ سے شرح مسلم میں نقل فرماتے ہیں۔

قال القاضی ولا شکّ فی کفر من قال ھذا لان من کفر الامة کلھا والصدر الاوّل فقد ابطل نقل الشریعة وھدم الاسلام (ص ۲۷۸ ج ۲)

شیعہ رافضیہ اثناعشریہ نے اسلام کے ان تین اصل الاصول اور مرکزی بنیادوں پر تیشہ زنی کر کے دین کی پوری عمارت کو متزلزل کر دیا ہے، شیعہ مذہب کی انتہائی معتبر اور مستند کتابوں میں ان کے ائمہ کی جانب سے درجۂ شہرت و تواتر میں ایسی تصریحات پائی جاتی ہیں جنہیں درست تسلیم کر لینے کے بعد نہ صرف یہ کہ شیعہ دائرہ اسلام سے خارج قرار پاتے ہیں بلکہ سرے سے اسلام کا وجود ہی مشکوک و مشتبہ ہو جاتا ہے۔

(الف) اَلعِیَاذُ بِاللّٰہِ مثلاً یہ کہ قرآن کریم محفوظ نہیں بلکہ اس میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے۔

(ب) قرآن و سُنّت کی تعلیمات اور اُس کے حلال و حرام قیامت تک کے لئے نہیں، بلکہ ان کے بنیادی عقیدۂ امامت کی روشنی میں ہر امام کو کسی بھی چیز کے حلال و حرام کرنے کے اختیارات حاصل ہیں اور امام کا درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہے اس پر وحی آتی ہے اور وہ مفترض الطاعۃ ہوتا ہے اس پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن نہیں۔ شیعہ امام پر نبی کے لفظ کا اطلاق نہیں کرتے لیکن حقیقت و معنیٰ نبوت اس کے لئے ثابت کرتے ہیں ایسے عقیدۂ امامت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختمِ نبوت کی نفی لازم آتی ہے اس عقیدۂ امامت کو شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے کُفر زندقہ قرار دیا ہے۔

کذالک من قال فی الشیخین ابی بکرؓ و عمرؓ مثلاً لیسا من اهل الجنة مع تواتر الحدیث فی بشارتهما. او قال ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم خاتم النبوة لکن معنی هذا الکلام انه لا یجوز ان یسمّی بعده احد بالنبی واما معنی النبوّة وهو کون الانسان مبعوثا من اللّٰہ تعالیٰ الی الخلق مفترض لطاعة معصوما من الذنوب وعلی الخطاء فیما یری فهو موجود فی الائمة بعده فذالک هو الزندیق وقد اتفق جماهیر المتاخرین من الحنفیة والشافعیة علی قتل من یجری ذالک المجری

(مسوی شرح مؤطا امام مالک ص ۱۱۰ ج ۲)

(ج) دین اسلام کی بنیادیں تو دو عقیدوں تحریف قرآن اور عقیدۂ امامت سے ہی ہل گئی تھیں مزید برآں رافضیہ امامیہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ سوائے تین، چار کے سب صحابہ کرامؓ العیاذ باللہ کافر و مرتد ہو گئے تھے۔ گو قرآن و سنت بوقتِ نزول ہر چند درست و صحیح بھی ہو لیکن صحابہ کرامؓ کے متعلق شیعوں کے اس عقیدہ کی بناء پر قرآن یا دین کے کسی حصہ کا ثبوت و بقاء قطعیت و تواتر کے درجہ میں باقی نہیں رہ سکتا۔ تین، چار کی روایت خبر آحاد میں سے ہوتی ہے خبر متواتر نہیں، اور خبر آحاد سے قرآن کریم اور عقائد کا ثبوت ممکن نہیں۔ اہل سنت والجماعت اور شیعہ مجتہدین سب کا یہی مذہب ہے۔

چنانچہ مولوی دلدار علی صاحب ''مجتہد اعظم'' ''حسام'' میں لکھتے ہیں۔

''خبر واحد اگر بے معارض ھم باشد ظنی ست در اصول اعتقادیات بآں تمسک نباید کرد بلکہ نزد محققین شیعہ امامیہ مثل ابن زہرہ، ابن ادریس، شریف مرتضی و اکثر قدماء و قابل احتجاج نیست ومتاخرین ایشاں ہمیں مذھب را اختیار کردہ اند ولہذا اخبار آحاد را در دلائل نہ شمردہ بلکہ ردّ آنرا واجب دانستہ خصوصا در اعتقادیات''۔

(بحوالہ النجم صفر ۱۳۵۱ھ)

الغرض، شیعہ اثناعشریہ، رافضیہ جو مندرجہ ذیل کُفریہ عقائد کے قائل ہیں۔ کہ

(۱) موجودہ قرآنِ کریم غیر محفوظ و ناقص ہے اس میں تحریف و کمی بیشی کی گئی ہے۔

(۲) عقیدۂ امامت (۳) سوائے تین چار کے باقی تمام صحابہؓ مرتد و کافر ہیں۔

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان اور الزام تراشی جو تکذیبِ قرآن کو مستلزم ہے۔

واضح رہے کہ شیعوں کے یہ کُفریہ عقائد شیعہ مذہب کی انتہائی معتبر اور مستند کتابوں، اصولِ کافی اور اس کا تتمہ الروضہ، ملا باقر مجلسی کی کتابوں جلاء العیون، حق الیقین، حیاتُ القلوب ص۳ ج۳، زاد المعاد۔ نیز حسین بن محمد تقی النوری۔ الطبرسی کی کتاب فصل الخطاب فی تحریفِ کتاب رب الارباب میں درجہ شُہرت و تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور ان کے مجتہدین بلا تاویل ان کُفریات کو اپنا عقیدہ قرار دیتے ہیں۔

لہٰذا شیعہ اثناعشریہ رافضیہ جو عقائدِ بالا کے قائل ہیں، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ مسلمانوں سے ان کا نکاح، شادی بیاہ جائز نہیں حرام ہے۔ مسلمانوں کے لئے ان کے جنازے میں شرکت جائز نہیں، ان کا ذبیحہ حلال نہیں، فقط واللہ اعلم۔

محمد حنیف جالندھری بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۹/۴/۱۴۰۷ھ مفتی خیر المدارس ملتان

محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اگر کوئی شیعہ یہ کہتا ہے کہ ہمارے یہ عقائد نہیں تو وہ اپنی مذہبی کتابوں سے بے خبر ہے یا تقیہ کرتا ہے کیونکہ تقیہ (جھوٹ) ان کے مذہب میں عبادت ہے۔ اور اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ایسے تمام شیعہ مجتہدین کی تکفیر کرے جو تحریف قرآن وغیرہ کُفریہ عقائد کے قائل ہیں فقط والجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ۱۹/۴/۱۴۰۷ھ

ما اجاب به المفتي عبدالستّار دامت بركاتهم فيه الكفاية و عليه المعول بل الحق الذى لا محيص عنه

وانا العبد المدعو محمد اسحاق غفرلہ مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح فیض احمد خادم جامعہ قاسم العلوم گلگشت کالونی ملتان ۲۲/۴/۱۴۰۷ھ

الجواب: اگر کسی نجس چیز ڈالنے کا اندیشہ نہ ہو تو مرزائیوں کے تالاب سے پانی لینا درست ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ان کے لئے کوئی متبادل انتظام کردیا جائے اور متبادل انتظام ہونے تک انہیں پانی سے نہ روکا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور نائب مفتی ۱۲/۱۱/۱۳۹۸ھ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مجالس محرّم میں شرکت کا حکم: بعض لوگ محرم میں اپنی بیویوں کو شیعوں کی مجالس میں بھیجتے ہیں تا کہ ذکر حسین میں شرکت ہو سکے۔ تو کیا وہ شرعاً مجرم ہیں۔ اور کتنے مجرم ہیں؟ محمد نواز جھنگ صدر

الجواب: ایسی مجالس میں شرکت کرنا اور بیوی کو بھیجنا جائز نہیں۔ اوّل تو یہ مجالس خود جائز نہیں ہیں مزید برآں یہ کہ ان مجالس میں کئی محرماتِ شرعیہ کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ ان مجالس کی صحیح حقیقت کسی شاعر نے یوں بیان کی ہے۔

یہ نمائش یہ تماشے یہ تنوع کاریاں — یہ شعار ناروا یہ ساز یہ تیاریاں
لباسِ نو میں اپنی شان وشوکت کی نمود — نئے پردوں میں اوہامِ قدامت کی نمود
یہ ڈھول و باجوں کا ہنگامۂ حشر آفریں — تال وسُر کے ساتھ نوحوں کی صدائے نازنین
یہ زیارت کے بہانے یہ نظارہ بازیاں — قومیت سازی کے پردے میں زمانہ سازیاں

مدعاء اس سے کچھ بجز عرض ریاکاری نہیں
اور کیا ہے یہ جو توہینِ عزاداری نہیں

سیماب اکبرآبادی

فقط محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۵/۲/۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اہلِ تشیع سے علم سیکھنے کا حکم: صحیح العقیدہ عالمِ دین اہلِ تشیع کے مدرسہ میں فاضل عربی کی کتب پڑھ سکتا ہے یانہیں؟ وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب: بہت سی وجوہ کی بناء پر ان سے علم حاصل کرنا درست نہیں۔ مثلاً (۱) اگر وہ کتب دینیہ ہیں تو دینی کتب ایسے اشخاص سے پڑھنی درست نہیں۔ کذا قال ابن سیرین رحمہ اللہ۔ مشکوٰۃ

(۲): شاگرد ہونے کی صورت میں ان کی تعظیم بھی کرنی ہوگی واکثرھم لیسوا باھل لھا۔

(۳): ان سے مخالط ومجالسۃ کی وجہ سے متاثر ہونے کا اندیشہ بھی ہے۔ وغیر ذالک

الحاصل ان سے کچھ نفع کے ساتھ بہت سے نقصانات کا اندیشہ بھی ہے۔ لہٰذا حسبِ قاعدہ معروفہ کہ ''دفعِ ضرر مقدم ہوتا ہے جلبِ منفعت سے۔'' ان سے تعلیمی رشتہ ہرگز نہ رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ　　　الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنے والے کا حکم: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بایں وجہ خارج از اسلام ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی۔ اور دشمنِ سادات تھے اور حکومت کی باگ ڈور لڑکے کے سپرد کی۔ حالانکہ وہ اس کا اہل نہیں تھا۔ اور سلف صالحین کے خلاف کیا۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دھوکہ کر کے ضیافت کے بہانے چاہ برد کیا۔

الجواب: امیر المؤمنین کاتبِ وحی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں شیعوں کی یہ ہرزہ سرائی قدیم سے ہے۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک قطعاً اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔ مذکورہ الزامات میں سے بعض غیر ثابت ہیں اور جو ثابت ہیں ان کو بناءِ تکفیر قرار دینا غلط ہے۔ قرآنِ کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو اس سے ان کا ایمان سلب نہیں ہو جاتا۔ بلکہ وہ اس کے باوجود مومن رہتے ہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما (الی ان قال) انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللّٰہ لعلکم ترحمون. الآیۃ

پس اسے بناءِ تکفیر قرار دینا باطل ہے۔

سادات کی دشمنی کا الزام بھی غلط ہے۔حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلقات بہت اچھے تھے۔یہاں تک کہ حضرات حسنینؓ ملاقات کے لئے شام تشریف لے جایا کرتے تھے۔اور حضرت معاویہؓ ان کی خدمت میں انتہائی بیش از بیش ہدایا پیش کرتے تھے۔چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

۱: قدم الحسن بن عليٌّ على معاوية فقال له لا جيزنک بجائزة لم يجزها أحد كان قبلي فاعطاه اربع مائة الف الف.

۲: ووفد اليه مرة الحسن والحسين فاجازهما على الفور بمائتي الف.

۳: وفد الحسن وعبدالله بن الزبير على معاوية فقال للحسن مرحبا وأهلا بابن رسول الله وأمر له بثلاث مائة الف. (البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۱۳۷)۔ایسے تعلقات کی موجودگی میں باہمی دشمنی کی رٹ لگانا دیوانگی ہی قرار دی جاسکتی ہے۔

یزید کی ولی عہدی کو بھی بناءِ تکفیر قرار دینا غلط ہے۔من ادعیٰ فعلیہ البیان۔اور اگر اسے بالفرض بناءِ تکفیر تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیثیت ہی مجروح نہیں ہوتی بلکہ وہ تمام لوگ بھی اس میں شامل ہوں گے جنہوں نے یزید کی ولی عہدی کو قبول کیا۔اور تاریخ وروایات سے ثابت ہے کہ صرف چند حضرات کے علاوہ باقی اکثر لوگوں نے اسے تسلیم کرلیا تھا۔پس یہ مسئلہ پوری ملت کی تکفیر کا بن جاتا ہے جسے کوئی منصف متدین تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔اگر کسی شخص کا دعویٰ ہو کہ اس قسم کی ولی عہدی نص قرآنی یا حدیثِ نبوی یا اجماع کے خلاف ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے پیش کرے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چاہ برد کرنے کا واقعہ بھی من گھڑت اور یاوہ گوئی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے طبعی موت سے وفات پائی۔اور وفات سے قبل وصیت بھی فرمائی ہے۔البدایۃ والنہایۃ میں ہے۔

عن زكوان انه جاء عبدالله بن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما يستأذن على عائشة وعند رأسها عبدالله بن اخيها عبدالرحمن فقال هذاً عبدالله بن عباس يستأذن وهي تموت الى ان قال فقالت ائذن له ان شئت قال فادخلته فلما جلس قال ابشري فقالت بماذا فقال مابينک وبين ان تلقى محمدا والاحبة الا ان تخرج الروح من الجسد

وبعد (الی ان قال) واوصت ان تدفن بالبقیع لیلا وصلی علیها ابوھریرۃ بعد صلوٰۃ الوتر اھ (ج۸:ص۹۳،۹۴)۔

پس حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف یہ بے بنیاد الزامات ہرگز ثابت نہیں ہیں۔اور جو ثابت ہیں ان کو موجب طعن وتکفیر قرار دینا غلط ہے۔ حضرتِ موصوفؓ دشمنوں کے جذبات کے علی الرغم امیر المومنین، خال المسلمین، کاتب وحی، رب العالمین، کامل الایمان، صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اندیشہ ہے کہ حضرتِ معاویہؓ کی شان میں گستاخی کرنے والے اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔کیوں کہ ارشاد نبوی ہے کہ جب غیر مستحق پر لعنت کی جائے تو وہ قائل پر لوٹتی ہے۔والعیاذ باللہ۔فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

روافض کو سُنّیوں کی مساجد میں نہ آنے دیا جائے: چک نمبر ۱۰۴/ای۔بی میں اکثریت سنیوں کی ہے اور تھوڑے سے گھر شیعہ کے ہیں۔شروع سے اس میں اہل سنت والجماعت اذان واقامت کے ساتھ نمازیں ادا کرتے آئے ہیں اور پیش امام بھی ہمیشہ سے جب سے مسجد بنی ہے آج تک اہل سنت کا ہوتا ہے۔ چند دن قبل شیعوں نے اسی مسجد میں اپنی آذان واقامت شروع کردی اور اپنی جماعت بھی کرانی شروع کردی۔یعنی دو اذانیں اور دو جماعتیں ہونے لگیں۔اہلِ سنت کی بھی اور اہل تشیع کی بھی۔کچھ فساد سا ہوا تو عدالت نے مسجد سیل کردی۔ بعدہ عدالت بورے والا سے ''اے سی صاحب'' نے فیصلہ فرمایا کہ مسجد اہل سنت کی ہے۔وہی اس میں نماز باجماعت ادا کرسکتے ہیں۔مگر شیعوں نے پھر اپیل کر رکھی ہے کہ ہمیں بھی جماعت کرنے کی اجازت دی جائے۔اب آپ فرمائیں کہ اہل سنت کی مسجد میں شیعہ اپنی اذان و اقامت کے ساتھ دوسری جماعت کراسکتے ہیں یا کہ نہیں؟ حضراتِ شیعہ کہتے ہیں کہ ہم نے چندہ دیا ہوا ہے۔اس لئے ہمارا حق بنتا ہے۔

الجواب: امداد المفتین: ج ا۔ص ۴۷۔ میں ہے کہ روافض کو مساجدِ اہل السنۃ میں آنے سے روکنا جائز ہے۔ نیز ان کو اجازت دینے میں فسادات کا دروازہ کھولنا ہے۔ کیونکہ اہلِ سنت کے پیشواؤں کو بُرا کہنا ان کے مذہب کا جزو ہے۔ بناء علیہ شریعت وانتظام کا تقاضا یہی ہے کہ ان کو سنیوں کی مسجد میں آنے سے روکا جائے۔ چندہ دینے سے استحقاق ثابت نہیں ہوتا۔

یکرہ دخولہ لمن اکل ذاریح کریھۃ ویمنع منہ وکذا کل موذ فیہ ولو بلسانہ. شامی ج ۳ ص ۳۸۱۔فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

سنی آبادیوں سے ماتمی جلوس گزارنا محض شرارت ہے: دریا خان میں محرم ۱۴۰۰ھ سے کچھ عرصہ پہلے مختلف چوکوں پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام کے کتبے لگا دیئے گئے۔ جس چوک سے شیعوں کے جلوس گزرتے ہیں اس چوک میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام مبارک کا بورڈ لگایا گیا اور بورڈ میں اس چوک کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسم مبارک سے موسوم کیا گیا۔ شیعہ لوگوں نے درخواستیں دیں۔ ضلعی انتظامیہ نے سنی حضرات سے کہا کہ یا بورڈ ہٹادو یا اس میں سے ''چوک'' کا لفظ مٹادو۔ چوک کا نام بغیر گورنمنٹ کی منظوری کے نہیں لکھا جا سکتا۔ سنی حضرات نے چوک کی بجائے ''منزل'' کا لفظ لکھ دیا۔ محرم میں شیعوں کا جلوس وہاں پہنچا تو اس میں سے کسی نے کیچڑ بورڈ پر پھینک کر اس کی بے حرمتی کی۔ شیعوں نے اس موقع پر ایسی نعرہ بازی کی کہ قریب موجود سنیوں نے جوش میں آ کر جواب دیا۔ دونوں طرف سے پتھراؤ ہوا۔ جس سے کچھ لوگوں کو زخم آئے۔ تحصیل بھکر کی انتظامیہ اور طرفین کے معززین نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفع کیا۔ اب پھر محرم میں تقریباً ڈیڑھ دو ماہ باقی ہیں۔ شیعوں کی طرف سے درخواست بازی شروع ہوگئی ہے۔ اور یہ مسئلہ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

سنی حضرات دو قسم کے انداز فکر رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت امیر معاویہؓ کے اسم مبارک کا کتبہ اس چوک سے ہٹا کر قریبی کسی ایسے چوک پر لگا دیا جائے جس سے شیعوں کے جلوس کا کوئی گزر نہ ہوتا ہو اور جلوس کی گزرگاہ میں حضرت سلمان فارسیؓ یا کسی اور صحابی کے اسم مبارک کا کتبہ لگا دیا جائے۔ جن کا احترام شیعہ بھی کرتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ بتایا جاتا ہے کہ ہر سال حضرت امیر معاویہؓ کے اسم مبارک کی توہین نہیں ہوگی۔ اور اس میں فساد کا خطرہ بھی نہیں ہوگا۔ توہین ہو جانے کے بعد کتنا ہی فساد ہو جائے اس سے خونریزی تو ہو سکتی ہے مگر توہین کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

دوسرا انداز فکر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے اسم مبارک کا کتبہ (بورڈ) چوک سے ہرگز نہ ہٹایا جائے۔ اگر یہ بورڈ ہٹا دیا گیا تو اس سے شیعہ لوگوں کی غلط حوصلہ افزائی ہوگی۔ جب کہ چوک کی تمام تر آبادیاں سنی حضرات کی ہیں۔ تو ہرگز یہ بورڈ نہ ہٹایا جائے۔

ان حالات میں شرعی حکم صادر فرمائیں کہ کیا خالص سنی آبادی میں واقع اپنے مکان سے ''امیر معاویہ منزل'' کی تختی اتار کر شیعوں کو یہ موقع دے دینا چاہیئے کہ وہ ہر چیز میں اعتراض کرتے ہوئے اور زیادہ دلیر ہو جائیں اور اس اپنی کامیابی کو مثال بنا کر ہمیشہ سنیوں سے اور انتظامیہ سے معمولی معمولی باتوں پر جھگڑا کریں۔ اور اپنی غلط بات منوانے کے لئے بے جا ضد کریں۔ اور کل کو کوئی مسلمان اپنے بچے کا نام بھی اس اسم مبارک پر رکھے یا کسی اور صحابی رسول اللہ علیہ وسلم کے نام پر رکھے تو یہ نام پر معترض ہو کر مسئلہ بنالیں؟

الجواب

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ماتمی جلوس نکالنا اور سینہ کوبی کرتے ہوئے، بازاروں میں پھرنا نہ اہل سنت کے نزدیک درست ہے نہ اہل تشیع کے نزدیک نہ اہل بیت کی تعلیم ہے۔ اور نہ کوئی شریف آدمی اسے اچھا سمجھتا ہے۔ اس کے باوجود بہت سے شیعہ سب سے زیادہ اہمیت اسی کو دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کے ذریعہ وہ اپنے چند مذموم مقاصد پورے کرتے ہیں۔ مثلاً اپنے مخالفین کے جذبات مجروح کرنا۔ اپنے نفاق پر پردہ ڈالنا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن و تشنیع کرنا وغیرہ ذالک۔ اگر شیعہ لوگ مخلص ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ

ایسی جگہ سے تعزیہ گزارنے پر اصرار کریں جہاں ایک گھر بھی شیعوں کا نہیں۔ حکومت کو بھی ایسے چوکوں سے تعزیہ گزارنے کی اجازت دیتے وقت اس بات کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اور اگر کہیں ایسی اجازت دے دی گئی ہو تو اس معاملہ میں مخلصانہ نظر ثانی کرنی چاہئے۔ اور اندیشۂ نقص امن کے تحت ان اجازتوں کو منسوخ کرنا چاہئے۔ نتیجۃً نہ شیعہ لوگ سنیوں میں آکر فساد کریں گے نہ لڑائی ہوگی۔ آخر وہ اپنے امام باڑوں میں کیا کچھ نہیں کرتے مگر اس پر فساد نہیں ہوتا۔ فساد اسی وقت ہوتا ہے جب وہ شرارت کے نظریہ سے کچھ کرتے ہیں۔

الحاصل

یا تو اہل تشیع کے سمجھدار طبقہ سے باہمی گفتگو کے ذریعہ کوئی مصالحتی صورت اختیار کر لی جائے۔ مثلاً وہ اسی چوک سے جلوس گزارنے پر اصرار نہ کریں۔ راستے اور بھی بہت ہیں۔ اور اگر وہ مصر ہی رہیں تو آئینی اور اخلاقی طور پر آپ کو اتنا حق تو ملنا چاہئے کہ آپ اس جگہ کا نام "معاویہ چوک" رکھ لیں۔ اور لکھ لیں۔

اگر ان سے کوئی بات طے نہ ہو سکے تو پھر گزارش حکومت سے کی جائے اور حکام کو بتاکید عرض کیا جائے کہ آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ مذکورہ جگہ سے تعزیہ گزارنا صحیح ہے یا نہیں۔ اور یہ بھی سوچیں کہ سنی جس بات کا مطالبہ کرتے ہیں وہ ان کا حق ہے یا نہیں۔ نیز امن قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ نقص امن کی بنیاد کو ختم کیا جائے۔

ہمارے خیال میں پہلی قسم کے انداز فکر میں کچھ کم ہمتی کا عنصر بھی ہے۔ وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں اپنے نظریات آپ کے مکانوں کے سامنے بیان کریں تو کچھ نہیں۔ اور آپ صرف اظہار عقیدت کی حد تک اپنی آبادی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالے عنہ کا نام لکھنا خلاف مصلحت سمجھتے ہیں۔ اگر توہین کا اندیشہ ہے تو آپ اکثریت میں ہوتے ہوئے اپنی اتنی حیثیت بھی پیدا نہیں کر سکتے کہ آپ کی آبادی میں آکر آپ کے بڑوں کی توہین کرنے کی کسی کو جرأت ہی نہ ہو۔ جو کہ مذہباً۔ عقلاً۔ شرافتاً۔ قانوناً کسی

طرح درست نہیں ہے

وہ سلئے ہاتھ میں تلوار جو چھپا ہیں کریں
ہم دعا کے لئے بھی ہاتھ اٹھایا نہ کریں

فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان شہر۔
الجواب صحیح ؛ بندہ عبدالستار مفتی خیر المدارس ملتان شہر
۴ / ۱۲ / ۱۴۰۰ھ

مودودی صاحب کے ساتھ علماء کرام کے اختلاف کی وجہ

علماء کرام کے ابوالاعلیٰ مودودی صاحب پر جو اعتراضات ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ۔ جماعت اسلامی والے کہتے ہیں کہ یہ محض ذاتی عناد ہے ۔ اور ہر اچھا کام کرنے والے کی مخالفت ہوتی ہے ۔

الجواب وہ خصوصی اعتراضات جن کے بارے میں آپ ہماری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں اصل تو یہ تھا کہ ان کی تفصیل سوال میں تحریر کی جاتی تاکہ بالیقین ان کے بارے میں اپنے عندیہ کا اظہار کر دیا جاتا ۔ لیکن سوال میں چونکہ ابہام واجمال سے کام لیا گیا ہے لہذا ہم بھی اجمالی جواب پر اکتفاء کرتے ہیں۔
جناب مودودی صاحب امور سیاست میں اعلیٰ مقام ہی کیوں نہ رکھتے ہوں ، اور کتنے ہی اعلیٰ درجہ کے انشار پرداز کیوں نہ ہوں ۔ لیکن دینی امور کے بارے میں ان کا غیر محتاط ہونا ، اور ان کے لٹریچر سے " سلف بیزاری " کے رجحانات کا پیدا ہو جانا ، علوم دینیہ میں ناپختگی اور سطحیت کی بنار پر اجماعی مسئلوں میں خلاف کرنا ، اور ضرورت کے مطابق محض اپنی خواہش سے مسائل شرعیہ میں لچک پیدا کر لینا ، یہ ایسے امور ہیں جو موصوف کی مسلمہ خصوصیات شمار کی جاتی ہیں ۔
اہل بصیرت پر مخفی نہیں کہ ان امور کے بارے میں موصوف سے صرف حضرات علماء کرام کو ہی اختلاف نہیں اور موصوف کے ان رجحانات کو صرف وہی دین کے لئے خطرناک تصور نہیں کرتے بلکہ مودودی صاحب کے قدیم ترین رفقاء (جو اس تحریک کو ایک دینی دعوت خیال کرتے ہوئے شامل ہوئے تھے) کو بھی ان امور کی بنار پر موصوف سے شدید ترین اختلاف پیدا ہوا ۔ کہ وہ بالآخر مایوس ہو کر جماعت سے الگ ہو گئے ۔ نیز ارباب بصیرت نے موصوف کے ان رجحانات اور سیاسی قلا بازیوں کو دین کے لئے انتہائی خطرناک قرار دیا ہے ۔ اس سلسلہ میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی ۔ اور مولانا عبدالرحیم صاحب اشرف کے مضامین خصوصیت سے قابل مطالعہ ہیں ۔

اور اس سلسلہ میں ان کی شہادت کافی وزن رکھتی ہے۔ کیوں کہ یہ حضرات گھر کے بھیدی اور عینی شاہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور عرصہ تک موصوف سے نیاز مندی اور خصوصی خدمت کا تعلق بھی انہیں رہا ہے۔ حضرات علماء کرام کی مخالفت کو اگر ذاتی عناد پر محمول کرکے دفع الوقتی کی جاسکتی ہے تو جماعت کے ان معتمد ترین مرکزی اراکین کی مخالفت کو کیا رنگ دیا جائے گا؟

" اور مولویوں کا کام ہی یہی ہے " حضرات علماء نے دورِ فرنگی کے گمراہ فرقوں کے بارے میں جب بھی ان کے غلط نظریات کی تردید کی اور ان کی جہالتوں اور خیانتوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے عوام کو ان فتنوں سے محفوظ رکھنے کی سعی کی، تو تقریباً اس قسم کی آوازیں سنی گئیں۔ کہ مولوی کی مخالفت ذاتی عناد پر مبنی ہے۔ مولوی کا مذہب مخالفت فی سبیل اللہ، وغیر ذالک۔

مرزائیوں نے علماء کرام کے بارے میں یہی کہا۔ منکرین حدیث نے یہی کہا اور یہی کہہ رہے ہیں۔ مودودی صاحب کے معتقدین بھی حضرات علماء کرام کو ایسی باتیں کہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مرزائی مولوی صاحب سے اس لئے سٹ پٹایا کہ اس کی رگِ باطل پر نشتر مولوی نے رکھا۔ اگر مولوی نہ ہوتا تو آج تک، مرزائیت مسلم معاشرہ کے رگ و پے میں سرایت کر چکی ہوتی۔ العیاذ باللہ۔ مگر حضرات علماء نے اس جعلی نبوت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ اور ملت کو اس سے محفوظ رکھا۔ منکرِ حدیث مولوی سے اسی سبب سے جل بھن رہا ہے کہ مولوی نے اس کے فتنہ پر ضرب کاری لگائی۔ اسی طرح جماعتِ اسلامی کے حضرات بھی علماء کرام کے بارے میں اسی قسم کا تبصرہ فرماتے رہتے ہیں۔ اس کا منشاء بھی کچھ اسی قسم کی باتیں ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرات علماء کرام کی مخالفت کسی بھی جماعت سے ذاتی عناد کی بناء پر نہیں۔ بلکہ حفاظت دین کی غرض سے ہے۔ اور جذبۂ خیر خواہی کے تحت ہے۔ مثلاً دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "کانے دجال" کی آمد کے بارے میں متعدد احادیث میں پیشین گوئی فرمائی ہے۔ جس کی تکذیب ممکن نہیں۔ لیکن جناب مودودی صاحب اس کی آمد کے بارے میں اپنی کوتاہ نظری کے سبب یا نہ معلوم کیوں یہ تحریر فرما گئے ہیں کہ۔

" یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں " (رسائل مسائل، ص ۵۲)

سوال یہ نہیں کہ آمدِ دجال کی بحث دورِ حاضر میں مفید ہے یا غیر مفید۔ مقصد یہ ہے کہ یہ انکارِ حدیث ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو موصوف سے حضرات علماء کرام کی مخالفت ایسے ہی امور کی بناء پر ہے اور حفاظت دین کے لئے ہے کسی ذاتی عناد کی بناء پر نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۲۳ / ۵ / ۱۳۸۷ھ
الجواب صحیح : بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۔

مودودی صاحب بعض مسائل و عقائد میں معتزلہ کے ہمنوا ہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ جماعت اسلامی کے بارے میں جو فتوی جات علماء دیوبند کے جاری ہوئے ہیں آپ کے نزدیک بالکل صحیح ہیں یا نہیں ؟ جماعت اسلامی کے ساتھ ہم اہلسنت و جماعت کو کیا تعلق رکھنا چاہئے ؟ نیز جماعت اسلامی کا جو اصولی اختلاف ہمارے ساتھ ہے واضح فرمائیں ۔

الجواب حضرت مدنی مدظلہ العالی اور حضرت قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا احمد علی صاحب زید مجدہم ۔ ان تینوں حضرات کے جو فتاوی مودودی صاحب کے متعلق ہیں وہ ہمارے نزدیک صحیح ہیں اور ان حضرات نے جو بھی مودودی صاحب کے متعلق فرمایا وہ تمام کا تمام مودودی صاحب میں پایا جاتا ہے اور وہ ان سے اکثر اوقات میں ظاہر بلکہ صادر بھی ہو چکا ہے ۔

۲ : مودودی صاحب کے عقائد اور نظریات اہل السنۃ والجماعت ، سلف صالحین سے بہت ہی ہٹے ہوئے ہیں ۔ بعض عقائد میں معتزلہ اور خوارج کے ہمنوا ہو جاتے ہیں ۔ تو جیسے دوسرے فرق اہل ہوا و بدع کا حکم ہے ایسے ہی ان کا ۔ اور مودودی صاحب خود بھی اس امر کا اعتراف فرماتے ہیں ۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جماعت اسلامی ایسا اسلام پیش کرتی ہے جو سلف صالحین بالفاظ مودودی قدامت پسند اور منکرین حدیث بالفاظ انکے جدت پسند کے درمیان راہ اعتدال ہے ۔ مودودی صاحب کی جماعت اب صرف سیاسی جماعت نہیں بلکہ اعتزال اور رسمی اسلام کے معجون مرکب کا نیم مذہبی اور نیم سیاسی فرقہ ہے ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جو لوگ عوام المسلمین میں سے نادانستہ ان کے ساتھ شامل ہو چکے ہیں اور ان میں داعیانہ اور سلف صالحین پر تنقید کی شان پیدا نہیں ہوئی ۔ ان کے ساتھ بقدر ضرورت میل جول جائز ہے تاکہ ان کو مودودیت کی حقیقت سمجھا کر صحیح اسلام پر باقی رکھا جا سکے اور جو لوگ عقائد و خیالات میں مودودیت کے اندر رنگے جا چکے ہیں اور ان کو جماعت اسلامی کی رکنیت کا سرٹیفکیٹ مل چکا ہے ۔ ان کے ساتھ عوام المسلمین کو اختلاط کرنا سخت مضر ہے ۔ عوام کو ایسے لوگوں سے باز رکھا جائے ۔

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد عبداللہ عفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔
الجواب صحیح ۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔

مودودی صاحب کی تالیفات

مولانا مودودی نے اپنی تصنیفات میں انبیاؑ، صحابہؓ، اولیاؒ اور ائمہ کرام کی توہین لکھی ہے کیا اس قسم کی تمام تصنیفات کو تمام مسلمان مردوں، عورتوں، بچوں، نوجوانوں کو پڑھنا چاہیئے؟ یا پڑھانا چاہیئے؟ یا پڑھنے کی ترغیب دینا چاہیئے؟ ایسے شخص کے بارے میں اسلام نے کیا حکم دیا ہے؟

الجواب

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مودودی صاحب کا بہت سا لٹریچر پڑھنے کے بعد، اور ان کی جماعت کے حالات دیکھنے کے بعد جو رائے دی ہے وہ بلفظہٖ یہ ہے۔

احقر کے نزدیک مودودی صاحب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ عقائد اور احکام میں ذاتی اجتہاد کی پیروی کرتے ہیں۔ خواہ ان کا اجتہاد جمہور علماءِ سلف کے خلاف ہو۔ حالانکہ احقر کے نزدیک منصب اجتہاد کے شرائط ان میں موجود نہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی تحریروں میں علماءِ سلف یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم پر تنقید کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ انتہائی غلط ہے خاص طور سے خلافت و ملوکیت میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو جس طرح صرف تنقید ہی نہیں بلکہ ملامت کا ہدف بھی بنایا گیا ہے وہ جمہور علمائے اہل سنت کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔ نیز ان کے لٹریچر کا مجموعی اثر بھی اس کے پڑھنے والوں پر بکثرت یہ محسوس ہوتا ہے کہ سلفِ صالحین پر مطلوب اعتماد نہیں رہتا۔ اور ہمارے نزدیک یہ اعتماد ہی دین کی حفاظت کا بڑا حصار ہے۔ اس سے نکل جانے کے بعد پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ بھی انسان نہایت غلط اور گمراہ کن راستوں پر پڑ سکتا ہے۔ (جواہر الفقہ، ج ۱، ص ۱۷۱)

اس میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب آگیا ہے۔

نوٹ! حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ میری آخری رائے ہے اس سلسلہ میں میری تمام سابقہ آراء اور تحریرات کو منسوخ سمجھتے ہوئے اسے حرفِ آخر سمجھا جائے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۴/۱۲/۱۴۰۱ھ

مودودی جماعت کے بارے میں چند سوالات

۱: جماعتِ اسلامی کے امیر ابوالاعلیٰ مودودی کے عقائد علماءِ اہل السنت والجماعت کے موافق ہیں یا مخالف؟

۲: کیا اکابر دیوبند از اوّل تا آخر مودودی صاحب سے اختلاف کرتے چلے آرہے ہیں یا نہیں؟

۳: کیا یہ اختلاف مودودی صاحب سے اصولی ہے یا فروعی ہے؟

۴ ؛ کیا صحابۂ کرام رضؓ معیارِ حق ہیں ؟ کیا یہ اہل السنۃ کا متفق علیہ مسئلہ ہے یا کسی نے اس میں اختلاف بھی کیا ہے ؟

۵ ؛ مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت میں صحابۂ کرام کی حیاتِ طیبہ کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس سے صحابۂ کرام کی توہین تو نہیں ہوئی ؟

۶ ؛ ایسی جماعت سے تعاون کرنا کیسا ہے ؟

○ ؟ ؟ ؟ ○

الجواب ۱ ؛ مودودی صاحب کے عقائد و نظریات مسلکِ اہل السنت والجماعت سے بہت ہی مختلف ہیں۔

۲، ۳ ؛ اکابر کا اختلاف مودودی صاحب کے ساتھ دین کی وجہ سے ہے۔ نیز یہ اختلاف اصولی ہے۔ اس بارے میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی تصنیف "حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی" کا مطالعہ کریں بہت مفید رسالہ ہے۔ دفتر خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور سے مل سکتا ہے۔ خود بھی پڑھیں اور زیادہ تعداد میں منگوا کر مفت تقسیم کرکے خدمتِ دین میں حصہ لیں۔

۴ ؛ حدیث شریف میں ہے تفترق امتی علی ثلث وسبعون ملۃ کلھم فی النار الا واحدۃ قالوا ما ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی (رواہ الترمذی)

آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے اہل ہدایت کی شناخت میں فرمایا کہ میرا اور صحابۂ کرام رضؓ کا جو طریق کار ہے وہی نجات کا ذریعہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے۔

" من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ و لاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوھم علی اثرھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم " رواہ رزین مشکوۃ ج ص ۳۲۔

اثرِ مذکور سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ دین کی معرفت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم قرآنِ پاک کی مراد اور سنتِ نبویہ کے صحیح طریقے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی اقتداء میں معلوم کریں۔ اگر ہم ان کی اقتداء نہیں کریں گے تو گمراہی کا شکار ہو جائیں گے۔

۵ : حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری کی کتاب " عادلانہ دفاع " کا مطالعہ فرمائیں۔
۶ : جماعت اسلامی کے ساتھ ان کے مخصوص نظریات و عقائد میں کسی طرح تعاون جائز نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان

○

جماعت اسلامی کا مکمل رکن بننے کے بعد اپنے فقہی مسلک پر رہنا ناممکن ہے

ایک شخص جو حنفی المذہب درس نظامی کا فارغ اپنے فقہی مسلک پر قائم ہے۔ جماعت اسلامی میں شریک ہو کر اقامت دین کے لئے جماعت اسلامی کے تجویز کردہ نظم کو معمول رکھتا ہے۔ کیا صرف اس بنا پر کہ وہ جماعت کا رکن یا متفق ہے اس کی نماز میں اقتدار ناجائز ہے؟

۲ : اگر اقتدار ممنوع نہ ہو تو محض اس جرم میں کوئی شخص اس کی اقتدار کو ناجائز قرار دے کر نماز جمعہ و عیدین علیحدہ قائم کرے تو اس کو تفریق بین المسلمین کہا جائے گا؟

۳ : مولانا حسین احمد مدنی مدظلہٗ کے اعتراضات اور فتوے شائع ہونے کے بعد جب کہ جماعت اسلامی کے پیش کار لوگوں نے اپنے عقائد اور خیالات کو واضح کرتے ہوئے بیانات شائع کئے ہیں۔ ان دیں حالات ان کے بیانات کو نظر انداز کرتے ہوئے مولانا موصوف کا فتوےٰ بدستور درست اور واجب العمل ہوگا یا نہ؟

الجواب جماعت اسلامی میں شریک یا رکن اور متفق کامل ہو کر رہنے کے بعد اپنے مسلک فقہی پر کاربند ہونا مشکل ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے نظر بندی سے رہائی کے بعد سرگودھا وغیرہ مقامات میں جو تقریریں کی ہیں ان میں صاف صاف اعلان کیا ہے کہ جماعت اسلامی ملک میں ایک ایسا مذہب رائج کرنا چاہتی ہے جو کہ قدامت پسندوں اور جدت پسندوں کے درمیان راہ اعتدال ہو۔

قدامت پسندوں میں وہ علماء بتلاتے ہیں جو " درمختار اور کتب فقہ " پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات غلط اور دھوکہ ہے کہ کوئی اپنے مسلک فقہی پر قائم رہ کر جماعت اسلامی کے تجویز کردہ آئین کو اپنا معمول بنا سکتا ہے جماعت اسلامی کا شائع کردہ لٹریچر واضح طور پر بتا رہا ہے کہ تقلید ائمہ گمراہی ہے اور فقہ حنفی کے مسائل

غلط ہیں۔ لہذا کچھ علماء یا عوام مسلمان اس مودودی مولوی کو الگ کریں تو تفریق بین المسلمین کے مرتکب مودودی صاحب ہوں گے نہ کہ عوام المسلمین۔

جماعت اسلامی نے اپنے نظریات اور عقائد سے بالکل رجوع نہیں کیا۔ لعان، تفریق بین الزوجین وغیرہ مسائل اختلافیہ میں کہاں رجوع کیا ہے۔ لہذا حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ صحیح ہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس ملتان شہر

جماعت اسلامی کے بارے میں چار سوال

۱: مودودی جماعت کی حیثیت کیا ہے؟

۲: ان سے میل جول رکھنا کیسا ہے؟

۳: ایسے لوگوں کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

۴: ان کو جماعت اسلامی کہا جا سکتا ہے؟

الجواب مودودی صاحب کے عقائد و نظریات مسلک اہل السنۃ والجماعۃ اور سلف صالحین سے بہت ہی مختلف ہیں۔ بعض عقائد میں معتزلہ اور خوارج کے ہمنوا ہو جاتے ہیں جو حکم اہل ہویٰ و بدع کا ہے وہی ان کا ہے۔

۲: جو لوگ عوام المسلمین سے نادانستہ ان کے ساتھ شامل ہو چکے ہیں اور ابھی تک جماعت اسلامی کی رکنیت کا سرٹیفکیٹ ان کو نہیں ملا، اور ان میں داعیانہ اور سلف صالحین پر تنقید کی شان پیدا نہیں ہوئی ان کے ساتھ بقدر ضرورت میل جول جائز ہے تاکہ ان کو مودودیت کی حقیقت سمجھا کر صحیح اسلام پر باقی رکھا جا سکے۔ اور جن کے عقائد و خیالات میں مودودیت رچ چکی ہے ان کے ساتھ عامۃ المسلمین کو اختلاط سخت مضر ہے۔ عوام کو ایسے لوگوں سے باز رکھا جائے۔

۳: وہ ائمہ جو مودودیت کے داعی ہیں اور بزرگان سلف صالحین اور اکابر علماء پر تنقید کرتے ہیں ساتھ ساتھ مودودیت کی تبلیغ بھی کرتے ہیں ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور جو اس قسم کے نہ ہوں ان کے پیچھے نماز جائز ہے۔

۴: اگر اسلام سے مراد وہ اسلام لیا جائے جسے جمہور امت نے پیش کیا ہے تو اثبات میں جواب مشکل ہے۔

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ - ۷/۱۱/۱۳۹۶ھ

عصرِ حاضر کی تحریکات میں شرکت کیلئے ایک اصول

ایک آدمی مسجدِ نور کی تحریک میں حصہ لیتا ہے اور قبل از فیصلہ ضمانت پر رہا ہو کر آجاتا ہے کیا اس کا یہ فعل ماں بہن کے ساتھ زنا کے مترادف ہے ؟

۲ : اگر کوئی آدمی غصہ میں اکابرِ جمعیۃ کو گالیاں دیتا ہے تو کیا اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جاسکتا ہے ؟

۳ : کیا مسجدِ نور کی تحریک میں حصہ لینے والے اور قبل از فیصلہ ضمانت کرانے والے جہاد کے منکر ہیں ؟

۴ : کیا اس تحریک سے از خود ضمانت کرالینا اسلام کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کے مترادف ہے ؟

۵ : کیا اس دور میں صرف دیوبندیت اسلام کا نام ہے ؟ سید عبدالواحد بخاری گوجرانوالہ

الجواب ا، ۲، ۳ : مسجدِ نور کی تحریک کے سلسلہ میں ہمیں تحقیقی و تفصیلی علم نہیں ہے لہٰذا تحقیق و تفصیل کے ساتھ جواب دینے سے معذور ہیں ۔ بطورِ ضابطہ اور قاعدہ کلیہ کے ایک اصول یاد رکھیں کہ جب بھی کوئی فرد یا جماعت مخلصانہ طور پر دین کے لئے کوئی تحریک برپا کرے تو تمام مسلمانوں کا قومی و ملی فریضہ ہے کہ اس کے ساتھ تعاون کریں ۔ لقولہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقوی الآیۃ کسی تحریک میں شرکت کے بعد پاؤں پیچھے ہٹا لینا یہ تحریک کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے ۔ اس سے دوسروں کے حوصلے بھی پست ہوتے ہیں اور تحریک جتنی اہم ہوگی اس میں شرکت کے بعد پیچھے ہٹنا اتنا ہی زیادہ جرم ہے ۔

۴ : گالی دینا کسی بھی مسلمان کو جائز نہیں ۔ مگر اس سے آدمی کافر نہیں ہوجاتا ۔ لقولہ علیہ السلام سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر ۔

۵ : تجربہ و تحقیق شاہد ہے کہ اہلِ دیوبند نے جو کچھ کیا وہ خلوص پر مبنی تھا اور ہمیشہ صحیح اسلام کی ترجمانی کی ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۔ ۲۵ / ۱۱ / ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بریلویوں سے مراسم رکھنے کا حکم

ہمارے کچھ رشتہ دار بریلوی ہوگئے ہیں کبھی خیال آتا ہے کہ دینی غیرت و حمیت کا تقاضا ہے کہ ان کے ساتھ بالکل تعلقات نہ رکھے جائیں ۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ صلہ رحمی ضروری کی جائے ۔ جو صحیح حکم ہو اس سے آگاہ فرمائیں ۔

الجواب بریلوی رشتہ داروں کے ساتھ میل جول اور آمد و رفت میں عقائد خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو تعلقات رکھنے جائز ہیں ۔ بلکہ کسی حد تک ضروری ہیں ۔ اگر اس صلہ رحمی سے ان کے راہِ راست پر آنے کی توقع ہو تو اسے ہرگز ترک نہ کیا جائے ۔ وعن اسماء بنت ابی بکر قال قدمت

علی امی وھی مشرکۃ فی عہد قریش فقلت یارسول اللہ ان امی قدمت علی وھی راغبۃ افاصلہا قال نعم صلیہا اھ متفق علیہ (مشکوۃ ص۴۱۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۲/۲/۱۴۰۰ھ

ایک دینی جماعت کے بارے میں بے ادبی کے کلمات

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حقارت کی بنا پر کہتا ہے کہ "اشاعت التوحید والسنہ" کو اپنے خصیتین پر لکھنا نہیں چاہتا۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت محمدی کا کیا فیصلہ ہے؟

الجواب شخص مذکور نے سخت بے ادبی کا کلمہ کہا ہے واجب التادیب ہے۔ نیز توبہ و استغفار کثرت سے اس پر لازم ہے۔ اور مفصل حکم قائل کی تعبیر بتانے کے بعد معلوم کیا جائے۔

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : محمد صدیق غفرلہٗ مدرس مدرسہ خیر المدارس ملتان۔ ۳۰/۴/۱۳۹۸ھ

وجوب تقلید ائمہ ، تقلید کے بارے میں بحث

سچ پوچھو تو مولانا مفتی صاحب بندہ کے ذہن میں یہ خلش ہمیشہ رہی کہ بہت سے علماء حنفی مقلدین دوست حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کو فرض بتاتے ہیں۔ اور علماء اہل حدیث حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سمیت ائمہ کی تقلید کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اتنا بڑا فرق کیوں ہے۔ اسی خلش و تذبذب کو دور کرنے کی خاطر بندہ نے آپ کی خدمت میں رجوع کیا تھا۔ جیسا کہ آپ نے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کے جواب آنے پر بہت سے دلائل مل سکتے ہیں۔ اسی لئے بندہ آپ کی خدمت میں مختصر طور پہ وہی سوال دھرا رہا ہے۔

۱ ، شرعی طور پر تقلید شخصی کا مفہوم سمجھائیں اس کا کیا مقام ہے؟

محترم مولانا مفتی صاحب بندہ کو سمجھانے کے لئے قرآن پاک سے کوئی ایک آیت کریمہ یا احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایک حدیث بطور دلیل پیش کر کے سمجھائیں تو بندہ اس پر غور و فکر کر کے سمجھنے کی ضرور کوشش کرے گا۔ انشاء اللہ.....

الجواب کسی جاہل شخص کو ایک صورت درپیش ہے۔ لیکن اس کا حکم معلوم نہیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز لازمی طور پر اسے کسی عالم کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ جس سے حکم معلوم کیا جاسکے۔ رجوع کرنے

سے پہلے یہ شخص ضرور یہ سوچے گا کہ میں ایسے عالم سے مسئلہ دریافت کروں جو شریعت کے علم میں کامل ہو۔ اور حق جل شانہ سے ڈرنے والا یعنی متقی و پرہیز گار ہو۔ کیوں کہ اگر عالم علم میں کامل نہیں تو جاہل سے کیا جواب بن سکے گا۔ اور اگر متقی و پرہیز گار نہیں تو کسی وجہ سے غلط بیانی کا احتمال ہے۔ جب کامل علم رکھنے والا، متقی و پرہیز گار عالم مل جائے تو اس سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں۔ اگر ایک عالم پر کسی کا اعتقاد پختہ ہو گیا ہے اور اس سے مسئلہ دریافت کرتا ہے تو تقلید شخصی ہے۔ اور متعدد سے پوچھتا ہے تو تقلید غیر شخصی ہے۔ اور ناواقف کا عالم سے دریافت کا حکم قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔

قال اللہ تعالی " فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون "

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ وفی الآیۃ دلالۃ علی وجوب المراجعۃ الی العلماء فیما لا یعلم اھ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "انما شفاء العی السوال" یہ حقیقت بھی ذہن میں رہے کہ سائل معلوم یہی کرتا ہے کہ اللہ تعالے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس صورت کا کیا حکم ہے۔ عالم کی مرضی دریافت نہیں کرتا۔

پس دلائل بالا سے تقلید کی ضرورت عوام کے لئے ثابت ہو گئی۔ اگر کوئی کہے کہ عالم سے دلائل مسئلہ بھی پوچھ لے تاکہ تقلید سے نکل جائے۔ تو جواب یہ ہے کہ اولاً سوال دلیل کی فرضیت کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا جائے کہ جاہل کا عالم سے بغیر دلیل طلب کئے مسئلہ پوچھنا حرام ہے۔ اور ثانیاً یہ ہے کہ اگر جاہل دلیل پوچھے بھی، تو بھی اسے عالم کے قول پر اعتماد کئے بغیر چارہ نہیں۔ دلیل کے دلیل بننے تک جاہل کو کچھ امور میں عالم کی تقلید کرنا پڑے گی۔

۱ : یہ آیت یا حدیث واقعی آیت یا حدیث ہے۔ خود جاہل یہ بھی نہیں جان سکتا۔

۲ : اس کے ترجمے اور مطلب میں بھی تقلید کرنا ہو گی۔ اپنے جہل سے عامی شخص صحیح و غلط ترجمے میں بھی تمیز نہیں کر سکتا۔

۳ : یہ حدیث یا آیت منسوخ نہیں۔

۴ : یہ دوسری دلیل سے معارض نہیں۔

۵ : یہ حدیث صحیح ہے، ضعیف یا موضوع نہیں۔

۶ : قرآن و حدیث کے پورے ذخیرے میں اس سے راجح یا قوی کوئی دلیل موجود نہیں وغیرذالک۔

ایک مسئلہ میں تقلید سے بھاگے تو چھ مقامات پر تقلید کرنا پڑ گئی۔ فر من المطر وقام تحت المیزاب کی مثل اس پر صادق ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ جو لوگ عوام کو تقلید سے منع کرتے ہیں

وہ ائمہ کی تقلید ترک کرا کر اپنی تقلید کراتے ہیں۔ عامی کو تقلید سے چارہ نہیں خواہ ائمہ کی کرے یا آج کل کے ناقص العلم لالچی مولوی کی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۳۰ر۱۰ر۱۳۹۱ھ

اس دور میں تقلید ضروری ہے

تقلید اور عدم تقلید کی بحث ایک عرصہ سے چل رہی ہے۔ آپ برائے مہربانی ادلّۂ شرعیہ سے ثابت فرمائیں کہ تقلید کیوں ضروری ہے۔

الجواب جو شخص مرتبۂ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو اس پر کسی عالم و مجتہد کی تقلید کرنا ضروری ہے۔ لقوله تعالى فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون الآية۔ اور احادیث بھی اس بارہ میں بکثرت وارد ہیں اور اس کا نام تقلید مطلق ہے۔ ایک معین امام کی تقلید کی جائے اور تمام مسائل میں اسی سے رجوع کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس وقت جو مل جائے اس سے پوچھ کر عمل کر لیا جائے۔ چونکہ اس دور میں ہوائے نفسانیہ کا غلبہ ہے اس لئے جمہور علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تقلید کی پہلی صورت کو اختیار کیا جائے۔ ع یک در گیر و محکم گیر۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۹ر۹ر۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

غیر مقلدین سے اختلاط کا حکم

ایسا غیر مقلد جو فقہ حنفی کو رگڑم بگڑم کا مجموعہ بتلائے اور ائمہ اربعہ کے متعلق یہ کہے کہ ممکن ہے وہ احادیث جو آج ہم کو پہنچی ہیں ائمہ اربعہ کو نہ پہنچی ہوں۔ اور اپنی رائے کو ائمہ اربعہ سے صائب سمجھے۔ اپنی تقریروں میں لوگوں کو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں احادیث بیان کر کے یہ کہے کہ دیکھو امام اعظم نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فیصلہ کیا ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور تعلیم و تعلم کا باقی رکھنا اور اس کی تقریروں میں عوام کا جانا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں ؟

عبدالحمید لدھیانوی خادم مدرسہ تعلیم القرآن ام المدارس لائل پور

الجواب ایسا غیر مقلد جو مختلف فیہ مسائل میں مذہب حنفیہ کی رعایت کرتا ہو مثلاً وہ مسائل جن میں حنفیہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے یا پانی کی طہارت و نجاست میں ائمہ مذاہب کی رعایت کرتا ہو تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے ورنہ نہیں۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ غیر مقلدوں کی صحبت انسان کے اندر گستاخی اور لاپرواہی، سلف صالحین پر نکتہ چینی کا مزاج پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے ان کی صحبت اور ان کے ہاں آنے جانے سے عوام کو احتراز اولیٰ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، خیر محمد عفی عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان ۔ ۲۴ محرم ۱۳۷۲ھ

اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ۔ اس مسئلہ کے بارے میں

۱ : ائمہ کرام کے پاس قرآن وسنت موجود تھے پھر مسائل کے اندر اختلاف کیوں ہے ؟

۲ : غیر مقلد کب سے پیدا ہوئے ان کی بنیاد کس نے رکھی اور عرب میں انکی اکثریت کیوں ہے ؟

سائل ، شاکر ، مدرسہ عربیہ جامعہ مدنیہ حسینیہ
تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ ۔

الجواب ۱ : جب دلائل میں (قرآن وحدیث) میں اختلاف موجود ہے تو مسائل میں اختلاف لازمی ہے ۔ الا یہ کہ ایک امام کا اتباع کرلیا جائے ۔ مطلب یہ ہے کہ ائمہ متبوعین میں اختلاف کبھی اُدلّہ میں اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ مثلاً استقبال واستدبار قبلہ عند قضاء حاجت میں احادیث میں اختلاف ہے ۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے ۔ اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ بغائط ولا ببول ولکن شرقوا او غربوا (الحدیث)

حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے ۔ فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی لبنتین مستقبل بیت المقدس لحاجتہ (ابوداؤد) اس سے استدبار قبلہ اور استقبال بیت المقدس کی ممانعت ظاہر ہے ۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلتین ببول او غائط (ابوداؤد شریف) اور بعض احادیث میں صرف استقبال قبلہ کی ممانعت ہے ۔ استدبار کی نہیں ۔ کما فی حدیث ابی ایوب مرفوعاً عند ابی داؤد وغیرہ اور حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہی استقبال کا منسوخ ہونا معلوم ہوتا ہے ۔ لفظہ ، نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلۃ ببول فرأیتہ قبل ان یقبض بعام یستقبلہا (ابوداؤد شریف) یہ صرف ابوداؤد شریف کے ایک باب کی احادیث کا بیان تھا ۔ اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ تقریباً ہر باب میں فی الجملہ اختلاف موجود ہے ۔ اور حضرات ائمہ قواعد شرعیہ اور فہم خداداد کی روشنی میں ان احادیث میں تعمیم وتطبیق و ترجیح ونسخ کا قول کرتے ہیں ۔

مسئلہ بالا میں بعض ائمہ نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل کیا کہ استقبال واستدبار قبلہ عند الحاجت صحراء میں ہو یا آبادی میں ، مطلقاً ممنوع ہے ۔ اور بعض احادیث کے جوابات دیئے اور بعض

نے بنیان و صحرا میں فرق کیا۔ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تخصیص و تقیید کو معتبر جانا۔ اور دیگر بعض ائمہ نے استدبار کو جائز رکھا۔ لحدیث ابن عمر و لحدیث ابی ایوب۔

اور بعض حضرات نے حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل کیا۔ اور باقی تمام احادیث واردہ فی الباب کو منسوخ قرار دیا۔ اسی طرح تمام ابواب احادیث میں سمجھئے۔

ایک اور سنئے! مکہ مکرمہ میں تین ائمہ (ابوحنیفہ رحؒ، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ وغیرہم) تشریف لے گئے۔ ایک سائل نے ایک امام سے پوچھا کہ بیع میں شرط جائز ہے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ ناجائز ہے شرط بھی اور بیع بھی۔ دوسرے سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ بیع صحیح اور شرط باطل ہے۔ تیسرے سے پوچھا اس نے کہا کہ بیع جائز اور شرط بھی جائز۔ اس پر سائل نے سارا قصہ اختلاف سنایا کہ آپ یوں کہتے ہیں، فلاں یوں کہتا ہے۔

ایک امام صاحب نے کہا کہ ان کا مجھے علم نہیں۔ میری دلیل حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں اونٹ خریدا اور مدینہ تک سواری کی شرط منظور فرمائی۔

دوسرے امام نے فرمایا کہ میری دلیل حدیث بریرہ رضہ ہے کہ ان کی خرید میں شرط ولاء کو باطل اور بیع کو صحیح قرار دیا گیا تھا۔

اور امام ابوحنیفہ رح نے کہا کہ میری دلیل یہ حدیث ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع وشرط۔

یہ تو ائمہ حدیث و فقہ کا احسان عظیم ہے کہ ہر باب کی مختلف احادیث میں ایک واضح فیصلہ فرما گئے اور امت کو گمراہی سے بچا لیا۔ پرویزی ٹولہ ان اختلاف کو دیکھ کر اپنا ایمان کھو بیٹھا ہے۔ بہرحال کبھی اختلاف مسائل اختلاف دلائل سے ناشی ہوتا ہے اور کبھی ایک دلیل مختلف معانی کی محتمل ہوتی ہے۔ مجتہد اپنے نور بصیرت سے دیگر نصوص و دلائل کی روشنی میں اس کے ایک معنیٰ کو ترجیح دیتا ہے۔ اور دوسرا دوسرے معنیٰ کو۔ اور کبھی نص کا معنی ظاہر ہوتا ہے لیکن کسی دوسری دلیل (قرآن و حدیث وغیرہ) سے اس کا تعارض ہوتا ہے۔ دفع تعارض کے لئے حقیقی اور ظاہری معنی کو چھوڑ کر مجازی معنیٰ لیا جاتا ہے۔ اور بعض اس نص کو ظاہر پر رکھتے ہیں۔

لہ محلی ابن حزم میں ہے۔ حدثنا عبد الوارث هو ابن سعید قدمت مکة فوجدت بها اباحنیفة و ابن ابی لیلی و ابن شبرمة وکذا نقل ابن همام عن معجم الطبرانی ۔ ج ۸، ص ۴۱۵۔ وکذا فی العارضة لابن العربی۔

محمد انور عفا اللہ عنہ، دار الافتاء خیر المدارس ملتان۔ ۲۶ / ۱۰ / ۱۴۰۰ھ

ایسا اختلاف فہم حدیث اور استنباطِ مسئلہ کے بارے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اندر بھی موجود تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کیطرف لشکر روانہ کیا۔ اور فرمایا۔ لا یصلین احد کم العصر الا فی بنی قریظة ۔ جب عصر کا وقت بہت تھوڑا رہ گیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں اختلاف ہوا کہ بعض نے ظاہری معنیٰ پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ راستہ میں نمازِ عصر نہیں پڑھیں گے گو قضاء ہو جائے اور بعض نے کہا کہ فرمانِ نبوی ص سے تعجیل مقصود ہے کہ جلد پہنچو۔ قضاء کی اجازت دینا نہیں۔ کیوں کہ یہ قرآنِ کریم کے خلاف ہے۔ ان الصلوٰة کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتا ۔ پس انہوں نے نمازِ عصر راستہ میں پڑھ لی۔ جب بارگاہِ رسالت میں معاملہ پیش ہوا تو آپؐ نے فریقین کی تصویب فرمائی۔ اور بھی سینکڑوں مسائل میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اختلاف موجود تھا بلکہ اکابر صحابہؓ خلفاءِ راشدین تک یہ اختلافِ مسائل موجود رہا۔ حالانکہ وہ شاہدانِ نزول وحی تھے۔ صحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و برکات سے فیض یافتہ تھے۔ جب ان کا اختلاف مسائل گمراہی نہیں لقولہ علیہ السلام اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم تو حضرات ائمہ متبوعین جو بالکل ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں ان کا اختلاف کیوں کر باعثِ اختلاف ہو سکتا ہے؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس قرآن وحدیث نہ تھا؟ کیا ان کو قرآن وحدیث کا علم نہ تھا (العیاذ باللہ) کیا وہ دین کے بارے میں مخلص نہ تھے؟

اختلافِ دلائل وغیرہ اسبابِ اختلاف کی موجودگی میں تقلیل اختلاف کا ایک ہی راستہ ہے کہ ائمہ متبوعین میں سے کسی ایک کا اتباع کر لیا جائے۔ کہ قرآن وحدیث سے سمجھ کر جو وہ مسئلہ بتائیں اس پر عمل کر لیا جائے۔ ایسا نہ کرنا اختلاف در اختلاف پیدا کرے گا۔

غیر مقلدین کے جتنے عالم "مجتہد" بنتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کا دوسرے کے ساتھ شدید اختلاف ہوتا ہے۔ مثلاً "بعض نے چار نکاح کو جائز رکھا اور بعض نے نو کو، اور بعض نے اٹھارہ کو۔"

" بعض نے کہا کہ پانی کے قریب پیشاب کرنا منع ہے کہ پانی ناپاک ہوگا۔ اور بعض نے کہا کہ پیالہ میں پیشاب کر کے اگر پانی میں ڈال دیا تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔

قرآن وحدیث کی موجودگی میں غیر مقلدین کے اندر شدید اختلاف موجود ہے جن میں سے اکثر جہل سے ناشی ہیں۔ جب بقول ان کے یہ مضر نہیں۔ تو حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ائمہ متبوعین کے علمی اختلاف کیوں کر قابلِ اعتراض ہو سکتے ہیں؟ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

اہل کتاب کا حکم اخروی

۱ ؛ اہل کتاب کی تعریف کیا ہے ۔ ۲۔ اہل کتاب کافر ہیں یا نہیں ۔۳۔ کیا یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ؟ ۴۔ اعراف میں کون لوگ ہوں گے ؟ ۔

عبدالحمید آزاد مصری شاہ لاہور

الجواب

۱ ؛ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی کتاب کے ماننے والے اور اس کی اتباع کے دعویدار ہوں جس کا آسمانی ہونا اور وحیٔ الٰہی ہونا نصوص قرآنی و سنت سے ثابت ہو۔

۲ ؛ اللہ رب العزت نے بندوں کی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔ كل امن بالله و ملئكته و كتبه ورسله (البقرہ) ان الذين يكفرون بالله ورسله ويقولون نؤمن ببعض و نكفر ببعض ۔ ان آیات سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔

۱ ؛ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے ۔

۲ ؛ جو لوگ بعض پر ایمان لاویں بعض پر نہ لاویں وہ کافر ہیں ۔

۳ ؛ اور کافر کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہے ۔

پس عیسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے۔ اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کافر ہیں ۔ اور دوسرے مقام پر بالتخصیص بنی اسرائیل یہود و نصاریٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا يا بنی اسرائیل اذكروا نعمتی التی انعمت علیکم تو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل ایمان بالقرآن کے مامور ہیں اور ایمان نہ لانے کی صورت میں کافر ہیں ۔ اور کافر کی سزا جہنم ہے۔ ومن يكفر به من الاحزاب فالنار موعده قرآن کریم اور کتب سابقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی تھی ۔ جیسا کہ سورۂ صف میں ہے ومبشرا برسول یأتی من بعدی اسمه احمد ۔ لہٰذا آپ پر ایمان لانا توریت و انجیل کی تعلیم کے مطابق بھی ضروری ہے ۔

۳ ؛ اگر ایمان نہ لاویں تو کافر ہیں اور ان کی سزا جہنم ہے اور یہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ۔

۴ ؛ اعراف میں وہ لوگ ہوں گے جن کی حسنات و سیئات میزان میں برابر ہوں گی ۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

۱۳۹۹/۲/۴ھ

الجواب صحیح ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

مَا يَتَعَلَّقُ بِالتَّارِيْخ

سب سے پہلے کیا چیز پیدا کی گئی

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ سب سے پہلے اللہ پاک نے کون سی چیز پیدا کی تھی ؟ جب کہ بدعتی حضرات کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے حضور علیہ السلام کے نور کو پیدا کیا تھا کیا یہ واقعی درست ہے ؟ کہ اللہ پاک نے تمام مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل نبی علیہ السلام کے نور کو پیدا فرمایا۔ جواب قرآن و حدیث سے عنایت فرمائیں بینوا توجروا۔

الجواب ملا علی قاری رح مرقات ، ج ۱ ، ص ۱۶۷ ۔ میں فرماتے ہیں کہ ان امور میں اولیت اضافی ہے یعنی انوار میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا گیا۔

فیؤول ان کل واحد مما ذکر خلق قبل ما هو من جنسه فالقلم قبل جنس الاقلام و نوره قبل الانوار اھ

علامہ موصوف رح کی ایک عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نور میں اوّلیت حقیقی ہے یعنی مخلوقات میں سب سے پہلے آنحضرت علیہ السلام کے نور ہی کو پیدا کیا گیا۔ والاول الحقیقی هو النور المحمدی (علی صاحبها الصلوة والسلام) (مرقات ، ج ۱ ، ص ۱۶۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۸/۰۶ ۱۴ھ

حضرت آدم علیہ السلام کہاں مدفون ہیں

حضرت آدم علیہ السلام کا مزار مبارک کس جگہ واقع ہے ؟

الجواب ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ ص ۱۰۸ ج۔ اوّل ، میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے بارے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں غارِ ابی قبیس میں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد آذر تھا یا تارخ

امام صاحب جمعہ کے خطبے میں کہہ رہے تھے کہ اگر ہم آذر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ مان لیں تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرق آتا ہے۔ آپ کے باپ کا نام تارخ تھا۔ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ حالانکہ حضرت تھانوی اور شاہ رفیع الدین رحمہا اللہ تعالیٰ کے ترجمہ میں بھی باپ کا لفظ ذکر ہے۔ آپ تعیین فرمائیں کہ آذر باپ تھا یا چچا ؟

الجواب قرآن مجید سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہی کا نام یا لقب آذر تھا۔ قال اللہ تعالیٰ واذ قال ابراھیم لابیہ آذر اھ قال السیوطی فی تفسیرہ ھو لقبہ واسمہ تارخ ۔ یا اس کے برعکس کما فی التاریخ الکبیر للبخاری امام بخاری رحمہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ آذر اور تارخ ایک ہی شخصیت کے نام اور لقب ہیں۔ اور اس سے شانِ نبوی میں فرق آنا غلط ہے۔ علامہ صاوی رح فرماتے ہیں۔

ولا یضر کفر اصول الانبیاء فان اللہ یخرج الحی من المیت او یقال ان آذر لم یتحقق کفرہ الا بعد بعثۃ ابراھیم وحینئذ فقد انتقل منہ النور المحمدی الی ولدہ وھو فی حالۃ الفترۃ اھ

بہر حال مولوی صاحب کا اصرار بھی درست نہیں اور آپ بھی تشدد نہ کریں کیوں کہ دوسرا قول بعض مفسرین نے چچا ہونے کا بھی نقل کیا ہے۔ وقیل ھو عمہ واسم ابیہ تارخ اھ (صاوی)۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۲۴ / ۴ / ۱۳۹۰ھ

آذر کے مسخ کئے جانے پر ایک سوال کا جواب

مکرم و معظم جناب مولانا مولوی خیر محمد صاحب السلام علیکم بعد دعاء فلاح دارین معروض ہوں کہ قرآن شریف میں پارہ ۱۱ ۔ یعتذرون ، سورۃ توبہ ۱۴/۸/۳ ۔ یعنی عکسی قرآن مجید مترجم و محشی از حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ، مطبوعہ مدینہ پریس بجنور (یو۔پی۔ انڈیا) میں صفحہ ۲۶۵ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بطور وعدہ اپنے باپ کے لئے بخشش مانگنا تحریر ہے۔ جب اللہ پاک نے مشرک کے لئے دعا مانگنے سے منع کیا تو آپ نے تعمیل کرلی تفسیر ص ۲۶۶ ۔ حاشیہ نمبر ۴ ۔ پر تحریر ہے۔ کہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے بروز قیامت درندہ کی شکل میں جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ تفسیر میں لفظ حدیث کا آتا ہے کہ حدیث میں درج ہے امید ہے کہ آپ اس قرآن شریف کی عبارت عربی و تفسیر اردو کا مطالعہ فرماتے ہوئے اصل مطلب کو سمجھ لیں گے۔

تصفیہ طلب بات یہ ہے کہ آذر کا قرآن پاک میں مشرک ہونا صاف ظاہر ہے۔ اور ابتدا سے لیکر قیامت تک مشرک کے نام سے رسوا ہوتا رہے گا۔ اللہ پاک کا صورت مسخ کرکے ، پھر جہنم میں داخل کرنے میں کیا راز پنہاں ہے۔ قرآن میں انسان اور جن کا داخلہ جہنم میں لکھا ہے۔ درندہ، پرندہ وغیرہ کا کہیں مطالعہ میں نہیں گزرا۔ پھر قرآن میں یہ بھی تحریر ہے کہ جب کوئی جنتی کسی دوزخی کو دیکھنا چاہے گا تو اللہ پاک دکھلا دیگا

سبب اصل صورت ہی نہ ہوگی تو شناخت کیسے ہوگی۔ تفسیر لکھنے والے حضرات بھی بڑے پایہ کے مشہور بزرگ ہیں۔

الغرض ایک فریق یہ کہتا ہے کہ شاید یہ اہلِ کتاب سے مأخوذ کیا گیا ہو۔ اور بزرگانِ دین سے غور وخوض سے رہ گیا ہو۔ اور یہ قرآن پاک کی نص کے خلاف ہے۔

دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ جو حاشیہ نمبر ۲ پر آیت کی تفسیر میں تحریر ہے درست ہے لہٰذا عرض ہے کہ آپ بعد چھان بین کے مفصل طور پر اصل معاملہ پر روشنی ڈالیں اور مطلع فرمائیں۔ فقط۔

الجواب فریقِ ثانی حق پر ہے اور فریقِ اوّل غلطی پر۔ فریقِ اوّل کے شبہات کا جواب یہ ہے۔

۱ صورت کے مسخ کرنے کی حکمت تفسیر میں خود موجود ہے تاکہ ان کی شناخت نہ ہوسکے اور کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ دیکھو وہ ابراہیم علیہ السلام کا والد ہے اور دوزخ میں جل رہا ہے۔ اگرچہ اس طرح جلنے میں قصور والدِ ابراہیم کا اپنا ہے کہ وہ کفر کی سزا میں جل رہا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت ایسی ہے جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رسوائی اور ندامت محسوس ہوگی۔ اس بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں درخواست فرمائیں گے اور انکی درخواست کو شرف قبولیت بخشا جائے گا اور والدِ ابراہیمؑ کی شکل کو مسخ کرکے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ جس کی وجہ سے والدِ ابراہیمؑ اپنے کفر وشرک کی وجہ سے کیفر کردار کو پہنچ جائیں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسوائی بھی نہ ہوگی۔

یہ حدیث واضح ہے اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ معترض کا یہ شبہ کرنا کہ دوزخ میں جن وانس داخل ہوں گے لیکن ان کی شکل کو تبدیل کردیا جائے گا۔ اس تبدیلیٔ شکل سے یہ کیسے سمجھا گیا کہ عام درندے یا پرندے دوزخ میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ تو ایسا ہے کہ جیسا بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو بندر بنادیا گیا۔ یعنی ان کو بندروں کی شکل میں مسخ کردیا گیا۔ تو کیا وہ حقیقۃً بندر ہوگئے تھے۔ اگر وہ حقیقۃً بندر ہوگئے تھے تو ان کو عذاب کیا ہوا، کیا دنیا بھر کے بندر عذاب کو محسوس کرتے ہیں؟ عذاب اس صورت میں ہے کہ انسانی حواس اور شعور کے ہوتے ہوئے شکل تبدیل ہوجانے۔ اور مسخ ہونے والا محسوس کرے کہ میں انسان تھا اب میں ذلیل بندر ہوگیا ہوں۔ اسی طرح والدِ ابراہیم کی صورت ہوگی کہ وہ انسانی حواس اور شعور کو رکھتے ہوئے کفتار کی شکل میں تبدیل ہوں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ حقیقتاً کفتار بن کر انسانی حواس اور شعور سے بھی خالی ہوجائیں گے۔

بہرحال یہ صرف شکل کی تبدیلی ہے نہ کہ پوری ماہیت انسانی کی۔ جیسا کہ دودھ گلاس کے اندر رکھا ہو تو اس کی شکل مکعب ہوتی ہے اور پیالہ میں رکھو تو پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن دودھ رہتا دودھ ہی ہے یہ نہیں کہ شربت بن جائے۔ افسوس ہے لوگ کم علمی اور ناواقفیت کی بنا پر احادیث نبوی کا جلد انکار شروع

کر دیتے ہیں۔

فریقِ اوّل کا دوسرا اعتراض کہ جب کوئی جنتی کسی دوزخی کو دیکھنا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخی کی شکل دکھا دیں گے۔ حدیث اس کے مخالف بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ ہر جنتی ہر دوزخی کو دیکھنے کا مطالبہ کرے گا۔ جنتی اپنے اس آرام و راحت میں جو ان کو جنت میں حاصل ہوگا مست اور خوش ہوں گے کبھی کبھار ان کا جی چاہے گا کہ ہم اپنے ان کافر پڑوسیوں کو دیکھیں جو دنیا میں ہمارے ساتھ رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ دکھا دیں گے۔

اس میں یہ کہاں موجود ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے والد ہی کو دیکھنے کا مطالبہ کریں گے۔ کیا دوزخ میں ابراہیم علیہ السلام کے والد کے سوا اور دوزخی کچھ کم ہوں گے؟ اور اگر بالفرض وہ والدِ ابراہیم ہی کو دیکھنے کا مطالبہ کریں تو کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے یہ امر محال ہے کہ وہ ان کو یعنی بہشتی حضرات کو اصل صورت میں دکھا دیں۔ ایسے فضول شبہات کی بھی کوئی حقیقت ہے کہ ہم ان کی وجہ سے حدیثِ نبوی کی تکذیب کر دیں؟ آج کل بہت سے تعلیم یافتہ احادیث کے متعلق شبہات میں مبتلا ہیں۔ یہ ہر سہ شبہات پادر ہوا ہیں جیسا کہ ہم نے وضاحت کر دی ہے۔ حدیث پر کوئی شبہ اور اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفر لہٗ

خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان۔ ۱۴-۱۲-۲-۱۳۷۶ھ

مقتول انبیاء بنی اسرائیل کی تعداد وغیرہ

۱: بنی اسرائیل میں کم و بیش کتنے نبی ہوئے ہیں۔
۲: بنی اسرائیل نے کتنے انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا؟
۳: کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کوئی بھی شہید نہیں ہوا؟
۴: کیا حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں کیڑے نہیں پیدا ہوئے تھے؟
۵: کیا زکریا علیہ السلام کی شہادت کا قصہ غلط ہے؟
۶: کیا وقتلهم الانبياء بغير حق میں قتل کا معنی مارنے کا ارادہ ہے یا کہ قتل کر دینا؟

الجواب

۱: بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی تعداد سینکڑوں سے بھی زیادہ ہے۔
۲-۳: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے کم از کم تین سو انبیاء علیہم السلام کا یہودیوں یعنی بنی اسرائیل وغیرہ کے ہاتھوں مقتول ہونا معلوم ہوتا ہے۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قتلت بنو اسرائیل ثلاث مائة نبی (ابن کثیر: ج ۱، ص ۳۵۵)۔

۴: حضرت ایوب علیہ السلام سخت بیماری و تکلیف میں مبتلا ہو گئے تھے اور بدن میں کیڑے پڑنا بھی

منقول ہے۔ اس ابتلاء کا اجمالی تذکرہ قرآن مجید سورۃ صٓ میں موجود ہے۔

۵ : حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا گیا تھا۔ یہ قصہ غلط نہیں بلکہ درست ہے۔

۶ : وقتلہم الانبیاء بغیر حق سے مراد محض ارادۂ قتل نہیں بلکہ حقیقۃً قتل کرنا ہے۔ تاویل کی حاجت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم ادارہ ہذا ۲۴ / ۸ / ۱۳۸۶ھ

زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا یا نہیں

۱ : بی بی زلیخا مومنہ تھیں یا کافرہ ؟

۲ : بی بی زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا ہے یا نہیں ؟ کسی مستند روایت میں ان کا کفر پر انتقال مذکور ہے یا نہیں۔

الجواب ۱ : کسی مستند روایت میں ان کا کفر پر انتقال مذکور نہیں ہے۔

۲ : تفسیر کبیر ، ج ۵ ، ص ۱۴۲ ؛ درمنثور ، بیان القرآن ، پ ۱۳ ، ص ۸۵۔ امداد الفتاویٰ ، ج ۴ ، ص ۷۷ ، سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح ہوا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۱/۱۴۰۲ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولادِ کرام کی تفصیل

۱ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک کتنے تھے ؟ اور نام کیا کیا تھے ؟

۲ : آپؐ کے لڑکے اور لڑکیاں کتنی تھیں اور نام کیا کیا تھے ؟

۳ : کن کن حرم پاک سے تھے۔ کیا چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے یا کہ شادیاں بھی ہوئیں تھیں ؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں گیارہ عورتیں آئی تھیں۔ جن میں سے دو ، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضؓ آپ کے روبرو انتقال کر گئیں۔ اور ان کے نام یہ تھے۔

۱ : حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ـــ ۲ : حضرت زینب بنت خزیمہؓ ـــ ۳ : حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ

۴ : حضرت حفصہ رضؓ ـــ ۵ : حضرت ام سلمہؓ ـــ ۶ : حضرت زینب بنت جحش رضؓ

۷ : حضرت اُمِ حبیبہ رضؓ ـــ ۸ : حضرت جویریہؓ ـــ ۹ : حضرت میمونہ رضؓ

۱۰ : حضرت صفیہ رضؓ ـــ ۱۱ : حضرت سودہؓ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

۲ : آپ کی مونث اولاد چار لڑکیاں تھیں حضرت زینب ، حضرت رقیہ ، حضرت ام کلثوم ، حضرت فاطمۃ الزہراء رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین ۔ اور تین یا چار یا پانچ لڑکے تھے ۔ حضرت قاسم حضرت عبداللہ ۔ حضرت طیب حضرت طاہر ۔ اور حضرت ابراہیم ۔

۳ : چار اوّل حضرت خدیجہ رضؓ سے تھے اور حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضؓ سے تھے جو آپ کی لونڈی تھیں ۔ اور جو حضرات کہتے ہیں کہ آپکے چار لڑکے تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کا دوسرا نام طیب تھا ۔ یہ الگ لڑکا نہیں تھا ۔ اور جو لوگ تین کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ہی کا تیسرا نام طاہر تھا ۔ یہ تمام صاحبزادگان بچپن میں فوت ہو گئے تھے ۔ تمام صاحبزادیاں جوان ہوئیں اور ان کی شادیاں بھی ہوئیں ۔ حضرت زینب رضؓ کا نکاح حضرت ابو العاص بن الربیع سے ہوا ۔ حضرت رقیہ رضؓ اور حضرت ام کلثوم رضؓ کا عقد یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضؓ سے ہوا ۔ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضؓ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا ۔ فقط والسلام ۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۱۰/۳/۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

آنحضرت علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات رضؓ ، سن نکاح ، کل عمر ، مدتِ مصاحبت وغیرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کتنی تھیں اور ان کا سِن نکاح کیا تھا ، اور عمر بوقتِ نکاح کتنی تھی ؟ اور کتنا عرصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں رہیں اور ان کی وفات کب ہوئی ؟ اور کل عمر کتنی ہوئی اور ان کی روایات کتنی ہیں ، اور ان کا مدفن کہاں ہے ؟

الجواب حامداً ومصلیاً نقشہ ذیل ملاحظہ فرمائیں ۔

نمبر شمار	نام مع ولدیت	سنہ نکاح	عمر بوقتِ نکاح	مدت مصاحبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم	سنہ وفات	عمر کل	مدفن	مرویات
۱	خدیجہ بنت خویلد	سنہ ۲۵ میلادی	۴۰ سال	۲۵ سال	سنہ ۱۰ نبوی	۶۵ سال	مکہ معظمہ	
۲	سودہ بنت زمعہ	سنہ ۱۰ نبوی	۵۰ 〃	۱۴ 〃	شوال سنہ ۵۴ھ	۷۲ 〃	مدینہ منورہ	۵
۳	عائشہ بنت ابی بکرؓ	شوال سنہ ۱۰ نبوی	۶ 〃	۹ 〃	۱۷ رمضان سنہ ۵۷ھ	۶۶ 〃	〃	۲۲۱۰
۴	حفصہ بنت عمرؓ	شعبان سنہ ۳ھ	۲۲ 〃	۸ 〃	شعبان سنہ ۴۵ھ	۶۰ 〃	〃	۶۰

نمبر شمار	نام مع ولدیت	سنہ نکاح	عمر بوقت نکاح	مدت صحابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم	سنہ وفات	کل عمر	مدفن	مرویات
۵	زینب بنت خزیمہ	سنہ ۳ھ	۳۰ سال	۳ ماہ	۳ ربیع الثانی ۴ھ	۳۰ سال	مدینہ منورہ	۰
۶	ام سلمہ بنت ابی امیہ	سنہ ۴ھ	۲۶	۷ سال	۵۹ھ یا ۶۳ھ	۸۴ "	"	۳۷۸
۷	زینب بنت جحش	سنہ ۵ھ	۳۶	۶ "	۲۰ھ	۵۰ یا ۵۳ "	"	۱۱
۸	جویریہ بنت حارث	شعبان ۵ھ	۲۰	۶ "	۵۰ھ ربیع الاول	۶۵ "	"	۷
۹	ام حبیبہ بنت ابی سفیان	سنہ ۶ھ	۳۶	۵ "	۴۴ھ	۷۳ "	"	۶۵
۱۰	صفیہ بنت حی بن اخطب	سنہ ۷ھ	۱۷	۳ ۳/۴ "	۵۰ھ رمضان	۶۰ "	"	۱۰
۱۱	میمونہ بنت حارث	ذیقعدہ ۷ھ	۳۶	۳ ۱/۴ "	۵۱ھ یا ۶۶ھ	۸۰ "	مقام سرف	۷۶

رضوان اللہ علیہن اجمعین ـــــ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بارے میں ایک سوال

سوال: کیا حضور علیہ السلام کے حرم پاک میں ایک خاتون ماریہ قبطیہ بحیثیت کنیز داخل ہوئیں ؟ اور ان سے اولاد پیدا ہوئی ؟ کیا حضور علیہ السلام نے انہیں آزاد فرما کر نکاح کر لیا تھا یا کنیز ہی رہیں ؟

الجواب: وفي تهذيب الأسماء والصفات : ص ۳۵۴ (مارية) رضي الله عنها مذكورة في المهذب في اول باب عتق أم الولد وهي سرية رسول الله صلى الله عليه وسلم وأم ابنه ابراهيم أهداها له المقوقس ملك مصر روينا عن ابن خيثمه وخليفة بن خياط قال قدم حاطب بن ابي بلتعة سنة سبع من عند المقوقس بمارية ام ابراهيم ابن رسول الله صلى الله عليه وسلم وبغلته دلدل وحماره يعفور وكانت مارية بيضاء جعدة جميلة فاسلمت فتسراها رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت حسنة الدين توفيت سنة ست وعشرين في خلافة عمر رضي الله عنه هكذا قاله الواقدي وخليفة وابو عبيده وقيل سنة خمس عشرة ودفنت بالبقيع ـ

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی

تھیں۔ اور صاحبزادہ ابراہیمؓ انہی کے بطن سے تولد ہوئے۔ لہذا یہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ام ولد ہوئیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۔ الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

حضرت ام کلثوم کا دوسرا نام

ام کلثوم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا نام ہے۔ یہ نام نسبتی ہے یا اصلی ہے۔ کیا ام کلثوم صرف عورت کے لئے استعمال ہو سکتا ہے یا مرد کے لئے بھی۔ کیا کلثوم نام رکھنا جائز ہے؟

الجواب

۱: حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے یہ کنیت اولاد کی وجہ سے نہیں ہو سکتی۔ شاید کسی دوسری وجہ سے ہو۔ بہرحال ان کا دوسرا نام معروف نہیں بعضوں نے کہا ہے کہ ان کا نام آمنہ تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۲: کلثوم عربی میں مرد کا نام بھی ثابت ہے۔ کلثوم ابن الحصین وغیرہ (القاموس)

۳: کلثوم نام رکھنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۱۴۰۱/۱۱/۲۷ھ

آنحضرت علیہ السلام کی سب سے چھوٹی بیٹی کونسی تھیں؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں سب سے چھوٹی بیٹی کون سی تھیں۔

الجواب

مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے۔ راجح یہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے چھوٹی تھیں۔ قال ابن هشام اكبر بنيه القاسم ثم الطيب ثم الطاهر واكبر بناته رقية ثم زينب ثم ام كلثوم ثم فاطمة اه (ابن ہشام ج ۱ ص ۱۲)

۲: وهي أصغر بناته في قول (مرقات، ج ۱۱، ص ۳۲۷)۔

۳: هي واختها ام كلثوم اصغر بنات رسول الله صلى الله عليه وسلم واختلف في الصغرى منهما وقد قيل ان رقية أصغر منهما وليس ذلك عندي بصحيح كذا في الاستيعاب اه (سیرت محمدیہ ص ۵۵۵) فقط والله اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۷/۱/۲۹ھ

آنحضرت علیہ السلام کی پھوپھیاں کتنی تھیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں کتنی تھیں اور ان میں سے کون سی اسلام لائیں۔ ان کا نام کیا تھا؟

الجواب چھ تھیں۔ ۱: صفیہ۔ ۲: اروی۔ ۳: عاتکہ۔ ۴: ام حکیم البیضاء۔ ۵: برّہ۔ ۶: امیمہ ان میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ اور کہا جاتا ہے اروی اور عاتکہ بھی ایمان لائیں اور ہجرت مدینہ کی۔ (سیرت ابن ہشام) واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

آنحضرت علیہ السلام کے چچا کتنے تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کتنے تھے اور ان کے نام کیا کیا تھے۔ اور ان میں کون کون سلام لائے تھے؟

الجواب بمطابق ابن ہشام و ابن سعد، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نو چچے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ، ابو طالب اسمہ عبدمناف زبیر، حارث، حجل، المقوم، ضرار، ابولہب اسمہ عبدالعزیٰ، (سیرت ابن ہشام ص۔)۔ زادالمعاد اور ابن سعد نے حجل کی بجائے غیداق کو ذکر کیا ہے۔ (طبقات الکبریٰ: ج ۱ ص ۸۸)۔ حجل اور غیداق ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

آنحضرت علیہ السلام کا رکانہ سے کشتی لڑنے کا ثبوت

یہاں ایک صاحب سے اس مسئلہ پر بحث ہو گئی کہ آنحضرت علیہ السلام رکانہ پہلوان سے کشتی لڑے تھے یا نہیں۔ فریقِ مخالف نے کہا کہ یہ واقعہ درست نہیں۔ جو ثابت کر دے اسے انعام دونگا ہم نے صحاح ستہ میں بہت تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ ترجمان السنۃ میں یہ حدیث موجود ہے مگر وہ صاحب کہتے ہیں کہ حدیث کی کسی کتاب سے دکھاؤ۔ آپ برائے مہربانی اس حدیث کا صحیح حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب ابوداؤد شریف: ج ۲ ص ۵۶۳۔ اصح المطابع میں یہ حدیث موجود ہے۔ ان رکانۃ صارع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصرعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

آنحضرت علیہ السلام کا اہلِ نجد کیلئے دعا نہ کرنیکا سبب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام نے عرب کے لئے دعا مانگی لیکن نجد کے لئے دعا نہیں مانگی۔ حالانکہ صحابہ کرام رضہ نے عرض بھی کیا تھا کہ نجد کے لئے دعا مانگو۔ کیا یہ حدیث سچی ہے یا نہیں؟ صحیح ہے یا موضوع؟

الجواب حدیث درست ہے اور حدیث مذکور میں نجد سے مراد "عراق" اور اس کے گرد کا علاقہ ہے۔ اس وقت وہاں کے لوگ کافر تھے۔ نیز بعد میں وہاں سے بہت سے فتنوں کا ظہور ہوا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کے لئے دعا نہیں مانگی۔

والنجد هو ما ارتفع من الارض ومن كان بالمدينة كان نجده بادية العراق ونواحيها وهى فى مشرق اهلها قيل اهل المشرق كانوا حينئذ اهل كفر وظهور الخوارج فى ارض نجد والعراق اهـ (حواشی بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۱)

فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۱/۱۳۹۷ھ۔

ابوطالب ایمان لے آئے تھے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ماجد حضرت ابوطالب نے اسلام قبول کر لیا تھا، حدیث صحیح سے ثابت ہے؟ بعض یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قبر سے زندہ کر کے ایمان قبول کرایا تھا۔ بعض نے کہا کہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ ایمان قبول نہیں کیا۔ نیز جو ایمان کے قائل ہیں وہ اہلسنت میں سے ہیں یا رافضی؟

مولانا عبدالشکور صاحب

الجواب اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ یہی ہے کہ ابوطالب کفر پر مرا ہے۔ جیسا کہ آیات و احادیث سے واضح ہوتا ہے۔ حافظ تورپشتی لکھتے ہیں کہ ابوطالب کا کفر حد تواتر کو پہنچ چکا ہے۔ علماء سلف اور ائمہ دین کا یہی مسلک ہے۔ مسند احمد، بخاری، مسلم اور نسائی میں ہے۔ کہ جب ابوطالب مرنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس آئے۔ ابوجہل، عبداللہ بن امیہ بھی وہاں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے چچا تم ایک مرتبہ "لا الہ الا اللہ" کہہ دو تا کہ خدا کے سامنے تمہاری شفاعت اور سفارش کے لئے مجھ کو ایک حجت اور دلیل مل جائے۔ ابوجہل، عبداللہ بن امیہ نے کہا کہ اے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کی ملت کو چھوڑتے ہو؟ ابوطالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ اور آخری کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ على ملة عبد المطلب یعنی عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ ابوطالب تو یہ کہہ کر مر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں برابر ابوطالب کے لئے استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ خدا کی طرف سے منع نہ کیا جاؤں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ما كان للنبى والذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا الى اصحاب الجحيم (سورۂ توبہ)

صحیح مسلم میں ہے کہ یہ آیت انك لا تهدى الآية آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب

کے بارے میں نازل ہوئی۔ (معارف القرآن، ج ۶، ص ۶۴۸)۔

ابوداؤد و نسائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ کہ جب ابوطالب مر گئے تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کا گمراہ چچا مر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ دفن کر آؤ۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تو مشرک مرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں دفن کر آؤ۔ حافظ عسقلانی "الاصابہ" میں فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (فتح الباری ، ج ۷، ص ۱۴۸)۔

مسلم شریف ، ج ۱، ص ۲۷۵ - میں آتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے چچا کے کیا کام آئے وہ تو آپ کے حامی اور مددگار رہتے آپؐ نے فرمایا کہ وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے۔ اگر میں شفاعت نہ کرتا تو جہنم کی تہہ میں ہوتے۔

مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے اھون علی النار عذابًا ابوطالب (ج ۱، ص ۳۷۲)۔
اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہوگئی جو یہ کہتے ہیں کہ قبر سے زندہ کر کے ابوطالب کو ایمان قبول کرایا گیا تھا اگر وہ ایمان پر مرے تھے یا بعد از مرگ ایمان لے آئے تھے تو ان کو عذاب ہونے کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟
سوال میں ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ ایمان قبول کر لیا تھا۔ اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ "اہل سنت والجماعت میں جمہور تو کفر ابی طالب کے قائل ہیں مگر بعض اہل سنت کہتے ہیں کہ ایمان قبول کر لیا تھا" مگر یہ صحیح نہیں۔ اہلسنت میں کفر ابی طالب کے متعلق کوئی اختلاف نہیں۔

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالےٰ "سیرت مصطفیٰ" (ج ۱، ص ۱۲۲) میں لکھتے ہیں کہ "یہ کہنا کہ ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے محض تلبیس اور دھوکہ ہے۔ اہلسنت میں ان کے متعلق کوئی اختلاف نہیں۔ روافض ابوطالب کے ایمان کے قائل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ روافض کا اختلاف قابل اعتبار نہیں۔ جو فرقہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو بلکہ کل صحابہؓ کو کافر اور منافق سمجھتا ہو اس کا اختلاف کب قابل اعتبار اور التفات ہو سکتا ہے"

علامہ موصوفؒ ہی ، ج ۱، ص ۲۷۲ - میں لکھتے ہیں کہ۔
"ایمان ابوطالب کے بارے میں جس قدر بھی روایتیں ہیں تقریبًا کل کی کل وہ ایسے ہی حضرات سے مروی ہیں جو معاذ اللہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے کفر کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی ضعیف اور منقطع روایات صحاح ستہ۔ بخاری و مسلم کی روایات کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتیں"

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے "اصابہ ، ج ۴ - ص ۱۱۰ - البدایۃ والنہایۃ - ج ۳ ص ۱۲۴۔
شرح مواہب - ج ۱ - ص ۲۹۱ -

تنبیہ :۔ روح المعانی میں ہے کہ ابو طالب کے ایمان اور کفر کے بارے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث ومباحثہ سے اور ان کو برا کہنے سے اجتناب کرنا چاہیئے ۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طبعی ایذار کا احتمال ہے ۔ (معارف القرآن ، ج ۵ ، ص ۶۴۹) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ہجرت کی رات صدیق اکبرؓ کا آنحضرت علیہ السلام کو کندھوں پر اٹھانے کا ثبوت

ایک مولوی صاحب نے تقریر میں یہ کہا کہ ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غار ثور کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں پر سوار تھے ۔ اور فتح مکہ کے وقت کعبہ سے تصویریں اور بت اتارنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ اے علی تو میرے کندھوں پر چڑھ کر ان کو اتار دے ۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور آپ اللہ کے نبی ہیں اور میں آپ کے مبارک کندھوں پر چڑھنے کی بے ادبی کیسے کروں ۔ تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی ۔ میں نبی ہوں اور نبوت کے وزن کی وجہ سے تو مجھ کو اپنے کندھوں پر نہیں اٹھا سکتا ۔ القصہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان بلند ہے کہ انہوں نے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا ۔

ایک دوسرے سید صاحب کہتے ہیں کہ مولوی صاحب مذکور نے غلط بیانی کی ہے ۔ نہ ہی ابو بکر صدیق کے کندھوں پر حضور سوار ہوئے اور نہ حضرت علی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تو میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتا ۔ اور ابو بکر صدیق کی فضیلت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے ۔

اور یہ شاہ صاحب اور وہ مولوی صاحب دونوں اہلسنت والجماعت ہونے کے مدعی ہیں ۔ آپ فرمائیں کہ مولوی صاحب کے بیان کردہ دونوں واقعے صحیح ہیں ؟ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت کے دلائل کیا ہیں ؟

الجواب بوقت ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھوں پر اٹھانے کا ذکر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں بحوالہ بیہقی کیا ہے ۔ ان کے الفاظ یہ ہیں لما خفیت رجلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حملہ الصدیق علی کاھلہ اھ لیکن آخر میں فرماتے ہیں ۔ وفی ھذا السیاق غرابۃ ونکارۃ ۔ (ج ۱ ۔ ص ۱۸۰) ۔ اور فتح مکہ میں حضرت علی کرم اللہ

وجہ والا واقعہ بھی بعض سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے۔ (دیکھئے سیرت محمدیہ غزوہ فتح مکہ)۔ لیکن اس کے الفاظ بعینہ وہی نہیں جو سوال میں درج ہیں۔ بلکہ اس سے کچھ مختلف الفاظ ہیں۔ پس سید صاحب کا واقعۂ اوّل کی تغلیط کرنا بے جا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔ وعن محمد بن الحنفیۃ قال قلت لابی ای الناس خیر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر قلت ثم من قال عمر۔ الحدیث رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۵۵۵۔ یہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بیان ہے کہ تمام لوگوں میں سے بہتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ ہیں۔ اب اس کے بعد نزاع کی کیا ضرورت رہ گئی۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ

حضرت عمرؓ کا بنتِ فاطمہؓ سے نکاح کا ثبوت

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی دختر مبارکہ سے نکاح کیا یا نہیں؟ اگر کیا ہے تو حضرت بی بی صاحبہ کا نام کیا ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بطن سے تھیں یا کسی اور صاحبہ سے؟

الجواب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ثابت ہے جو کہ حضرت علی کی دختر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بطن سے تھیں۔ تاریخ اور حدیث کی معتبر کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ مسندِ ابن حبان میں ہے۔

ثم تزوج عمر رضی اللہ عنہ ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب وھی من فاطمۃ ودخل بھا فی شھر ذی القعدۃ۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں میں چادریں تقسیم کیں ایک بچ رہی اس کے متعلق ان کو تردد تھا کہ کسے دیں۔ ایک شخص نے کہا کہ یا امیر المؤمنین اعط ھذا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی عندك یریدون ام کلثوم۔ صحیح بخاری باب ذکر ام سلیط صفحہ ۵۸۲ مطبوعہ دہلی۔ کتاب المغازی میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی زوجہ تھیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفر لہٗ

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان شہر

ابو شحمہ ابن عمرؓ کا انتقال کوڑے لگنے سے نہیں ہوا تھا

حضرت ابو شحمہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیح واقعہ کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ انہوں نے شراب پی تھی پھر حد لگائی گئی اور اسی سے انتقال ہوا، باقی کوڑے قبر پر لگائے گئے؟

غلام مرتضیٰ جامعہ اشرفیہ شاہ کوٹ

الجواب صحیح واقعہ صرف اتنا ہے کہ انہوں نے نبیذ پی تھی جس سے کچھ مدہوشی سی ہو گئی۔ حضرت عمرو بن العاص رضؓ سے کہا کہ مجھے حد لگائیں۔ انہوں نے گھر کے اندر ہی سزا دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے حضرت عمرو رضؓ کو تنبیہ کی۔ اور ان کے مدینہ آنے پر خود سزا دی۔ اس کے بعد اتفاقاً (ابو شحمہ) بیمار ہوئے اور انتقال ہوا۔ والذی ورد فی هذا ما ذكره الزبير بن البكار وابن سعد فی الطبقات ان عبد الرحمٰن الاوسط من اولاد عمرؓ ويكنى ابا شحمه كان بمصر غازيا فشرب ليلة نبيذا فخرج الى السكة فجاء الى عمرو بن العاص فقال اقم على الحد فامتنع فقال له انى اخبر ابى اذا قدمت عليه فضربه الحد فى داره ولم يخرج فكتب اليه عمرؓ يلومه ويقول الا فعلت به ما تفعل بجميع المسلمين فلما قدم على عمرؓ ضربه واتفق انه مرض فمات اھ

(امداد الفتاویٰ، ج ۴، ص ۲۷۴)

فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ : الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔

حضرت عثمان رضؓ پر عائد کردہ الزامات غیر معتبر روایات پر مبنی ہیں

خلافت و ملوکیت ص ۹۹ پر تحریر ہے۔ " مزید برآں خلیفہ دوم نے چھ آدمیوں کی انتخابی شوریٰ کے لئے جو ہدایات چھوڑیں ان میں دوسری باتوں کے ساتھ ایک بات یہ بھی تھی کہ منتخب خلیفہ اس امر کا پابند رہے گا کہ وہ اپنے قبیلہ کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہ کرے گا۔ لیکن بدقسمتی سے خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضؓ اس معاملہ میں معیارِ مطلوب کو قائم نہ کر سکے۔ ان کے عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے عطیے دیئے گئے "

اگر یہ درست ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے خلیفہ راشد ہوئے؟ جب کہ حدیث میں ہے کہ وہ عشرہ مبشرہ سے ہیں؟

الجواب مودودی صاحب کی عبارت میں سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اقربا پروری وغیرہ کے جو الزامات عائد کئے گئے ہیں وہ ناقابل اعتبار جھوٹی روایات پر مبنی ہیں جن کے بارے میں خود موصوف کو بھی اعتبار نہیں۔ "اگر ان تاریخی واقعات کو روایات کی جانچ پڑتال کے معیاری ضابطوں پر پرکھا جائے تو قرن اوّل کی تاریخ کا بھی کم از کم ۹/۱۰ حصہ غیر معتبر قرار پائے گا۔"
(خلافت و ملوکیت، ص ۳۱۸)۔

اور خلیفہ راشد سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عادل ہونا اور عشرہ مبشرہ میں سے ہونا، احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے پس ان احادیث صحیحہ کے مقابلے میں اول الذکر جھوٹی روایات کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے، علامہ ابن کثیرؒ شان صحابہ رضؓ کے خلاف ایسی بے سروپا روایات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فهي مردودة على قائلها و ناقلها والله اعلم والمظنون بالصحابة خلاف ما يتوهم كثير من الرافضة واغبياء القصاص الذين لا تمييز عندهم بين صحيح الاخبار وضعيفها ومستقيمها و سقيمها اهـ (البداية ، ج ۷، ص ۱۷۴)۔

الغرض بیت المال سے خیانت اور اقربا پروری کا الزام غلط ہے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات ان الزامات سے قطعاً بری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۲۳ / ۴ / ۱۳۹۰ھ

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

راجح یہی ہے کہ حضرت علی رضؓ نے شروع ہی میں حضرت ابوبکر رضؓ کی بیعت کرلی تھی

ایک شیعہ نے سوال کیا ہے کہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ کی بیعت چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضؓ کے انتقال کے بعد کی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت فاطمہ رضؓ حضرت ابوبکر رضؓ سے ناراض تھیں۔

الجواب شیعہ اور سنی مصنفین سب لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کرلی تھی اور تاخیر کی وجہ بھی ذکر کی تھی وہ یہ نہیں جو سوال میں مذکور ہے۔ نیز چھ ماہ تک تاخیر کی روایت راجح نہیں۔ صحیح ابن حبانؒ میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شروع ہی میں بیعت کرلی تھی۔ عن ابی سعید ان علیا رضؓ بایع ابا بکر رضؓ

أوّل الأمر صححه ابن حبان وغیره (حاشیہ بخاری ، ج ۲ ، ص ۶۰۹)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۱۱ / ۶ / ۱۴۰۰ھ : الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی شادیاں کیں ؟

حضرت علیؓ نے کتنی شادیاں کیں ؟ نیز وہ نکاح تھے یا متعہ ؟

اس قول میں کہاں تک صداقت ہے کہ ان میں سے اکثر متعہ کی تھیں ؟ متعہ کیا ہے ؟ اور اسلام اس کی کہاں تک اجازت دیتا ہے ؟ اس کی تشریح بر نصوص قرآنی واحادیث سے مطلع فرمایا جائے ؟

الجواب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا ۔ البتہ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مندرجہ ذیل نکاح کئے جو کہ سب نکاح تھے ان میں سے متعہ کوئی نہیں تھا ۔ ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں تفصیل کتب تاریخ میں ہے

۱ : ام بنین بنت حرام ۔ ۲ : لیلیٰ بنت مسعود ۔ ان کے بطن سے دو لڑکے ہوئے عبد اللہ اور ابو بکر ۔ ۳ : اسماء بنت عمیس ۔ ان کے بطن سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے ۔ ۴ : ام حبیبہ بنت زمعہ ۔ ان کے بطن سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئے ۔ ۵ : ام سعید بنت عروہ ۔ ۶ : امامہ بنت ابی العاص ۔ ۷ : خولہ بنت جعفر ۔

واضح رہے کہ ان ازواج کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اور بھی بیویاں تھیں ۔ لیکن جس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی تو ان کی چار بیویاں موجود تھیں ۔ یہ بیویاں بعض زندگی میں فوت ہو گئی تھیں ، بعض کو طلاق دیدی تھی ۔ یکے بعد دیگرے نکاح فرماتے رہے ۔ اور کچھ باندیاں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھیں جن کو انہوں نے ام ولد بنایا تھا ۔ یہ بھی واضح رہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حرمت متعہ کی روایت ثابت ہے ۔ عن علی کرم اللہ وجہہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن متعة النساء یوم خیبر وعن أکل لحوم الحمر الأنسیة ۔ اور قرآن مجید سے بھی حرمت متعہ ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ والذین هم لفروجهم حٰفظون ۔ الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین ۔ فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک هم العٰدون ۔ الآیة اس آیت میں اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے صرف دو راستے بیان فرمائے ۔ منکوحہ بیوی ، باندی مملوکہ زرخرید ۔ جن کا آج وجود نہیں ہے اس کے علاوہ اور طریق کو اختیار کرنے کو عدوان فرمایا ہے ۔ اس کے اوپر امت کا اجماع بھی منعقد ہے کہ متعہ حرام ہے لہذا روافض کا متعہ کو حلال کہنا زنا کو حلال کہنا ہے ۔ العیاذ باللہ ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، خیر محمد عفی عنہ ، مورخہ ۱۸ : ۴ : ۱۳۷۱ھ

محمد حنیف حضرت علیؓ کے کوئی صاحبزادے نہیں

عوام میں مشہور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے خیبر فتح کرکے مرحب کے قتل کے بعد اس کی لڑکی سے سات دن تک کشتی کی اور زیر کیا، پھر مسلمان کرکے نکاح کیا۔ ان ہی کے بطن سے محمد حنیف تولد ہوئے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سوتیلے بھائی تھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ دوم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد، لوگ کہتے ہیں کہ حضرت محمد حنیف نے اپنے سوتیلے بھائی حسینؓ کا بدلہ لیا۔ وہ کربلا میں یزید کی فوج سے لڑے اور انتقام لیا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ نیز عوام میں مشہور ہے کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ساتھی عمر عیار تھا اس کے پاس ایک زنبیل تھی۔ جتنا مال اس زنبیل میں ڈالتے تھے سب پورا آجاتا تھا حتیٰ کہ اگر بادشاہوں کے خزانے بھی ڈالے جاتے تب بھی وہ نہیں بھرتی تھی۔ کیا یہ صحیح ہے یا نہ؟ معترض کہتا ہے کہ حضرت حسینؓ جب کربلا میں لڑ رہے تھے تو اس وقت حضرت حنیف کہاں تھے؟

الجواب مرحب کی لڑکی سے کشتی کرنے اور پھر اس سے نکاح کرنے کا قصہ محض بے اصل ہے تاریخی طور پر ثابت نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے کسی صاحبزادے کا اسم گرامی محمد حنیف نہیں۔ لہٰذا کربلا میں انتقام لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عمر عیار کا افسانہ بھی من گھڑت معلوم ہوتا ہے۔ ایسے قصوں میں الجھنا نہیں چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ غفر لہٗ مفتی خیرالمدارس ملتان

شہدائے صفین کے بارے میں شہادت علیؓ

شہید اسے کہتے ہیں کہ جو مسلمان کافر کے ہاتھوں اللہ کی راہ میں لڑتا ہوا شہید ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے درمیان جو جنگ ہوئی کیا وہ اسلام کے لئے تھی؟ اگر تھی تو کونسا گروہ شہید ہے۔ اگر اسلام کے لئے نہیں تھی تو خون بہانا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ براہ کرم اس کا جواب مفصل تحریر فرمائیں تاکہ دل کو تسلی ہو سکے۔

الجواب آپ کے شبہ کا منشاء فریقین کے موقف سے عدم واقفیت ہے۔ اس جنگ کا پس منظر، ہر فریق کا دعویٰ و نظریہ، اور فریقین کا لڑائی کے باوجود ایک دوسرے سے سلوک مدنظر ہو تو تمام اشکالات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ اور کسی واقعہ سے نتیجہ اور حکم معلوم کرنے کے لئے ان چیزوں کا معلوم ہونا انتہائی ضروری ہے ہر دو فریق کا دعوےٰ یہ تھا کہ ہم حق پر ہیں اور معاملات کی نوعیت کچھ اس طرح تھی کہ ہر فریق یہ سمجھنے میں حق بجانب بھی تھا۔ لہٰذا یہ جنگ اس خونریزی کے زمرہ میں نہیں آسکتی کہ جو ملک گیری یا ہوس اقتدار کے لئے کی جاتی ہے۔

جب فریقین کے شہداء نے بزعم خویش حق کے لئے جان دی ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ ان سے انکی

نیت کے مطابق معاملہ فرمائیں گے۔ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس جنگ میں فریق غالب تھے یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے مدمقابل باوجود لڑائی کرنے کے بھی جنتی ہیں کیونکہ وہ اپنے خیال میں حق کے لئے لڑ رہے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارے نزدیک ان کا موقف صحیح نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ جنگ جمل اور صفین میں قتل ہونے والوں کا انجام کیا ہوگا؟ تو فریقین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا لا یموتن احد من ھؤلاء وقلبہ نقی الا دخل الجنۃ اھ (ابن خلدون مقدمہ ص ۲۰۵) ان میں سے جو شخص بھی صفائی قلب کیساتھ مرا ہوگا وہ جنتی ہے۔

دیکھئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انجام کے لحاظ سے فریقین کو برابر سمجھ رہے ہیں کہ ہر ایک کے ساتھ معاملہ اس کی نیت کے مطابق ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقعہ پر کسی شخص کو ان مقتولین کے بارے میں نامناسب باتیں کہتے سنا تو فرمایا لا تقولوا الا خیرا کہ ان کے بارے میں کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔ یہ سمجھتے تھے کہ ہم غلطی پر ہیں، ہم سمجھتے تھے کہ یہ غلطی پر ہیں۔ اھ (منہاج السنۃ: ج ۳، ص ۶۱)

خلاصہ یہ کہ ہر فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر لڑ رہا تھا۔ اگر واقع میں کوئی غلطی پر بھی تھا تو اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ ہم اور آپ یقیناً کسی کو غلط یا صحیح نہیں کہہ سکتے۔ ویسے ہمارا مشورہ آپ کو یہ ہے کہ

تجھے پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

شہید کی جو تعریف آپ نے سوال میں لکھی ہے وہ بھی صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۰/۶/۷ھ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار کہاں ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مدفن میں اختلاف ہے صحیح روایت کیا ہے۔؟

الجواب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ میں مسجد کے قریب دفن ہیں۔ قال ابن الجوزی الطبری ودفن عند مسجد الجماعۃ فی قصر الامارۃ (ج ۲، ص ۱۱۷) اس کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی مشہور ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ۔

حضرت علیؓ کے برحق ہونے کے باوجود حضرت معاویہؓ کو باغی کہنا جائز نہیں

جو خلیفۂ وقت سے برسر پیکار ہو اس کے متعلق علماء نے کیا فتویٰ دیا ہے، کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر نہ تھے؟ اگر تھے تو امیر معاویہ نے

کیوں ان سے جنگ وقتال کیا۔ ہم شیعوں کو یہ کہہ کر پیچھا چھڑاتے ہیں کہ یہ حضرت معاویہ رضؓ کی اجتہادی غلطی تھی۔ کیا حضرت معاویہ نے بھی کبھی اس غلطی کا اعتراف کیا ہے؟ اور حضرت علی رضؓ نے اس غلطی کو معاف کر دیا تھا؟

الجواب حضرت علی رضؓ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ رضؓ خطا پر۔ لیکن بلاشک یہ خطاء اجتہادی تھی آپ نے سوال کیا ہے کہ اس خطاء کا انہوں نے بھی اعتراف کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اگر خطاء واضح ہوتی تو آپس میں اختلاف اور قتال ہی کیوں ہوتا۔ قتال کا ہونا اس بات پر مبنی ہے کہ ان پر اپنی خطا۔ اور غلطی کا ظہور نہیں ہوا۔ اس لئے حضرت علی رضؓ نے حضرت معاویہ رضؓ کو وہ خط تحریر فرمایا جو نہج البلاغہ میں ہے۔

"کہ میرے ہاتھ پر ان مہاجرین و انصار نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر رضؓ و عمرؓ و عثمان رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے"

اس سے انہوں نے اپنی خلافت کے حق ہونے پر استدلال کیا۔ لیکن حضرت علی رضؓ کے خون عثمان رضؓ کا قصاص نہ لینے کو وجہ بنا کر حضرت معاویہ رضؓ نے بیعت سے انکار کر دیا۔ حضرت علی رضؓ استحکام خلافت کو قصاص سے مقدم سمجھتے تھے۔ اس قسم کے دلائل فریقین کے درمیان چل رہے تھے۔ اس لئے حضرت معاویہ رضؓ پر حقیقت خلافت علی رضؓ واضح نہ ہو سکی۔ اہلسنت چونکہ صحابہ رضؓ کے حق میں حسن ظن رکھتے ہیں اس لئے حضرت معاویہ رضؓ کو معذور سمجھتے ہیں۔ حضرات شیعہ چونکہ صحابہ رضؓ سے بغض و عناد رکھتے ہیں اس لئے وہ ہر بات کو بدظنی اور برائی پر محمول کرتے ہیں

كل اناء يترشح بما فيه۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفر لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان۔

حضرت معاویہ رضؓ کاتب وحی اور امین تھے

حب شراب حلال تھی حضرت علی رضؓ نے اس دور حلال میں شراب پی ہو اسکا ثبوت۔ ۲۔ حضرت معاویہ رضؓ کا کاتب وحی ہونا۔

الجواب ۱۔ عن علی رضؓ بن ابی طالب قال صنع لنا عبد الرحمن بن عوف طعاما و سقانا من الخمر فاخذت الخمر منا و حضرت الصلوٰة فقدمونی فقرأت قل یایها الکافرون لا اعبد ما تعبدون ونحن نعبد ما تعبدون فانزل اللہ یایها الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکارٰی حتی تعلموا ما تقولون هذا حدیث حسن غریب صحیح۔ ترمذی : ج ۲ : ص ۱۳۲۔

۲ : حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا کاتب وحی ہونا بہت سی روایات سے ثابت ہے جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحؒ نے نقل فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل امین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کہئے اور نیکی کی تلقین کیجئے۔ کیونکہ وہ اللہ کی کتاب اور وحی پر اللہ کے

امین ہیں۔ اور بہترین امین ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رض کو کاتب وحی بنانے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے مشورہ کیا۔ تو آپ نے جواب دیا۔ استکتبه فانه امین ان کو کاتب وحی بنالو کیونکہ وہ امین ہیں۔ (البدایہ والنہایہ : ج ۸ ، ص ۱۲۰) ۔ کان معاویة احد کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابن ابی الحدید : ج ۱ : ص ۳۳۵) ۔ اور اسی طرح زادالمعاد میں کاتبین وحی کی فہرست میں حضرت معاویہ رض کو بھی شمار کیا ہے۔ چنانچہ اس میں ہے۔ فصل فی کتابه صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی الی ان قال ومعاویة بن ابی سفیان اھ (ج ۱ ص ۳۰)

بخاری کتاب الفتن کی ایک حدیث کو حضرت معاویہ رض پر منطبق کرنے کا مدلل جواب

آپ کی جانب سے حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے مصرعہ ؎ دین ملا فی سبیل اللہ فساد ، کی مفصل تشریح ۹۰ / ۲۲۸ کو اس حقیر نے غور سے پڑھا۔ ہر شخص پر کفر کے فتویٰ لگانا گناہِ عظیم ہے۔ بلکہ فتویٰ لگانے والے ایسے لوگوں کا اپنا ایمان مشکوک ہے۔ آپ نے اس کے بعد ایک اور خط میں بھی فرمایا ہے کہ بعض شیعہ کفریہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ بعض کے عقائد اہل سنت جیسے ہوتے ہیں وہ صرف حضرت علی رض کو خلفاء ثلاثہ سے افضل سمجھتے ہیں اور برائے نام شیعہ ہیں۔ برائے مہربانی کفریہ عقائد رکھنے والے شیعوں کی پہچان بھی بتادیں۔ جو لوگ صرف حضرت علی رض کو خلفاء ثلاثہ سے افضل سمجھتے ہیں وہ شیعہ نہیں ہوتے بلکہ اہلسنت میں صوفی حضرات ہوتے ہیں۔ مثلاً خواجہ حسن نظامی دہلوی رح نے اپنی مشہور کتاب " طمانچہ بر رخسارِ یزید " اور بعض دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ "میں تفضیلی سُنی ہوں" ان کے خلفاء اور مرید یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ خواجہ صاحب کو میں نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے دیکھا۔ وہ حضرت علی رض کو بعد رسول سب سے افضل سمجھتے اور لکھتے تھے۔

برائے نام شیعوں کی تو یہ پہچان ہوئی ، اور کفریہ عقائد رکھنے والے شیعوں کی پہچان کیا ہے ۔ اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو اہل سنت کہتے ہیں مگر یزید ، شمر ، عمر بن سعد ، عبید اللہ بن زیاد وغیرہم کی مدح کرتے ہیں امام حسین اور حضرت علی رض کو برا بھلا کہتے ہیں۔ شاید آپ نے کراچی کے محمود عباسی کی کتاب " خلافتِ معاویہ و یزید " پڑھی ہوگی۔ اس میں ایسی ہی باتیں لکھی تھیں۔ یہ کتاب اب ضبط ہو چکی ہے۔ اب بھی بعض لوگوں کی زبان سے ایسی باتیں وقتاً فوقتاً سننے میں آتی ہیں کہ امیر معاویہ کے حکم سے علانیہ منبروں پر حضرت علی رض کو لعنتیں کی جاتی رہیں اس بری رسم کو جناب عمر بن عبد العزیز رح نے اپنے دورِ حکومت میں بند کرایا۔ ایسے سنیوں کے بارے میں بھی کچھ فرمائیے خواجہ حسن نظامی کے ایک خلیفہ اور مرید کا نوشتہ یک ورقہ پمفلٹ برائے مطالعہ ارسال ہے۔

٭ ٭ ٭

محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علی رسول اللہ

فرقہ بندی کی کش مکش سے آزاد ہو کر غور و فکر کرنے والے اہل بصیرت حضرات کے لئے بخاری "کتاب الفتن" کی ایک حدیث

حذیفہ بن یمان کہتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی بابت پوچھا کرتے تھے اور میں حضرت سے شر کی بابت دریافت کرتا رہتا تھا۔ اس خیال سے کہ میں کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ ایک روز میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم ہم جاہلیت اور شر میں پڑے ہوئے تھے کہ اللہ نے ہم کو یہ خیر یعنی سلسلہ اسلام عطا فرمایا۔ کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر پیش آنے والا ہے؟ حضرت ص نے فرمایا ہاں! میں نے عرض کیا اس کے بعد پھر خیر ہو گا؟ فرمایا ہاں! اور اس خیر میں جو شر کے بعد ہو گا، کدورت پائی جائے گی۔ میں نے عرض کیا وہ کدورت کیا ہو گی؟ فرمایا کدورت سے مراد وہ قوم ہے جو میرے طریقے کے خلاف طریقہ اختیار کرے گی۔ اور لوگوں کو میری راہ کے خلاف راہ بتائے گی۔ تو ان میں دین کو بھی دیکھے گا اور دین کے خلاف امور کو بھی۔ میں نے عرض کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہو گا؟ فرمایا ہاں! ان میں ایسے لوگ ہوں گے جو دوزخ کی طرف بلانے والے ہوں گے۔ جو شخص ان کی جہنمی دعوت کو قبول کرلے گا وہ اس کو جہنم میں دھکیل دیں گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صفت بیان فرما دیجئے۔ فرمایا وہ ہماری قوم میں سے ہوں گے اور ہماری زبان میں گفتگو کریں گے۔

میں نے عرض کیا کہ اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو آپ مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑ لینا۔ میں نے عرض کیا اگر اس وقت ان کی کوئی جماعت اور امام نہ ہو تو کیا کروں؟ فرمایا تو پھر تم تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا۔ اگرچہ درخت کی جڑ میں پناہ لینی پڑے۔ یہاں تک کہ تمہیں اس حالت پر موت آجائے۔

۱ : جو دشمنانِ اسلام شروع سے آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے تھے اور فتح مکہ کے بعد بادلِ نخواستہ داخلِ اسلام ہو گئے تھے۔ اور مؤلفۃ القلوب کہلاتے تھے۔ ان کو اس عہد میں پنپنے کا موقعہ ملا اور انہوں نے اتنی طاقت حاصل کرلی کہ وہ ان حضرات سے جنگیں لڑنے اور مسجد کے منبر دل سے ان کو گالیاں دلوانے کے قابل ہو گئے جن کو آنحضرت ص نے بچپن سے اپنی آغوشِ رحمت میں پالا تھا۔ اور خدمت اسلام کے لئے تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا تھا۔ اور پھر اتنے پروپیگنڈے، تحریص اور جبر و استبداد سے کام لیا کہ کربلا کے میدان میں بہتر (۷۲) سے زیادہ آدمی ان مظلوموں کا ساتھ دینے والے نہ تھے۔

۲ : یہ وہ عہد ہے کہ جب خلیفۂ راشد کے مقابل متوازی حکومت قائم کرنے کی کدورت پیدا ہوئی۔ مرکز ایک نہ رہا۔ گویا اسلام کے بنیادی اصولِ توحید میں رخنہ پیدا ہو گیا۔

۳ : یہ عہد بانی ملوکیت ہندہ اور ابوسفیان کے بیٹے اور یزید کے باپ معاویہ کا ہے۔ دور ملوکیت ۴۱ھ سے

۱۳۴۲ھ عہد تاتارک تک رہا۔ بقول اقبال رح ؎

غرور طلسم قیصر و کسریٰ شکست ✤ غرور تخت ملوکیت نشست

یہ محض میرے خیالات کی یاد داشت ہے۔ کوئی صاحب میری معلومات میں اضافہ فرمائیں گے تو میں مشکور ہوں گا۔
نوشتہ محمد حسین نظامی محرم شاہ کا شانۂ نظامی سٹریٹ نمبر ۳۰ فلیمنگ روڈ لاہور۔
شائع کردہ: حلقہ نظامیہ پاکستان: شعبہ تبلیغ حقانیت۔ لاہور: مطبوعہ شاد آرٹ پریس لاہور۔
سلسلۂ تبلیغ حقانیت نمبر ۵۲۔

الجواب اہلِ تشیع کے بہت سے گروہ ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو بالاتفاق کافر ہے۔ اور یہ وہ گروہ ہے جو ضروریاتِ دین کا منکر ہے۔ یعنی ان باتوں کا انکار کرتا ہے جو قطعی الثبوت ہیں۔ مثلاً قرآن کا محفوظ ہونا قطعی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا افک سے بری ہونا قطعی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا صحابی ہونا قطعی ہے۔ اور جو شیعہ ایسے عقائد رکھتے ہوں یا مثلاً الوہیتِ علی رض کے قائل ہوں۔ یا یہ کہتے ہوں کہ وحی اصل تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیجی گئی تھی مگر جبرئیل علیہ السلام غلطی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے آئے تو ایسے شیعہ ہزار دعویٰ مسلمانی کے باوجود کافر ہیں۔

نعم لاشك فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رض او انکر صحبة الصدیق رض او اعتقد الالهیة فی علی او ان جبرئیل غلط فی الوحی او نحو ذلك من الکفر الصریح اھ (شامی باب المرتدین: ج ۳: ص ۳۱۹)۔

کچھ شیعہ ایسے کفریہ عقائد سے تو برأت ظاہر کرتے ہیں مگر صحابہ رض کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ایسے شیعہ کو تکفیر میں احتیاط کی بنا پر کافر تو نہیں کہا جائے گا مگر ان کے فاسق اور پرلے درجے کے برا ہونے میں کوئی تردد نہیں۔ کچھ تفضیلی شیعہ ہوتے ہیں ان کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ تمام عقائد میں اہل السنۃ والجماعت کے ساتھ متفق ہوتے ہیں۔ خلفاء ثلاثہ رض کی خلافت کو برحق مانتے ہیں مگر وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مرتبہ میں باقی تمام صحابہ رض سے افضل سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ان کی یہ بات از روئے تحقیق غلط ہے۔ مگر صرف اس وجہ سے انہیں کافر یا فاسق نہیں کہا جائے گا۔
یہ تو ضابطے کی بات تھی لیکن اہلِ تشیع کی کسی جماعت یا کسی فرد کی پوری حقیقت سمجھنے کے لئے یہ بات بھی ضرور مدنظر رکھنی چاہئے کہ یہ لوگ اپنے عقائد کے اظہار میں حد سے زیادہ تلبیس سے کام لیتے ہیں۔ بقول غالب ؏

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

ہر شیعہ کے دل میں کم و بیش صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے بارے میں اور بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں بغض و عناد ضرور ہوتا ہے۔ اس بغض و عناد پر پردہ ڈالنے کے لئے کبھی وہ حُبِّ علی رض

کی آڑ لیتے ہیں کبھی حبِ اہل بیت رض کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ ورنہ ان کی حضرت علی رض، اہلبیت رض اور ان کی تعلیمات سے جو محبت ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ مثلاً کوئی شیعہ جب یہ کہے کہ میں تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی تمام صحابہ رض سے افضل سمجھتا ہوں۔ تو در پردہ وہ یہ بھی کہہ رہا ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اس افضل ترین شخص کے ہوتے ہوئے خلافت سنبھالی یا جن لوگوں نے حضرت علی رض کے ہوتے ہوئے کسی اور کو خلیفہ بنایا وہ یقیناً غلطی پر تھے۔ کیونکہ افضل کے ہوتے ہوئے غیر افضل کو مقتدا بنا لینا واضح طور پر غلط ہے۔ شیعہ لوگ اس ساری بات کو بڑی ہوشیاری سے حبِ علی رض کے پردے میں کہہ جاتے ہیں۔ لہٰذا اہلِ تشیع کو سمجھنے کے لئے پوری باتوں کو مدنظر رکھا جائے، محض ان کے دعوے سے دھوکہ نہ کھایا جائے۔

رہی بات خواجہ حسن نظامی صاحب کی تو گزارش یہ ہے کہ اگر تو خواجہ صاحب باقی تمام عقائد میں اہل السنت والجماعت سے متفق تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں بھی ذہن صاف رکھتے تھے تو ان کا حکم ظاہر ہے۔ اور اگر تفضیلِ علی رض سے کچھ آگے بھی بڑھ جاتے تھے جیسے کہ ان کے مرید کے نوشتہ پمفلٹ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے تو پھر ان کے پورے معتقدہ عقائد و خیالات لکھ کر حکم معلوم کر لیں۔

خواجہ صاحب کے مرید کا نوشتہ پمفلٹ نظر سے گزرا اس کے بارے میں چند باتیں عرض کرنی ضروری ہیں۔ اور خدا کرے وہ صاحبِ پمفلٹ کی نظر سے بھی گزریں۔

۱ : انھوں نے حدیث میں آنے والے خیر و شر کے الفاظ کا جو مصداق بیان کیا ہے وہ محدثین کے بیان کردہ مطلب کے خلاف ہے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ شرِ اوّل سے مراد وہ فتنے ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں واقع ہوئے۔ یعنی گویا کہ شر سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کی مخالفت کی اور خلیفۂ مظلوم کی شہادت کا سبب بنے۔ اور اس کے بعد جو اچھا دور آیا بھی تو وہ بالکل پاک و صاف اور قابلِ اطمینان نہ تھا جیسا کہ حضرت عثمان رض سے پہلے کا دور تھا۔ اس لئے اس دورِ خیر کے بارے میں فرمایا۔ فیہ دخن۔ یعنی اس میں کچھ کدورت ہو گی۔ بعض نے ثانی سے مراد وہ دور لیا ہے جس میں حضرت حسن رض کی حضرت معاویہ رض سے صلح ہوئی۔ گویا کہ ایک بار پھر نظامِ خلافت متفقہ طور پر قائم ہو گیا۔ (حوالہ کے لئے دیکھئے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ : کتاب الفتن)۔

۲ : نظامی صاحب نے شرِ اوّل کے خود ساختہ مصداق کی تشریح میں فتح مکہ کے موقعہ پر ایمان لانے والوں کے بارے میں لکھا ہے کہ "بادل نخواستہ وہ داخلِ سلسلۂ اسلام ہوئے" گویا دبے لفظوں میں انہیں منافق کہا ہے۔ کیونکہ ان کے بارے میں صاف طور پر یہ کہا ہے کہ وہ پہلے بھی اسلام کے مخالف تھے اور بعد میں بھی اسلام والوں کی مخالفت کرتے رہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نظامی صاحب کا نشانہ اس تحریر میں خاص طور پر حضرت معاویہ رضی

اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ کیونکہ عبارت کا سیاق و سباق اس پر صاف دلالت کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات تو یہ عرض ہے کہ گو ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ رض فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ لیکن محققین کے نزدیک یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ علامہ ذہبی رح، ابن عساکر رح، اور ابن تیمیہ رح کی تحقیق کے مطابق آپ ۶ھ اور ۷ھ کے درمیان اسلام لائے۔ (المنتقی ص ۲۵۷)۔ علامہ ابن حجر رح "تقریب التہذیب" میں لکھتے ہیں۔ معاویۃ بن ابی سفیان خلیفۃ صحابی اسلم قبل الفتح وکتب الوحی ص۳۵۷ (معاویہ از تقی عثمانی ص۶۹، ۷۰)۔

البدایۃ والنہایۃ: ج۸ ص۲۱ میں خود معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اپنا قول منقول ہے۔ اسلمت یوم عمرۃ القضاء ولکنی کتمت اسلامی من ابی الی یوم الفتح۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے فتح الباری شرح بخاری میں اور "الاصابہ" میں بھی ایسے ہی لکھا ہے۔ لہٰذا صرف یہ کہنا کہ حضرت معاویہ رض فتح مکہ کے دن ہی اسلام لائے تاریخ سے جہالت کا ثبوت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے بارے میں یہ ذہن رکھنا کہ انہوں نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ با دل نخواستہ حالات کے تقاضے سے مسلمان ہوئے، یہ اللہ اور رسول ص کی تکذیب ہے۔ اللہ نے قرآن میں ایسے لوگوں کو مؤمن کہا ہے۔ آنحضرت علیہ السلام نے ان لوگوں کے ایمان پر اعتماد کیا ہے۔ تعجب ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آپ کی خدمت میں رہنے کے باوجود پتہ نہ چل سکا کہ یہ با دل نخواستہ مسلمان ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ ص نے کتابتِ وحی کی اہم ترین خدمت بھی ان سے لی اور انکے حق میں دعائیں بھی فرمائیں۔ اللہم علمہ الکتاب والحساب وقہ العذاب اھ (البدایۃ ص۱۲۱ کنز ص۸۷)۔ اللہم علمہ الکتاب ومکن لہ فی البلاد وقہ العذاب (البدایۃ ص۱۲۱)۔

ایک روایت میں ہے یامعاویۃ ان ولیت امراً فاتق اللہ واعدل اھ (البدایۃ ص۱۲۳)

ایک روایت میں ارشاد ہے یبعث اللہ معاویۃ یوم القیامۃ وعلیہ رداء من نور الایمان اھ (کنز العمال: ج ۶: ص ۱۹۰)۔

ان باتوں سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی ص میں معاذ اللہ اتنی فراست بھی نہ تھی کہ یہ سمجھ جاتے کہ یہ لوگ دل سے ایمان لائے ہیں یا با دل نخواستہ۔ جب کہ نظامی صاحب نے چودہ سو سال بعد بھی یہ بات سمجھ لی۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ "مسجدوں کے منبروں سے ان کو گالیاں دلوانے کے قابل ہو گئے" صاف جھوٹ ہے اور تاریخ سے انتہائی جہالت ہے۔ شیعہ وسنی تاریخ میں ایک جھوٹی روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں یہ لکھا ہو کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ممبروں سے گالیاں دلوایا کرتے تھے"۔ اگر کوئی غلط ثبوت بھی ہو تو نظامی صاحب وہ روایت لکھیں جس میں یہ ہو کہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فلاں آدمی کو حکم دیا کہ ممبر پر بیٹھ کر حضرت

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گالیاں دو۔ اور پھر اس نے عمل کرتے ہوئے فلاں جگہ پر بیٹھ کر فلاں فلاں الفاظ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یا لقبول نظامی صاحب ان سب کو گالیاں دی ہوں۔ اور قطع نظر اس سے کہ تاریخ سے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حضرت معاویہ رض کے ہاں بار بار آنا ثابت ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صاحبزادگان کی جلالتِ شان کے پیشِ نظر ان کی خدمت میں گرانقدر عطیات پیش کرتے اور یہ حضرات اسے بطیبِ خاطر وصول کرتے۔ اگر لقبول نظامی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے ساتھ یہ سلوک تھا تو اس کے باوجود ان حضرات کے حضرت معاویہ رض کے پاس آنے کی جو حیثیت سامنے آتی ہے اسے عقلِ سلیم ہرگز قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جب کہ تاریخ میں یہ موجود ہے کہ۔

اہلِ بیت نبوت خصوصی طور پر سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی آپ بڑی ملاطفت اور نیک دلی سے پیش آتے رہے۔ دونوں بھائیوں کو عطائے جزیل سے نوازتے۔ کبھی دس کبھی بیس لاکھ اور کبھی چالیس لاکھ درہم تک عطا فرماتے۔ (البدایہ ، ج ۸ ، ص ۱۳۷)۔

آخر میں نظامی صاحب کا کہنا کہ انہوں نے تحریص اور جبر واستبداد سے کام لیا۔ یہ بھی نظامی صاحب کی جہالت و کم فہمی ہے۔ تاریخ میں اس بات کی تکذیب میں سینکڑوں حوالے موجود ہیں۔

۳ : تیسرے لفظ "شر" پر نظامی صاحب نے جو حاشیہ لکھا ہے اس میں تو وہ بالکل کھل کر سامنے آگئے گویا یہ ہوتا ہے، کہ نظامی صاحب بغضِ معاویہ رض میں اس کیفیت کو پہنچ گئے ہیں کہ وہ جہاں کہیں لفظ "شر" دیکھتے ہیں اسے حضرت معاویہ رض پر منطبق کر دیتے ہیں۔ خواہ وہ حدیث کے خلاف ہو یا تاریخ کے خلاف ہو۔ یا عقل کے خلاف ہو۔

اگر وہ تھوڑا سا غور کرتے تو لقبول ان کے اگر یہ دورِ شر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور ہے اور ایسے دور کے حکام وہ ہوں گے جو دوزخ کی طرف بلانے والے ہوں گے۔ اور جو ان کی دعوت قبول کرے گا اس کو وہ جہنم میں دھکیل دیں گے۔ اور اسی حدیث کے آخر میں آتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑنا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں میں سے کس کے مصداق ہیں ؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عمل بالخصوص حضراتِ حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حضرت معاویہ رض کے ہاتھ پر بیعت کرنا واضح دلیل ہے کہ ان حضرات نے ان کو مسلمانوں کا امام سمجھا اور یہی بیعت کرنے والے لوگ جماعتِ مسلمین تھے۔

اور اگر لقبول نظامی صاحب ان کو معاذ اللہ تعالیٰ پہلے گروہ کے مصداق بنایا جائے۔ تو جن جن لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا، ان کی بات کو تسلیم کیا تو وہ جہنمی ہو گئے اور عہد اتاترک تک سب جہنمی ہوتے کیونکہ یہ دور اس وقت تک رہا۔ تو پھر اس عرصہ میں اسلام کہاں تھا ؟ اور مسلمان کہاں تھے ؟ فارسی کی کہاوت ہے ۔

"دروغ گو را حافظہ نباشد"

نظامی صاحب پر یہ بالکل صادق آتی ہے۔ انہوں نے آخر میں یہ کتنی سچی بات لکھی ہے کہ "یہ باتیں محض میرے خیالات ہیں" اور حقیقت یہی ہے کہ یہ محض نظامی صاحب کے بے بنیاد خیالات ہیں حقیقت کو ان کیساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں۔ بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اور سخت تعجب ہوا یہ دیکھ کر کہ نظامی صاحب اپنے ان جاہلانہ نظریات پر غور و فکر کرنے کی پوری قوم کو دعوت دے رہے ہیں۔ اس حدیث میں ایک جملہ یہ بھی آتا ہے۔ کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جہنم کی طرف بلانے والے ہوں گے۔ جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا وہ جہنم میں دھکیل دیں گے خدا کرے نظامی صاحب کی غور و فکر کی دعوت ایسی دعوت نہ ہو۔ واللہ یعصمنا وایاکم من الضلالۃ و الغوایۃ وبیدہ التوفیق واللہ اعلم بالصواب۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۷/۲/۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

حلیمہ سعدیہ رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس سواری پر لے گئی تھیں

مائی حلیمہ رضؓ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کے لئے لے گئی تھیں تو وہ سواری کیا تھی؟ کیا وہ عام گدھا تھا یا خچر یا اونٹ؟ اختلافِ روایات کی صورت میں کون سی روایت زیادہ معتبر ہے؟ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بحوالہ زاد المعاد، دراز گوش تحریر فرمایا ہے۔ چونکہ یہ روایت ابن قیم رحؒ کی ہے اس لئے بریلوی اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اعتراض کرتے ہیں کہ دیوبندی معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں کہ آپؐ گدھے پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔ کیا گدھے پر سوار ہونا نبیؐ کے لئے معیوب ہے؟ علاوہ ازیں کسی اور موقعہ پر گدھے پر سواری کی ہے یا نہیں؟ شریف الدین سلانوالی سرگودھا

الجواب علامہ ابن قیم رحؒ اور ان کے استاذ ابن تیمیہ رحؒ ہر دو حنبلی مذہب کے متبع ہیں اور اکابر اہل السنت والجماعت سے ہیں۔ ابن قیم رحؒ کی "زاد المعاد" سیرت کی معتبر و مستند کتاب ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحؒ نے اس کا حوالہ دیا ہے۔ بریلوی حضرات کے اچھا نہ سمجھنے سے ان دو بزرگوں کی جلالتِ شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور گدھے کی سواری کوئی معیوب بات بھی نہیں۔ عرب میں اس کا عام رواج تھا۔ اس لئے آپ صراحت کے ساتھ اس روایت پر قائم رہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔

وفاتِ آدم علیہ السلام کیوقت اولادِ آدمؑ کی تعداد

جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی تو اولادِ آدمؑ کی تعداد کتنی تھی؟ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ حافظ علی محمد بٹ گوجرانوالا شہر

الجواب بمطابق طبری بوقتِ وفات آدم علیہ السلام کی اولاد کی تعداد چالیس ہزار تھی۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لم یمت آدم علیہ السلام حتی بلغ ولدہ و ولد ولدہ و ولد ولدہ اربعین الفا۔ (طبری، ج ۱: ص ۱۶۱)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۲۶/۵/۱۴۰۷ھ

جنگِ صفین اور یزید کے بارے میں

زید اور بکر کے درمیان درج ذیل سوالات پر گفتگو ہوئی لیکن حل کے لئے آپ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ براہِ کرم اس بارے میں اہلِ سنت کے صحیح موقف کو دلائل سے مبرہن فرما دیں۔

۱ : کیا امیرِ شام معاویہ رض نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جنگِ صفین لڑی تھی۔ اس میں ان دونوں فریقوں میں سے کون حق پر تھا ؟

۲ : جنگِ صفین میں حضرت عمار بن یاسر رض کی شہادت سے کون سا طبقہ باغی قرار دیا جاسکتا ہے ؟

۳ : کیا امیرِ شام معاویہ رض نے اپنی زندگی میں یزید ملعون کی بیعت کا حکم صادر کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو ایک جابر ظالم فاسق بیٹے سے بیعت کرانا جائز تھی یا کہ نہیں ؟

۴ : خلافت کو ملوکیت میں کس نے تبدیل کیا ؟

الجواب ۱ ، ۲ ۔ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین جو جنگِ صفین ہوئی اسکی صحیح تعبیر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصیب ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخطی ہیں۔ لیکن یہ ان کی خطاء اجتہادی تھی جس میں وہ گناہگار نہیں۔ ان کی عدالت وفضیلت پائی جاتی ہے۔ امام نووی رح لکھتے ہیں۔ اما معاویۃ رضی اللہ عنہ فھو من العدول الفضلاء والصحابۃ النجباء و اما الحروب التی جرت فکانت لکل طائفۃ شبھۃ اعتقدت تصویب انفسھا بسببھا و کلھم عدول و متاولون فی حروبھم وغیرھا ولم یخرج شیٔ من ذلک احدا منھم من العدالۃ لانھم مجتھدون اھ (ج ۲ ، ص ۲۷۲ - شرح مسلم)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت والی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ھذا الحدیث حجۃ ظاھرۃ فی ان علیا رضی اللہ عنہ کان محقا مصیبا والطائفۃ الاخری بغاۃ لکنھم مجتھدون فلا اثم علیھم لذلک کما قدمناہ فی مواضع (ج ۲ ، ص ۳۹۵)

۳ : ۴ : " ملوکیت " سے سائل کی کیا مراد ہے۔ اگر اس سے مراد ولی عہد بنانا ہے تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ولی عہد مقرر فرمایا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ حضرات کیلئے یہ معاملہ سپرد فرمایا۔ اسی طرح پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بعد ولیعہدی سپرد فرمائی (کما فی البدایہ)۔ لیکن حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سے یہ جگہ خالی ہوگئی۔ تو یزید کو ولی عہد مقرر کیا گیا۔ پس یہ تو ایسی قابل ملامت بات نہیں۔

اور اگر سائل کی مراد " ملوکیت " سے کچھ اور ہے تو اس کی وضاحت کی جائے۔ بہرحال بادشاہی کوئی حرام چیز نہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔ ابعث لنا ملكاً نقاتل فی سبیل اللہ (سورۃ البقرہ) وجعلکم ملوکاً (مائدہ) یزید کے لئے ظالم، جابر، فاسق، ملعون وغیرہ صفات کا اثبات بھی محل نظر ہے۔ خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں تو قطعاً یزید ایسا نہ تھا۔ حقیقت حال یہ ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۴/۷/۱۳۹۹ھ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اذان نہ دینے سے سورج طلوع نہ ہونا غلط قصہ ہے

اکثر علماء سے سنا ہے کہ ایک دفعہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سے روک دیا اور دوسرے مؤذن کو صبح کی اذان کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ اشہد کی شین کا لفظ صحیح ادا نہیں کرسکتے تھے۔ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان نہ دی تو صبح صادق بھی نہ ہوئی۔ صرف ایک دو علماء سے نہیں بلکہ کافی مستند علماء سے سنا ہے۔ لیکن زید کہتا ہے کہ یہ صرف افسانہ ہے حقیقت نہیں۔ اگر یہ صحیح ہو تو عبارت تحریر فرمادیں اور اگر غلط ہو تو بھی۔

محمد حنیف مدرسہ جامعہ فاروقیہ تعلیم القرآن چک نمبر ۴۰۳ ج ب ضلع فیصل آباد۔

الجواب یہ بات ویسے ہی مشہور ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان بلالاً کان یبدل الشین فی الاذان سیناً قال المزنی انہ اشتہر علی السنۃ العوام ولم نرہ فی شئ من الکتب اھ (موضوعات کبیر ص ۴۱)۔ سین بلال عند اللہ شین قال ابن کثیر لیس لہ اصل۔ اھ (ص ۵۰)۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲ : ۲ : ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ راشد تھے

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار خلفاء راشدین میں ہے یا نہیں ؟ نیز نعرۂ خلافت راشدہ کے جواب میں حق چار یار کہنا صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ راشد ہیں۔ علامہ سیوطی رح فرماتے ہیں۔ الحسن بن علی اخر الخلفاء بنصه (ازالۃ الخفاء ۲۴۴) هو اخر الخلفاء الراشدین بنص جده صلی اللہ علیه وسلم خلیفة حق وامام عدل وصدق تحقیقا لما اخبر له جده الصادق المصدوق بقوله الخلافة الخ منصوصا علیها وقام علیه اجماع من ذکر فلا مریة من حقیقتها اھ (صواعق محرقہ ص۱۸)۔
اور نعرۂ خلافت راشدہ کے جواب میں حق چار یار ان لوگوں کے رد کے لئے ہے۔ جو شیخین سابقین کو نہیں مانتے نہ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اخراج کے لئے۔ وہ تو متفق علیہ ہیں۔ نیز نعرہ پر اصرار کرنا بھی درست نہیں۔

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔
الجواب صحیح : محمد صدیق غفرلہ۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کتنے نکاح کئے تھے

ایک خطیب صاحب نے بیان کیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے نوّے یا تین سو نکاح کئے تھے جس کا طریقہ یہ تھا کہ رات کو نکاح ہوا اور صبح کو طلاق دے دی جاتی تھی۔ صحابہ کبار رض اور ان کی بیٹیاں اس نکاح کی خواہش اس لئے کرتی تھیں کہ حضرت امام حسن رض کی خلوتِ صحیحہ ملنے پر جہنم سے پناہ ملے گی اور جنت کا حصول ہوگا۔ کیا یہ واقعی درست ہے؟ نیز اس نکاح میں اور متعہ میں کیا فرق ہوا؟ محمد قاسم : احمد پور شرقیہ بہاولپور۔

الجواب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حافظ ابن کثیر رح تحریر فرماتے ہیں۔ وکان کثیر التزوج وکان مطلاقاً ..... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو حضرت حسن رض کے ساتھ نکاح کرنے سے روکا لیکن بعض لوگوں نے یہ جواب دیا لوخطب الینا کل یوم لزوجنا منا من شاء ابتغاء فی صهر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم (البدایہ ج ۸ ص۳۸)
یعنی اگر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں ہر روز منگنی کا پیغام دیں گے تو جن کو آپ کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری میں منسلک ہونے کی تمنا ہوگی وہ اسے قبول کرتے رہیں گے۔ مگر نوے یا تین سو نکاح کی کوئی صحیح روایت ہماری نظر سے نہیں گزری۔ اگر خطیب صاحب کا بیان کردہ حوالہ سوال میں تحریر کر دیا جاتا تو اس کی تحقیق کی جا سکتی تھی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ : ۷ / ۲ / ۱۳۸۹ھ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے یا نہ؟ اگر ہوئے تو کس نے کیا، اور کس مقام پر شہید ہوئے اور کون سی

تاریخ کو شہید ہوئے ہیں ؟

الجواب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ دس محرم بروز جمعہ کو کربلا میں شہید ہوئے۔ سنان بن انس یا شمر نے آپ کو شہید کیا۔ اور خولی نے آپ کا سر مبارک کاٹ کر عبیداللہ بن زیاد کو پیش کیا۔

وقتل یوم الجمعۃ یوم عاشوراء سنۃ احدی وستین بکربلا قتلہ سنان بن انس النخعی وقیل قتلہ شمر بن ذی الجوشن واجھز علیہ خولی بن یزید الاصبحی من حمیر حز رأسہ واتی بہ عبید اللہ بن زیاد۔ اھ کذا فی الاکمال فی اٰخر المشکوۃ، ص۵۹۲۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ ہذا۔ ۱۴/ ۹/ ۱۳۹۴ھ

حضرت حسینؓ کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے آنے کا ثبوت

ایک واقعہ مشہور ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا سر مبارک شہادت کے بعد ابن زیاد کے سامنے لایا گیا۔ اس نے چھڑی ہونٹوں پر ماری۔ اس پر زید بن ارقمؓ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ ان ہونٹوں کو حضور علیہ السلام نے بوسہ دیا ہے۔ کیا یہ واقعہ درست ہے ؟

الجواب البدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۱۹۰۔ میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ فاذا رأس الحسین موضوع بین یدیہ واذا ھو ینکت فیہ بقضیب بین ثنایاہ ساعۃ فقال لہ زید بن ارقم ارفع ھذا القضیب من ھاتین الشفتین فو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو لقد رأیت شفتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھاتین الشفتین یقبلھما فقط وکذا فی البصائر واللہ اعلم بالصواب۔

احقر خیر محمد عفی عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان : ۱۷/ ۱/ ۱۳۶۸ھ

ماتم کی ابتداء قاتلین حسینؓ سے ہوئی ہے

دس محرم کے دن ایک مخصوص طبقہ جو اپنے آپ کو اثنا عشری مذہب کا پیروکار ظاہر کرتا ہے ایک جلوس شہید کربلا کے غم میں نکالتے ہیں۔ جلوس میں جھولا۔ تعزیہ۔ علم۔ دلدل۔ ماتم۔ سینہ کوبی۔ نوحہ وغیرہ شامل ہیں۔ جلوس اور مندرجہ بالا امور کے متعلق اثنا عشری مذہب کی تعلیم کیا ہے ؟ یہ اشیاء اثنا عشری مذہب میں سنت ہیں یا واجب ؟ یا مستحب ہیں ؟۔

محمد اسلم خطیب فاروقیہ مسجد ممتاز آباد ملتان

الجواب اثنا عشری مذہب میں یہ تمام باتیں جو سوال میں درج ہیں حرام ہیں۔ یہ باتیں خود شیعوں کی معتبر کتب میں ممنوع ہیں۔ جس طرح ہر مذہب میں پچھلے لوگ بگاڑ پیدا کر دیتے ہیں اسی طرح شیعہ

حضرات نے بھی عوام سے کھانے پینے اور ان کو لوٹنے کے لئے یہ بدعات ایجاد کر رکھی ہیں۔ یہ امور ان کے لئے بہت بڑی آمد کا ذریعہ ہیں۔ اصل مذہب میں ممانعت موجود ہے۔ چنانچہ حیات القلوب مصنفہ ملا باقر مجلسی۔ ص ۱۵۹، ص ۱۷۴، ص ۳۳۶، ص ۳۳۰، ص ۳۸۰، ص ۴۲۳، ص ۵۲۶، ص ۵۲۱، ص ۵۲۵، ص ۵۴۲، ص ۶۰۶، جلد اوّل میں اور حیات القلوب جلد دوم ص ۲۰۳، ص ۶۹۴، ص ۸۲۲، ص ۸۲۴، ص ۸۷۱، جلد سوم ص ۲۳۸، ص ۲۳۹ میں ممانعتِ ماتم منقول ہے۔

ماتم کی ابتداء دراصل قاتلین حسین رض نے کی تھی تاکہ ان کا یہ فعل بد لوگوں کی نظر میں پوشیدہ رہے اور لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بے چارے تو ماتم کر رہے ہیں اور رو رہے ہیں یہ کیسے قاتل ہو سکتے ہیں۔ خلاصۃ المصائب ص ۲۲۴ جلاء العیون ص ۲۱۳ مطبوعہ تبریز۔ تذکرۃ المعصومین ص ۲۰۴ و ص ۲۰۵۔ نہر المصائب ص ۱۸ و ص ۱۹ وغیرہ شیعہ کی معتبر کتب میں یہ مضمون موجود ہے۔

شیعوں کی کتاب "ذبحِ عظیم" ص ۲۳۸ میں امام عالی مقام حضرت امام حسین رض نے اپنی ہمشیر حضرت زینب رض اور اہل بیتِ کرام کے دوسرے حضرات کو فرمایا کہ مجھے تم لوگوں سے ایک ضرورت ہے۔ اور میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں کہ جب میں شہید ہو جاؤں تو خبردار میرے غم میں گریبان چاک نہ کرنا۔ نہ سینہ پیٹنا۔ نہ منہ پر پیٹنا۔ ص ۲۳۹۔ زیادہ تفصیلات کا مطالعہ کرنا ہو تو رسالہ "ائمہ کا فرمانِ معظم متعلق بدعاتِ محرم" کا مطالعہ فرمادیں۔

واضح رہے کہ حکومت کا فرض ہے کہ پورے پاکستان میں ایسی قبیح اور بیہودہ بدعات کا قلع قمع کرے۔ یہ تمام قبیح حرکات ہندوؤں کی ہولی، دسہرہ سے ماخوذ ہیں۔ انہی کی نقل ہے۔ اسلام جیسے مقدس مذہب میں ایسے بیہودہ اور فضول کاموں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ خود ایران میں جو شیعوں کا گڑھ اور مرکز ہے اس قسم کے بے ہودہ افعال ممنوع ہیں۔ لہٰذا حکومت کو ضرور مداخلت کر کے اس قسم کے بے ہودہ افعال ختم کرنے چاہئیں۔ فقط۔

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

ثعلبہ بدری اور ثعلبہ منافق کی وضاحت

حضرت ثعلبہ بدری صحابی ہونے کے باوجود تساہل زکوٰۃ کے کیوں مرتکب ہوئے۔ اس کا پسِ منظر کیا ہے؟ جب اپنی زکوٰۃ آنحضرت علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے پاس لے کر گئے تو مسترد کرنے کی وجہ کیا تھی؟ حالانکہ ان کا زکوٰۃ کو بار بار لانا توبہ اور ندامت ہے۔ کیا ان سے زکوٰۃ نہ لینا شرفِ صحابیت کو مجروح کرنا نہیں ہے؟

الجواب ثعلبہ بن ابی حاطب بدریین میں سے نہیں ہیں۔ اس کی پوری تفصیل الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۳: ص ۲۰۶ میں ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب وہ زکوٰۃ لے کر پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ منعنی ان اقبل منك صدقتك اھ (ابن کثیر، ج ۲، ص ۳۷۴)۔
اور یہ اس لئے کہ جب عمال نے آنحضرت علیہ السلام کا فرمان اس کے پاس پہنچایا تو اس نے کہا ان ھی الا اخت الجزیۃ اگر وہ صفت صحابیت پر رہتا تو سوال پیدا ہوتا۔ لیکن جب وہ منافق ہو گیا تو سوال کی حاجت ہی نہیں رہی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ۔

جن صاحب کا قصۂ زکوٰۃ کتب تفاسیر وغیرہ میں مذکور ہے اس کا نام ثعلبہ بن ابی حاطب ہے۔ اور جو بدری صحابی ہیں ان کا نام بالاتفاق ثعلبہ بن حاطب ہے۔ غزوۂ احد میں ان کی شہادت ہو گئی تھی۔ جیسا کہ کلبیؒ نے تصریح کی ہے جب یہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس زکوٰۃ لے کر آنے والے کیسے ہو سکتے ہیں۔ الغرض مذکورہ قصہ بدری صحابی کا نہیں۔ نیز خود یہ قصہ بھی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔ "اصابہ" میں ہے۔ ولا أظنہ یصح۔ والجواب صحیح۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱/۶/۱۳۹۰ھ

حضرت اویس قرنیؓ کے بارے میں صحیح روایت

حضرت اویس قرنی کے متعلق اکثر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کی مجلس میں ذکر اور تعریف فرمایا کرتے تھے جس پر صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ایک ایسے شخص کی تعریف کرتے ہیں جو کبھی آپ کی زیارت تک کے لئے تشریف نہیں لائے۔ تو حضور نے فرمایا۔ تمہیں کیا خبر، اس کا کیا مقام ہے اور اس کو میری زیارت تو روزمرہ ہوتی ہے۔ اس کی بوڑھی اور نابینا والدہ ہے جس کی خبر گیری کرنے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اس وجہ سے میں نے حکم دیا ہے کہ تم بس اپنی والدہ کی خدمت کرو، میں روزانہ تم کو وہیں زیارت کرادوں گا۔ کیا یہ سب باتیں درست ہیں یا غلط اور بے بنیاد ہیں؟

الجواب حضرت اویس قرنیؒ کے بارے میں صحیح روایت یہ ہے۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان رجلا یأتیکم من الیمن یقال لہ اویس لا یدع بالیمن غیر ام لہ قد کان بہ بیاض فدعا اللہ فاذھبہ الا موضع الدینار او الدرھم فمن لقیہ منکم فلیستغفر لکم۔ رواہ مسلم۔ وفی روایۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان خیر التابعین رجل یقال لہ اویس ولہ والدۃ و کان بہ بیاض فمروہ فلیستغفر لکم اھ (مشکوۃ، ج ۲، ص ۵۸۲)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ ـ "اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" میں حضرت اویس کے بارے میں ایک دوسری روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

قال ابن حبان باطل محمد بن ایوب کان یضع علی مالک والذی صح فی اویس کلمات یسیرۃ معروفۃ ۔ ص ۴۴۹۔ ھکذا فی تذکرۃ الموضوعات ۔۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اویسؒ کے متعلق روایتِ مسلم میں مذکور منقبت کے علاوہ دیگر کوئی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں۔ پس جو روایت سوال میں مذکور ہے محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک غیر معتبر ہے اور کسی معتبر کتاب میں اس کا نشان تک موجود نہیں۔ نیز اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویسؓ کو اپنی زیارت کا شرف اپنی زندگی میں بخشا۔ ایک مرتبہ نہیں بلکہ روزانہ آپ زیارت کراتے تھے۔ اور یہ معلوم ہے کہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں جس مسلمان کو زیارت کا شرف حاصل ہو جائے وہ صحابی کہلاتا ہے۔ حالانکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ آپ تابعی ہیں صحابی نہیں۔ صاحبِ اکمال لکھتے ہیں

اویس القرنی ھو اویس بن عامر کنیتہ ابو عمرو القرنی ادرک زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یرہ ولم یشرف بہ ورأی عمر بن الخطاب ومن بعدہ۔ (مشکوٰۃ ج ؛ ص ۵۸۶)۔

اس سے بھی سوال میں مذکور روایت کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس روایت کا موضوع اور من گھڑت ہونا اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت اویس کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سید التابعین فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت اویس نے حضورؐ کی زیارت نہیں کی۔ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا تو آپ کے مقابلہ میں کسی اور کی بات کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

یزید و مروان کافر تھے یا فاسق و فاجر

یزید اور مروان کے متعلق مختلف باتیں مشہور ہیں ان کے بارے میں صحیح رائے کیا ہے ؟ بعض ان کو کافر کہتے ہیں ، بعض فاسق و فاجر کہتے ہیں ؟

الجواب یزید کے بارے میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں لیکن اس کے کفر پر کوئی صحیح دلیل موجود نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم یزید نے دیا تھا یا نہیں ؟ آپ کی شہادت سے اس کو خوشی ہوئی تھی یا رنج ؟ اس کے بارے میں دونوں قسم کی روایات ملتی ہیں۔ حقیقتِ حال اللہ کو معلوم ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ محتاط پہلو اختیار کریں۔

مروان کی طرف تکفیر کی نسبت قطعاً غلط ہے۔ امام بخاریؒ اور امام مالکؒ وغیرہ محدثین نے ان سے روایات لی ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں مروان کی روایت موجود ہے۔ ایسی صورت میں تکفیر کیسے جائز ہو سکتی ہے۔

فقط واللہ اعلم : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ضبطِ املاک کی حقیقت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا حضرت عمر بن عبد العزیز عمر ثانی رہ نے اپنے دورِ حکومت میں عوام کی املاک اور سرمایہ بحق بیت المال ضبط کر لیا تھا ، اور کیا دینِ اسلام اس اقدام کی حمایت کرتا ہے ؟

نسیم الدین ملتان شہر

الجواب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ علیہ نے عوام کی املاک اور سرمایہ بحق بیت المال ضبط نہیں کیا تھا کسی تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں۔ کہ حضرت موصوف کے دور میں انفرادی ملکیت کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ جو شخص اس کا مدعی ہے اسے ثبوت پیش کرنا چاہیئے۔ بلکہ کتبِ احادیث و تاریخ سے اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسبِ سابق انفرادی ملکیت باقی رہی اور زکوٰۃ و عشر اور دیگر صدقات وغیرہ کے احکام پر معاشرہ میں عمل جاری و ساری تھا۔ البتہ حضرت عمر بن عبد العزیز رہ نے بعض لوگوں کے ایسے اموال کو ضبط کر لیا تھا جو ناجائز طور سے ان کے پاس پہنچے ہوئے تھے۔ چونکہ یہ اموال غیر شرعی طور پر بیت المال سے لئے گئے تھے لہٰذا حضرت موصوف نے ان اموال کو لے کر واپس بیت المال میں جمع کر دیا۔ ایسے نا جائز اموال کی ضبطی شرعاً جائز ہے۔ جب کہ یقینی طور پر ان کا ناجائز ہونا ثابت ہو جائے۔ بدوں اس کے ایسے اقدام کی اجازت نہیں ہو گی۔ اسلام انفرادی ملکیت کے احترام کا قائل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۷ / ۴ / ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

امام اعظمؒ کا شجرۂ نسب

امام اعظم رحمۃ اللہ کا شجرۂ نسب بیان فرمائیں ؟

الجواب شجرۂ نسب حسبِ ذیل مذکور ہے۔

امام ائمۃ المجتہدین ، سراج الامت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان بن ثابت بن قیس بن یزدگرد بن شہریار بن پرویز بن نوشیروان بادشاہ۔ بحوالہ تاریخ ابن خلکان (حدائق الحنفیہ ص۲۱)۔

فقط واللہ اعلم بندہ محمد صدیق معین مفتی۔

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ ؛ الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ خادم الافتاء۔ ۲؍۱۲؍۱۳۷۵ھ

امام اعظمؒ کو ابوحنیفہ کہنے کی وجہ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ابوحنیفہ کہنے کی وجہ کیا ہے۔ اس کنیت کی وجہ مطلوب ہے۔

(حضرت استاذ القراء مولانا قاری رحیم بخش صاحب دامت برکاتہم صدر مدرس شعبہ قرأت خیر المدارس ملتان)۔

الجواب حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو سب سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو رہے۔ اسلام کو دینِ حنیف اور ملتِ حنیفہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اسلام بھی اپنے پیرو کاروں کو یہ تعلیم دیتا ہے۔ امام صاحب نے چونکہ زندگی ہی ملتِ حنیفہ کی خدمت کے لئے وقف کی ہوئی تھی اس لئے ابوحنیفہ کنیت اختیار فرمائی۔ جس کا معنی ہے "ملتِ حنیفہ والا"، حقیقت یہی ہے۔ اس کے علاوہ لوگ جو وجوہ بیان کرتے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔ نہ حنیفہ امام صاحب کی کوئی لڑکی تھی اور نہ ہی حنیفہ نامی کسی لڑکی کی موجودگی میں کوئی سوال وجواب کا قصہ پیش آیا۔
(الخیرات الحسان : للعلامۃ ابن الحجر المکی الشافعی) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ؛ ۲۶؍۴؍۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

محمد بن مسلم الزہری مسلّم اہلسنت والجماعت ہیں انکی طرف رفض کی نسبت کرنا بالکل غلط ہے۔

بجناب مولانا صاحب اس جگہ کئی آدمیوں کا خیال ہے کہ شہاب الدین زہری راوی حدیث شیعہ مذہب رکھتے تھے اور ان پر لعنت بھی کرتے تھے اس لئے یہاں پر بڑی گڑبڑ ہے۔ آپ برائے مہربانی اس مسئلہ کو حل کر کے تسلی کر دیں کہ وہ واقعی شیعہ تھے یا نہیں ؛ اور بحوالہ کتب صحاح ستہ ان کے فضائل بھی بیان فرمادیں۔

۔مولوی اللہ بخش کبیر والا۔

الجواب ۱ : محمد بن مسلم الزھری الحافظ الحجۃ کان یدلس فی النادر۔
(میزان الاعتدال للذھبی ؛ ج ۳ ؛ ص ۲۱۶)۔

۲ ؛ وھو ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شھاب الزھری اتفقوا علی اتقانہ وامامتہ فتح الباری ج ۱ ؛ ص ۱۸۔ لحافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی۔

۳ ؛ ھو الامام ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شھاب الزھری المدنی سکن الشام وھو تابعی صغیر۔ سمع النسا وربیعۃ وعنہ جماعۃ من کبار التابعین۔ منھم عطاء وعمر بن عبد العزیز الخ ج ۱ ؛ ص ۵۶ ۔
عمدۃ القاری للحافظ بدر الدین العینی۔

امام ذہبی رح نے امام زہری کو حافظ اور حجۃ فرمایا ہے۔ اور یہ الفاظ توثیق کے عمدہ کلمات سے ہیں۔ حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ محدثین اور ناقدین فن امام زہری رح کی امامت اور اتقان پر متفق ہیں۔ حافظ عینی رح بھی انہیں "ہو الامام" سے ذکر کر رہے ہیں۔ پس ان ائمہ کی توثیق کے مقابلہ میں امام زہری رح کے بارے میں کسی جرح کو قابل قبول نہیں گردانا جائے گا۔ امام زہری رح یقیناً اکابر اہل السنۃ والجماعت سے ہیں۔ ہم سہ عبارات کو اس سلسلہ میں کافی سمجھتے ہوئے مزید تتبع کتب کی کاوش نہیں کی گئی۔ امید ہے کہ دیگر کتب فن کی تصریحات بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہ ہوں گی۔ اگر کسی کتاب میں امام زہری رح کے تشیع کی تصریح مل جائے تو یہ تشیع ہمارے زمانے کا رفض نہیں جو عین کفر یا قریب بکفر ہے۔ بلکہ قرون ثلاثہ اور سلف کا تشیع ہے جس کا حاصل حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما اور ان کی رائے سے اتفاق رکھنے والے دیگر صحابہ کرام رض میں کچھ کلام کرنا، اور حضرت علی رض کو حضرات شیخین رض سے افضل سمجھنا ہے۔

کما فصلہ الذہبی فی میزان الاعتدال فی ترجمۃ ابان بن تغلب ونصہ (ابان بن تغلب) الکوفی شیعی جلدٌ صدوق فلنا صدقہ وعلیہ بدعتہٗ وقد وثقہ احمد بن حنبل وابن معین وابو حاتم وقال کان غالیا فی التشیع فلقائل ان یقول کیف ساغ توثیق مبتدع وجوابہ ان البدعۃ علی ضربین فبدعۃ صغری کغلو التشیع او کالتشیع بلا غلو ولا تحرق فھذا کثر فی التابعین وتابعیھم مع الدین والورع والصدق ثم بدعۃ کبری کالرفض الکامل الغلو فیہ والحط علی ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما والدعاء الی ذلک فھذا النوع لا یحتج بھم فما استحضر الآن فی ھذا الضرب رجلا صادقا ولا مأمونا بل الکذب شعارھم والتقیۃ والنفاق دثارھم فالشیعی الغالی فی زمان السلف وعرفھم ھو من تکلم فی عثمان والزبیر وطلحۃ ومعاویۃ والغالی فی زماننا ھو الذی یکفر ھؤلاء السادۃ فھذا ضال مفتر ولم یکن ابان بن تغلب یعرض للشیخین اصلاً بل قد یعتقد علیا افضل منھما۔

اور اتنی بات مسقط عدالت وثقاہت نہیں۔ پس امام زہری رح بلاشبہ حافظ اور حجت ہیں بے سمجھے سمجھے ان کے حق میں زبان درازی کرنا اپنی عاقبت خراب کرنے کے مترادف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

۳۰ ـــــ ۴ ـــــ ۱۳۸۰ھ

غُنیۃ الطالبین میں "فرقہ ضالہ" سے مراد "فرقہ غسانیہ" ہے احناف نہیں

غنیۃ الطالبین میں مشینہ

عبدالقادر جیلانی رح حنفیہ کو فرقہ مرجیہ کی شاخ قرار دے کر گمراہ فرقوں میں شمار کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ شیخ صاحب نے کہیں احناف کی تعریف بھی لکھی ہے؟

الجواب حضرت شیخ کی مراد اس عبارت سے "فرقہ غسانیہ" ہے۔ جس کا بانی "غسان بن ابان کوفی" تھا۔ جو اصول میں مرجیہ کا معتقد تھا اور فروع میں امام ابوحنیفہ رح کی اتباع کا دعوے کر کے حنفی کہلاتا تھا۔ چونکہ وہ اور اس کے معتقدین اعتقادِ ارجاء کی وجہ سے اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حنفی مشہور کیا کرتے تھے۔ اس لئے حضرت شیخ رح نے اصولی اختلاف کے بیان میں اس فرقہ ضالہ کو ان کے مشہور لقب سے ذکر کیا۔

واما الحنفیۃ فھم اصحاب ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت زعموا ان الایمان ھو المعرفۃ والاقرار باللہ ورسولہ۔

ورنہ جو لوگ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے اصول و فروع میں امام ابوحنیفہ رح کے مقلد ہیں ان کو حضرت شیخ کیونکر برا کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ جس اکرام و احترام سے دوسرے ائمہ رح کا ذکر کرتے ہیں اسی احترام و اکرام سے امام ابوحنیفہ رح کا اسم گرامی بھی ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ نماز فجر کا وقت ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قال الامام ابوحنیفۃ الاسفار افضل اھ یہ اجمالی جواب ہے تفصیلی جواب کے لئے دیکھئے رسالہ "الرفع والتکمیل" مؤلفہ مولانا عبدالحی رح از صفحہ ۲۵ تا صفحہ ۲۸ (خیر الاصول ص ۱۱)۔

فقط واللہ اعلم : بندہ محمد صدیق عفرلہٗ

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ۔

صرف نحو۔ فقہ۔ حدیث و تفسیر کب مدوّن ہوئے؟

سوال : علم صرف و نحو، تفسیر و حدیث اور فقہ کب ایجاد ہوئے؟ دور خیر القرون میں ان کا وجود تھا یا نہیں؟

الجواب مذکورہ علوم تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں مدوّن ہوئے۔ علم نحو کو "ابوالاسود دؤلی" نے جسے حضرت عمر و علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا شرف صحبت حاصل تھا، مدوّن کرنا شروع

کر دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے حکم کیا تھا۔ اور کچھ قواعد بھی بیان فرمائے تھے۔ ایک دفعہ ابو الاسود نے کسی کو قرآن مجید کی ایک آیت اس طرح پڑھتے سنا۔ ان اللہ بری من المشرکین ورسولِہ۔ یعنی رسولہ میں لام پر کسرہ پڑھا جس سے معنی بالکل غلط ہو جاتے ہیں۔ یہ واقعہ بھی محرک بنا تدوین نحو کا۔ چنانچہ اس نے کچھ قواعد و ضوابط مرتب کئے۔

علوم حدیث، تفسیر اور فقہ بھی حضرات تابعین، تبع تابعین کے زمانہ میں مدون ہونا شروع ہو گئے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری کو تدوین حدیث کا حکم دیا۔ یہ فن حدیث میں مکہ، مدینہ، اور شام کے بے نظیر عالم تھے۔ علاوہ ازیں ابن جریج نے مکہ میں۔ ابن اسحاق اور امام مالک رح نے مدینہ میں ربیع بن صبیح، سعید بن عروبہ اور حماد بن ابی سلمۃ نے بصرہ میں، سفیان ثوری رح نے کوفہ میں، اوزاعی نے شام میں، ہشیم نے واسط میں، معمر نے یمن میں، جریر بن عبدالحمید نے رَے میں، اور ابن مبارک نے خراسان میں احادیث کو جمع کرنا شروع کیا۔ یہ سب حضرات زمانہ خیر القرون میں تھے۔ اسی طرح فقہ[1] کی تدوین بھی اسی دور میں ہوئی۔ علم التفسیر علم حدیث کا ایک جز ہے۔ کتب حدیث میں باب التفسیر مستقل باب آتا ہے۔ الحاصل یہ تمام علوم دور خیر القرون میں مدوّن ہوئے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ۳ر۴ر۱۳۷۱ھ

تجدید دین میں علماء دیوبند کا مقام

سوال، حدیث میں ہر صدی کے بعد مجدد کے آنے کا ذکر ہے۔ اس مجدد کی علامات کیا ہیں؟ ہندوستان میں گزشتہ صدی میں مختلف افراد اور جماعتیں مجدد ہونے کی مدعی رہی ہیں۔ ہمارے اکابر رحمہم اللہ کے نزدیک یہ شرف کسے حاصل ہوا ہے؟

مولانا محمد یوسف رحمانی خطیب مکی مسجد میاں چنوں۔

الجواب تجدید و احیاء دین کے بارے میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مأۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ (رواہ ابوداؤد، والطبرانی، والبیہقی وابن عدی، والحاکم)۔

---

[1] امت میں ترتیب فقہ اور مسائل کے استنباط و استخراج کا شرف اولیت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حاصل ہے۔ اس سے پہلے عام طور پر لوگوں کا دارو مدار حافظہ پر تھا۔ امام مالک رح بھی اس سلسلہ میں آپ کے خوشہ چین ہیں۔ ابن حجر شافعی رح نقل کرتے ہیں۔

انہ اول من دوّن علم الفقہ و رتبہ ابوابا وکتبا علی نحو ما ھو علیہ

الیوم وتبعہ مالک فی موطاہ و من قبلہ انما کانوا یعتمدون علی حفظہم۔ اھ۔ (الخیرات الحسان ص۳۱)۔ محمد انور: مرتب خیر الفتاوی۔

اور یہ شرف کبھی ایک فرد کو حاصل ہوتا ہے اور کبھی ایک جماعت کو۔ بلکہ بعض محدثین نے جماعت کے مجدد ہونے کو ترجیح دی ہے۔ (بذل المجہود، ج ۵، ص ۱۰۴) جس جماعت کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے اس میں ان صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱ : اس جماعت میں شریک افراد علوم ظاہری و باطنی کے جامع ہوں۔

۲ : ان کی تدریس و تذکیر، تالیف و تصنیف سے عام فائدہ ہو۔

۳ : ایک صدی کے آخر میں اور دوسری صدی کے شروع میں ان کے علم کا عام شہرہ ہو۔

۴ : وہ جماعت سنن کے قائم رکھنے میں اور بدعات کو مٹانے میں کوشاں ہو۔ (مجموعۃ الفتاوی، ج ۱ ص۱۱۱)۔

ان علامات وصفات کی روشنی میں تجدید و احیاءِ دین میں علماءِ دیوبند کا مقام بہت واضح نظر آتا ہے۔

۱۲۷۵ھ کے بعد ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے حالات تاریخ جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ زندگی کے ہر میدان میں مسلمان تنزل کی طرف جا رہے تھے۔ علمی زوال کا یہ حال تھا کہ بقول حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، "دہلی میں جہاں سلطان محمد تغلق کے دور میں ایک ہزار مدارس قائم تھے انگریزی تسلط کے بعد ایک بھی مدرسہ باقی نہ رہا تھا۔ علماء بھی جہاد میں حصہ لینے کے جرم میں، پھانسی چڑھا دیئے گئے تھے یا انہیں کالا پانی بھیج دیا گیا تھا۔ باقی ماندہ حضرات منتشر اور اپنے اپنے حالات میں گرفتار تھے۔

(الرشید دار العلوم دیوبند نمبر ص۱۱۲)

ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ برس ہا برس کی معاشرت کی وجہ سے مختلف غیر اسلامی اعمال و افعال مسلمانوں کی زندگی کا جزو بن گئے تھے۔ وہ رسوم و بدعات کے دلدادہ تھے۔ پیر پرستی اور قبر پرستی کا فتنہ عام تھا اور جو کچھ تھوڑی بہت سوجھ بوجھ رکھتے تھے وہ بقاعدہ الناس علی دین ملوکہم تیزی سے انگریز اور انگریزی تہذیب کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ مختصر الفاظ میں مسلمانوں کی حالت یہ تھی۔۔۔۔ ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

مزید برآں یہ کہ انگریز حکمران طبقہ یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے ہمیشہ کے لئے انہیں اپنا غلام بنا لے اور ان کے ذہنوں کو رفتہ رفتہ ایسا بدلا جائے کہ وہ ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے اپنے وجود کو فراموش کر بیٹھیں اور اپنے تابناک ماضی سے غافل ہو جائیں۔ اور ان کی دینی روایات اور تہذیبی اقدار قصۂ پارینہ

بن جائیں۔ ذہنی انقلاب لانے کے لئے سب سے مؤثر اور کامیاب حربہ نظامِ تعلیم ہے۔ چنانچہ مشہور انگریز، لارڈ میکالے نے ہندوستانی باشندوں کے لئے جس نظامِ تعلیم کی سفارش کی اس کا مقصد اس کے اپنے الفاظ میں یہ تھا کہ "ہمیں اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہئیے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطۂ نظر سے انگریز " اور نتیجہ یہ ہوا کہ جن مسلمان خاندانوں نے انگریز کی اس چال کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کے نظامِ تعلیم کو اپنایا وہ رفتہ رفتہ اپنے علمی و تہذیبی ورثہ کو بالکل فراموش کر بیٹھے۔

جب اس زوال و انحطاط کی انتہا ہو گئی تو عادۃ اللہ کے مطابق اللہ تعالےٰ نے اپنے چند بندوں کو منتخب کر کے انہیں یکجا کیا وہ سر جوڑ کر بیٹھے، ملک و ملت کے حالات پر غور کیا۔ اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ موجودہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اور تجدید و احیاءِ دین کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی درس گاہ قائم کی جائے جس میں اسلام اور اسلامی علوم اپنی صحیح شکل و صورت میں محفوظ رہ سکیں۔ اور اس درس گاہ کے فیض یافتہ، مسلمانوں کی فکری، عملی رہنمائی کر سکیں۔

چنانچہ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو قصبۂ دیو بند کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے مسجد چھتہ کہتے ہیں انار کے درخت کے نیچے اس درس گاہ کا آغاز کیا گیا۔ اس کی بنیاد رکھنے والوں کے خلوص و للہیت کا اثر یہ ہوا کہ کچھ عرصہ بعد یہ سادہ سی درس گاہ ایک بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گئی۔ اور یہاں سے علم و فضل کے ایسے ایسے آفتاب و ماہتاب نکلے کہ جنہوں نے ایک دنیا کو جگمگا دیا۔

اس درس گاہ میں صرف نصاب و الفاظ کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی بلکہ یہ ایک عملی تربیتی درس گاہ بھی تھی۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو، دارالعلوم کے قرنِ اوّل کے طلبا میں سے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ

"ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جب اس کے ایک چپڑاسی سے لے کر صدر مدرس و مہتمم تک ہر شخص ولی کامل تھا۔ دن کے وقت یہاں علوم و فنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ گوشہ ذکر اللہ اور تلاوتِ قرآنِ پاک سے گونجتا تھا"

اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ دارالعلوم سے فارغ ہونے والے اسلام کی تبلیغ مجسم ہوتے تھے۔ اور وہ جہاں جا کر بیٹھے ایک جہان کو سچا مسلمان بنا کر اٹھے۔ ان لوگوں نے عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، سیاست و اجتماعی امور میں وہ تابناک کردار ادا کئے جو آئندہ آنے والوں کے لئے ہمیشہ مشعلِ راہ رہیں گے۔ تھوڑے سے

ہی عرصہ میں دارالعلوم کو عالمگیر شہرت حاصل ہوگئی جس کا ثبوت دارالعلوم کی وہ روئیدادیں ہیں جن میں دور دراز کے ممالک سے آنے والے طلباء کی تفصیلات، فضلاء کی تعداد اور ملک اور بیرونِ ملک سے آنے والے فقہی استفسارات ہیں۔ دارالعلوم نے ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۸۴ھ تک کے عرصہ میں ۵۲۶ مشائخ طریقت، ۵۸۸۸ مدرسین، ۱۱۶۴ مصنفین، ۱۷۸۴ مفتی، ۱۵۴۰ مناظر، ۴۸۴ صحافی، ۲۳۸۸ خطیب و مبلغ اور ۲۸۸ طبیب پیدا کئے۔ ان میں بعض حضرات بہت اونچے درجے کے تھے اور اپنے اپنے فن میں امام و سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ دنیا کے کسی دینی یا دنیاوی ادارے نے اتنے عرصہ میں معمولی خرچ پر یقیناً اتنا قیمتی سرمایہ پیدا نہ کیا ہوگا۔ اولٰئک اٰبائی فجئنی بمثلھم، اذا جمعتنا یا جریر المجامع۔

علماءِ دیوبند کی خدمات میں بڑا حصہ ان کی تصانیف ہیں۔ چنانچہ تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، عقائد و کلام، تاریخ و معاشرت، سیاست، اصلاحِ رسوم، احسان و تصوف اور دیگر علومِ عصریہ ضروریہ میں سے کوئی ایسا موضوع نہیں جس پر علماءِ دیوبند کی گراں قدر تصانیف موجود نہ ہوں۔ صرف حضرتِ اقدس تھانوی قدس سرہٗ کی چھوٹی بڑی تصانیف ایک ہزار سے زائد ہیں۔ جن میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق راہنمائی موجود ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق مشہور و معروف تصانیف کو شمار کیا جائے تو قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر اور ان کے متعلقات پر علماءِ دیوبند کی ستائیس تصانیف ہیں۔ جن میں سے بعض آٹھ اور بعض بارہ جلدوں پر مشتمل ہیں۔

ایسے ہی حدیث اور اس کے متعلقات پر چالیس سے زائد تصانیف معروف و مشہور ہیں جن میں بعض شروحِ حدیث بہت مفصل اور ضخیم ہیں۔ ان میں اکیلی "اعلاء السنن" ہی جو اٹھارہ جلدوں پر مشتمل ہے ایک ایسی عظیم کتاب ہے جو پورے ہند و پاک کے لئے باعثِ فخر ہے۔

ایسے ہی فقہ اور اس کے متعلقات پر بڑی بڑی کتابیں تیس سے زائد ہیں۔ جن میں سے بعض فتاویٰ کی کتب بارہ جلدوں پر بھی مشتمل ہیں۔ عقائد و کلام کے موضوع پر تقریباً پندرہ کتب متداول ہیں۔ جن میں بعض کی متعدد جلدیں ہیں۔ ادب و لغت میں ۲۱ تصانیف موجود ہیں۔ تاریخ و سیرت پر ستر سے زیادہ کتب عوام و خواص میں مقبول ہیں۔ علماءِ دیوبند کے اس علمی ذخیرہ کو دیکھتے ہوئے عالمِ اسلام کے ایک جلیل القدر عالم شیخ ابوالفتاح ابوغدہ استاذ ریاض یونیورسٹی (سعودی عرب) نے فرمایا۔

> علم و تقویٰ کے اساطین سے مالا مال اس عظیم الشان ادارے کے علماءِ عظام کی خدماتِ جلیلہ کا ذکر کرتے ہوئے میں درخواست کرنا چاہتا ہوں بلکہ ذرا جرأت کروں گا، وہ یہ کہ ان علماءِ کرام کا فریضہ ہے کہ اپنے منفردانہ عقول کے نتائج فکر اور بیش بہا علمی فیوض و تحقیقات کو عربی زبان

کا جامہ پہنا کر عالمِ اسلام کے دوسرے علماء کے لئے استفادے کا موقع فراہم کریں۔ ان حضرات کی بعض کتب تو وہ ہیں جن میں ایسی چیزیں ہیں جو متقدمین علماء اکابر، مفسرین، محدثین، اور حکماء کے یہاں بھی دستیاب نہیں ہوتیں"

الغرض تیرہویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے شروع میں ان حضرات کی علمی وعملی خدمات کا عام شہرہ تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ورثۂ نبوت کی حفاظت انہی بوریہ نشینوں نے کی ہے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ دارالعلوم کے ایک فرزندِ جلیل، محدثِ کبیر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آج سے تقریباً چالیس سال قبل ایک مضمون میں لکھا تھا کہ

"جو حقائق میری آنکھوں کے سامنے ہیں وہ مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں علیٰ رؤس الاشہاد دعویٰ کروں کہ اگر سرزمین دیوبند سے یہ چشمۂ صافیہ نہ نکلتا تو تیرہویں صدی کے آخر میں ہندوستان سے قرآن وسنت کے علوم کا خاتمہ ہو گیا ہوتا"

دارالعلوم نے اپنی تدریس وتذکیر اور تالیف وتصنیف کے ذریعہ بے دینی کی ہر تحریک کا مقابلہ کیا۔ ہندوستان میں قادیانیت کی تحریک اٹھی تو علماءِ دیوبند اور ان کے متعلقین کی ایک سو اکتیس تصانیف وجود میں آئیں اور اس سلسلہ میں ان حضرات نے جو عملی جدوجہد کی اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں وہ بھی تاریخ کا ایک ناقابل فراموش باب ہے۔ علماءِ دیوبند کی خدمات اس کی محتاج نہیں کہ ان پر کسی کی شہادت پیش کی جائے۔ تاہم ایک مغربی مفکر کی رائے پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس نے اس وقت کی ایک اور مدعیِ اصلاح تحریک کا اور دارالعلوم کی خدمات کا منصفانہ موازنہ کیا ہے۔ ع والفضل ما شهدت به الاعداء۔

"دارالعلوم دیوبند دنیائے اسلام کا ایک اہم ترین ادارہ ہے قدرتی طور پر اس کا اثر ہندوستان میں بہت زیادہ ہے بخصوصاً اس وجہ سے کہ دیوبند نے ہندوستان کی معاشی ترقی میں اپنی قدیم روایات کے مطابق کافی دلچسپی لی ہے۔ اور ان قدیم روایات کا مبدا شاہ ولی اللہ دہلوی رح کی تحریک ہے۔ ان ہی روایات کے پیشِ نظر دیوبندی علماء نے مختلف انقلابی تحریکوں میں حصہ لیا ہے۔ بریلوی طرزِ فکر کے برعکس دیوبندی طرزِ فکر اس سے مطمئن نہیں کہ حالات جوں کے توں رہیں بلکہ وہ حالات کو ترقی دینے کی جدوجہد میں پورے عزم اور جوش کے ساتھ کوشاں ہیں۔ اس کا نقطۂ نظر حقیقی اسلام کا احیاء ہے یعنی مسلمانوں کو مذہبی رنگ کی بداعمالیوں، رسم ورواج کی پستیوں اور اس مادی دست برد سے نجات دلانا ہے جس کے وہ برطانوی تسلط کے وقت سے شکار ہو رہے ہیں" (ماڈرن اسلام ان انڈیا)

مصنفہ ڈاکٹر کانٹویل اسمتھ، ڈائریکٹر اسلامک اسٹڈیز میکگل یونیورسٹی کناڈا

الحاصل حقائق و واقعات کی رو سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہندوستان میں تجدید و احیاء دین کے سلسلہ میں علماء دیوبند کی خدمات سب سے زیادہ ہیں۔ اگر کوئی اور فرد یا جماعت بھی اس کی مدعی ہے تو مذکورہ بالا علاماتِ تجدید کی روشنی میں اس کے دعویٰ کی صداقت معلوم کی جا سکتی ہے۔ و للہ در القائل ؎

بنما بصاحب نظرے گوہر خود را
عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

فقط واللہ اعلم : محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان شہر

حضرت مدنی رح اور علامہ اقبال کا اختلاف اخبارات کی غلط رپورٹ کی وجہ سے ہوا۔

حکیم الامت حضرت علامہ اقبال کے فرمودہ درج ذیل اشعار پیش خدمت ہیں براہِ مہربانی مطلع فرمائیں کہ علامہ موصوف نے یہ اشعار کب اور کس ضرورت کے تحت کہے تھے ؟ ؎

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دین ورنہ ٭ ز دیوبند حسین احمد چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است ٭ چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ٭ اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

۲ : ان کے علاوہ علامہ موصوف کا یہ بھی قول ہے۔ " دین ملا فی سبیل اللہ فساد " یہ علامہ نے کس موقعہ پر کہا تھا ؟

الجواب ۸ جنوری ۱۹۳۸ء کو صدر بازار دہلی میں منعقد ہونے والے ایک جلسے میں حضرت اقدس حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک تقریر فرمائی جس میں آپ نے فرمایا " موجودہ زمانے میں قومیں وطن سے بنتی ہیں نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں اور نصرانی بھی۔ پروٹسٹنٹ بھی ہیں، کیتھولک بھی۔ یہی حال امریکہ جاپان فرانس وغیرہ کا ہے " (از مکتوبات حضرت مدنی رح بنام علامہ طالوت ؒ)

حضرت اقدس رح کی یہ تقریر دہلی کے اخبار " تیج " اور " انصاری " میں چھپی۔ اخبار " الامان " اور " وحدت " نے بھی اس تقریر کے اقتباسات شائع کئے۔ مؤخر الذکر دونوں اخباروں سے " انقلاب " اور " زمیندار " نے نقل کیا۔ " الامان " میں نقل کرنے والا مظہر الدین شیرکوٹی حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا سخت مخالف تھا اس نے " الامان " میں یہ الفاظ لکھے۔

" رات کے جلسے میں مولانا مدنی نے کہا کہ ملتیں وطن سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں بنتیں "

" انقلاب " اور " زمیندار " نے لکھا۔

" حسین احمد دیوبندی نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ چونکہ اس زمانے میں قومیں وطن سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں بنتیں۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ بھی اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنائیں "

واضح رہے کہ اخبار " انقلاب " اور " زمیندار " لاہور کے تھے۔ جب یہ اخباری اطلاع ملی کہ حضرت مدنی نے یہ کہا ہے تو انہوں نے یہ تین اشعار سپردِ قلم کئے جن میں اس نظریے کی تردید کی گئی تھی کہ " ملتیں وطن سے بنتی ہیں " اور ساتھ ہی حضرت مدنی رح پر بھی طنز کیا گیا تھا۔ علامہ کے یہ اشعار اخبار " احسان " میں چھپے۔ ہر دو شخصیتیں ملک کی مایۂ ناز ہستیاں تھیں۔ اس لئے اخبارات میں ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ تائیدی و تردیدی بیان شروع ہوگئے۔ علامہ طالوت مرحوم نے حضرتِ اقدس مدنی رح کو لکھا کہ اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ آپ کہتے ہیں " ملتیں وطن سے بنتی ہیں " اور آپ نے مسلمانانِ ہند کو مشورہ دیا ہے کہ مسلمانانِ ہند کو بھی ایسا کرنا چاہئے۔ ساتھ علامہ اقبال کے اشعار بھی لکھ بھیجے۔ حضرت رح نے جواب میں علامہ طالوتؒ کو لکھا۔

" الفاظ پر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق و سابق پر نظر ڈالی جائے میں یہ عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ ہم کو ایسا کرنا چاہئے یہ خبر ہے انشا نہیں، اس کو مشورہ قرار دینا کس قدر غلط ہے "

(اقتباس از مکتوب حضرت اقدس رح)

علامہ طالوت رحمہ اللہ تعالیٰ نے خط کا یہی اقتباس ڈاکٹر محمد اقبال رح کو لکھ بھیجا۔ ساتھ ہی حضرت مدنیؒ کا یہ بیان اخبارات میں شائع ہوا کہ " میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا " علامہ اقبال پر جب یہ حقیقتِ حال منکشف ہوئی کہ واقعہ کچھ تھا اخبارات نے کچھ لکھا۔ اور حضرت مدنی رحمہ اللہ نے وہ بات نہیں کہی جو میں نے سمجھی ہے اور جس پر میں نے تنقید کی ہے۔ تو انہوں نے اخبار " مدینہ " بجنور اور " احسان " لاہور میں معذرت شائع کی جس میں یہ فرمایا کہ

" مجھے اس کے بعد ان پر اعتراض کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا " (احسان)۔

" مجھے غلط خبر پہنچی تھی جس کی وجہ سے میں نے برافروختہ ہو کر ان پر سخت تنقید کی۔ اب اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہوگئی۔ اس لئے میں مولانا مدنی سے خواستگارِ معافی ہوں۔ امید ہے کہ مولانا صاحب مجھے معاف فرمائیں گے " (مدینہ بجنور)

یہ تو ان اشعار کا پسِ منظر اور ان اشعار کی حیثیت تھی۔ اس کے ساتھ ایک ضروری گزارش یہ بھی ہے کہ جب علامہ مرحوم نے اپنا یہ اعتراض واپس لے لیا اور ان اشعار کو کالعدم قرار دے دیا تو ناشرین نے " ارمغانِ حجاز " (جس میں یہ اشعار درج ہیں) کو چاہیئے تھا کہ یا تو ان اشعار کو قلمزن کر دیا جاتا، اور اگر چھاپنے بہت ہی ضروری تھے تو ان اشعار کے ساتھ تصریح کر دی جاتی کہ علامہ مرحوم نے حقیقتِ حال معلوم ہونے پر یہ اعتراض واپس لے لیا تھا۔ تاکہ قارئین کرام بالخصوص نئی نسل حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بدظنی سے محفوظ رہے۔ کیونکہ پسِ منظر سے ناواقف ان اشعار کو پڑھنے والا تو اب بھی یہی سمجھے گا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کا یہی نظریہ تھا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر علامہ مرحوم اپنی زندگی میں " ارمغانِ حجاز " شائع کرتے تو ان اشعار کو ضرور قلمزن کر دیتے۔ اخبار " احسان " میں بیان دینے کے تقریباً تین ہفتے بعد وہ دنیا سے رحلت فرما گئے اور " ارمغانِ حجاز " بعد میں ترتیب دے کر شائع کی گئی۔ ڈاکٹر عبد السلام خورشید " سرگزشتِ اقبال ص۴۲۲ " میں لکھتے ہیں۔

" اگر وہ " ارمغانِ حجاز " کی ترتیب اپنی زندگی میں کرتے تو شاید وہ تین اشعار درج نہ کرتے جن میں مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر چوٹ کی گئی تھی "

خواجہ عبد الوحید " اقبال ریویو ص۶۳ " میں لکھتے ہیں۔

" ارمغانِ حجاز اگر حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کی زندگی میں چھپتی تو یہ نظم اس میں شامل نہ ہوتی "

زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو دیکھئے کتاب " اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ممدوح علماء " مرتبہ قاضی افضل حق قریشی۔ اور ماہنامہ " الرشید " جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا " مدنی رحمۃ اللہ علیہ و اقبال رحمۃ اللہ علیہ نمبر " ۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

۲ : خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد دردمندانِ ملتِ اسلامیہ نے سوچا کہ برصغیر کو انگریز سے آزاد کرایا جائے جب یہ لوگ سربکف ہو کر میدان میں اترے تو ایک مخصوص گروہ نے ان کے خلاف محاذ بنا لیا اور ان پر طرح طرح کے اعتراض شروع کر دیئے۔ حتیٰ کہ انکے خلاف علانیہ کفر کے فتوے دیئے پھر ان کی کافر گری کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ اکثر رہنمایانِ ملت کو انہوں نے کافر قرار دے دیا۔ اس سلسلہ میں تفصیل مطلوب ہو تو مندرجہ ذیل کتب دیکھئے۔

۱ : قہر القادر علی الکفار اللیاڈر ملقب بہ لیڈروں کی سیہ کاریاں۔ مصنفہ مولوی محمد طیب قادری فاضل حزب الاحناف لاہور۔

۲ : مسلم لیگ کی زرین بخیہ دری۔ مصنفہ مولوی اولادِ رسول قادری۔

۳ : احکامِ نوریہ شرعیہ : مصنفہ مولوی حشمت علی خان۔

۴ : تجانب اہلِ السنۃ : مصنفہ مولوی محمد طیب قادری فاضل حزب الاحناف لاہور۔

۵ : الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاچرہ : مولوی احمد رضا خان۔

اسی دور میں علامہ اقبال رح کے افکار تازہ ملتِ اسلامیہ کے سامنے آئے۔ اور حق یہ ہے کہ علامہ مرحوم نے اپنے پُرحکمت کلام سے جو ملت کی خدمت کی ہے ملت اسلامیہ اسے قیامت تک فراموش نہیں کر سکتی علامہ مرحوم دل و دماغ سے ایک سچے اور پکے مسلمان تھے۔ ان کافر گروں کی مشقِ ستم سے علامہ جیسی شخصیت بھی نہ بچی۔ "ذکرِ اقبال" میں عبدالمجید سالک لکھتے ہیں۔

"مولانا ابو محمد دیدار علی خطیب مسجد وزیر خان نے نہ صرف اقبال کی تکفیر کی بلکہ تمام مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ وہ ان سے ملنا جلنا ترک کر دیں ورنہ سخت گناہ گار ہوں گے۔" (ذکر اقبال ص۱۲۹)

محمد طیب قادری اپنی مشہور کتاب "تجانب اہلِ السنۃ" میں علامہ اقبال رح کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " یہ ترجمانِ حقیقت ہے یا ترجمانِ ابلیسیت" ص۲۴۳ وصفحہ ۲۴۰ پر لکھتے ہیں "ڈاکٹر صاحب کی زبان پر ابلیس بول رہا ہے۔"

اس کتاب پر بڑے حضرت احمد رضا خان صاحب کے بہت سے خدام کی تصدیق موجود ہے۔ اعلیٰحضرت کے ایک سوانح نگار نے اپنی کتاب "سوانح اعلیٰ حضرت" میں ایک مستقل عنوان باندھا ہے" نام نہاد مفکرِ اسلام" اس کے تحت لکھتے ہیں۔ "ڈاکٹر سر اقبال نے بھی اپنی شاعری کے بل بوتے پر اسلام کو کچھ کم دھکا نہیں پہنچایا ہے" آخر میں لکھتے ہیں۔ "میری طرف سے گزارش ہے، وہ بھی کچھ ہیں بتاؤ کہ مسلمان بھی ہیں" ص۲۸۹

علامہ مرحوم علماء کے اس طبقے سے بہت بد دل اور مایوس تھے۔ ملتِ اسلامیہ میں جب ان فتووں کی بدولت فرقہ بازی شروع ہوئی اور لوگ آپس میں دست و گریبان ہونے لگے اور اصل مقصد سے توجہ ہٹ گئی تو علامہ مرحوم نے ایسے علماء کو بے نقاب کرنے کے لئے چند اشعار کہے۔ جن کی ابتداء ہی اس گروہ کی مشہور علامت "کافر گری" سے کی ؎

دینِ حق از کافری رسوا تر است ✤ زانکہ ملّا مومن کافر گر است

اس کے بعد ساتویں شعر میں فرماتے ہیں ؎

دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد ✤ دینِ ملّا فی سبیل اللہ فساد

(کلیاتِ اقبال رح : ص۶۹۴)

اس پسِ منظر سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ علامہ مرحوم کا اشارہ کن علماء کی طرف ہے۔ کتا "اقبال کے

ممدوح علماء" صلا۲۴ پر تحریر ہے۔

"یہ وضاحت ضروری ہے کہ بریلوی مکتب فکر کے مولویوں کے سوا برِ اعظم پاک و ہند کے کسی بھی عالم نے تکفیر نہیں کی۔"

اس کتاب میں ان علماء حق کا بھی ذکر ہے جن کے علم و عمل سے علامہ مرحوم حد درجہ متأثر تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ بالخصوص علماء دیوبند میں سے حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ سے تو علامہ مرحوم بہت ہی متأثر تھے۔ ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے بلکہ دوست و احباب کو ساتھ لے کر ان کی مجلس میں شرکت فرماتے۔ اور علامہ کاشمیری رحبھی ڈاکٹر صاحب کے بڑے قدر دان تھے۔ وللہ در القائل سے

قدر جوہر جوہری بداند

فقط واللہ اعلم: احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳/۱/۱۴۰۱ھ

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی حضرت مدنیؒ سے عقیدت

حضرت مولانا خیر محمدؒ حضرت مدنی رح کے بارے میں کس قسم کے خیالات رکھتے تھے۔ حقیقت سے آگاہ فرمائیں کسی صاحب نے اس سلسلہ میں شبہہ میں مبتلا کر دیا ہے۔

الجواب آپ کو حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے متعلق غلط اطلاع ملی ہے انہوں نے نہ کبھی دوران درس ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں نہ نجی گفتگو میں بلکہ ان کے متعلق ایسے الفاظ کبھی سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے جہاں تک ہماری معلومات ہیں وہ حضرت مدنی رح کی تعریف فرماتے رہتے ہیں۔ حضرت کی تصنیف "نقش حیات" کو ملفوظات کی طرح اپنے حلقہ میں پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں۔ بلکہ حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ اور حضرت مدنی رح کا اختلاف بھی صرف سیاسی تھا اس میں مذہبی رنگ ہرگز نہ تھا دونوں حضرات ایک دوسرے کا اکرام کرتے تھے۔ پھر ان کے مریدین کس طرح اس اختلاف کو کوئی اور رنگ دے سکتے ہیں۔ حضرت مولانا خیر محمدؒ تو بڑے محتاط بزرگ ہیں اور صلح کل مسلک رکھتے ہیں۔ یہ سوء ظن دانستہ کسی دشمن نے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہ قطعاً اس سے بری ہیں۔ ع یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹/۸/۱۳۷۸ھ

○

نوٹ! جامعہ خیر المدارس کے ناظم اور استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہٗ نے از راہِ کمالِ شفقت اکثر فتاویٰ کو لفظ بلفظ سنا ہے اور یہ فتاویٰ ان کی تصدیق و تصویب کے بعد

شائع کیئے جا رہے ہیں۔

اس فتویٰ کی خواندگی کے دوران انہوں نے فرمایا کہ جب ہم خیر المدارس جالندھر میں پڑھتے تھے تو جالندھر کے مضافات میں حضرت مدنی قدس سرہ کسی تقریب میں تشریف لائے تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ نے باقاعدہ مدرسہ میں تعطیل کرائی اور کہا کہ جا کر حضرت مدنی قدس سرہ کی تقریر سنیں اور ان کی زیارت کرائیں پھر شاید کبھی یہ موقع میسر نہ آئے۔

ایسے ہی ملفوظات سننے کے دوران کسی موقعہ پر حضرت مولانا خیر محمد رح نے فرمایا کہ حضرت مدنی قدس سرہ تصوف میں بھی بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔ رحمہما اللہ تعالیٰ واعلی اللہ مقامہما فی اعلی العلیین۔

آمین

رقمہ العبد الفقیر محمد انور عفا اللہ عنہ احقر خدام الجامعہ

۳ / ۷ / ۱۴۰۷ھ

پرچم نبوی کا رنگ کیا تھا

جمعیۃ علماء اسلام ۱۹۵۳ء سے چلی آرہی ہے۔ ۱۹۶۹ء کے آخر میں آکر دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ اوّل تھانوی گروپ، دوسرا مفتی محمود گروپ دوسرا گروپ اپنے جھنڈے کو عوام کے سامنے لایا اور کہا کہ یہ پرچم نبوی ہے۔ دلیل میں مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۳۳۸ کی حدیث پیش کی اور بھی کئی حدیثیں پیش کیں۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے ۱۸ ستمبر ۱۹۷۰ء کو قلعہ کہنہ ملتان میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جھنڈا پرچم نبوی نہیں ہے یہ کانگریسی علماء ہند کا جھنڈا ہے لیکن دلائل سے تعرض نہیں کیا۔ آپ اس معمہ کو حل فرمائیں کہ اصل حقیقت کیا ہے؟

الجواب: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈوں کی احادیث میں مختلف قسمیں آتی ہیں۔ "الرایۃ" بڑا جھنڈا۔ نہایۃ میں ہے "الرایۃ العلم الضخم" یعنی رایۃ بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں۔ اللواء۔ چھوٹا جھنڈا۔ ابن ماجہ کے حاشیہ میں ہے۔ "اللواء ھو العلم الصغیر" علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ رایۃ وہ بڑا جھنڈا ہوتا تھا جسے جنگ کا سپہ سالار سنبھالے رکھتا تھا۔ اور اس کے ارد گرد معرکہ جنگ برپا ہوتا تھا۔

اب رہی یہ بات کہ آنحضرت علیہ السلام کے جھنڈوں کا رنگ کیسا تھا؟ تو مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی شریف، کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا جھنڈا چوگوشہ سیاہ وسفید دھاریوں والا تھا۔ مشکوٰۃ، جلد دوم ص ۳۳۸ میں ہے۔

عن موسیٰ عن عبیدۃ مولی محمد بن القاسم قال بعثنی محمد بن القاسم

الی البراء بن عازب یسأله عن رأیة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فقال کانت سوداء مربعة من نمرة رواہ احمد والترمذی و
ابو داؤد وعلی حاشیته قوله سوداء قال ابن الملك ای ماغالب لونه
اسود بحیث یری من البعید اسود لا انه خالص السواد۔ والنمرة
بردة فیها تخطیط سواد و بیاض کلون النمر الحیوان المشهور۔

پس ان روایات کی بنا پر جمعیۃ العلماء اسلام کا جھنڈا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جھنڈے کا مصداق ہے۔ اور اسے رنگ میں مشابہہ پرچم نبوی کہنا بظاہر درست ہے۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے بارے میں متعدد روایات آئی ہیں۔ ۱۔سیاہ تھا۔ ۲۔سفید تھا ۳۔زرد تھا۔ ۴۔سرخ جھنڈا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا تھا۔ ۵۔سفید و سیاہ خلوط والی اونی چادر سے بنایا گیا تھا۔ ۶۔ اغبر تھا عمدۃ القاری اور طبقات ابن سعد میں یہ روایات موجود ہیں۔ علامہ عینی رح فرماتے ہیں کہ ان روایات میں اختلاف نہ سمجھا جائے۔ بلکہ یہ اختلاف ازمنہ پر محمول ہے۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

خلافت وملوکیت غیر مستند کتاب ہے اور اس کا مطالعہ سخت مضر ہے

۱۔ مودودی صاحب کے لٹریچر کا مطالعہ کرنا عام آدمی کے لئے کیسا ہے؟

۲: ایک شخص کہتا ہے کہ خلافت وملوکیت میں جس قدر حوالے ہیں وہ سابقہ تاریخوں سے لئے گئے ہیں چونکہ اس سے قبل یہ حوالہ جات موجود ہیں اور وہی حوالے مودودی صاحب نے نقل کئے ہیں۔ لہٰذا میں اس کتاب کو درست سمجھتا ہوں۔ ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ۱: اس لٹریچر کا مطالعہ عام آدمیوں کے لئے مضر ہے۔

۲: خلافت وملوکیت میں بعض حوالے غلط ہیں۔ مثلاً اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۴ پر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ایک خط کا تذکرہ بحوالہ " البدایۃ والنہایۃ ص۲۵۳ " کیا گیا ہے۔ اس میں مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ " امیر معاویہ نے ایک مدت تک ہاں، ناں کا کوئی جواب نہ دیا اور انہیں برابر ٹالتے رہے۔ پھر حضرت عمرو بن العاص کے مشورہ سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علی کو خون عثمان کا ذمہ دار قرار دے کر ان سے جنگ کی جائے اھ

حالانکہ " البدایۃ والنہایۃ " میں یہ خط کشیدہ الفاظ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے

برعکس ایسی عبارت موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو قاتل عثمان نہیں سمجھتے تھے۔ اس حوالہ میں سراسر بد دیانتی سے کام لیا گیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ دوسری کتابوں میں یہ الزام موجود ہوگا تو جواب یہ ہے کہ " البدایۃ والنہایۃ " کا حوالہ دینا تو سراسر غلط ہے۔ علاوہ ازیں کئی دیگر مقامات میں بھی ایسے ہی غلط حوالے دیئے گئے ہیں۔ تاریخ کی کتابوں میں جہاں وہ روایتیں موجود ہیں جن کی بنا پر خلیفۂ مظلوم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مورد طعن بنایا جاتا ہے انہی کتابوں میں متعلقہ واقعات کے بارے میں ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن کے پیش نظر امام عالی مقام رضؓ پر کسی حرف گیری یا نکتہ چینی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

سوال یہ ہے کہ تحقیق کی یہ کون سی قسم ہے کہ تاریخ کے جس مواد سے برأت صحابہؓ ثابت ہو اسے قصداً نظر انداز کر دیا جائے اور شیعوں کی تقلید میں مطاعن صحابہ والی ناقابل اعتماد روایات کو اچھالا جائے۔ حاصل یہ کہ، خلافت و ملوکیت کے بعض حوالے غلط ہیں اور جو صحیح ہیں ان میں صریح جانبداری اور شیعوں کی وکالت کی گئی ہے اور مقابل روایتوں کو بلا وجہ نظر انداز کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ کتاب مستند اور مفید نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

چودہویں صدی کے علماء کے متعلق ایک من گھڑت قصہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب بھیڑیئے کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے روبرو پیش کیا تو بھیڑیئے نے عرض کی کہ اے اللہ تعالےٰ کے نبی میں تو آپ کے گلے کی بھیڑوں کو نہیں کھا سکتا چہ جائیکہ آپ کے فرزند ارجمند کو کھا جاؤں۔ اگر میں نے یوسف علیہ السلام کو کھایا ہو تو مجھے قیامت کے دن چودہویں صدی کے علماء سے اٹھایا جائے۔ کیا یہ واقعہ درست ہے؟

الجواب مذکورہ واقعہ موضوع اور من گھڑت ہے اس کا بیان کرنا بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں علی الاطلاق علماء کی توہین ہے۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۷/۹/۱۳۹۸ھ

احمد رضا خان صاحب بریلوی پر علامات مجدد صادق نہیں آتیں

بریلوی حضرات احمد رضا خان صاحب کو مجدد مائۃ حاضرہ کہتے ہیں۔ اور حافظ ریاض احمد اشرفی صاحب (جو اب فوت ہو چکے ہیں) نے اخبار جنگ میں ایسا ہی لکھا تھا۔ لیکن حضرات دیوبند حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالےٰ کو چودہویں صدی

کا مجدد مانتے ہیں۔ سنا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت مجدد الف ثانی رح، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح اپنی اپنی صدی کے، پھر حضرت تھانوی رح چودھویں صدی کے مجدد ہوئے ہیں۔ تو یہ حضرات کون کون سی صدی کے مجدد ہوئے ہیں۔ اور کیا ان کے علاوہ اور بھی مجدد ہوئے ہیں؟

الجواب احمد رضا خان پر علامات مجدد صادق نہیں آتیں۔ موصوف کی تجدید و احیائے دین کی مساعی بمنزلہ صفر کے ہیں۔ البتہ تکفیری خدمات نمایاں ہیں۔ جیسا کہ ان کی تصنیفات سے ظاہر ہے۔ اسی طرح رسوم و بدعات کی سرپرستی موصوف اور ان کی جماعت کا طرۂ امتیاز ہے مجدد تو بدعات کا قلع قمع کر کے اسلام کی صحیح صورت و حقیقت امت کے سامنے پیش کرتا ہے۔ نہ یہ کہ بدعات کے ڈھیر میں اسلام کو دفن کرتا ہے۔

پہلی صدی کے مجدد عمر بن عبد العزیز رح۔ اور دوسری کے امام شافعی رح۔ تیسری کے ابو الحسن الاشعری رح وغیرہ۔ اور چوتھی صدی کے ابو بکر باقلانی رح۔ پانچویں کے امام غزالی رح۔ چھٹی کے فخر الدین رازی رح۔ ساتویں کے ابن دقیق العید رح۔ آٹھویں کے زین الدین عراقی رح۔ نویں کے سیوطی رح۔ دسویں کے شہاب الدین رملی رح وغیرہ ہیں (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۲۲)۔

گیارہویں صدی کے مجدد الف ثانی رح ہیں۔ یہ ترتیب بعض علماء کی رائے کے مطابق ہے۔ بعض حضرات نے دوسرے حضرات کو مجدد کہا ہے۔ اس میں کوئی بات حرفِ آخر نہیں۔ اور مجدد کے لئے شخص واحد ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ ایک جماعت بھی اس شرف سے سرفراز ہو سکتی ہے۔ تیرہویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی میں تجدید و احیائے دین کی علمی و عملی و روحانی، تبلیغی، ردّ بدعات، اقامتِ دین کی جو خدمات علمائے دیوبند سے ظاہر ہوئیں اور پورے عالم میں پھیلیں دنیائے اسلام میں اس کی نظیر نہیں۔ ان دونوں صدیوں کی مجدد یہی جماعت معلوم ہوتی ہے اور اس کے اکابر۔ فقط واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم ولی تھے؟

علامہ اقبال رح کے بارے میں معلومات فراہم کیجئے، وہ مسلمان تھے یا مومن؟ یا ولایت کو چھو گئے تھے؟ واضح طور پر تحریر فرمائیں۔ آیا بغیر داڑھی کے انسان ولی ہونے کا مرتبہ حاصل کر سکتا ہے؟

عبد القدیر ایم اے بی ایڈ کوٹلی نجابت۔

الجواب یوں تو انشدہ ئے قرآن ہر مومن ولی ہے۔ اور ولایتِ خاصہ جو سلوک کا ایک خاص مقام ہے اس کا خود صاحب ولایت کو پتہ ہونا ضروری نہیں تو دوسرے حتمی فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟

اتنا ضرور ہے کہ ولایت خاصہ کے لئے اتباع سنت شرط ہے۔ اور یہ مقام کردار کے غازیوں کو ملتا ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ۔ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

داڑھی منڈانا خلافِ سنت ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔ ایسے شخص کا ولی ہونا متعذر ہے۔

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بابا فریدالدین گنج شکر کی طرف ایک غلط واقعہ کی نسبت

حضرت بابا فریدالدین شکر گنج کے بارہ میں مشہور ہے کہ وہ بارہ سال تک بیابانوں میں رہے اور آپ نے اس دوران کچھ نہیں کھایا۔ صرف ایک لکڑی کی روٹی تھی جب کھانے کی خواہش ہوتی تھی۔ تو اسی کو دانتوں میں چبا لیتے۔ اور ایسے ہی ملتان میں ایک آدمی تھا۔ وہ دریا میں داخل ہوا اور بارہ سال تک دریا میں رہا۔ اسی عرصہ میں پانی سے بھی اللہ اللہ کی آواز آتی رہی۔ آیا یہ واقعات درست ہیں یا محض بزرگی کو نمایاں کرنے کے لئے؟ جیسے کہ غلط قسم کے خلفاء اپنے پیروں کے لئے کرتے ہیں۔ کما قیل۔ پیران نمی پرند مریدان می پرانند۔

الجواب مذکورہ دونوں روایات بے اصل ہیں۔ حضرت بابا صاحب رحمہ اللہ کے صحیح حالات جو معروف و مدون ہیں ان میں کہیں بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں۔ نیز عقلاً بھی یہ واقعہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ بزرگوں کی طرف اسی قسم کے بے سروپا واقعات منسوب کرنے سے بچنا چاہیئے۔ دوسرا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

بلقیس کی والدہ کون تھی

بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جو بلقیس نامی عورت تھی اس کی والدہ انسانوں کی نسل سے نہ تھی جبکہ اس کا والد انسان تھا؟

الجواب بعض روایات میں آتا ہے کہ بلقیس کی والدہ جنات میں سے تھی اور اس کا نام "ملعمۃ شیصان" بتلایا گیا ہے (رواہ وھیب بن جریر عن الخلیل بن احمد۔ قرطبی) اگر یہ صحیح بھی ہو تو چونکہ بلقیس کے والد شراح بن ہداہد انسان تھے اور اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے لہذا بلقیس انسان ہی قرار پائے گی۔ (معارف القرآن، ج ۶، ص ۵۷۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ✲ محمد انور عفا اللہ عنہ ۸ / ۱ / ۱۳۹۸ھ

آنحضرت علیہ السلام کی تجہیز و تکفین میں خلفائے ثلاثہ کی شرکت

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازۂ مبارک پر تینوں خلفاء (حضرت ابوبکر رض، حضرت عمر رض، حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم) شامل نہ تھے اگر تھوڑی دیر خلیفہ کا چناؤ نہ ہوتا بلکہ آپ کے کفن اور دفن مبارک کا انتظام کر لیا ہوتا تو کیا حرج تھا؟

الجواب یہ غلط بات ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے جنازۂ مبارکہ میں خلفائے ثلاثہ شریک نہیں ہوئے تھے۔ آپ کا جنازہ خلفائے ثلاثہ سب نے پڑھا۔ البتہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے جنازہ کی نماز باجماعت نہیں ادا کی گئی۔ بلکہ تھوڑے تھوڑے آدمی حجرہ کی گنجائش کے مطابق جاتے تھے اور اپنی اپنی اکیلے اکیلے نماز پڑھ کر واپس آجاتے تھے۔ جماعت نہیں کی گئی۔ ایسے ہی خلفائے ثلاثہ رض نے نماز ادا کی ہے جیسا کہ واقدی نے لکھا ہے۔

قال الواقدی حدثنی موسی بن محمد بن ابراھیم قال وجدت کتاباً بخط ابی فیہ أنہ لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و وضع علی سریرہ دخل ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما و معہما نفر من المہاجرین والانصار بقدر ما یسع البیت فقالا السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وسلم المہاجرون والانصار کما سلم ابوبکر و عمر ثم صفوا صفوفا لا یؤمہم احد۔ (البدایۃ والنہایۃ: ج ۵، ص ۲۶۵)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خلفاء رض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھی ہے لیکن یہ حضرات تجہیز و تکفین میں شریک نہیں ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات جب آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کی تجہیز و تکفین کا انتظام کر رہے تھے تو اچانک ایک آدمی آیا اس نے آتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کو آواز دی کہ ذرا باہر نکلنا جب حضرت عمر رض نے جواب دیا کہ میرے سے ہٹ جا کہ ہم حضور علیہ السلام کی تجہیز و تکفین کے انتظام میں مشغول ہیں۔ تو اس نے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اس لئے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو۔ ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر بیٹھیں کہ جس سے لڑائی چھڑ جائے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ کو کہا کہ آپ چلیں۔ چنانچہ مسند ابی یعلی جو کہ حدیث کی نہایت معتبر کتاب ہے اس میں ہے۔

بینما نحن فی منزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ جاء رجل ینادی

من وراء الجدار ان اخرج الیّ یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ فادرکھم قبل ان یحدثوا امرا یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق ۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا اور خلافت کے مسئلہ کو چھیڑنا یہ ان کا فعل نہیں تھا۔ بلکہ یہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کفن و دفن کے انتظام میں مشغول تھے ۔ چونکہ یہ ایک ایسا نازک مسئلہ تھا کہ سب منافقین وکفار اس بات کے منتظر تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ اٹھے تو ہم سلام پر حملہ آور ہوں اور جب یہ فتنہ اٹھنے لگا تو ان حضرات نے اس فتنے کو دبانا زیادہ اہم سمجھا ۔ لھذا اس کی طرف متوجہ ہوئے ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اس خلافت کی بحث کو چھیڑنا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا اپنی خوشی سے نہیں تھا بلکہ اس مجبوری کی وجہ سے تھا کہ اگر یہ حضرات اس طرف توجہ نہ کرتے تو مسلمانوں میں سخت لڑائی اور فتنہ کا خطرہ تھا۔

کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے تین گروہ ہو چکے تھے ۔ بنی ہاشم[۱] ، مہاجر[۲] ، انصار[۳] ، بنی ہاشم حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ، اور مہاجرین حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اور انصار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو پیشوا مان چکے تھے ۔ مہاجرین و انصار سقیفہ بن ساعدہ میں جمع تھے اور بنو ہاشم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے گھر میں جمع ہو کر مشورہ میں مشغول تھے ۔ اور ہر ایک ان میں سے دوسرے کی بیعت کرنے پر تیار نہیں تھا ۔ بلکہ ایک دوسرے پر تلوار چلانے پر تلے ہوئے تھے ۔

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دیکھا کہ قوم بہت اشتعال میں ہے تو فوراً اٹھ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں بیعت ہوتا ہوں اور ساتھ ہی حضرت عثمان ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے بھی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے تو اس پر عام خلقت ٹوٹ پڑی ۔ اس طریق سے اٹھتا ہوا طوفان دب گیا ۔

تو اب اگر عقل مند انسان اس کو سمجھ لے یعنی ان حضرات کا ان امور کی طرف متوجہ ہونا درست تھا یا نہیں تو سب اعتراض انشاء اللہ اٹھ جائیں گے ۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ جو الزام خلفائے ثلاثہ رضی پر قائم کیا جاتا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے گئے تھے اور خلافت کے خیال میں پڑ گئے ۔ تو یہی الزام پھر بنو ہاشم پر بھی عائد ہوتا ہے ۔ کیونکہ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے گھر میں جمع ہو گئے تھے ۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالےٰ کی روایت سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے ۔ کہ

وان علیا والزبیر ومن کان معهما تخلفوا فی بیت فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

دوسری روایت سے صاف طور پر وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکان سے باہر نکلے تو لوگوں نے پوچھا کہ اے علی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مزاج کیسا ہے؟ (چونکہ حضور کی ظاہری حالت سنبھل گئی تھی) تو حضرت علی رضہ نے فرمایا کہ خدا کے فضل سے آپ اچھے ہو گئے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب اس مرض میں وفات پا جائیں گے۔ کیوں کہ مجھ کو اس کا تجربہ ہے کہ خاندانِ عبد المطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے۔ آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصبِ خلافت کس کو حاصل ہوگا؟ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو حضور علیہ السلام اس کی وصیت فرمائیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں تو نہ پوچھوں گا۔ کیوں کہ اگر پوچھنے پر آنحضرت علیہ السلام نے انکار کر دیا تو آئندہ کوئی امید نہیں رہے گی۔

تو دیکھئے اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات ابھی سے خلافت کی تمنا کر رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات کا یقین تھا اس لئے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس طرف توجہ دلائی۔ لیکن حضرت علی رضہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین نہیں تھا تو انہوں نے اس طرف اقدام مناسب نہ سمجھا۔ بہرحال یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ حضرات بھی خلافت کے خیال میں تھے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی معین مفتی خیر المدارس ملتان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنات اربعہ رضہ کے متعلق قیمتی علمی ذخیرہ

۱ : بناتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد کیا ہے؟

۲ : کتبِ اہلسنت سے وضاحت مطلوب ہے۔ بناتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سنِ ولادت وشادی ووفات کب ہوئی؟ کیا قبل از نبوت یا بعد از نبوت ان کی شادیاں ہوئیں؟

۳ : صحاحِ ستہ یا دیگر کتبِ معتبرہ اہلسنت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ کسی اور صاحبزادی

کے فضائل بھی ہوں تو بیان فرمائیں ؟

۴ : کیا بناتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتبِ اہلسنت میں اگر فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو کہ یہ بناتِ اربعہ میری صاحبزادیاں ہیں تو زیبِ قرطاس فرمائیں ؟

۵ : اگر بناتِ اربعہ کی شادیاں قبل از نبوت ہوئیں تو کیا پچیس سال کے بعد اور چالیس سال سے قبل چار صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے ان کی ولادت اور شادی ممکن بھی ہے ۔ اگر ممکن ہے تو سنِ ولادت و شادی کے مابین ہر صاحبزادی کے متعلق کتنے سال کی عمر واقع ہوتی ہے ۔ ہر صاحبزادی کی بقیدِ عمر شادی بیان فرمائیں کہ کس طرح ممکن ہے ؟

۶ : کیا کفار کو رشتہ دینا جائز ہے یا نہیں ، حضور علیہ السلام نے عتبہ عتیبہ کافروں کو لڑکیاں دی تھیں یا نہیں ، اور کیا قرونِ اولیٰ میں کسی نبی کی شریعت میں کافروں کو رشتہ دینا جائز تھا یا نہیں ، کسی نبی نے کافروں کو رشتہ دیا تھا یا نہیں ؟ اور اگر ملتِ ابراہیمی میں کسی کافر کو رشتہ دینا جائز نہیں تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عتبہ عتیبہ کافروں کو رشتہ کیوں دیا ؟ کتبِ اہلسنت سے وضاحت مطلوب ہے ۔

الجواب ۱ :- قال اللہ تعالیٰ

یاایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونسآء المؤمنین (پ۲۲)۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار صاحبزادیاں ہیں جن کے اسماءِ گرامی یہ ہیں ۔

حضرتِ زینب ، حضرت رقیہ ، حضرت ام کلثوم ، حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ۔

سیرتِ محمدیہ میں ہے ۔

واما اولادہ الکبار علیہ وعلیھم السلام فقد اجمعوا علیہ ستۃ القاسم وابراھیم وزینب ورقیۃ وام کلثوم وفاطمۃ وکلھن ادرکن الاسلام وھاجرن معہ ۔

چند سطروں کے بعد تحریر کرتے ہیں واما زینب فھی اکبر بناتہ بلاخلاف ۔

۲ : وعن ابن اسحاق انھا ولدت فی سنۃ ثلاثین من مولدہ الشریف ۔

۳ : حضرت مولانا محمد عنایت اللہ صاحب " ھدیۃ المزجات لقراء المشکوٰۃ " میں ارشاد فرماتے ہیں ۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیاں حضرت بی بی زینبؓ اور بی بی رقیہؓ اور بی بی ام کلثوم رضؓ اور سیدہ پاک فاطمۃ الزہراءؓ حضرت خدیجہ رضؓ کے بطنِ مبارک سے تھیں ۔

۴ ؛ امام المؤرخین الامام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی مایہ ناز تصنیف "تاریخ الامم والملوک" میں لکھتے ہیں

تزوج فی الجاهلية وهو ابن بضع وعشرين سنة خديجة بنت خويلد وهی اوّل من تزوج بها وكانت قبله عند عتيق بن عابدين (الى ان قال) فولدت لعتيق جارية ثم توفی عنها وخلف عليها ابو هالة فولدت لابی هالة هند بن ابی هالة ثم توفی عنها فخلف عليها رسول الله صلى الله عليه وسلم وعندها ابن ابی هالة فولدت لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثمانية القاسم والطيب والطاهر وعبد الله و زينب و رقية وام كلثوم وفاطمة ۔

(ج ۱ ؛ ص ۴۱۰ ، ۴۱۱)

امام موصوف کے مندرجہ بالا اقتباس سے جہلا کی اس یاوہ گوئی کا جواب بھی ہو جاتا ہے جس کے دامن میں بعض مواقع پر یہ لوگ پناہ لیا کرتے ہیں ۔ یعنی یہ کہ بنات مطہرات زینب ، رقیہ ، اور ام کلثوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ربائب ہیں ۔ وجہ تردید ظاہر ہے کہ امام موصوف نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سابقہ اولاد کی تفصیل بتلا کر بالتصریح ان بنات مطہرات کو آنحضرت علیہ السلام کی اولاد قرار دیا ہے ۔

۵ ؛ ابن الاثیر جزری رح "اسد الغابہ" میں تحریر فرماتے ہیں ۔

وتزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم خديجة قبل الوحی وعمره حينئذ خمس وعشرون وقيل احدى وعشرون (الى ان قال) فولدت لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولده كلهم قبل ان ينزل عليه الوحی زينب وام كلثوم وفاطمة ورقية اھ

(ج ۵ ، ص ۴۳۵ ؛ طبع ایران)

۶ ؛ قال قتادة ولدت له خديجة غلامين واربع بنات (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۶)

۷ ؛ روى الزبير بن بكار عن عمه ان خديجة ولدت لرسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة وزينب ورقية وام كلثوم ۔ (اسد الغابہ ، ج ۵ ؛ ص ۴۳۶)۔

۸ ؛ حافظ الدنیا علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح "اصابہ" کے اندر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے احوال میں ارقام فرماتے ہیں ۔

فولدت له القاسم وعبد الله وبناته الاربع ۔ (الاصابہ : ج ۸ : ص ۱۱)۔

۹ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور سیرت "المواہب اللدنیہ" میں مذکور ہے۔

اعلم ان جملة ما اتفق عليه منهم ستة القاسم وابراهيم واربع بنات زينب ورقية وام كلثوم وفاطمة وكلهن ادركن الاسلام ۔ اھ (ج ۱ ص ۱۹۶)۔

۱۰ : مواہب لدنیہ کی طرح سیرت محمدیہ میں بھی اس پر اجماع واتفاق نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہیں اور سب نے ہجرت کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

واجمعوا انها ولدت (اى خديجة رضي الله عنها) له اربع بنات كلهن ادركن الاسلام وهاجرن وهن زينب وفاطمة ورقية وام كلثوم واجمعوا انها ولدت له ابنا يسمى القاسم هذا مالا خلاف فيه عند اهل العلم ۔ (ص ۱۱ و ۱۲)۔

تاریخ وسیر کے قدیم عربی مآخذ کے علاوہ اردو کی سیرتوں میں بھی محققین نے یہی تحریر فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں اور پھر ہر ایک کے لئے مستقل عنوان قائم کر کے ان کے احوالِ طیبہ کو بیان فرمایا ہے۔ ہم بطور نمونہ ان میں سے صرف دو حضرات کے اسماء گرامی پیش کرتے ہیں۔

۱ : مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہشتی زیور آٹھویں حصہ میں ان بناتِ مطہرات، حضرت زینب، حضرتِ رقیہ، حضرتِ فاطمہ، حضرتِ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا تذکرہ فرمایا ہے۔

۲ : اور اسی طرح محدث الہند شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم نے حکایاتِ صحابہ رض میں ہر چہار صاحبزادیوں کے احوال قلم بند فرمائے ہیں۔ اگرچہ مختصر ہیں مگر پر مغز ہیں (ص ۱۳، ۱۴)

"اسد الغابہ" میں ابنِ اثیر جزری نے اور "الاصابہ" میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی رح نے چہار بناتِ مطہرات کے احوال پہ الگ الگ ترجمہ قائم کر کے قدرے تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور ان کے سوانح حیات قلم بند فرمائی ہے۔ دیکھئے "اسد الغابہ : ج ۵ : ص ۴۶۷ - ترجمہ زینب ج ۵ : ص ۴۵۶ ترجمہ رقیہ وام کلثوم ص

اور الاصابہ میں۔ ترجمہ زینب بنتِ سید ولد آدم محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۸ ص ۹۲ - اور ترجمہ حضرت رقیہ ج ۸ : ص ۸۳ - اور ترجمہ حضرتِ ام کلثوم بنتِ رسول اللہ ج ۸ : ص

مسلم مورخین کے علاوہ غیر مسلم مورخین نے بھی اربعہ بنات کا اقرار واعتراف کیا ہے۔ مشہور ادیب

ومؤرخ لوئیس معلوف اپنی کتاب " منجد " حصہ دوم میں لکھتا ہے ۔

۱ ، رقیۃ احدی بنات النبی الاربعۃ من خدیجۃ تزوجہا عثمان بن عفان فوافقتہ فی سفرہ الی الحبشۃ ثم ھاجرت الی المدینۃ (ص۲۱۹)

۲ ، زینب بنت النبی تزوجہا ابو العاص بن الربیع توفیت فی المدینۃ. (ص۲۲۴) ۔

۳ ، کلثوم (ام) احدی بنات النبی یقال انہا تزوجت احد ابناء ابی اللہب دون ان تعقب ولدا ۔ (ص۴۴۶) ۔

۴ ، فاطمۃ بنت النبی من خدیجۃ تزوجہا علی ابن ابی طالب ورزق منہا الحسن والحسین ۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنات اربعہ کے بارے میں یہ چند حوالے بطور نمونہ مشتے از خروارے نقل کئے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص انکا احاطہ کرنا چاہے تو یقیناً یہ بات اس کے بس کی نہیں ۔ ایسے حوالہ جات کتب اہل السنۃ والجماعت نیز کتب اہل تشیع میں بے شمار موجود ہیں۔ جن کا احصا ممکن نہیں ۔ ان حوالہ جات کی موجودگی میں اگر کوئی بد باطن اس سلسلہ میں کسی شک وارتیاب کا شکار ہے تو یہ شک وارتیاب نہیں بلکہ بغض وعناد ہے ۔ جس کا علاج کسی مستند تاریخی دستاویز تو کیا خود مشاہدے سے بھی محال ہے ۔ ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی الوہیت کا مدعی ہوا تو حضرت علی رضؓ نے ان کو بلا کر اس عقیدے کی تردید کی اور ان کے عقیدہ کو باطل قرار دیا ۔ مگر زنادقہ کا یہ گروہ اپنی بات پر اڑا رہا ۔ بالآخر حضرت علیؓ نے ان کو جلانے کا حکم دیا ۔ آگ میں پھینکے جانے کے بعد بھی وہ اس کا قائل رہا ۔ اور کہنے لگا کہ اب تو ہمیں آپ کی الوہیت کا مزید یقین ہو گیا ہے ۔ کیونکہ لا یعذب بالنار الا رب النار ۔ ضد اور عناد ایسی بلا ہے کہ مشاہدے سے بھی اس کا علاج ممکن نہیں ۔ لہٰذا زیادہ تطویل کو غیر ضروری سمجھا گیا ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر اتنے حوالہ جات اور تواتر اخبار کے باوجود حضرت زینب ، حضرت رقیہ ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہن کے بارے میں شک وشبہہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم زوجۂ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ، کے ام الحسنین ہونے کے بارے میں بھی کسی کے پاس کوئی ناقابل تردید غیر مشتبہہ قطعی ثبوت موجود نہیں ہے ۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا بلکہ تمام متواتر کا وجود بھی مشتبہہ ٹھہرے گا ۔

سنین ولادت

سنین ولادت کی تفصیل سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ کسی شخص موجود کے سن ولادت کا علم نہ ہونا اس شخص کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا وجود، منصوص و قطعی ہے۔ لیکن کتنے انبیاء علیہم السلام ہیں جن کی تاریخ ولادت قطعاً آپ متعین نہیں کر سکتے، بہت سے انبیاء علیہم السلام کی تاریخ ولادت، تاریخ میں مذکور ہی نہیں ہے۔ اور جن بعض کی مذکور ہے اس میں شدید اختلاف ہے۔ تو کیا عقل و دیانت کا یہی تقاضا ہے کہ ایسے انبیاء علیہم السلام کے وجود کا بھی انکار کر دیا جائے؟ العیاذ باللہ۔

بے شمار شہری اور دیہاتی آپ کو ایسے ملیں گے جنہیں اپنی ولادت کا حال معلوم نہیں۔ تو کیا آپ ان سے باتیں کرتے ہوئے، سامنے موجود پاتے ہوئے ان کے وجود کا انکار کر دیں گے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو عیب زمانہ حال کا یہ حال ہے تو ماضی میں آپ ایسا حکم کیوں کر لگا سکتے ہیں؟

نیز مشاہیر کے سنین وفات تو محفوظ ملیں گے لیکن ان کے سنین ولادت معلوم نہیں ہوتے۔ کیوں کہ کسی نومولود بچے کے متعلق یہ قطعی طور پر معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ آئندہ چل کر وہ کن کمالات کا مالک ہوگا۔ اور بچوں کے سنین ولادت کا ضبط کرنا خصوصاً عرب کے جاہل معاشرہ میں یہ تو اور بھی مستبعد ہے۔

بہر حال مقصد یہ ہے کہ اگر بالفرض بنات مکرمات رضی اللہ عنہن کے سن ہائے ولادت سے تاریخ کے اوراق ساکت بھی ہوتے تو بھی یہ امر بنات مکرمات کی نسبی شرافت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ چہ جائیکہ تاریخ و سیر میں اس کا بیان موجود ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیدائش سنہ ۳۰ مولد نبوی میں ہوئی۔ آپ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی ہیں۔ "اسد الغابہ" میں ہے

زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هی اکبر بناته ولدت ولرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثون سنة۔ (ج ۵، ص ۴۶۷)

—— سیرت محمدیہ میں مذکور ہے کہ۔

وعن ابی اسحاق انها ولدت فی سنة ثلاثین من مولده الشریف۔

—— محدث برصغیر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے۔

(حکایات صحابہ رض، ص ۲۶۴)

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت ۳۳ مولد نبوی میں ہوئی۔ المواہب اللدنیہ میں حضرت رقیہ رض کے ترجمہ میں مصنف علام تحریر فرماتے ہیں۔

فولدت سنة ثلث وثلاثين بعد مولده صلی اللہ علیہ وسلم (ج ۱: ص۱۹۶)۔

—— سیرت محمدیہ میں ہے۔

واما رقیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فولدت سنۃ ثلث وثلاثین من مولدہ علیہ السلام وھکذا حکاہ فی حکایات الصحابۃ ۔ مؤلف العلام : ص ۲۶۵۔

حضرت ام کلثوم وحضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون چھوٹی ہیں ۔ "الاصابہ" میں ابن حجر عسقلانی رح تحریر فرماتے ہیں ۔

ام کلثوم بنت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم اختلف ھل ھی اصغر ام فاطمۃ (ترجمہ ام کلثوم)۔

—— سیرت میں ہے۔

اما فاطمۃ الزھراء البتول سیدۃ نساء العالمین کانت ھی واختہا ام کلثوم اصغر بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واختلف فی الصغری منہما

—— ابن جوزی رح نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت ۳۵ھ نبوی میں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

—— ابن اثیر الجزری نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قبل از نبوت پیدا ہوئی ۔حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

فولدت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولدہ کلھم قبل ان ینزل علیہ الوحی زینب وام کلثوم وفاطمۃ ورقیۃ ۔

—— صاحب المواہب نے بھی ابن اسحاق سے یہی نقل کیا ہے ۔ اولادہ علیہ السلام کلھم ولدوا قبل النبوۃ الا ابراھیم ۔ (مواھب : ج ۱: ص ۱۹۸)۔

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیدائش ۳۳ نبوی کے بعد چالیس نبوی کے درمیان میں ہوئی ۔چونکہ مشہور یہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے چھوٹی ہیں ۔ لہٰذا ظن یہی ہے کہ حضرت ام کلثوم رض حضرت رقیہ رض سے دو تین برس چھوٹی ہوں گی ۔

عرب میں نکاح کی تقریب کو وہ اہمیت حاصل نہیں جو اہمیت عجمیوں خصوصاً ہندوستانیوں میں اس کو حاصل ہے ۔ ایک بچے یا بچی کی شادی یا نکاح کے لئے عرصہ پہلے سے تیاری کی جاتی ہے اور پھر بڑی دھوم دھام اور رسوم ورواج ،خاندانی انسائیکلوپیڈیا کی روشنی میں یہ تقریب سرانجام دی جاتی ہے ۔ ایک

طرف جہیز کی تیاری کا غیر متناہی سلسلہ اور لایعنی دھندہ۔ اور دوسری طرف وری کی تیاری بلائے جان بن رہی ہے۔ القصہ عرب ان تکلفات سے قطعاً آزاد تھے۔ جن حضرات کی تاریخ و حدیث پر نظر ہے وہ اس امر پر بخوبی واقف ہیں۔ اس سے بڑھ کر سادگی اور بے تکلفی کیا ہوگی جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے قریبی تعلق والے صحابی نکاح کرتے ہیں لیکن آنحضرت علیہ السلام کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ حضرت جابر رضہ کے کپڑوں پر رنگ دار خوشبو کے نشان دیکھ کر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت جابر رضہ دولہا بن چکے ہیں، اور رخصتی بھی ہو چکی ہے۔

بہر حال بناتِ مکرمات رضہ کے نکاحوں کی تاریخوں کی تعیین کا سوال اور یہ کہ یہ شادیاں قبل از نبوت ہوئیں یا بعد از نبوت؟ ایک غیر ضروری امر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن تاریخ و سیر کا ذخیرہ اس سلسلہ میں بھی خاموش نہیں۔ ضروری معلومات حاصل کرنے کے لئے اس مواد سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حضرات اہل علم و مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت رقیہ و ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادیاں (عقد نکاح) ابولہب کے دو لڑکوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ ہوئیں۔ ترجمہ حضرت رقیہ میں ابن اثیر جزری اپنی مایہ ناز تصنیف اسد الغابہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

رقیة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد زوج ابنتہ رقیة من عتبة بن ابی لھب وزوج اختھا ام کلثوم عتیبة بن ابی لھب فلما نزلت سورة تبت قال لھما ابوھما فارقا ابنتی محمد (الی ان قال) فتزوج عثمان رقیة بمکة۔ (ج ۵: ص۴۵۶)

اور رخصتی ہونے سے قبل دونوں کی طلاق ہو گئی تھی فطلقاھا قبل الدخول بھما۔ (اسد الغابة

___ ترجمة ام کلثوم وکذا فی المواھب: ج ۱: ص ۱۹۷)

حافظ ابن حجر رح نے "اصابہ" کے اندر حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ترجمہ میں مزید نقل کیا ہے کہ ان کا نکاح بعثت سے قبل ہوا تھا۔

قال ابو عمر کان عتیبة بن ابی لھب تزوج ام کلثوم قبل البعثة فلم یدخل بھا۔

اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام کلثوم رضہ کے علاوہ حضرت رقیہ رضہ کا نکاح بھی قبل از نبوت ہوا کیونکہ حضرت رقیہ بڑی ہیں۔ اگر ان کا نکاح پہلے نہیں تھا تو کم از کم ساتھ ہونا چاہیئے۔ خصوصاً جب کہ بعد

بعثت آں حضرت علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ ابولہب کی دشمنی معروف ہے۔ لہٰذا بعد بعثت ایسی رشتہ داری کا ظہور پذیر ہونا نہایت مشتبہ اور مشکوک ہے لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ نکاح صغر سنی میں قبل از نبوت ہوئے تھے۔ اور پھر بعثت کے ابتدائی سالوں میں طلاق ہوگئی۔

حافظ ابن حجر رح نے "اصابہ" میں یہی تسلیم کیا ہے کہ یہ صغر سنی کے نکاح تھے۔ رخصتی سے قبل ہی طلاق ہوگئی تھی۔ (ج ۸ ، ص ۲۷۳)۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن الربیع سے قبل از نبوت تمام صاحبزادیوں کے نکاح سے پہلے ہوا اور اس کی تحریک حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے کی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور فرما لیا تھا۔

حافظ ابن کثیر رح البدایہ والنہایہ میں تحریر فرماتے ہیں

وکان فی الاساری ابو العاص بن الربیع ختن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوج بنتہ زینب وکان لهالۃ بنت خویلد خدیجۃ خالتہ فسألت خدیجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یزوجہ وکان رسول اللہ لا یخالفہا وذلک قبل ان ینزل علیہ الوحی فزوجہ وکانت تعدہ بمنزلۃ ولدہا فلما اکرم اللہ عزوجل رسولہ بنبوتہ امنت بہ خدیجۃ وبناتہ وثبت ابوالعاص علی شرکہ۔ (ج ۳ - ص ۱۹۳)

۲ : صاحب شرح مواہب ،حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے احوال میں لکھتے ہیں۔ (ھی اکبر بناتہ) واوّل من زوج منہن اھ (۳ ، ص۱۹۵)

۳ : "اصابہ" میں ہے۔

زینب بنت سید ولد آدم محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی اکبر بناتہ وتزوجها ابن خالتها ابو العاص وتوفیت فی اوّل سنۃ ثمان من الهجرۃ ۔ (ج ۱ ، ص۱۹۲)۔

تفصیل بالا سے ظاہر ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے علاوہ ہر سہ بنات مکرمات رض کے عقد نکاح قبل از نبوت صغر سنی میں ہوئے۔

وفات

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سن آٹھ ہجری کے شروع میں ہوئی جیسا کہ ابھی ابھی حوالہ گزرا۔ (اصابہ ، ج ۸ ، ص ۱۹۲)۔

۲ : اسد الغابہ میں ماتت فی سنۃ ثمان (ج ۵ ، ص ۴۶۷)۔

۳ : طبری میں ہے۔

ففیھا فیما زعم الواقدی توفیت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ج ۲ ، ص ۳۱۱)۔

حضرت رقیہ رض کی وفات ۲ھ غزوۂ بدر کے ایام میں ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحکم نبوی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری کے لئے مدینہ منورہ میں ٹھہر گئے تھے۔ مژدۂ فتح لے کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد واپس مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت رقیہؓ کو دفن کیا جا رہا تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

۱ : فلما کانت وقعۃ بدر اشتغل بتمریض ابنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضرب لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسھمہ (ج ۷ ، ص ۱۹۹۔ البدایہ)۔

۲ : قال اسامۃ بن زید فاتانا الخبر حین سوینا التراب علی رقیۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بدایۃ ج ۳ ، ۳۰۲)۔

۳ : سیرت میں ہے۔

وتوفیت والنبی صلی اللہ علیہ وسلم ببدر۔ اھ

اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال شعبان ۹ھ میں ہوا۔ اسد الغابہ میں ہے۔

فزوجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم رقیۃ من عثمان فلما توفیت زوجہ ام کلثوم وکان نکاحہ ایاھا فی ربیع الاول سنۃ وبنی بھا فی جمادی الاخریٰ من السنۃ الثالثۃ ولم تلد لہ و توفیت سنۃ تسع۔ اھ ترجمہ ام کلثوم (ج)

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب ہجرت فرمائی تو ایک کافر نے انہیں اونٹ سے گرا دیا جس سے اسقاط کی نوبت آئی۔ اور اس مرض میں ان کی وفات بھی ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو حضرت زینب رض کے حق میں ارشاد فرمایا۔ یہ میری بنات میں سے افضل ہیں۔ میری وجہ سے انہیں زخمی کیا گیا۔

شرح مواہب میں ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی حق زینب ابنتہ لما اوذیت عند خروجھا عن مکۃ ھی افضل بناتی اصیبت فیّ۔ (ج ۱ ، ص ۱۹۵ اخرجہ الحاکم والطحاوی بسند جید)۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے صرف اور صرف زینب ہی نہیں بلکہ

دیگر کم از کم تین بنات مکرمات رض کا اقرار و اعتراف موجود ہے۔ پس اس میں جمیع بنات مکرمات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار ثابت ہے۔

۲: حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات پر ارشاد فرمایا۔

قال لو ان لنا ثالثة لزوجنا عثمان بها۔ (اسد الغابہ، ج ۵، ص ۶۱۲)۔

اس میں دو بنات یعنی حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں آں حضرت علیہ السلام کا اقرار موجود ہے کہ دو کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یکے بعد دیگرے کیا گیا ہے اگر اس وقت کوئی تیسری بھی قابل نکاح ہوتی تو اس کا نکاح بھی حضرت عثمان رض سے کر دیا جاتا۔ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بالتصریح اقرار روایت بالا میں موجود ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ دو صاحبزادیوں سے آپ کی شادی ہوئی "الکمال" میں ہے۔

وسمی ذوالنورین لجمعه بین بنتی رسول الله صلی الله علیه وسلم رقیة وام کلثوم۔ اکمال ذیل المشکوٰۃ، ج ۲، ص ۶۰۲ وکذا فی البدایة، ج ۷، ص ۱۹۵)۔

حضرت رقیہ رض کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رض سے کرنا چاہا۔ لیکن حضرت عثمان چپ رہے۔ اس پر حضرت عمر رض کو صدمہ ہوا اور اس کی شکایت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کیا میں ایسی صورت نہ تجویز کر دوں کہ جس میں عثمان رض کو حفصہ رض سے بہتر بیوی مل جائے اور حفصہ رض کو عثمان سے بہتر خاوند مل جائے، عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے۔ تو فرمایا کہ زوجنی ابنتك واذوج عثمان ابنتی۔ اخرجه الجوزی (مواهب: ج ۱، ص ۱۹۷)۔

اس میں حضرت ام کلثوم رض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی تسلیم کیا۔

سمیٰ عثمان ذوالنورين لان النبی صلی الله علیه وسلم زوجه رقية ولما ماتت رقية زوجه ام کلثوم وکلتا هما من بنات النبی صلی الله علیه وسلم من خدیجة۔

فضائل بناتِ ثلاثہ رض حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں یہ بسند جید بحوالہ حاکم و طحاوی یہ ارشاد نبوی قریب یہی مذکور ہوا ہے کہ هی افضل بناتی اصيبت فی۔ اھ

(ترجمہ مواهب، ج ۱، ص ۱۹۵)۔

دین کے لئے زخمی ہونا بہت اونچی فضیلت ہے۔ بنات مکرمات رضؓ میں سے یہ فضیلت صرف حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حصہ میں آئی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا برملا اظہار فرمایا۔

۲ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دفن میں شرکت فرمائی۔ اور ان کے حق میں تسہیلِ ضیقِ قبر کے لئے خصوصی دعا فرمائی۔ جو قبول ہوئی اور قبر کی پریشانی کو سہل کر دیا گیا۔ ابن اثیر جزری رح لکھتے ہیں۔ کہ بموقعہ دفن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

قال کنت ذکرت زینب وضعفها فسألت الله عزوجل ان یخفف عنها ضیق القبر وغمه ففعل وهون علیها۔ (أسد الغابه ج ۵ : ص ۴۶۸)۔

یہ بھی ان کی خصوصیت ہے کہ جس میں کوئی دوسری صاحبزادی بظاہر سہیم نہیں۔

۳ ، ۴ : اللہ تعالیٰ نے تمام بناتِ مکرمات کو اسلام اور ہجرت جیسے عظیم الشان فضائل سے سرفراز فرمایا۔ مواہب اللدنیہ میں ہے۔

اعلم ان جملة ما اتفق علیه منهم ستة القاسم وابراهیم واربع بنات زینب ورقیة وام کلثوم وفاطمة وکلهن ادرکن الاسلام و هاجرن معه۔ (ج ۱-ص ۱۹۶۔ وسیرة محمدیه وغیره)۔

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام و ہجرتِ مدینہ کے علاوہ ہجرتِ حبشہ کے فضائل سے سرفراز فرمائی گئیں۔ ابن اثیر جزری رح لکھتے ہیں۔

فتزوج عثمان رقیة بمکة وهاجرت معه الی الحبشة۔

(اسد الغابة : ج ۵ : ص ۴۵۶)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں ایک مقام پر حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں۔

وهاجر الی الحبشة ومعه زوجته رقیة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ (البدایة ج ۷ ، ص ۱۹۹)۔

حضرت عثمان و حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کا ساتھی رہے۔ سبحان اللہ۔

" اسد الغابہ " میں ہے۔

عن انس قال خرج عثمان مهاجرا الی ارض الحبشة ومعه زوجته رقیة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم فاحتبس خبرهم عن النبی

صلی اللہ علیہ وسلم فکان یخرج فسأل عن اخبارھم فجاءته امراۃ فاخبرته انھا رأتھما فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحبھما اللہ ان عثمان اول من ھاجر باھلہ بعد لوط اخرجھا الثلاثۃ اھ

علاوہ اس کے اس حدیث پاک میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی اس ہجرت کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے باعتبار مقبولیت و افضلیت کے حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت سے تشبیہہ دی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا مقبولیت ہوگی؟

قرآن کریم نے ہجرتِ لوط علیہ السلام کی مدح کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی ہجرت کو ہجرتِ لوط علیہ السلام کے ہم پلہ قرار دیا۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱ آپ کا نکاح ثانی بحکم وحی خداوندی حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کیا گیا۔ حضرت رقیہ رضہ کی وفات کے بعد آنحضرت علیہ السلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ یہ جبرائیل ہیں انھوں نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے حکم فرمایا کہ ان کا یعنی حضرت ام کلثوم رضہ کا نکاح تیرے ساتھ کر دوں۔ ھذا جبرئیل اخبرنی ان اللہ یأمرنی ان ازوجکھا (مواہب ج ۱، ص۱۹۶)۔ اور آنحضرت علیہ السلام نے حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو اپنی آنکھوں کا نور فرمایا۔ کما مر عن النبراس فتذکر۔

۲ ؛ قال ابو عمرو فاطمۃ وام کلثوم أفضل بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
(مواھب، جلد ۱، ص۱۹۸)

ان روایات سے فضائل بناتِ ثلاثہ رضہ ظاہر ہیں۔ تفصیل بالا سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱ ؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اولاد جس کے بارے میں اجماع و اتفاق ہے چھ حضرات ہیں۔ دیکھئے حوالہ نمبر ۹ و ۱۰ ان میں ایک حضرتِ ابراہیم ہیں جو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے تھے۔ باقی اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن مبارک سے ہے۔ یعنی حضرت قاسم حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالےٰ عنہن۔ دیکھئے حوالہ نمبر ۹ و ۱۰۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ آپ کی پیدائش یا تو ۳۵ سن میں ہوئی یا بعد از نبوت ۱ھ م۔ن میں ہوئی۔ اگر آخری قول لے لیا جائے تو نکاح کے بعد نبوت ملنے تک کے طویل عرصہ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کل چار اولادیں ہوئیں۔ یہ درمیانی عرصہ کم از کم پندرہ برس ہے اور ایک قول کے مطابق آں حضرت علیہ السلام کی شادی سالہ م ن میں ہوئی۔ جیسا کہ "اسد الغابہ" میں ابن اثیر جزری رح نے نقل کیا ہے۔ دیکھئے حوالہ نمبر ۵۔ تو اس قول کے مطابق نکاح مبارک اور سن نبوت میں ۱۸، ۱۹ برس کا طویل عرصہ بن جاتا ہے۔ اس طویل عرصہ میں چار بچوں کی پیدائش اور ان میں سے تین صاحبزادیوں کا عقد نکاح ہو جانا آخر ایسی کون سی بات ہے کہ جس کے امکان و عدم امکان پر کسی سنجیدہ بحث کی ضرورت تسلیم کی جا سکتی ہے۔ اور اس سوال کو معقول قرار دیا جا سکتا ہے۔ عام حالات میں دو بچوں کے درمیان وقفہ دو تین سال ہوتا ہے۔ لیکن بچوں کی اکثر تعداد ایسی بھی ملے گی جن کی پیدائش کا درمیانی وقفہ صرف ایک سال یا ڈیڑھ سال ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے برادر مکرم سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تقریباً صرف سالھے دس ماہ چھوٹے ہیں۔ اکمال میں ہے۔

ولد (ای الحسن) فی النصف من شهر رمضان سنة ثلث من الهجرة وهذا اصح ماقيل في ولادته۔

اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ولد لخمس خلون من شهر شعبان سنة اربع۔

الحاصل پندرہ برس کے طویل عرصہ میں چار، پانچ بچوں کی پیدائش کوئی عجوبہ نہیں بلکہ ایک عام واقعہ ہے۔ آج بھی اپنے گرد و پیش میں نگاہ ڈالنے سے اس کی بے شمار نظیریں مل سکتی ہیں۔ باقی رہ گیا تین صاحبزادیوں کا نکاح تو اس کیلئے کسی خاص مدت کی تعیین نہیں ہے۔ صغر سنی کے نکاح قبل از بعثت بھی کئے جاتے تھے

اور بعد از بعثت نبوی بھی اسلامی معاشرہ میں عام شائع و ذائع رہے ہیں نحو و سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صغر سنی میں ہوا۔ کما لا یخفی۔ بہر حال ان نکاحوں میں عقلاً نقلاً کوئی اشکال نہیں۔

۶: اب کفار کو رشتہ دینا جائز نہیں سنہ میں اس کی ممانعت ہو گئی تھی۔ قال تعالیٰ

یا ایها الذین آمنوا اذا جاءکم المؤمنات مهاجرات فامتحنوهن الله اعلم بایمانهن فان علمتموهن مؤمنت فلا ترجعوهن الى الكفار لاهن حل لهم ولا هم يحلون لهن الآیة پ ۲۸، س ممتحنہ۔

وهكذا نقل حافظ عماد الدين ابن كثير الدمشقي في تاريخه ج ۴ ص۱۵۵۔

ونصه وفی هذه السنة حرمت المسلمات علی المشرکین اھ

قبل از بعثت عتبہ و عتیبہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے نکاح ہوئے تھے۔ چونکہ یہ نکاح قبل از بعثت تھے جیساکہ مفصل گزر چکا ہے۔ لہٰذا یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس وقت کافر کو لڑکی دینا جائز تھا یا نہیں۔ ویسے حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کی کفار کو پیش کش فرمائی تھی۔ یہ قرآن کریم میں مصرح ہے۔

" قال یقوم ھؤلاء بناتی ھن اطھر لکم "

ظاہر الفاظ سے یہی سمجھا جاتا ہے۔ مگر مفسرین نے اس کی دوسری تفسیر فرمائی ہے۔

بہرحال بنات مطہرات رض کے ان نکاحوں پر اعتراض کرنا غلط ہے۔ کیوں کہ یہ نکاح قبل از بعثت کے ہیں اور کفار کے ساتھ مناکحت بعثت کے بعد بھی کم از کم اٹھارہ، انیس ۱۹ برس تک جائز رہی۔ جیساکہ بحوالہ البدایہ والنہایہ ابھی ابھی گزرا۔ اشکال تب درست ہے جب کہ یہ نکاح ۶ھ کے بعد کئے گئے ہوتے لیکن جب کہ واقعہ ایسا نہیں۔ لہٰذا اس پر اعتراض کرنا محض حماقت وجہالت یا ضد وعناد پر مبنی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہا سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا اقرار و اعتراف کیا ہے۔ ایک گفتگو کے دوران حضرت علی رض نے حضرت عثمان رض سے فرمایا

وقد رأیت و سمعت وصحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونلت صھرہ وما ابن ابی قحافة باولی بعمل الحق منک ولا ابن الخطاب باولی بشیئ من الخیر منک وانک اقرب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحما ولقد نلت من صھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالم ینالا ۔ اھ

(البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۱۶۸، ابن جریر طبری، ج ۳، ص ۳۷۶)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذوالنورین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں دیکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں۔

عن علی بن ابی طالب انہ سئل عن عثمان فقال ذالک امرء یدعی فی الملاء الاعلی ذوالنورین کان ختن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علی ابنتیه رواہ ابن عساکر کذا فی حاشیۃ النبراس : ص۵۴۹۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے سب عثمان رضؓ کے نکاح میں دے دیتا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہتی۔

حافظ ابن کثیر رحؒ لکھتے ہیں۔

وروی (ای ابن عساکر) باسناد ضعیف عن علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لو ان لی اربعین ابنۃ لزوجتہن بعثمان واحدۃ بعد واحدۃ حتی لا یبقی منہن واحدۃ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۲۱۲)۔

مہلب بن ابی صفرہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سوال کیا کہ آپ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ کیوں کہتے ہو کہ وہ ہم پر فوقیت رکھتے ہیں اور اعلیٰ ہیں؟ تو صحابہؓ نے جواب دیا کہ اس لئے کہ اولین و آخرین میں سے عثمان رضؓ کے علاوہ کسی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو صاحبزادیاں نہیں آئیں۔

عن المہلب بن ابی صفرۃ قال سألت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم قلتم فی عثمان اعلانا فوقنا قالوا لانہ لم یتزوج رجل من الاولین والاخرین بنتی نبی غیرہ رواہ ابن عساکر۔

(البدایۃ والنہایۃ : ج ۷، ص ۲۱۲)

عثمان بن عفان ثالث الخلفاء الراشدین تزوج برقیۃ بنت النبی (منجد)

۱ ، فصل فی اولادہ صلی اللہ علیہ وسلم اولہم القاسم ثم زینب وقیل ہی اسن من القاسم ثم رقیۃ وام کلثوم وفاطمۃ ثم ولد لہ عبد اللہ بعد النبوۃ او قبلہا فیہ اختلاف وصحح بعضہم انہ ولد بعد النبوۃ۔ (زاد المعاد لابن القیمؒ : ج ۱، ص ۴۵)

۲ ، ولد لہ صلی اللہ علیہ وسلم من خدیجۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبل البعثۃ القاسم ثم ولدت قبل البعثۃ ایضا زینب ثم رقیۃ ثم فاطمۃ ثم ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن وبعد البعثۃ ولد لہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ ویسمی الطیب والطاہر۔

(سیرۃ حلبیہ، ج ۳، ص ۳۳۵)

۳ ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان اوّل من ولد لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ قبل النبوۃ القاسم وبہ کان یکنی ثم ولد لہ زینب ثم رقیۃ ثم فاطمۃ ثم ام کلثوم ثم ولد لہ فی الاسلام عبد اللہ فسمی الطیب والطاہر ۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۳۳)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفی اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو بیعت پر مجبور کیا تھا؟

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالے عنہا کے گھر پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالے عنہ تشریف لے گئے اور بہت سخت لہجہ میں بیعت کے لئے پکارا کیا یہ درست ہے یا شیعوں کا بہتان ہے، بینوا توجروا ۔

الجواب یہ بات بالکل غلط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالے عنہا کو بیعت پر مجبور کیا۔ کیونکہ حضرت فاطمہ رضؓ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کی خلافت کے زمانہ سے پہلے وفات پاگئی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی خلافت تو حضور علیہ السلام کے اڑھائی سال بعد ہوئی ہے ۔ جب کہ حضرت فاطمہؓ کا انتقال آپ کے چھ ماہ بعد ہوا ہے۔ جب حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ ہی ان کی زندگی میں نہیں آیا۔ تو خلافت پر مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی معین مفتی خیر المدارس ملتان

صحابہؓ کے بارے میں کتاب الخراج لابی یوسف کی ایک عبارت کا جواب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہمارے دل میں بڑی عقیدت ہے اور ہم انہیں حرص وہوا سے پاک ایک مکمل انسان سمجھتے ہیں۔ مگر جب میں نے " کتاب الخراج لابی یوسف " کی ایک عبارت دیکھی تو میری حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی۔ کتاب مذکور کے ص ۱۳ پر لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور وصیت یہ کلمات کہے ۔

" واحذر من ہؤلاء النفر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذین قد انتفخت اجوافہم وطمحت ابصارہم واحب کل

امرئ منهم لنفسه وان لهم لحيرة عند زلة واحد منهم
فایاك ان تكونه انتہٰی "
مندرجہ بالا عبارت کا واضح ترجمہ مع تشریح رقم فرمائیں ۔ بظاہر یہ عبارت بعض صحابہؓ کی توہین کرتی ہے یہ عبارت قاضی صاحب کی ہے یا الحاقی ہے ؟

الجواب اس عبارت کے پڑھنے سے جو اشتباہ پیدا ہوتا ہے وہ صرف " من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " کے لفظ سے ہوتا ہے ۔ حالانکہ یہ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مخلصین کے بارے میں نص نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو از راہِ نفاق آنحضرت صلعم کے زمانہ میں سلام کو ظاہر کرتے تھے بنا بر ظاہر ان کو بھی مسلمان کہا جاتا تھا عند الناس والعوام یہ لوگ صحابی ہونے کے بھی مدعی تھے ان کو در حقیقت اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ صرف دنیوی منافع ان کو مقصود تھے یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے بعد میں ان کا نفاق کھلتا گیا ۔ اسلام کی شان و شوکت بڑھتی گئی تو ان کی تعداد کم ہوتی گئی ۔ حتیٰ کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت جو تھوڑی بہت ان کی تعداد موجود تھی ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرتِ صدیق اکبرؓ نے فرمایا ۔

واحذر من هؤلاء النفر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کہ اس جماعت سے بچنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے تصور کی جاتی ہے یا صحابہؓ میں شامل ہونے کے مدعیہ ہے ۔

الذین قد انتفخت أجوافهم الخ
جن کے پیٹ متاع دنیوی سے پھولے ہوئے ہیں اور نظریں متاع دنیا کی طرف لگی رہتی ہیں اور ان میں سے ہر شخص اپنے نفس کے لئے منافع اور مصالح کو پسند کرتا ہے ۔

وان لهم الحيرة عند زلة واحد منهم ۔
اور جب ان میں سے ایک شخص کو لغزش ہوتی ہے اس لئے کہ یہ لوگ چونکہ فسادِ عقیدہ اور خبثِ باطن میں متفق ہیں اور اس کا نفاق کھلتا ہے تو وہ سب کو رسوا کرتا ہے اور سب حیران و پریشان ہو جاتے ہیں ۔

فایاك ان تكونه خیال کرنا ایسا نہ ہو کہ آپ ان میں مبتلا ہو جائیں ۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مطابق وصیّتِ صدیقی ان منافقین کا خوب قلع قمع کیا ۔ شریر اور مفسد لوگوں کو خوب دبایا ۔ پس یہ عبارت منافقین کے حق میں فرمائی گئی ہے ۔ لفظِ من اصحاب سے دھوکہ نہ لگنا

چاہئے کیونکہ یہ منافقین باعتبار ظاہر مسلمانوں میں شامل تھے کما سبق تحقیقہ ۔

عام حضرات صحابہ رض جو ان اوصاف رذیلہ سے پاک وصاف تھے ان کی شان اعلیٰ وارفع ہے۔ اور نہ ان کے حق میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اور نہ کوئی قرینہ ایسا موجود ہے۔ بلکہ من تبعیضیہ قرینہ ہے اس بات کا کہ یہ عبارت ایک مخصوص جماعت کے بارے میں کہی گئی ہے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفر لہ ؛ ۲ جمادی الثانیہ ۱۳۶۹ھ

جنگ جمل کا محرک حضرت معاویہؓ کو قرار دینا سفید جھوٹ ہے

اہل تشیع کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑایا تھا۔ یہ کہنا کہاں تک درست ہے ؟

الجواب یہ سبائی افتراء اور جھوٹ ہے۔ اس دوران نہ تو حضرت عائشہ رض کی حضرت معاویہؓ سے ملاقات ہوئی نہ ہی حضرت معاویہ رض کے کسی قاصد کا حضرت عائشہ رض سے ملنا ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رض نے تو حضرت عثمان رض کی شہادت کی اطلاع پاتے ہی کہہ دیا تھا ۔

و اللہ قتل عثمان مظلوماً واللہ لاطلبن بدمہ ۔اھ (البدایہ ، ج ۷ ، ص ۱۰۵)

روایات میں واضح طور پر موجود ہے کہ حضرت عائشہ رض اور ان کے ساتھی حضرت علی رض کے لشکر کیساتھ صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے بلکہ صلح طے پا گئی تھی ۔ اعلان باقی تھا کہ سبائیوں نے دیکھا کہ یہ صلح تو ہمارے لئے موت ثابت ہوگی چنانچہ انہوں نے دھوکہ سے دونوں فریقوں کو لڑا دیا ۔ (البدایہ ، ج ۷ ، ص ۲۳۹)

اور پھر اپنے مخصوص طریق کار کے مطابق اس کا الزام دوسروں کے سر لگا دیا ۔

اتمام الوفاء ، ص ۲۱۵ ۔ میں ہے ۔

وظہرت آثار الکدر علی امیر المؤمنین من ھذا الحادث الجلل الذی لم یکن لہ فیہ مأرب وکذلک علی السیدۃ ام المؤمنین فانہا کانت تود الصلح ولم یجر ما جری الا رغما عن الجمیع ۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ : ۱۱ ؍ ۶ ؍ ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بیت اللہ کو غلاف پہنانے کی ابتدار کب سے ہوئی

ایک مضمون کے سلسلہ میں یہ تحقیق مطلوب تھی کہ بیت اللہ پر غلاف سب سے پہلے کس نے ڈالا تھا۔ اگر معلوم ہو تو مہربانی فرمائیں۔ فاروق احمد حبیب وطنی۔

الجواب "المعارف" لابن قتیبۃ الدینوری (متوفی ۲۷۶ھ) میں ہے کہ سب سے پہلے اسعد ابوکریب حمیری نے بیت اللہ کو کپڑے اور چادروں کا غلاف چڑھایا۔ یہ آنحضرت علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً سات سو سال پہلے گزرا ہے۔

اسعد ابوکریب الخ وھو اوّل من کسا البیت الانطاع والبرود (ص۲۵۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۵، ۲، ۱۳۹۸ھ

خاکِ مدینہ کے شفار ہونے کا ثبوت

خاکِ شفار کے بارہ میں جو بات مشہور ہے کہ ایک جنگ کے موقعہ پر مسلمانوں میں کسی قسم کی بیماری پھیل گئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ فلاں جگہ کی مٹی لے کر اپنے جسموں پر مل لو بفضلہ تعالیٰ شفار ہو جانے گی کیا یہ بات صحیح ہے؟ اور اس خاکِ شفا کے استعمال کا کیا طریقہ ہے اور وہ کون سی جنگ ہے جس میں یہ واقعہ پیش آیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب مدینہ طیبہ کی مٹی کے بارہ میں متعدد روایات آتی ہیں۔ علامہ زرقانی رح نے مواہب لدنیہ میں اور علامہ سمہودی رح نے "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" میں تفصیل سے ان کو نقل کیا ہے۔ جملہ روایات کو سامنے رکھنے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مدینہ طیبہ کی عام مٹی کی خاصیت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اس میں شفار ہے۔ بالخصوص جذام و برص کے لئے۔ اور صعیب کے بارے میں (وادیٔ بطحان میں ایک جگہ ہے) بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اسے استعمال کرو۔ پوری حدیث اس طرح ہے کہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ قبیلہ بنو حارث کے پاس گئے وہ لوگ بیمار تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا حال ہے؟ کہنے لگے کہ ہم بخار میں مبتلا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس تو صعیب موجود ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور صعیب کو کیا کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی مٹی لے کر پانی میں ڈال کر اس پر یہ پڑھ کر دم ڈالو بسم اللہ تراب ارضنا بریق بعضنا شفاء لمریضنا باذن ربنا (الحدیث)۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ فشفاھم اللہ۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ علامہ سمہودی رح نے کچھ واقعات بھی لکھے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جگہ کی تخصیص ان کی مرض کی بنا پر ہو۔ الحاصل مدینہ طیبہ کی عام مٹی میں بھی شفاء کا ہونا منقول ہے۔ جس حدیث میں مدینہ طیبہ کی مٹی کا شفاء ہونا منقول ہے وہ غزوہ تبوک سے واپسی کا واقعہ ہے۔ علامہ سمہودی رح کے الفاظ یہ ہیں۔

عن سعد رضی اللہ عنہ لما رجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تبوك تلقاه رجال من المخلفين من المؤمنين فاثاروا غبارا فغطى بعض من كان مع رسول الله صلى الله عليه وسلم انفه فازال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللثام عن وجهه وقال والذى نفسى بيده ان فى غبارها شفاء من كل داء الحديث۔ (وفاء: ص۶۷)

طریقہ استعمال: صعیب کی مٹی کے بارے میں علامہ سمہودی رح نے لکھا ہے کہ مٹی پانی میں ڈال کر پھر اس پر مذکورہ رقیہ پڑھا جائے پھر اسے پیا اور نہا بھی لیا جائے۔

قلت فينبغى ان يجعل فى الماء ثم يتفل عليه و تقال الرقية الواردة ثم يجمع بين الشرب والغسل منه اھ (وفاء، ص۶۸)۔

فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان شہر

۲۶ / ۱۰ / ۱۳۹۷ھ

امام ابو حنیفہ رح کی کثرت عبادت پر اعتراض کا جواب

امام اعظم رح کے حالات میں ایک رسالے میں دیکھا گیا کہ ان کا تقوی اس قدر تھا کہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے رہے۔ یعنی تمام رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اور رمضان مبارک میں نو سے ختم کلام پاک کرتے تھے۔ یعنی روزانہ تین ختم کرتے تھے لیکن سیرۃ النعمان سوانح عمری حضرت امام اعظم رح مصنفہ مولانا شبلی نعمانی کے صفحہ ۴۴ پر یہ عبارت ہے۔

مضمون مولانا شبلی نعمانی: ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اس قدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب رح کی اصلی صورت پہچانی نہیں جاتی۔ مثلاً

- چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔
- تیس سال تک متصل روزے رکھے۔

- جہاں وفات کی اس جگہ سات ہزار مرتبہ قرآن کا ختم کیا۔
- نہر کوفہ میں مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ گیا تو اس خیال سے کہ مچھلیوں نے کھایا ہوگا ایک مدت تک مچھلی کا گوشت نہیں کھایا۔
- اسی طرح ایک شبہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔
- ان کا ذاتی خرچ صرف دس آنے ماہوار تھا۔

اس قسم کے اور بہت سے افسانے ان کی نسبت مشہور ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ ہمارے مؤرخین ان قصوں کو امام صاحب کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں نہ ان سے کسی کے شرف پر استدلال ہو سکتا ہے۔ الخ۔ اس قسم کے واقعات کے لئے ایسی سند درکار ہے جس میں ذرہ بھی شبہ نہ ہو۔ نیز دونوں روایتوں میں سے کون سی روایت صحیح ہے؟

الجواب امام اعظم رحمہ اللہ کے تذکرہ میں جو حال ان کی عبادت اور زہد اور ورع کے متعلق کتابوں کے اندر لکھا ہے بالکل صحیح ہے۔

- چالیس سال تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھنا بالکل صحیح ہے۔
- رمضان المبارک میں ساٹھ (۶۰) ختم پڑھنے کی روایت میں نے دیکھی ہے۔
- اور تیس سال تک متواتر روزہ رکھنے کی روایت میں نے نہیں دیکھی ہے اگر کتب میں موجود ہو تو اس کی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں۔

بکری کا گوشت چھوڑ دینا بھی صحیح واقعہ ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ کے شہر میں ایک بکری چوری ہوگئی پس آپ نے بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ ایسا نہ ہو کہ وہی بکری ذبح کی جائے اور اسی کا گوشت بیچنے والا دے دے۔ اور مچھلی نہ کھانے کی روایت میں نے نہیں دیکھی۔

محترم! بات یہ ہے کہ علامہ شبلی رح کا زمانہ ہو یا ہمارا آج کل زہد اور عبادت مفقود ہیں اس لئے ایسی روایات ہمیں تعجب خیز معلوم ہوتی ہیں۔ امام اعظم رح تابعین میں سے ہیں۔ صحابہؓ و تابعین کا زمانہ خیر و برکت کے انتہائی عروج پر تھا اس زمانہ میں زہد اور عبادت اتنا تھا کہ بچے مادر زاد ولی پیدا ہو رہے تھے۔ راتوں کو جاگنا اور دن کو روزہ رکھنا، مجاہدات اور ریاضت کی کثرت تھی چند ایک واقعات زمانہ سلف کے تاریخی معتبر کتب سے نقل کئے جاتے ہیں۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ امام اعظم رح کے تذکرہ میں جو باتیں منقول ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہیں۔

- امام شافعی رحمہ اللہ روزانہ ایک قرآن پاک کا ختم باتدبر کرتے تھے۔ اور رمضان شریف میں دو ختم روزانہ کرتے تھے۔

- سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر رات ختم قرآن مجید ایک رکعت میں کرتے تھے۔
- حضرت اویس قرنی جو مشہور بزرگ ہیں۔ کسی دن فرماتے کہ آج کی رات رکوع کرنے کی ہے پس تمام رات رکوع میں گزار دیتے۔ پھر کہتے کہ آج کی رات سجدہ کی ہے تو تمام رات سجدہ میں گزار دیتے۔
- جب عتبہ غلام تائب ہونے تو کھانے پینے کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے تھے ان کی والدہ نے ان سے ایک مرتبہ کہا کہ اپنے نفس پر رحم کھا کچھ راحت بھی لے لیا کر۔ کہنے لگے کہ اس پر رحم کھانے ہی کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔ تھوڑے دن کی مشقت ہے پھر ہمیشہ ہمیشہ راحت ہی تیار ہے۔
- عبداللہ بن داؤد کہتے ہیں یہ بزرگ (حضرات) جب کوئی ان میں سے چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو بستر اٹھا کر رکھ دیتا ہے یعنی پھر سونے کا نمبر ختم ہو جاتا ہے۔
- حضرت کہمش بن حسن رح ہر رات میں ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے اور اپنے نفس کو خطاب کر کے کہتے کہ اے ہر برائی کی جڑ نماز کے لئے کھڑا ہو جا۔ جب ضعف بہت ہو گیا تو روزانہ پانچ سو رکعتیں کر دی تھیں اور اس پہ رویا کرتے تھے کہ میرا آدھا عمل جاتا رہا۔
- حضرت ربیع رح کہتے ہیں کہ میں حضرت اویس قرنی رح کے پاس آیا۔ وہ صبح کی نماز پڑھ کر تسبیح پڑھنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ اس وقت ان کا حرج ہو گا۔ میں فراغت کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ وہ اسی حال میں بیٹھے پڑھتے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا وہ ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور عصر تک نماز پڑھتے رہے۔ پھر عصر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ بیٹھے رہے۔ پھر مغرب کی نماز پڑھی، پھر عشا کی نماز پڑھی، پھر صبح تک وہیں جمے رہے۔ دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد بیٹھے تھے کہ اسی حال میں کچھ غنودگی سی آ گئی، چونک کر کہنے لگے۔ یا اللہ ایسی آنکھ سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جو بار بار سوتی ہے اور ایسے پیٹ سے پناہ مانگتا ہوں جو بھرتا ہی نہ ہو۔ میں تمام حالت دیکھ کر وہاں سے یہ کہہ کر چلا آیا کہ مجھے تو عبرت کے واسطے یہی کافی ہے جو میں نے دیکھ لیا ہے۔
- ابو بکر بن عیاش رح چالیس برس تک بستر پر نہیں لیٹے اور اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اس کھڑکی میں معصیت نہ کرنا کہ میں نے اس میں بارہ ہزار قرآن ختم کئے ہیں۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو مکان کے ایک کونے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے اس میں چوبیس ہزار قرآن ختم کئے ہیں۔
- حضرت سمنون رح پانچسو رکعت نماز روزانہ پڑھا کرتے تھے۔ اور ان کا ایک قصہ علامہ زبیدی رح نے لکھا ہے کہ بغداد میں ایک شخص نے چالیس ہزار درہم فقراء پر تقسیم کئے۔ سمنون فرمانے لگے کہ درہم تو ہمارے پاس ہیں نہیں، چلو ہم ہر درہم کے بدلے ایک رکعت نماز پڑھ لیں۔ یہ کہہ کر مدائن گئے اور وہاں چالیس ہزار رکعتیں پڑھیں۔

- ابوبکر مطوعی رح کہتے ہیں کہ میرا معمول جوانی میں اکتیس ۳۱ ہزار روزانہ "قل ہو اللہ احد" پڑھنے کا تھا۔
- ایک شخص کہتے ہیں کہ میں عامر بن عبدالقیس رح کے ساتھ چار مہینے رہا۔ میں نے دن میں یا رات میں انہیں سوتے نہیں دیکھا۔

حضرت کرز بن برہ رح ہر روز تین قرآن شریف ختم کرتے تھے۔

یہ چند واقعات امام غزالی رح کی کتاب احیاء العلوم اور دوسری معتبر تواریخ سے لئے گئے ہیں۔ یا تو ان تمام روایات پر پانی پھیریئے اور کہہ دیجئے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم عباد و زہاد سے خالی ہے۔ یا پھر ان تمام واقعات کو تسلیم کیجئے۔ اور اپنے اہل زمانہ کی غفلت و کوتاہی تسلیم کیجئے کہ ہم غافل ہو رہے ہیں۔ قرن اول میں کثرت سے لوگ عبادت و ریاضت کرتے تھے۔ اس زمرہ میں امام اعظم رحمہ اللہ کا نام نامی اسم گرامی سب سے پہلے ہے۔ امام ابوحنیفہ رح کا چالیس سال تک رات کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا علامہ سیوطی رح کے "تبییض الصحیفہ، ص ۱۴" پر درج ہے۔ "تبییض الصحیفہ، کشف الاستار عن رجال معانی الآثار" کے ساتھ ملحق ہے۔ ہند و پاکستان کے مشہور کتب خانوں سے مل سکتی ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

۹ محرم الحرام ۱۳۷۴ھ

لعنت بر یزید ایک واعظ نے علانیہ طور پر یزید پر لعنت کی ہے۔ اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ شرح عقائد میں یزید اور اعوانِ یزید پر لعنت کی گئی ہے۔ جس کی عبارت ذیل ہے

والحق ان رضا یزید لقتل الحسین واستبشاره بذلك واهانته أهل بيت ألنبى عليه السلام مما تواتر معناه وان كان تفاصيله احادا فنحن لا نتوقف فى شانه بل فى ايمانه لعنة الله عليه وعلى انصاره وعلى اعوانه۔

کیا بموجب حوالہ مذکور یزید پر لعنت کرنا جائز ہے؟

محمد امین احمد پور شرقیہ

الجواب یزید پر لعنت کرنے میں علماء محققین کے دو گروہ ہیں۔ بعض جواز کے قائل ہیں اور دلیل میں یہی افعال پیش کرتے ہیں جو سوال میں مذکور ہیں۔ اور ایسے افعال کا مرتکب واقعۃً مستحق لعنت ہے۔ بعض حضرات نے اس میں توقف کیا ہے۔ کیونکہ یزید میں ان جملہ افعال ناشائستہ کا پایا جانا

قطعی اور یقینی نہیں۔ شروع میں وہ بہر حال مسلمان تھا۔ اور مسلمان پر لعنت کرنے کے بارے میں وعید شدید وارد ہے۔ عاقبت کا علم اللہ کو ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ سکوت کیا جائے کیوں کہ اگر لعنت جائز بھی ہو تو نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر وہ محل لعنت نہ ہوا تو لعنت کرنے والا خود مبتلائے معصیت ہو جائے گا۔ لہٰذا محتاط و مختار مسلک یہی ہے کہ خاموش رہا جائے۔

حضرت العلام مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے فتاویٰ رشیدیہ: ج ۱ ص ۲۸ میں اسی مسلک کو پسند فرمایا ہے۔

سئل الغزالی عمن یصرح بلعن یزید بن معاویة هل یحکم بفسقه ام یکون مرخصا فیه وهل کان یرید قتل الحسین ام کان قصده الدفع وهل یسوغ الترحم علیه ام السکوت عنه افضل فاجاب لا یجوز لعن المسلم أصلا ومن لعن المسلم فهو الملعون وقد قال علیه الصلوٰة والسلام المسلم لیس بلعان وکیف یجوز لعن المسلم وقد ورد النهی عن ذلك وحرمة المسلم اعظم من حرمة الکعبة بنص من النبی صلی الله علیه وسلم ویزید صح اسلامه وما صح قتله للحسین رضی الله عنه ولا امره ولا رضاه بذلك ومهما لم یصح ذلك عنه لم یجز ان یظن ذلك به فان اساءة الظن ایضا بالمسلم حرام قال الله تعالیٰ یا ایها الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم الآیة الی قوله واما الترحم علیه فجائز بل مستحب بل داخل فی قولنا اللهم اغفر للمؤمنین والمؤمنات فانه کان مؤمنا اھ

(حیوٰة الحیوان: ج ۱ ص ۱۹۶)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ: ۸: ۱۰: ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

مکرمی جناب نائب مفتی صاحب زید مجدکم : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
لعنت بر یزید کے متعلق ایک فتویٰ سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ آپ یزید کے متعلق ترحم کے قائل ہیں
اس کی وضاحت مطلوب ہے۔ بندہ محمد صدیق عفرلہٗ ناظم خیر المدارس ملتان

الجواب اصل سوال تو لعنت کرنے کے متعلق تھا اور اس کے متعلق ہمارے اسلاف واکابر کا جو مسلک ہے وہ فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے صراحۃً تحریر کر دیا گیا ہے۔ آخر میں موضوع سے متعلق " حیوٰۃ الحیوان " سے ایک طویل اقتباس نقل کیا گیا ہے۔ جس میں امام غزالیؒ کا لعن یزید سے متعلق مشہور فتویٰ تفصیل سے مذکور ہے۔ ہمیں اس فتوے کا جو جزء مقصود تھا وہ وہی ہے جو لعن یزید سے متعلق ہے۔

باقی رہا ترحم کا جواز یا استحباب تو یہ امام غزالیؒ کا اپنا مسلک ہے جیسے کہ عربی عبارت میں تصریح ہے۔ ہم نہ استقلالاً کرتے ہیں نہ ترغیب دیتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔
محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اُمِّ یزید کی عیسائیت کی طرف نسبت غلط ہے

۱ : حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ میسون بنت بحدل کے بارے میں بعض مستشرقین ہٹی اور نکلسن وغیرہ نے لکھا ہے کہ آپ عیسائی قبیلہ سے تھیں ؛

۲ : یزید انہیں سے پیدا ہوا۔

۳ : اسی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت میسون کو طلاق دے دی تھی۔

(ہسٹری آف دی عرب ص۱۹۵ : ولٹریری ہسٹری آف دی عرب ص۱۹۶ ؛ بنات الصلیب)"

کیا مذکورہ قسم کے بیانات درست ہیں اور ایسی روایات صحیح ہیں یا الزام تراشی ہے۔ اسلامی تاریخی کتب سے بحوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب ۱ : مستشرقین اور صاحب بنات الصلیب کا حضرت میسون کو عیسائی قبیلہ سے قرار دینا تحریف اور سوچی سمجھی سازش ہے۔ آپ ہرگز عیسائی قبیلہ سے نہ تھیں بلکہ آپ عرب کے مشہور قبیلہ بنو کلب کے سردار بحدل بن انیف ..... بن جناب الکلبی کی صاحبزادی تھیں۔ اللہ نے آپ کو حسن وجمال، عقل و دانش اور اعلیٰ درجہ کی دینداری عطا کی تھی۔ (البدایہ والنہایہ : ج ۸ : ص ۱۴۵)

۲ : یزید آپ ہی سے پیدا ہوا تھا۔ (طبری : ج ۴ : ص ۲۴۳)

۳ : حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو گھریلو رنجش کی وجہ سے طلاق دی تھی۔ (طبری : ج ۴ ص ۲۴۳)

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان

حدیثِ قرطاس، وقصہ باغ فدک

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ (۱) جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس وقت حضرت علیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ہمیں کوئی وصیت فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قلم و دوات لاؤ جب علی کاغذ اور قلم لے کر آنے لگے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ نے حضرت علیؓ کو روک دیا کہ کاغذ اور قلم نہ لاؤ۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت غشی طاری تھی تو حضرت صدیق اور حضرت عمرؓ کے کہنے پر کاغذ اور قلم نہ لائے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، وصال کے بعد دونوں حضرات اور حضرت عثمان غنی خلافت کے بارہ میں مشغول ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک کے پاس اہل بیت اور حضرت علیؓ بیٹھے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش مبارک تین دن تک پڑی رہی، اور یہ حضرات اپنی خلافت کے مشورے کرتے رہے اور تیسرے دن کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا۔

۲۔ جب حضرت صدیق خلیفہ مقرر ہو گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی کو لیکر حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ صدیق اکبر آپ ہمیں باغِ فدک دے دیں تو حضرت صدیق اکبر نے انکار کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں مسافروں کے لئے اور اصحابِ صفہ کے لئے وقف کر دیا تھا اس لئے میں یہ باغ نہیں دے سکتا۔ تو حضرت فاطمہ رنجیدہ ہو کر واپس آگئیں اور بی بی فاطمہ نے کہا کہ اگر میں کہیں فوت ہو جاؤں تو حضرت صدیق اکبر میرے جنازہ کے قریب نہ آئیں اسی حالت میں حضرت فاطمہ کا انتقال ہو گیا اور حضرت ابوبکر صدیق کو جنازہ میں شامل نہ ہونے دیا گیا۔

الجواب: روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں وفات سے چار روز قبل اپنے پاس موجود حضرات سے یہ کہا کہ کاغذ لاؤ میں ایک تحریر لکھ کر دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری کی تکلیف زیادہ ہے۔ لہذا آپ کو زحمت نہ دینا چاہیئے ضروری احکام کے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے بعض لوگوں نے کہا لکھوا لینا چاہیئے۔ اسی میں بلند آوازی ہوئی تو آنحضرت علیہ السلام نے ان سب کو اپنے پاس سے اُٹھ جانے کا حکم دیا اس کے بعد چار روز تک دنیا میں تشریف فرما رہے پھر خالق حقیقی سے جا ملے، قصہ تو صرف اس قدر ہے، اگر نگاہوں پر بغض و تعصب کی عینک چڑھی ہو تو واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا محض آپ کی محبت اور رحم کی خاطر کیا، یہ بات تو حضرت عمرؓ کے مناقب و فضائل میں شمار کرنے کے قابل ہے نہ کہ

اس کو باعثِ اعتراض بنانے کے۔ اتنا تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے یا تو اس کا تعلق دین کی انہی باتوں سے ہوگا جنہیں آپ پہلے بار بار ارشاد فرما چکے ہوں گے اور انہیں کی طرف اب خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتے ہوں گے اور اگر یہ کوئی نئی بات تھی جس کو آپ نے اب تک بیان نہیں فرمایا تھا، اور امت کی ہدایت کا دارومدار اسی بات پر تھا تو پھر دین کے مکمل ہونے کا کوئی معنیٰ نہیں رہ جاتے اگر اتنی اہم بات باقی رہ گئی تھی تو پھر معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیئیس سال تک کیا بیان فرماتے رہے ؟ اور قرآن حکیم کس بات کی رہنمائی کے لئے نازل ہوا جبکہ اصل ہدایت کی بات آپ نے اب بتائی تھی، اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ کوئی نئی بات بتانا چاہتے تھے جو اب تک آپؐ نے ارشاد نہیں فرمائی تھی تو پھر آپ کا لکھوانے سے رکنا اپنی مرضی اور منشار الٰہی کے مطابق تھا، اگر یہ بات نہ تھی تو آپ اس واقعہ کے چار روز بعد تک دنیائے فانی میں رہے آپ پھر کسی وقت لکھوا دیتے یا اسی وقت قطعی حکم دے دیتے کہ نہیں ضرور لکھو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کو اللہ کی طرف سے کسی بات کے لکھوانے کا حکم ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کے کہنے پر لکھوانے سے رک جائیں، جسے پیغام حق پہنچانے سے عرب کی کوئی طاقت نہ روک سکی جس نے پتھر کھا کے اللہ کا حکم سنایا وہ صرف حضرت عمر کے کہنے پر اللہ کا حکم پہنچانے سے رک جائے اسے عقل ہرگز تسلیم نہیں کرتی پھر تو نبی کی نبوت پر ہی سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ شیعہ تو لوگوں کے ڈر سے حق بات کہنے سے تقیہ کر سکتے ہیں ابنیا کی شان اس کے منافی ہے۔

۲۔ اصل میں باغِ فدک مالِ فیئ تھا جو کہ حاجتمندوں کے لئے مخصوص تھا صحیح واقعہ جو کتبِ حدیث و تاریخ کی معتبر کتابوں میں منقول ہے اس طرح ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے باغِ فدک کا مطالبہ بطورِ میراث کیا تو حضرت ابوبکر نے ان کو ایک حدیث سنائی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی اور پھر فرمایا خدا کی قسم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مجھے اپنی قرابت سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ مگر اس واقعہ میراث میں حق وہی ہے جو میں نے عرض کیا اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یہ روایت بخاری و مسند احمد میں موجود ہے۔ روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے ایسی نرمی اور ملاطفت سے جواب دیا کہ اس وقت حضرت فاطمہؓ راضی ہو کر اٹھیں،

(ازالۃ الخفاء ص $\frac{۲۹}{۲}$ ج)

اہلِ تشیع کی معتبر کتب اصول کافی احتجاج طبرسی، مراۃ العقول وغیرہ میں امام جعفر سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال پیش کر کے عرض کی کہ سیدہ یہ مال میرا ہے اس میں آپ جس طرح چاہیں تصرف کر سکتی ہیں لیکن مالِ فیئ کے بارے میں آپ کے والد ماجد کا ارشادِ گرامی یہ ہے جو میں نے عرض کیا۔ حقیقت فقط اتنی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہ کو راضی کر لیا تھا یہ انکی کمال نیازمندی تھی۔

(مدارج النبوۃ کتاب الوفاء بیہقی اور شرح مشکوٰۃ) میں اس کی تصریح ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جنازہ میں شرکت سے روکنا محض شیعی افسانہ ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں اس کو کذب و افتراء لکھا ہے۔ البتہ جنازہ کی امامت کے بارے میں مختلف روایات ہیں ابن سعد اور فصل الخطاب وغیرہ میں ہے کہ جنازہ بھی حضرت صدیق اکبرؓ نے پڑھایا تھا۔ (ھدیۃ الشیعہ ص ۹۱) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، عبدالستار   محمد انور نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹ ربیع الاوّل کو ہوئی ہے۔

اکثر کتب تاریخ تواریخ و تذکرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی و ابی و امی) کی تاریخ پیدائش ۹ ربیع الاوّل اور وفات ۱۲ ربیع الاوّل کو لکھی ہے۔ ایک تاریخ کے سکالر نے لکھا ہے کہ جدید و قدیم محققین اس پر متفق ہیں کہ حضور کی پیدائش ۹ ربیع الاوّل کو اور وفات ۱۲ ربیع الاوّل کو ہوئی۔ تصدیق اس بیان کی فرما کر ممنون فرماویں۔

الجواب: اکثر علمائے محققین کی رائے یہی ہے کہ ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول کو ہوئی اور وفات شریف ۱۲ کو ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم۔

۲۴ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ ، محمد عظیم الدین عفی عنہ خطیب جامع مسجد الصادق بہاولپور

الجواب: آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت تحقیق و تاریخ کے اعتبار سے بروز شنبہ مسلم و محقق ہے اس کے ساتھ ہی ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بھی اسی لحاظ سے متقدمین حضرات نے بھی دو شنبہ ۹ ربیع الاول ہی لکھا ہے اس لئے محققین مؤرخین و متقدمین کے نزدیک تاریخ پیدائش حضور ۹ ربیع الاوّل ہی ہوتی ہے۔ البتہ وفات بلا اختلاف ۱۲ ربیع الاوّل ہی کو ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

رشید احمد عفی اللہ عنہ نائب خطیب جامع مسجد الصادق۔ بہاولپور

الجواب: قدیم تاریخی کتب جو تاریخ میں ماخذ و سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں آنحضرت علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کے بارے میں دو قول زیادہ مشہور ہیں۔ ۱۲ ربیع الاوّل یا ۸ ربیع الاوّل، ان دونوں میں سے ۸ ربیع الاوّل کا قول زیادہ صحیح ہے۔

وقیل لثمان خلون منہ حکاہ الحمیدی عن ابن حزم و رواہ مالک وعقیل و یونس بن یزید وغیرھم عن الزھری عن محمد بن جبیر بن مطعم ونقل ابن عبدالبر عن اصحاب التاریخ انھم صححوہ و قطع بہ الحافظ الکبیر محمد بن موسیٰ

الخوارزمی و اصحبه الحافظ ابوالخطاب بن دحیۃ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۶۲ ج ۲)

سیرۃ المصطفیٰ صفحہ ۵۵ ج ۱ میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں :

جمہور محدثین اور مؤرخین کے نزدیک راجح و مختار قول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ۹ ربیع الاول کو پیدا ہوئے ۔ علامہ قطب الدین قسطلانی نے اسی کو اختیار کیا ہے ۔ (بحوالہ زرقانی صفحہ ۱۳۲ ج ۱)

سیرۃ محمدیہ میں منقول ہے کہ یہی قول صحیح ہے اور اس پر اہل تاریخ کا اجماع ہے ، وحکی القصانی فی عیون المعارف اجماع اھل التاریخ اھ (باب ذکر مولدہ علیہ السلام)

مگر فلکیات کے مشہور مصری عالم اور محقق محمود پاشا کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کی ولادت شریفہ ۹ ربیع الاول کو واقعہ فیل کے پہلے سال ہوئی جو کہ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق ہے تاریخ دول العرب والاسلام میں محمد طلعت بک عرب نے بھی ۹ کو صحیح لکھا ہے ۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے "رحمۃ للعالمین" صفحہ ۴۲ ج ۱ میں بھی غالباً انہی کی اتباع میں ۹ کو نقل کیا ہے ، عصر حاضر کے جدید محقق محمد فرید وجدی نے ۹ کا قول نقل کیا ہے ۔

(دائرہ معارف القرن العشرین صفحہ ۵۵ ج ۱) خلاصہ یہ کہ تاریخی کتب کے لحاظ سے تو ۹ ربیع الاول کی تاریخ ہی راجح ہے ۔ فقط ، واللہ اعلم   محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفی اللہ عنہ ، نائب مفتی خیر المدارس ، ملتان   ۲/۴/۱۴۰۱ھ
مفتی خیر المدارس ، ملتان

مشاجرات صحابہ میں کسی بھی فریق کو "غلطی محض" پر سمجھنا محض غلطی ہے ۔

کیا جنگ صفین میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ خطا پر تھے ، یہ اجتہادی خطا تھی یا محض غلطی تھی ، جیسے کہ مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت میں لکھا ہے ، مدلل طور پر تحریر کریں ۔

۲۔ حضرت معاویہؓ کا یزید کو جانشین بنانا شرعاً درست تھا یا کہ نہیں ؟ طبرانی میں ہے کہ یزید شرابی و لہو و لعب کا شائق تھا ، حضرت امیر معاویہؓ نے ایسے کو جانشین کیوں مقرر کیا ؟

۳۔ جاہلیت ، جہالت ، تنقید ، تنقیص ، تکذیب کا فرق وضاحت سے ارشاد فرمادیں تاکہ ان میں فرق نمایاں ہو جائے کیا جماعت اسلامی میں داخل ہونا شرعاً درست ہے یا کہ نہیں ، اگر درست نہیں تو کیوں ؟

الجواب : مشاجرات و نزاعات صحابہؓ کے بارے میں لوگوں میں یہ بحثیں شروع ہو گئی ہیں کہ فریقین میں سے حق پر کون تھا اور غلطی پر کون تھا ، ظاہر ہے کہ اس عظیم ترین کام کا فیصلہ کرنا سہل کام نہیں اس سلسلے میں حقیقت تک رسائی اس کے اسباب کی پیشگی فراہمی کی متقاضی ہے ، مثلاً

۱۔ ان مشاجرات سے متعلقہ تمام معلوماتی مواد کی فراہمی ۲۔ اس مواد میں سے مستند اور قابل عمل کا پیش نظر رہنا
۳۔ وجہ منازعات اور ہر فریق کے دعویٰ کی مکمل تنقیح ۴۔ متعلقہ آیات ونصوص اور قواعد شرعیہ کا استحضار
۵۔ اجتہاد کا ملکۂ راسخہ ۶۔ سب سے آخری اور کڑی شرط فیصل کی عدالت وغیر جانبداری ہے اسکی اہمیت میں اس وجہ سے مزید اضافہ ہوجاتا ہے کہ یہ شرط پہلی سب شرطوں پر اثر انداز ہوسکتی ہے اگر کسی مرحلہ پر فیصل کی غیر جانبداری متزلزل ہوگئی تو فیصلہ کی صحت مشکوک ومشتبہ ہوجائے گی۔ الحاصل :۔ اس فیصلہ کے لئے کمالِ علم اور کمالِ دیانت وتقویٰ دونوں امر ضروری ہیں۔ صرف تاریخ دانی کافی نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہر عالم میں ان امور کا اجتماع اگر متعذر نہیں تو مشکل ضرور ہے پس اس سلسلہ میں لوگوں کی آراء کا مختلف ہوجانا ایک بدیہی امر تھا تاریخ شاہد ہے کہ جذبات سے مغلوب ہوکر خام عقلوں نے اس سلسلہ میں طرح طرح کی بولیاں بولی ہیں۔ ایک گروہ نے حضرت صحابہ کرام کے دونوں فریقوں کو موردِ الزام ٹھہرایا ہے بلکہ انکی تذلیل وتفسیق سے بھی ترقی کرکے تکفیر تک نوبت پہنچائی ہے۔ العیاذ باللہ من ذالک۔ اور ایک فرقہ نے حضرت علیؓ کو حق پر مانا اور حضرت امیر معاویہ، زبیر، طلحہ رضی اللہ عنہم اوران کے ساتھیوں کو باطل پر جانا اور جی بھر کر ان کو کوسا، اور ان کے افعال میں کیڑے نکالنے کے لئے اپنی بہترین صلاحیتوں کو ضائع کیا۔ جیسا کہ شیعہ وروافض کرتے ہیں اور ایک فریق نے اپنے جذبات کی تسکین کے لئے منازعات سے متعلقہ روایات کا سرے سے انکار کر دیا کہ درحقیقت جمل اور صفین نام کی جنگیں مسلمانوں میں لڑی ہی نہیں گئیں۔ ان اہل ہویٰ واہل زیغ کے مقابلہ میں اہل سنّت والجماعت کا متوازن اور معتدل موقف یہ ہے کہ فریقین کا اختلاف حق وباطل کا اختلاف نہیں بلکہ خطاء وصواب کا اختلاف تھا جیسا اختلاف مسائل مذہبیہ میں ائمہ مجتہدین کے درمیان پایا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے ہر دو فریق نیک نیت تھے۔ اور صدقِ دل سے اتباع قرآن پاک وارشاداتِ نبویہ فرمانا چاہتے تھے لیکن اس وقت میں منشاء خداوندی کیا ہے اسکی تعیین میں آراء کا اختلاف تھا حضرت زبیر وطلحہ وامیر معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا موقف یہ تھا کہ سیدنا امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے فوراً قصاص لینا ضروری ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مظلوم کی اعانت اور ظالم کو سزا دینا فرض ہے اور جن لوگوں نے حدود کو توڑا وہ یسعون فی الارض فساداً کے مصداق ہیں اوران پر ان یقتلوا کے تحت حد جاری کرنا ضروری ہے اور حضرت علیؓ بعض مصالح کی بنیاد پر اس میں تاخیر کر رہے تھے یا بعض وجوہ سے نفسِ قصاص میں متردد تھے۔ علمی زبان میں ایسے اختلاف کو اجتہادی اختلاف کہتے ہیں۔ اوران میں سے ہر فریق کی غلطی کو خطاءِ اجتہادی سے تعبیر کرتے ہیں اس تفصیل کے بعد اب ہم ذیل میں چند حوالہ جات تحریر کرتے ہیں جن سے مسلک اہلِ سنت والجماعت کی وضاحت ہوجانے گی کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کی خطاء اجتہادی تھی معاذ اللہ کسی بدنیتی پر مبنی نہ تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے قبل عقائد کی مشہور کتاب شرح العقائد کی تصریح ملاحظہ ہو:

۱۔ ما وقع من المخالفات والمحاربات من عائشہؓ وطلحہؓ وزبیرؓ ثم من معاویۃ لم یکن نزاع فی خلافتہ بل کان المحاربون لا یسلمون خلافتہ عن الخطاء فی الاجتہاد من معاویۃ اھ (شرح العقائد النسفی)

۲۔ علامہ عبد العزیز صاحب اس تعریف کے متعلق فرماتے ہیں :

قال اھل السنۃ کان الحق مع علی وان من حاربہ مخطیٌ فی الاجتہاد فھو معذور وان کلاً من الفریقین صالحٌ عادل ولا یجوز الطعن فی احد منہ الی ان قال ھذا ھو الحق وماذا بعد الحق الا الضلال (منۃ نبراس)

۳۔ شیخ ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شارح مسلم فرماتے ہیں :

واما حروب التی جرت فکانت لکل طائفۃ شبھۃ اعتقدت تصویب انفسھا بسببھا وکلھم عدول متأولون فی حروبھم وغیرھا ولم یُخرج شئٌ من ذلک احداً منھم من العدالۃ لانھم مجتھدون اختلفوا فی مسائل من محل الاجتہاد کما یختلف المجتھدون بعدھم فی مسائل من الدماء وغیرھا واعلم ان سبب تلک الحروب ان القضایا کانت مشتبھۃ فلشدۃ اشتباھھا اختلف اجتہادھم وصاروا ثلثۃ اقسام قسم ظھر لھم بالاجتہاد ان الحق فی ھذا الطرف وان مخالفہ باغ وقسم عکس ھؤلاء ظھر لھم بالاجتہاد ان الحق فی الطرف الاخر وقسم ثالث اشتبھت علیھم القضیۃ وتحیروا فیھا ولم یظھر لھم ترجیح احد الطرفین (نووی ص۲۷۲ ج۲)

۴۔ حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

فیما دار بینھم علی ان کلاً من الطائفتین کان مجتھداً ویری ان الصواب معہ کذا فی الفتح الباری علی البخاری۔

۵۔ ثم ان الدماء التی جرت بین الصحابۃ لیست بداخلۃ فی ھذا الوعید اذ کانوا مجتھدین فیھا وکان اعتقاد کل طائفۃ انہ علی الحق وخصمہ علی خلافہ لکن علیؓ کان مصیباً فی اجتہادہ وخصومہ کانوا علی خطأٍ ومع ذلک کانوا ماجورین فیہ اجراً واحداً رضی اللہ عنھم

۶۔ اشکال کی تقریر کرتے ہوئے علامہ کرمانیؒ لکھتے ہیں :

ان قلتم علی و معاویة کلا هما کانا مجتهدین غایة ما فی الباب ان معاویة کان یخطی فی اجتهادہ و لہ اجر واحد و قد کان لعلی اجران ــــــ یہ اور اس قسم کی بیسیوں تصریحات اہل سُنت کی کتابوں میں موجود ہیں کہ حضرت امیر معاویہ، حضرت عائشہؓ زبیر اور طلحہ کی خطاء اجتہادی تھی اور وہ اس سلسلہ میں معذور ہیں اور قابل ملامت نہیں ہیں عقائد کی تقریباً تمام کتابوں میں بطور عقیدہ اہل سُنت و الجماعت کی تصریحات موجود ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے اس متفقہ مسلک کی وضاحت کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں خود علیؓ کی قیمتی رائے سے استفادہ کیا جائے کہ وہ اپنے مقابل فریق کے بارے میں کیا گمان رکھتے تھے۔ ان کے موقف کو بھی کسی دلیل پر مبنی مانتے تھے یا اسے محض غلطی قرار دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس کے بارے میں خود حضرت علی کی شہادت سے بڑھ کر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے جنہوں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور لطف یہ ہے کہ اپنے بارے میں نہیں بلکہ اس فریق کے بارے میں بیان دے رہے ہیں جو انکا مدمقابل ہے۔ ثقہ راوی کے ایسے بیان کی صحت میں آخر کیا شبہ کیا جا سکتا ہے حضرت علیؓ لشکر سمیت بصرہ کے قریب پہنچنے والے تھے اسی دوران میں آپ کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص اعور بن نیار نامی اور آپ کے مابین ایک مکالمہ ہوا جس میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم فریق ثانی پر حملہ نہیں کریں گے جب تک وہ حملہ نہ کریں اس نے پوچھا اگر وہ حملہ کریں تو پھر؟ فرمایا کہ ہم مدافعت کریں گے، عرض کیا کہ ان کے پاس بھی اس مقابلہ میں ایسی دلیل موجود ہے جیسا کہ ہمارے پاس؛ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! ابو السلام ولانی نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ کیا ان لوگوں کے پاس دلیل وحجت ہے؛ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہاں؛ حضرت علی کی ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ وہ بھی حضرت عائشہؓ زبیر وغیرہ کا موقف دلیل پر مبنی مانتے تھے اور ان کی دعوت کو کسی طمع نفسانی یا غرض فاحش سے ناشی نہیں سمجھتے تھے یہی حقیقت ہے خطاء اجتہادی کی، گویا کہ حضرت علیؓ بھی ان حضرات کی غلطی کو محض غلطی قرار نہیں دیتے تھے جیسا کہ اہل رفض وتشیع کا مسلک ہے بلکہ ان کے موقف کو مبنی بر دلیل یقین کرتے تھے جیسا کہ اہل سُنت والجماعت اس کے قائل ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ وطلحہؓ کی معیت میں شہید ہونے والوں کو بھی ویسا ہی جنتی قرار دیتے ہیں جیسا کہ اپنے ہمراہیوں کو ابو السلام ولانی نے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ ہم دونوں فریق کل باہم اُلجھ گئے اور جنگ کی نوبت آئی تو ہمارا کیا حال ہوگا، اور ان کی کیا حیثیت ہوگی؟ ارشاد فرمایا کہ ہم میں سے یا ان میں سے جو شخص اخلاص کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے فوت ہوگا وہ جنتی ہوگا انتہی بحاصلہ من البدایة والنہایہ صفحہ ۲۳۸) مسلک اہل سنت والجماعت کی اس تفصیل اور حضرت علیؓ کی اس تصدیق کے بعد اصولی طور پر اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس متفقہ

فیصلہ کی تردید کے لئے کیا کسی بھی ایک شخص کی رائے کو کوئی وقعت دی جاسکتی ہے یا نہیں ؟ یا اکابرین اہل سنت والجماعت کے مقابلہ میں تیرہویں یا چودھویں صدی میں جنم لینے والے کسی متجدد کی افسانہ نگاری کو عقائد کا درجہ ومقام دیا جاسکتا ہے ؟ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کی کتابوں کے اندر جو تصریحات پائی جاتی ہیں ملکی عدالتوں کے اعتبار سے ان کو ہائی کورٹ کے فیصلہ کی حیثیت حاصل ہے جس طرح ہائی کورٹ کے فیصلہ کو ماتحت عدالتوں میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا ہے اسی طرح اس فیصلہ کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا ، اگر کوئی قانون دان یا جج اپنے طور پر لب کشائی کرے تو اس سے ہائی کورٹ کے فیصلہ کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور نہ ہی اسکی یکطرفہ رائے کو اہمیت دی جاسکتی ہے البتہ یہ الگ بات ہے کہ کچھ لوگ اسکی کورانہ تقلید میں مبتلا ہوجائیں آخر وہ کونسی نامعقول بات ہے جسے تسلیم کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ حیوان لا یعقل نہ ہوں گے ۔ —— اجتہادی غلطی یا محض غلطی —— ؟ اجتہاد کی حقیقت کو ہم نے سطور بالا میں واضح کر دیا ہے ، ہم چاہتے ہیں کہ محض غلطی کی جدید اصطلاح کی بھی وضاحت کردی جائے ۔ جب یہ لفظ اجتہادی غلطی کے مقابلہ میں بولا جائے گا تو اس کے معنی ایسے غلط فعل کے ہوں گے جسے کرنے والے نے بدوں کسی دلیل شرعی کے غرضِ نفسانی کی تکمیل کے لئے سرانجام دیا ہو ، کیونکہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں خطاء اجتہادی میں مخطی کی نیت درست ہوتی ہے اور ایسے موقف کو دلیل شرعی پر مبنی کرتے ہیں تو اس کے مقابلہ میں محض غلطی کا یہی معنیٰ ہوسکتا ہے کہ ایسا شخص نیک نیت نہیں نیز کسی دلیلِ شرعی کی بنا پر نہیں بلکہ محض غرضِ نفسانی مثلاً حصول اقتدار کی بنا پر ایک ناجائز کام کا ارتکاب کر رہا ہے ، زیر بحث مسئلہ میں اگر اس کا انطباق کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ العیاذ باللہ حضرت عائشہؓ حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت معاویہؓ نے محض ذاتی عداوت یا ملکی اقتدار کے لئے حضرت علیؓ سے جنگ کی اور نہ صرف یہ بلکہ جمہور مسلمین کو دھوکہ دینے کے لئے خونِ عثمان کا ڈھونگ رچایا اور لوگوں کے جذبات کو بھڑکا کر ایک لشکر تیار کیا ، یہ جنگ بالآخر اس تصادم پر منتج ہوئی جسے تاریخ میں جنگ جمل ، جنگ صفین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔

اس اقتدار کی جنگ میں دس ہزار سے زیادہ جانیں کام آئیں سوچئے اگر یہ موقف درست مان لیا جائے کہ یہ محاربات خطاءِ اجتہادی پر مبنی نہیں تھے بلکہ یہ انتہائی خونی ڈرامہ حصولِ اقتدار کے لئے کھیلا گیا تھا تو بتلایئے کہ العیاذ باللہ ایسا کرنے والوں سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا ؟ خطاءِ اجتہادی کا انکار کرتے ہوئے ان محاربات کو "محض غلطی" قرار دینا کیا یہ تسلیم کرلینا نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ ، حضرت زبیرؓ وغیرہ کے بارے

میں اہلِ تشیع اور روافض کا موقف بالکل ٹھیک ہے اور اہلِ سُنت والجماعت غلطی پر ہیں ان حضرات کے حق میں جاہلِ تشیع تفضیل و تفسیق و سب و شتم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ ان کو یہ کہنا چاہیئے اور اس سے آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ متجددین کا یہ محض غلطی کا موقف ہرگز ہرگز کوئی جدید تحقیق نہیں۔ بلکہ بعینہٖ رافضیوں کا مذہب ہے جسے ماڈرن الفاظ میں پیش کیا جا رہا ہے اور اہلِ سنت والجماعت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ صرف الفاظ کے ہیر پھیر کی وجہ سے اس کو جدید تحقیق قرار دینا جہالت ہے ——— الحاصل اہلِ سُنت والجماعت کا مذہب یہی ہے کہ حضرات صحابہؓ کی غلطی اجتہادی تھی اور سب نیک نیت تھے۔ اس کے مقابلے میں محض غلطی کا موقف رافضیوں کا مذہب ہے جس میں حضراتِ صحابہ پر حملہ کیا جاتا ہے اور ان کو صحابیت کے بلند ترین مقام اور عدالت سے گرا کر ظالم فاسق و مجرمین میں شمار کیا جاتا ہے العیاذ باللہ،

۲۔ اگر حضرت معاویہؓ نے یزید کو اہل سمجھتے ہوئے بغرض مصلحت نامزد فرمایا تھا تو شرعاً گنجائش تھی جیسے کہ ابوبکر ابن عربی نے اپنی کتاب میں مفصل تحقیق کی ہے۔ طبری کی روایت قابلِ استناد نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ درست بھی ہو تو ضروری نہیں کہ نامزدگی کے وقت یزید ایسا ہی ہو۔ ممکن ہے کہ یہ حالت زمانۂ سلطنت میں ہو گئی ہو جیسے بہت سے لوگ پہلے اچھے ہوتے ہیں بعد میں خراب ہو جاتے ہیں۔

۳۔ جاھلیت :۔ وہ طریقہ زندگی ہے جو بعثت نبویؐ سے قبل رائج تھا۔ جہالت علم کا مقابل ہے علم کا معنیٰ دانستن ہے اور جہالت کا معنیٰ نادانستن ہے۔ تنقیص کسی کے مسلّمہ مقام کو گھٹانا، تکذیب کسی کو اس دعویٰ میں جھوٹا قرار دینا تنقید کسی چیز کو پرکھنا مگر آج کل تنقید کے نام سے طعن و سب اور تنقیص کی گرم بازاری ہے بہت سے لوگ اپنی ناقص معلومات اور ناکافی استعداد اور غلط اعتقادات اور کم نظری کی بناء پر تنقید کے نام سے لوگوں میں گمراہی پھیلا رہے ہیں حالانکہ وہ تنقید کے اہل نہیں، اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیں، جماعت اسلامی میں ہرگز ہرگز شامل نہ ہوں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، محمد عبداللہ ۱۳۸۹/۱۱/۱ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

ملتان کے شاہ شمس شیعہ فرقہ کے مبلّغ تھے

ملتان کے مزارات میں ایک مزار شاہ شمس کا بھی ہے کچھ لوگ ان کو بھی بڑا بزرگ سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شیعہ تھے اسکی صحیح حقیقت سے واضح فرمائیں۔

ایم۔ایم جعفر نواں شہر (ملتان)

الجواب سید شمس الدین مذکور ایران کے علاقہ سبزوار میں پیدا ہوئے اس لیے سبزواری کہلاتے ہیں۔ ان کا تعلق اہلِ تشیع کے فرقہ نزاریہ سے تھا اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ حاضر امام خدا کا مظہر ہوتا ہے۔

شمس الدین صاحب مذکور کی اپنی تصنیف کردہ کتاب "گنان برہم پرکاش" میں ہے۔

"اس کلجگ میں خداوند عالم کا مظہر ظہور انسانی جسم میں ہے

اور وہ ساری روحوں کا شہنشاہ ہے یعنی حاضر امام"

ان کے نزدیک حاضر امام سب کچھ ہے۔ نیز یہ لوگ اپنی عبادت گاہ کو جماعت خانہ کہتے ہیں ان کا کلمہ یہ ہے۔

"اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ واشھد ان علیا اللہ"

اس فرقے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو مصلحت کے تحت کبھی سنّی ظاہر کرتے ہیں اور کبھی شیعہ۔ کبھی کسی صوفی سلسلہ سے وابستگی ظاہر کرتے ہیں۔ شمس الدین صاحب مذکور کو بھی نزاری سلسلہ کے امام قاسم شاہ نے پیر کا لقب دیکر ایران سے باہر تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ یہاں پہنچ کر جب انھوں نے علاقہ پنجاب کی پیر پرستی کو دیکھا تو انھوں نے بھی اپنے آپ کو پیر کے بہروپ میں ظاہر کیا۔ اور در پردہ اپنے کفریہ عقائد کی تبلیغ کرتے رہے۔ جاہل عوام آج تک ان کو پیر بزرگ سمجھ کر ان کے معتقد چلے آرہے ہیں فقط واللہ اعلم

محمد انور۔

۱۳۹۴ھ

ما یتعلق
بالسنة والبدعة

مروجہ شبینے قابلِ ترک ہیں کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ اگر شبینہ شرائط کی پابندی کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ نماز باجماعت اور تلاوتِ قرآن مجید اور یہ اجتماع جائز ہوگا یا نہیں ؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ روزہ اور قرآن مجید دونوں میت کے لئے شفاعت کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کی شفاعت قبول بھی کی جاتی ہے۔
رمضان شریف کے مبارک مواقع پر شبینوں کا انعقاد، حفاظ اور قراء حضرات کے لئے قرآن کریم کو یاد رکھنے کا ایک بہترین موقع ہے۔
اور مروجہ شبینوں میں کئی خرافات ہوتی ہیں۔ اور اگر عوام پر حتی الوسع کوشش کریں تو ہو سکتا ہے کہ وہ شرائط کے پابند ہو جائیں۔ وہ شرائط یہ ہیں۔
قرآن کریم شبینہ میں تراویح کے اندر سنائیں۔ اور جب نماز میں قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو اس کے لئے سامع کا انتظام کیا جائے۔ تاکہ پڑھنے والا بھولے تو پریشان نہ ہو۔ اور شبینوں میں اکثر سامعین سو جاتے ہیں جو مسجد کے تقدس کے منافی ہے اور قرآن مجید کو خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ سنا جائے۔

الجواب شرائطِ مذکورہ کے ساتھ ان شرائط کا بھی لحاظ رکھا جائے۔
۱ ؛ ترتیل کو ترک نہ کیا جائے۔ ۲ ؛ نمود و ریا مقصود نہ ہو۔ ۳ ؛ ضرورت سے زیادہ روشنی کا تکلف نہ کریں۔
اگر مندرجہ بالا شرطوں کی رعایت کی جائے تو نفسِ مسئلہ کے لحاظ سے تو انعقاد کی اجازت ہے۔ گو ایک شرط پھر بھی رہ جاتی ہے "کہ امام کو تخفیفِ صلوٰۃ کا حکم ہے" اور یہ اس کے خلاف ہے۔ لیکن اگر سامعین اس کے خود شائق ہوں تو اس کی گنجائش ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ آج کل ان شرائط کی پابندی ہوتی نہیں۔ جیسے کہ خود سوال میں بھی اس کا اعتراف ہے۔ لہٰذا منع ہی اولیٰ ہے۔ کما من امداد الفتاویٰ ج ۱ ؛ ص ۳۰۰۔

فقط واللہ اعلم ؛ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴۰۳/۷/۹ھ

الجواب صحیح ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قرآن مجید قبر پر پڑھنے کا حکم قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کی جا سکتی ہے یا نہیں ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبر کے پاس بیٹھ کر میت کے لئے صرف دعائیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ سورۂ فاتحہ، واخلاص، تکاثر، ویٰسین وغیرہ یہ سورتیں دعا کی نیت سے پڑھی جا سکتی ہیں۔ تلاوت کے لئے نہیں پڑھی جا سکتیں۔

الجواب قبرستان میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ طحطاوی لکھتے ہیں۔

واخذ من ذلک جواز القرأۃ علی القبر والمسئلۃ ذات خلاف

قال الامام تکرہ لان اھلھا جیفۃ ولم یصح فیھا شئ عندہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال محمد تستحب لورود الاٰثار وھو المذھب المختار کما صرحوا بہ فی کتاب الاستحسان ۔ (مراقی ص ۳۴۱) ۔

حوالہ بالا سے جواز کی گنجائش نکلتی ہے لیکن بدعات سے احتراز کیا جائے۔ جیساکہ کرایہ دار قاریوں کو قبر پر تلاوت کے لیے بٹھلانا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ

قبروں پر آیاتِ قرآنیہ لکھی ہوئی چادر ڈالنا ہمارا کئی مرتبہ اتفاق ہوا ہے کہ شاہ رکن عالم وغیرہ کے مزار پر ایسی چادریں پڑی دیکھی ہیں کہ جس پر سورۂ اخلاص و دیگر قرآنی آیات لکھی ہوتی ہیں۔ آیا ایسی چادریں قبروں پر ڈالنی جائز ہیں یا کہ نہیں ؟

سائل ، محمد عمر فاروق گوجرانوالہ۔

الجواب یہ کتاب اللہ کی توہین ہے۔ قبر پر ایسی چادر ڈالنا ہرگز جائز نہیں۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ ایک ایسے ہی سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

ھو استھانۃ بالقراٰن لان ھذا الثوب انما یلقی تعظیما للمیّت و یصیر ھذا الثوب مستعملا متبذلا وابتذال کتاب اللہ من اسباب عذاب اللہ اھ (نفع المفتی ، ص ۵۸) ۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۸ / ۵ / ۱۴۰۲ ھ

آنحضرت علیہ السلام کے ذکر پر قیام کا حکم کیا فرماتے ہیں علمائے کرام دریں مسئلہ کہ آج کل رسم ہے کہ جب سیرتِ پاک کا جلسہ ہوتا ہے تو ساری تقریر اور مدح ونعت پر تو سارا مجمع بیٹھا ہوتا ہے صرف مقرر بعض مرتبہ کھڑا ہوتا ہے بعض مرتبہ بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر جب آخری وقت آتا ہے تو سب کھڑے ہو کر سلام پڑھتے ہیں۔ معلوم نہیں اس کی اصل کیا ہے۔ ؟

الجواب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون

من كراهيته لذلك رواه الترمذی و قال حديث حسن صحيح ۔ (مشکوٰۃ ج ۲، ص ۴۰۳)

اس حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ آنحضرت علیہ السلام اپنے لئے قیام کو پسند نہ کرتے تھے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان باوجود محبت کے آپ کے ناپسند کرنے کی وجہ سے آپ کی آمد پر کھڑے نہ ہوتے تھے۔ یہی حکم آپ کے ذکر کا ہونا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

بارش طلب کرنے کیلئے مزارات پر جانور ذبح کرنا

ہمارے علاقہ میں یہ رسم ہے کہ لوگ مزار پر کسی بیماری یا مقدمہ یا کسی اور تکلیف کے سلسلہ میں بکرا یا دنبہ وغیرہ ذبح کرتے ہیں۔ اور مقامی علماء سے سنا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ مگر پارٹی بازی کی وجہ سے ان کے قول کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔

ایک واقعہ ہے کہ زایا خان المعروف منگے خان نے استسقاء کے لئے قربانی سے بچت شدہ رقم سے ایک گائے کا بچہ لے کر بزرگ کے مقبرہ کے پاس ذبح کیا۔ میں نے جا کر کہا کہ یہاں کیوں کر ذبح کیا۔ انہوں نے جواباً کہا کہ زندوں کے لئے بہت سے صدقے کئے ہیں مگر اس دفعہ مُردوں کا آسرا لے کر آیا ہوں کہ بارش برسے۔ تو اب، مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

۱ ؛ کسی مقبرہ و مزار پر قربانی (بکرا یا دنبہ وغیرہ) جائز ہے یا نہیں؟

۲ ؛ اگر نہیں تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

۳ ؛ استسقاء کے موقع پر صدقہ کا بہتر طریقہ کیا ہے؟

الجواب یہ رسم کہ مزارات پر جا کر بکرے یا دنبے وغیرہ بغرض قضائے حاجات و رفع بیماری و استسقاء وغیرہ ذبح کرنا جائز نہیں بدعت ہے۔ قرنِ صحابہ و تابعین و ائمہ کرام ؒ میں اس کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اس سے احتراز لازم ہے۔ جانوروں کو ہدی کر کے حرم مکہ میں ذبح کرنا تو ثابت ہے۔ اور کسی مزار کے ساتھ ایسا سلسلہ کرنا جائز نہیں۔

۲ ؛ گوشت کا حکم، اگر اس جانور کے ذبح سے تقرب بزرگ مقصود ہے، تب تو یہ گوشت بھی حرام ہے اور کھانا ناجائز ہے۔ اور اگر تقرب مقصود نہ تھا اور اس جانور کو صاحبِ مزار کے لئے نامزد نہ کیا گیا تھا، بلکہ اللہ کے لئے ذبح کیا ہو، اور اس خیرات کا ثواب صاحبِ مزار کی روح کو پہنچایا ہو تب یہ گوشت حلال ہے۔

۳ ؛ استسقاء کے موقع پر بہتر صورت تصدق کی یہ ہے کہ جنگل میں نمازِ استسقاء کے لئے جانے سے پیشتر گھروں میں ہی اغنیاء لوگ فقراء میں خیراتیں دے کر جائیں۔ اس طرح جن لوگوں کے حقوق دبائے ہوئے

ہیں وہ ان کے حقوق ادا کر کے، پھٹے پرانے کپڑوں میں ذلت و مسکنت کے ساتھ سر نیچے کئے ہوئے جائیں۔
کما فی نور الایضاح ص۱۲۵ ویستحب الخروج له الی قوله قبل خروجهم فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

الجواب صحیح: خیر محمد عفی عنہ

نمازوں کے بعد اجتماعاً التزاماً درود پڑھنا بدعت ہے

بعد نماز کے اجتماعی ہیئت سے التزاماً درود شریف پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا صحابۂ کرام رض یا ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں مروج تھا یا نہیں؟

الجواب اس طرح سے درود شریف پڑھنا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا دیگر صحابۂ کرام رض یا تابعین عظام رح یا ائمہ اربعہ رح سے منقول نہیں ہے۔ علامہ ابن الحاج مالکی رح "کتاب المدخل" ج ۲ ص ۶۶ میں فرماتے ہیں۔

"الصلوٰة والتسليم على النبي صلى الله عليه وسلم لا يشك مسلم انها من اكبر العبادات واجلها وان كان ذكر الله تعالى والصلوٰة والسلام على النبي صلى الله عليه وسلم حسنا سرا وعلنا لكن ليس لنا ان نضع العبادات الا في مواضعها التي وضعها الشارع فيها ومضى عليها سلف الامة الاترى الى قول عبد الله بن عمر رض ان الله قد بعث الينا محمدا صلى الله عليه وسلم ولا نعلم شيئا وانما نفعل كما رأيناه يفعل اھ ج ۲: ص ۶۵

جلد ۲ صفحہ ۶۵ میں لکھتے ہیں۔

والصلوٰة والتسليم على النبي صلى الله عليه وسلم احدثوها في اربعة مواضع لم تكن تفعل فيها في عهد من مضى والخير كله في الاتباع لهم۔

خلاصہ یہ کہ اس طرح ہیئتِ اجتماعی سے، بعد نماز کے التزاماً درود شریف پڑھنا شرعاً ثابت نہیں۔ لہٰذا اس ہیئت اجتماعی کو ترک کر کے انفراداً جس قدر بھی درود شریف پڑھا جاسکے افضل عبادت ہے اور بہت ثواب ہے۔ ہاں جو بہ نیت ثواب ہیئتِ اجتماعی سے التزاماً پڑھا جاوے بدعت ہے۔

فقط واللہ اعلم؛

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان شہر

الجواب صحیح؛ عبدالشکور غفرلہٗ۔ ۱۴ ربیع الثانی ۶۸ ۱۳ھ

عید کے دن "مبارکباد" کہنا بدعت نہیں

سوال: کیا عید الفطر کے دن مبارکباد دینا کہیں ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: کوئی ضروری نہیں اور ضروری سمجھنا جائز بھی نہیں۔ اس عقیدے کے بغیر اگر کسی کو روزے مکمل کرنے کی مبارک باد دی جائے تو کوئی حرج بھی نہیں۔ شامی میں ہے۔

(قوله لا تنكر) خبر قوله والتهنئة وانما قال كذلك لانه لم يحفظ فيها شيئ عن ابي حنيفة واصحابه وذكر في القنية انه لم ينقل عن اصحابنا كراهة وعن مالك انه كرهها وعن الاوزاعي انها بدعة وقال المحقق ابن امير الحاج بل الاشبه انها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق آثارا باسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلك ثم قال والمتعامل في البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك عليك ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذلك في المشروعية والاستحباب لما بينهما من التلازم فان من قبلت طاعته في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركا على انه قد ورد الدعاء بالبركة في امور شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا ايضا اھ (شامی: ج ۱، صـ ـ)

فقط واللہ اعلم:

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ ۳۰، ۹، ۱۳۹۷ھ

نماز سے پہلے کسی مقصد کیلئے اجتماعی اذانیں

سوال: ایک بستی میں عشاء کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے روزانہ بلا ناغہ امام سمیت تمام نمازی جو اس وقت موجود ہوتے ہیں ایک صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور تمام اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر بیک وقت زور زور سے تین مرتبہ اذانیں کہتے ہیں۔ اور پھر مسجد کے چاروں کونوں پھونکتے ہیں۔ اس کے بعد اقامت ہوتی ہے اور نماز پڑھی جاتی ہے۔

دریافت طلب یہ چیز ہے کہ مذکورہ بستی والوں کا یہ عمل قرآن مجید، حدیث شریف، فقہ حنفی سے ثابت ہے یا کہ نہیں۔ اگر ثابت ہے تو باقی اہل اسلام اس کے کیوں تارک ہیں۔ اور اگر از روئے شریعِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہیں ہے تو مذکورہ بستی والوں کے لئے کیا حکم ہے۔؟

الجواب قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ حنفی میں مذکورہ بالا رسم و بدعت کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ نہ معلوم ان لوگوں نے کہاں سے اسے گھڑ لیا ہے۔ اس من گھڑت بدعت کو چھوڑنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ

تیجہ کے جواز پر پیش کی جانے والی روایت موضوع ہے

کیا ایسی کوئی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکے طیب جب فوت ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وفات کے تیسرے دن دودھ منگوایا اور اس پر کچھ پڑھ کر تقسیم فرمایا۔ تو اس حدیث سے تیسرے دن قل خوانی کا ثبوت ہوتا ہے؟

الجواب تیجہ کو ثابت کرنے والے اس طرح کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اس روایت کو ملا علی قاری رح نے "اوز جندی" میں نقل کیا ہے۔ لیکن مولانا عبدالحی صاحب رح لکھتے ہیں۔

"نہ کتاب اوز جندی از تصانیف ملا علی قاری است و نہ روایت مذکور صحیح و معتبر است بلکہ موضوع و باطل بر آن اعتماد نشاید در کتب حدیث نشانے از ہیچ روایت یافتہ نمی شود"

(مجموعۃ الفتاویٰ، ج ۲، ص ۴۷)

اس روایت کو بیان کرنا ہرگز جائز نہیں۔ روایت کے الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بدعتی نے بالکل مطلب کے مطابق روایت تیار کی ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ الحدیث۔

الحاصل یہ روایت جعلی اور من گھڑت ہے۔ کسی صحیح حدیث سے قل خوانی وغیرہ جیسی رسومات ثابت نہیں۔ یہ سب بدعات ہیں جن کا ترک کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۴/۱۱/۹۸ ۱۳ھ

ختنہ کے موقعہ پر دعوت بدعت ہے شرکت نہ کی جائے

ختنہ پر دعوت کرنا، نیوتہ کرنا تمام خرافات جو اس زمانہ میں ہیں خلاف سنت ہیں یا نہ؟ چک ۲۱ کے امام صاحب نے اس کو خلاف سنت کہہ کر بچنے کی ترغیب دی کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی ایک سنت زندہ کرنے کا اجر و ثواب سو شہداء کے برابر ہے۔ لوگوں نے خرافات ترک کئے لیکن چند آدمی جو کسی پیر صاحب کے مرید تھے انہوں نے انکار کیا۔ امام صاحب نے غنیۃ الطالبین کی عبارت ص۹ دکھائی کہ ختنہ کی دعوت مستحب نہیں۔ جس کو بلایا جائے اس کو چاہیئے کہ قبول نہ کرے۔ پیر صاحب نے کہا کہ "غنیۃ الطالبین" میں یہ مسئلہ وہابیوں نے لکھا ہے۔ اور کہا کہ تمام اہل سنت کو "غنیۃ الطالبین" میں شبہ ہے کہ یہ خود غوث پاک کی ہے یا وہابیوں نے گھڑی ہے؟

الجواب خطیب صاحب نے مسئلہ صحیح بتایا ہے کہ یہ تمام چیزیں خلاف سنت اور بدعت ہیں اور پیر صاحب مذکور کا قول بلا دلیل ہے۔ اور حضرات اکابر پر اس کا یہ الزام کہ "غنیۃ الطالبین" جو کہ حضرت عبدالقادر رح کی تصنیف ہے میں ختنہ کی دعوت کو بدعت لکھنا، وہابیوں کا لکھا ہوا ہے، بدترین جھوٹ ہے۔ اگر پیر صاحب کے پاس اس کے جواز پر کوئی دلیل ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ دلیل لکھ کر دیوے۔ تاکہ اس پر غور کرکے دیکھا جائے۔ بلکہ دعوت ختنہ کے بدعت ہونے کی دلیل یہ ہے۔

عن الحسن قال دعی عثمان بن ابی العاص الی ختان فابی ان یجیب فقیل له فقال انا کنا لا نأتی الختان علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا ندعی له۔ (مسند امام احمد بن حنبل مصری، ج۴ : ص۲۱۷)۔

فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

تعزیہ مشابہ بعجل سامری ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ محرم الحرام کی دس تاریخ کو شربت بنانا اور پلانا، اور کھچڑا پکانا کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور تعزیہ کو برا بھلا کہنا مثلاً یہ تعزیہ پیشاب کرنے کے لائق ہے یا اس کو آگ میں جلا دینا چاہیئے۔ یہ الفاظ کہنا درست ہے یا نہ۔

محمد شفیع کالی موری حیدرآباد

الجواب دسویں محرم کو شربت بنانا کھچڑا پکانا جیسا کہ درج ہے، بدعت ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ تعزیہ بنانا گناہ ہے کیوں کہ یہ عوام کے بہت سے افعال شرکیہ کا سبب اور باعث بنتا ہے۔ لوگ اس سے مرادیں مانگتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اور اس کے لئے منتیں مانتے ہیں وغیرہ ذلک۔ اور ان افعال کی قباحت اور شناعت شرعاً ظاہر ہے۔ دیگر اہل اسلام کے علاوہ خود شیعوں کے محقق علماء بھی اسے ناجائز اور بدعت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ مفتی فقیر محمد تقی

لکھتے ہیں۔

"تعزیہ دلدل نکالنے اور امام باڑہ بنانے کا کوئی شرعی ثبوت نہیں۔ جن کتابوں میں ایسی باتیں درج ہیں وہ یار لوگوں کی تصنیف ہیں"۔ (اخبار اہلسنت لکھنؤ ۳ر مارچ ۱۹۵۲ء)۔

پس تعزیہ شرعاً کوئی قابلِ احترام چیز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ سامری کے بچھڑے کی طرح بمنزلہ ایک بت کے ہے۔ جس کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے "لَنُحَرِّقَنَّهُ" ارشاد فرمایا تھا۔ لیکن ایسے کہنا شرعاً فرض و واجب نہیں اور کہنے میں باہمی منافرت اور کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا اشتعال انگیزی کے مواقع سے بچنا چاہیے۔ سوال میں مذکور فقرہ خصوصاً تہذیب سے گرا ہوا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، ۲۳ر ار ۱۳۸۳ھ

گیارہویں بدعت ہے اور ہنود سے لی گئی ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام دریں مسئلہ کہ گیارہویں شریف کی کیا حیثیت ہے۔ کیا یہ فعل بدعت ہے یا شرک ہے۔ مقررہ تاریخ کی بجائے اگر اور تاریخ کو مقرر کر دیا جائے؟

۲ ، بدعت کی کیا تعریف ہے؟ بدعتِ حسنہ و بدعتِ سیئہ میں تقسیم کی جاسکتی ہے؟ گیارہویں کون سی بدعت میں شامل ہے؟

الجواب

۱ ، مروجہ گیارہویں بدعت ہے۔ زمانۂ سلف صالحین میں اس کا وجود نہیں تھا۔ بلکہ مسلمانوں نے یہ رسم اہلِ ہنود سے لی ہے۔ چنانچہ مشہور مورخ علامہ بیرونی لکھتے ہیں

"کہ اہلِ ہنود کے نزدیک جو حقوق میت کے وارث پر عائد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ کہ ضیافت کرنا اور یومِ وفات سے گیارہویں اور پندرہویں روز کھانا کھلانا۔ اسی طرح اختتامِ سال پر کھانا کھلانا ضروری ہے"۔ (المنہاج، ص ۲۴۰)

۲- شامی ص ۵۲۲ ج ۱، میں بدعت کی تعریف یہ ہے۔

"ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبھۃ واستحسان وجعل دینا قویما وصراطا مستقیما"۔

بدعت وہ چیز ہے جو اس حق کے خلاف ایجاد کی گئی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا گیا ہو علم ہو یا عمل یا حال اور کسی شبہ کی بنا پر اس کو اچھا سمجھ کر دینِ قویم اور صراطِ مستقیم بنا لیا گیا ہو۔ بدعتِ شرعیہ کی تقسیم حسنہ و بدعتِ سیئہ کی طرف درست نہیں۔ البتہ بدعتِ لغویہ کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں

چنانچہ حافظ ابن رجب رح لکھتے ہیں۔

"فکل من احدث شیئا ونسبہ الی الدین ولم یکن لہ اصل من الدین یرجع الیہ فہو ضلالۃ والدین بریٔ منہ وسواء فی ذلک الاعتقادات او الاعمال او الاقوال الظاہرۃ والباطنۃ واما ما وقع فی کلام السلف من استحسان بعض البدع فانما ذلک فی البدع اللغویۃ لا الشرعیۃ (جامع العلوم والحکم) المنہاج ص" - فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق نائب مفتی

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفرلہ خیر المدارس ملتان

جوازِ نذر و نیاز کے ایک فتویٰ پر مفصل تبصرہ

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نذر، نیاز، منت منوتی کا ایک ہی معنی ہے یا کوئی معنی؟ ایک مولوی صاحب نے اثنائے تقریر میں فرمایا کہ یہ جملے چار ہیں معنی ان کا ایک ہے یعنی ان چاروں کا معنی ہے "عبادت"۔ اگر اس لفظ کو اللہ کے غیر کے لئے بولا گیا، یعنی جس طرح عوام کہتے ہیں۔ نیاز حسین پاک یا یہ نذر منوتی غوث پاک کے لئے، تو یہ شرک ہے حرام ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیں کہ کیا یہ مولوی صاحب کا فرمان صحیح ہے یا غلط؟ حالانکہ عوام اگرچہ یہ لفظ بولتے ہیں اولیاء اللہ کی طرف نسبت کرکے مگر ان کی نیت میں عبادت والا مفہوم نہیں ہوتا۔ بلکہ مقصود ایصالِ ثواب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب هو الموفق للصواب

مسئولہ صورت میں مذکور مولوی صاحب کا مطلقاً یہ کہنا درست نہیں ہے۔ بلکہ اولیاء کی نذر محض نذر لغوی یا عرفی بمعنی ہدیہ و نذرانہ ہو۔ یا وصال یافتہ بزرگ کے لئے بقصد ایصالِ ثواب کوئی جانور وغیرہ نامزد کر دیا اور نذر شرعی اللہ کے لئے ہو تو یہ فعل شرعاً جائز اور باعثِ خیر و برکت ہے۔

واضح رہے کہ نذر لغیر اللہ کا مدار ناذر کی نیت پر ہے۔ اگر ناذر نے تقرب لغیر اللہ علیٰ وجہ العبادت کا قصد کیا ہے اور متصرف فی الامور اللہ تعالیٰ کے بجائے کسی مخلوق کو مانا ہے تو یہ نذر کفر و شرک ہے۔ اور اگر اس کا ارادہ تقرب الی اللہ اور بزرگانِ دین کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو ایسی نذر اولیاء کے لئے یقیناً جائز ہے۔ اور

اس کا نذر ہونا مجاز ہے۔ جیسا کہ فتاوی ابی اللیث میں ہے۔

" الناذر لغیر اللہ ان قصد بالنذر التقرب الی غیر اللہ وظن انہ یتصرف فی الامور کلھا دون اللہ فنذرہ حرام باطل وارتدادہ ثابت وان قصد بالنذر التقرب الی اللہ وایصال الثواب للاولیاء ویعلم انہ لا یتحرک ذرۃ الا باذن اللہ ویجعل الاولیاء وسائل بینہ وبین اللہ فی حصول مقاصدہ فلا حرج فیہ وذبیحتہ حلال طیب" اھ

مذکورہ عبارت کا ترجمہ غیر اللہ کی نذر ماننے والے نے اگر اپنی نذر سے غیر اللہ کی طرف تقرب کا ارادہ کیا۔ اور گمان کیا کہ وہ غیر ہی تمام امور میں متصرف ہے نہ اللہ تعالیٰ، تو اس کی نذر حرام اور باطل ہے اور اس ناذر کا مرتد ہونا ثابت ہے۔ اور اگر اس نے نذر سے تقرب الی اللہ کا ارادہ کیا اور اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی نیت کی اور وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی ذرہ متحرک نہیں ہوتا اور وہ اولیاء اللہ کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسائل قرار دیتا ہے تاکہ اس کے مقاصد حاصل ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کا ذبیحہ حلال وطیب ہے"

نذر اولیاء کے متعلق حدیقہ ندیہ میں سیدی عبدالغنی نابلسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

والنذر لھم بتعلیق ذلک علی حصول شفاء او قدوم غائب فانہ مجاز عن الصدقۃ علی الخادمین بقبورھم اھ

یعنی اولیاء اللہ کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے اور اسے مریض کے شفاء حاصل ہونے یا غائب کے آنے پر معلق کیا جاتا ہے تو وہ نذر مجاز ہے۔ اس سے اولیاء اللہ کے قبور پر خادمین کے لئے صدقہ کرنا مراد ہوتا ہے۔

طبقات کبریٰ جلد دوم صفحہ ۹۰ میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سیدی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے ناقل ہیں۔

کان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اذا کان لک حاجۃ واردت قضاءھا فانذر للنفیسۃ الطاھرۃ ولو فلسا فان حاجتک تقضی اھ

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا کہ وہ فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ آپ فرماتے تھے جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو اور تو اس کے پورا کرنے کا ارادہ کرے تو سیدہ نفیسہ طاہرہ کی نذر مان لے اگرچہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو بے شک تیری حاجت پوری ہو جائے گی۔

معلوم ہوا کہ قضائے حاجات کے لئے اولیاء کے لئے نذر ماننا جائز ہے جب کہ کسی قسم کا فساد عقیدہ نہ ہو

اسی طرح تفسیرات احمدیہ ص۴۹ میں تحت آیۂ کریمہ وما اھل بہ لغیر اللہ مرقوم ہے۔
ومن ھھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا
حلال طیب اھ

یعنی اور یہاں سے معلوم ہوا کہ بے شک وہ گائے جس کی نذر اولیاء کے لئے مانی جائے جیسا کہ ہمارے زمانے میں رسم ہے حلال وطیب ہے۔

یہ لوگ جو نذرِ اولیاء کو شرک قرار دیتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس نذر سے مراد نذرِ شرعی نہیں بلکہ اسے بنا بر عرف نذر کہا جاتا ہے اور اس ایصالِ ثواب اور ہدیہ کو نذر کہنا شرعًا جائز ہے۔ جیسا کہ طبقاتِ کبریٰ ص۶۵ للامام الشعرانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل پیش کی گئی ہے اور تفسیراتِ احمدیہ کا حوالہ بھی مرقوم ہوا۔

آخر میں حضرت شاہ رفیع الدین رح کی عبارت مزید نقل کی جاتی ہے وہ اپنے رسالہ نذر میں تحریر فرماتے ہیں
"نذرے کہ اینجا مستعمل میشود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگاں مے برند نذر ونیاز مے گویند"

یعنی جو نذر کہ اس جگہ مستعمل ہوتی ہے وہ اپنے معنی شرعی پر نہیں ہے۔ بلکہ معنی عرفی پر ہے اس لئے کہ جو کچھ بزرگوں کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں اس کو نذر ونیاز کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو معترضین کے نزدیک بھی مسلّم علماءِ راسخین میں سے ہیں۔ "انفاس العارفین ص۴۸" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت ایشاں در قصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم اللہ دیا رفتہ بودند ہنگامِ شب بود دراں محل فرمودند مخدوم ضیافت ما میکنند ومیگویند چیزے خوردہ روید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد وملال بر یاراں غالب آمد آنگاہ زنے بیامد، طبق برنج وشیرینی بر سر وگفت نذر کردہ بودم کہ اگر زوجِ من بیاید ہماں ساعت ایں طعام پختہ بانشینندگاں درگاہِ مخدوم اللہ دیا رسانم دریں وقت آمد ایفاءِ نذر کردم اھ"

یعنی حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے۔ رات کا وقت تھا اس جگہ فرمایا کہ مخدوم ہماری ضیافت کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھا کر جانا۔ حضرت نے توقف فرمایا۔ یہاں تک کہ آدمیوں کی آمد ورفت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ساتھی اکتا گئے۔ اس وقت ایک عورت اپنے سر پہ چاول اور شیرینی کا طبق لئے ہوئے آئی اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا خاوند آئے گا اس وقت کھانا پکا کر

مخدوم اللہ دیا رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں بیٹھنے والوں کو پہنچاؤں گی۔ وہ اسی وقت آیا میں نے اپنی نذر پوری کی۔

تحریر المختار لرد المحتار، جلد اوّل، صـ۱۲۳ میں علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ونذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورھم تعظیما لھم ومحبۃ فیھم جائز ایضا لا ینبغی النھی عنہ اھ

یعنی تیل اور شمع کی نذر ماننا اولیاء اللہ کے لئے کہ چراغ روشن کئے جائیں ان کی قبروں کے نزدیک ان کی تعظیم اور محبت کے لئے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اس سے منع کرنا مناسب نہیں ہے۔ اھ اور منکرین حرام کہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ صحیح اعتقاد کے ساتھ اولیاء کرام کے لئے لفظ نذر، نیاز، منت، منوتی بمعنی عرفی بولنا یا دل میں اس کی نیت کرنا اور اسی نیت سے ان کے مزارات پر چیز لانا جائز ہے۔ اس پر متعدد عبارتیں نقل کیں اللہ تعالےٰ حق سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ فقط واللہ اعلم۔

العبد احمد سعید ی عفی عنہ

خادم الافتاء۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ خیر المعاد ملتان شریف

الجواب حق والحق احق ان یتبع محمد عبد الودود عفی عنہ مدرسہ رحمانیہ ملتان

الجواب صحیح مفتی غلام مصطفےٰ رضوی مفتی ◎ انوار العلوم ملتان

الجواب انسانی فطرت ہے کہ جس کو انسان نفع ونقصان کا مالک سمجھتا ہے یا جس سے نفع ونقصان کا احتمال ہوتا ہے اس کو کسی نہ کسی طرح راضی رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور مختلف ذرائع سے اس کا قرب حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اسی نظریے نے انسان کو اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے جھکایا، درختوں کو سجدہ کرایا اور طرح طرح کے خرافات میں مبتلا کیا۔

بالخصوص اولیاء اللہ اور مقربان الٰہی کے بارے میں لوگ بہت جلد اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ بھی کچھ نفع وضرر کی طاقت رکھتے ہیں یا کچھ اور امور میں تصرف کر سکتے ہیں۔ یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب دونوں اس غلط فہمی کا شکار تھے۔ بتوں کی پرستش کی ابتداء اسی نظریہ سے ہوئی۔ چنانچہ وہ بت در اصل اپنے اپنے وقت کے بزرگوں اور نیک لوگوں کے مجسمے تھے۔

اسلام نے سارا زور ہی اسی پر صرف کیا کہ خدا پر ایمان لانے والے کا یہ یقین ہو جائے کہ نفع وضرر صرف اور صرف اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے اللہ کے سوا کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ کما قال اللہ تعالےٰ

ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ الآیۃ اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ اسلام نے شرک و بت پرستی کے ساتھ ساتھ وہ تمام ذرائع و اسباب بھی ختم کر دیئے جن سے اسکے خلاف کوئی عقیدۂ فاسد دل میں جڑ پکڑ سکتا تھا۔ وھذا لا یخفی علی من لہ بصیرۃ فی الشرع و احکامھا۔

زیر بحث مسئلہ نذر و نیاز کا بھی اس عقیدہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اکثر عوام کی نذروں اور منتوں کے پس منظر میں یہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ کے مزار پر جائیں گے تو یہ کام بن جائے گا نہ جائیں گے تو یہ کام بگڑ جائے گا۔ داتا صاحب ناراض ہوئے تو کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔ گیارہویں شریف نہ دی تو بھینس مر جائے گی۔ خود ہمیں ایک ثقہ راوی نے بتایا کہ۔

"ایک عورت کا بچہ فوت ہو گیا۔ تو وہ کہنے لگی کہ دو تین دفعہ گیارہویں نہیں دے سکی۔ اس لئے پیر صاحب نے یہ جھپٹا مارا ہے۔"

اور اس قسم کے کئی جاہلانہ واقعات بارہا سننے میں آتے رہتے ہیں۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ شاہ بہاؤالحق رح کے دربار پر نہ گئے تو سارا سال نحوست میں گزرے گا۔ اور وہ اسی نظریہ کے تحت درباروں اور مزاروں پر جاتے ہیں۔ دن میں پانچ پانچ دفعہ یاد دہانی کے باوجود خدا کا فرض ادا نہیں کرتے، لیکن داتا صاحب کے دربار پر سلام کرنا اہم ترین فریضہ سمجھتے ہیں۔ گھر کے ساتھ مسجد کا دروازہ ہے وہاں زندگی بھر نہیں جاتے، لیکن دور دراز کا سفر کر کے سہون شریف ضرور پہنچ جاتے ہیں۔ پھر بزعم خویش ان کو خوش کرنے کے لئے مختلف قسم کی چیزیں لے جاتے ہیں جسے وہ نذر و نیاز کہتے ہیں۔ اور ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اس بزرگ کے مزار پر دینے سے یہ خوش ہو جائیں گے۔

حالانکہ ان کو سو فیصد علم ہوتا ہے کہ اسے دربار کے ملنگ کھا جائیں گے، ان پیسوں سے وہ نشہ آور اشیاء خریدیں گے، یا مزار کے متولیان ان پیسوں سے عیاشی کریں گے۔ مگر اس کے باوجود وہ لوگ روپے، پیسے اور سونے چاندی کے زیورات ان گلوں میں ڈال آتے ہیں۔ جس سے یہ صاف سمجھ میں آتا ہے کہ ان کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ ہمنے مزار تک یہ چیز پہنچا دی، صاحب مزار خوش ہو گیا، آگے جہاں چاہے استعمال ہو۔

سوچنا چاہیئے کہ اگر وہ یہ نظریہ نہیں رکھتے تو مزارات پر لے جانے کا اتنا التزام کیوں کرتے ہیں؟ اچھا اگر اس کے بارے میں ہم کوئی فرضی تاویل کر بھی لیں۔ تو اس کا کیا جواب ہو گا کہ وہ وہاں جا کر سجدہ بھی کرتے ہیں۔ قبر کے گرد طواف بھی کرتے ہیں۔ مزار کو بار بار بوسہ بھی دیتے ہیں۔

کما ھو مشاھد علی مزار الشیخ السید رکن الدین رکن عالم وجدہ الاکبر

الاکرم بہاء الحق والدین بہاء الحق زکریا ملتانی قدس سرہما۔

یہ باتیں صاف بتاتی ہیں کہ ان کے ذہن میں یہی بات ہے کہ صاحب مزار بھی ہمارا کچھ بنا اور بگاڑ سکتے ہیں اگر کبھی ان سے کہا جائے کہ یہاں ایصالِ ثواب ہی کرنا ہے تو فلاں غریب و بیمار اور معذور آدمی کو یہ چیزیں دے دو اور اس کا ثواب ان بزرگ کو پہنچا دو تو وہ ہرگز اس کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ وہاں جا کر چیز سڑ گل جائے، ملنگ اٹھا کر کوڑا کرکٹ میں پھینک دیں وہ گوارا ہے مگر یہاں کسی محتاج و تنگ دست کو دینا منظور نہیں۔ کیا یہ دیکھنے کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے "کہ ان کا مقصد تو صرف اللہ کے لئے صدقہ کرنا ہے اور بزرگوں کو تو بس ثواب پہنچانا مقصود ہے"۔ کیا اللہ تعالےٰ نے کسی نص میں فرمایا ہے کہ میں بزرگوں کو تب ثواب پہنچاؤں گا جب ان کے مزار پر جا کر تقسیم کروگے۔ اور چراغاں کروگے؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ؁

نذر ونیاز کے سلسلہ میں مفتی صاحب موصوف نے جو کچھ رقم فرمایا ہے اس کا حاصل دو امر ہیں۔

۱ : صحتِ اعتقاد کے ساتھ غیر اللہ کے لئے بھی لفظ نذر و نیاز کا استعمال جائز ہے۔ اور اس کے لئے مفتی صاحب نے چند حوالہ جات تحریر فرمائے ہیں۔ اس بارے میں گزارش ہے کہ اس اطلاق سے نہ تو کوئی انکار کرتا ہے اور نہ یہ کوئی ایسا مسئلہ ہے کہ اس کو بہت سے دلائل سے ثابت کیا جائے۔

۲ : مفتی صاحب لکھتے ہیں "معلوم ہوا کہ صحیح اعتقاد کے ساتھ الخ ان کے مزارات پر چیزیں لے جانا جائز ہے اس پر متعدد عبارتیں نقل کیں" بلفظہٖ۔

مفتی صاحب کا یہ ارشاد محل نظر ہے۔ کیوں کہ بات ہے "عوام کے فعل اور ان کے نذر ونیاز کی" سوال کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سوال کا مقصد عوام کی نذر ونیاز کے بارے میں پوچھنا ہے تو اس سلسلہ میں ہم اوپر گزارش کر آئے ہیں کہ اکثر عوام کی نذر و نیاز تقرب الی غیر اللہ پر مبنی ہوتی ہے اور ان میں اس قسم کے صحت اعتقاد وغیرہ کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا عمل گواہی دیتا ہے کہ " ان میں فسادِ اعتقاد " ہوتا ہے۔ عوام کالانعام تقریباً ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ خواہ وہ آج کے عوام ہوں یا دو صدی پہلے کے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء متقدمین ومتاخرین نے اپنے اپنے دور کی نذرِ عوام کو حرام و باطل کہا ہے۔ باوجودیکہ اُس دور میں صلاح و سلامتی آج کے دور سے زیادہ تھی۔ اس دور کے عوام کے بارے میں جب فقہاء فرماتے ہیں کہ ان کی یہ نذریں فسادِ اعتقاد پر مبنی ہیں تو آج کے دور کے عوام کے بارے میں مفتی صاحب کا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے

"معلوم ہوا کہ قضاءِ حاجات کے لئے اولیاء کے لئے نذر ماننا جائز ہے"

ہمیں تعجب ہے کہ جو کتب عام طور پر فتاویٰ کی حیثیت سے معروف ومتداول نہیں ان سے تو مفتی صاحب

نذر ونیاز کے جواز پر سعی بلیغ کے ساتھ حوالے لکھ رہے ہیں اور جو کتب بحیثیت فتاویٰ معتمد علیہا اور مشہور ہیں ان کی وہ عبارات مفتی صاحب کی نظر سے کیوں نہ گزریں جنہیں بہ صراحۃ آتا ہے کہ "نذر عوام حرام و باطل ہے":

ع حفظت شیئا وغابت عنك اشیاء

ان میں سے چند حوالے یہ ہیں۔

ا : واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام اھ (درمختار علی الشامیہ ج ۲ ص ۱۷۵)

للاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا تشتغل الذمۃ بہ لانہ حرام بل سحت اھ بحر (ردالمحتار ۲/۲ : ۱۶۵)۔

اس قسم کی تصریحات درالبحار، بحرالرائق، اور عالمگیری میں بھی موجود ہیں۔ (ردالمحتار: ج ۲ ص ۱۷۵)

مفتی صاحب موصوف نے آخر میں ایک حوالہ سے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "تیل اور شمع کی نذر ماننا، اولیاء اللہ کے لئے کہ چراغ روشن کئے جائیں ان کی قبروں کے نزدیک تو یہ بھی جائز ہے، اور منع کرنا مناسب نہیں" مفتی صاحب اثبات جواز میں اس قدر دور نکل گئے کہ یہ بھی نہ سوچا کہ قبروں پر چراغ جلانے والوں پر تو صراحۃ حدیث میں لعنت کی گئی۔ حدیث[1] صریح کے مقابلہ میں ایں و آں کی بات سے استدلال کرنا شانِ افتاء کے خلاف ہے۔ مفتیٰ بہ اقوال میں اس کی بھی ممانعت مذکور ہے۔ بریقہ شرح طریقہ محمدیہ ج ۱ ص ۱۳۲ میں ہے

واقبح البدع عشرۃ وعد منھا طعام المیت و ایقاد الشموع علی المقابر والنار علی القبر اھ

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

" قبور اولیاء بلند کردن وگنبد برآں ساختن وامثال آں وچراغاں کردن ہمہ بدعت است بعضے ازاں حرام۔ اھ (ارشاد الطالبین)

تفسیر مظہری میں ہے۔ لا یجوز ما یفعلہ الجھال بقبور الاولیاء والشھداء من

---

[1] عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج (رواہ ابوداؤد، والترمذی، والنسائی مشکوۃ ج ۱ ص ۷۱) محمد انور مرتب

السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد عليها اھ وفی ذلك كفاية لمن اراد الهداية ۔

حرفِ آخر ہماری اس تمام گزارش کا حاصل یہ ہے کہ اس دورِ بدعت وجہالت میں جہاں تک ہوسکے بدعات وسیئات سے روکنے کی سعی کی جائے۔ عوام کو معمولی سی ڈھیل ان کو بڑی باتوں پر جری کردیتی ہے۔ مفتی صاحب موصوف کے فتویٰ سے چونکہ کافی حد تک جاہل عوام کو سہارا مل سکتا تھا اور وہ اسے جواز نذر ونیاز کی بہت بڑی دلیل بنا سکتے تھے۔ گو مفتی صاحب کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہر قسم کی نذر ونیاز کو جائز کہا جائے۔ لیکن لوگ قیودات وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ اپنے مطلب کی چیز دیکھتے ہیں۔ اور باقی سے آنکھیں بند کرلیتے ہیں۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ مفتی صاحب کے فتویٰ کے بارے میں جو صحیح بات ہو بلا کم وکاست تحریر کردی جائے۔ وما اريد الا الاصلاح ما استطعت وما توفيقي الا بالله ۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۱ / ۷ / ۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۷ / ۱۴۰۲ھ

قیام عند حیّ علی الفلاح پر اصرار بدعت ہے ایک جامع مسجد کے خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ مسنون طریقہ یہ ہے مکبر کے "حیّ علی الصلوۃ" کہنے پر تمام مقتدی کھڑے ہوں اور اس سے پہلے بیٹھے رہیں۔ یہ مسئلہ تمام صحاح ستہ میں موجود ہے منکرین ملعونین اور مردود ہیں۔ قبل از تکبیر یا بوقتِ آغازِ تکبیر اٹھ کر صف بندی کرنا احداث فی الدین ہے۔ آیا علامہ محترم کا قول کہ یہ مسنون طریق ہے اور کوئی نہیں، صحیح ہے؟ احادیثِ صحیحہ اور فقہاءِ کرام کے حوالہ سے لکھئے تاکہ ان کی سمجھ میں کچھ بات آجائے۔

۲: جن ائمہ مساجد کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء و اولیاء علام الغیوب ہیں، مجیب الدعوات، قاضی الحوائج ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مروجہ رسومات گیارہویں وچہلم وغیرہ کارِ خیر ہیں ایسے ائمہ کی اقتداء میں نماز درست ہے یا نہ؟

الجواب (ولها آداب) تركه لا يوجب اساءة ولا عتابا كترك سنة الزوائد لكن فعله افضل (نظره الى موضع سجوده حال قيامه الى ان قال (والقيام) لامام ومؤتم (حين قيل حي على الفلاح) الخ (درمختار شامی ص۴۷۷)

اس سے معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح کہنے کے وقت اٹھنا آدابِ نماز سے ہے نہ سنت مؤکدہ ہے نہ

واجب۔ پس خطیب مذکور کا اسے سنت (طریقہ) قرار دینا غلط ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آداب کے ترک کرنے میں کراہت تو کیا اسارت بھی نہیں۔ جیسا کہ ادب کی تعریف سے ظاہر ہے۔ پس خطیب صاحب کا تارکین و منکرین کو ملعون و مردود قرار دینا محض جہالت اور تعصب پر مبنی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ یہ لعنت خود قائل کی طرف لوٹے اور اسے اپنا محل بنائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی ایسے شخص پر لعنت کی جائے جو عند اللہ مستحق لعنت نہ ہو تو یہ لعنت قائل کی طرف لوٹتی ہے۔ (اوکما قال) خطیب صاحب کے اس طرز بیان اور عوام کے قیام مذکور پر انتہائی اصرار اور دوام۔ نیز اس کے تارک پر نکیر شدید سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عوام نے قیام مذکور کو عملاً واجب اور ضروری سمجھ لیا ہے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی مستحب کے بارے میں عوام کے فساد عقیدہ کا خطرہ پیدا ہو جائے تو اس مستحب کا ترک کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔ (ج ۱ ص)

وما يفعل عقيب الصلوة مكروه لان الجهال يعتقدونها سنة او واجبة وكل مباح يؤدي اليه فمكروه هكذا في الزاهدي۔

سورہ سجدہ اور دہر کا جمعہ کی فجر میں اور سورۃ جمعہ اور منافقون کا جمعہ میں پڑھنا مستحب ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان نمازوں میں یہ سورتیں پڑھنا منقول ہے۔ لیکن تمام فقہاء نے متفقہ طور پر سور مذکورہ کو ان نمازوں کے ساتھ خاص کر لینے کو مکروہ لکھا ہے۔ اس کی علت یہی ایہام تعیین وغیرہ تحریر فرمائی ہے چنانچہ یہ مسئلہ تقریباً تمام متون و شروح میں موجود ہے۔ ویکره ان یوقت بشیء من القرآن لشیء من الصلوات (ہدایۃ: ج ۱، ص) هكذا في القدوري وتنوير الابصار وغيره۔

اسی مسئلہ پر کلام فرماتے ہوئے صاحب فتح القدیر محقق ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں۔

كالسجدة والانسان لفجر الجمعة والجمعة والمنافقين للجمعة قال الطحاوي والاسبيجابي هذا اذا راه حتما يكره غيره اما لو قرء للتيسر عليه او تبركا بقراءته صلى الله عليه وسلم فلا كراهة لكن بشرط ان يقرأ غيرهما احيانا كيلا يظن الجاهل ان غيرها لا يجوز ولا تحرير في هذه العبارة بعد العلم بان الكلام في المداومة والحق ان المداومة مطلقا مكروه سواء راه حتما يكره غيره اولا لان دليل الكراهة لا يفصل وهو ايهام التفضيل وهجر الباقي لكن الهجران انما يلزم لو لم يقرء الباقي في صلاة اخرى" فالحق انه "ايهام التعيين

(فتح القدیر، ج ۱ : ص ۲۹۴ مصر)

علامہ شامیؒ ردالمحتار میں تحریر فرماتے ہیں :۔

والسنۃ السور الثلاث ای الاعلی والکافرون والاخلاص لکن فی النہایۃ ان التعیین علی الدوام یفضی الی اعتقاد بعض الناس انہ واجب وھو لا یجوز فلو قرأ بما ورد بہ الآثار احیانا بلا مواظبۃ یکون حسنا بحر (شامی، ج ۱، ص ۶۳۳)۔

چونکہ مسئلہ قیامِ مذکور میں لوگوں نے غلو سے کام لیا ہے اور عملاً اسے ضروری سمجھ رکھا ہے بس فقہاء کی تصریحاتِ بالا کے پیش نظر اس مسئلہ پر عمل کرنا درست نہیں ہوگا۔ اس سے بھی بڑھ کر عوام کا یہ حال ہو گیا ہے کہ قیامِ مذکور کو ضروری نہیں بلکہ دین کا شعار سمجھ رکھا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔ بس اس کی مخالفت میں اور تشدید کی ضرورت ہے۔ کما صرح الائمہ ؒ۔

پہلے نمازی منتشر طور پر بیٹھے رہتے ہیں تکبیر شروع ہونے کے وقت بھی نہیں اٹھتے اور حی علی الفلاح پر اٹھتے ہیں اور قد قامت الصلوٰۃ پر امام نماز شروع کر دے گا۔ تو اس حالت میں مقتدی اگر فوراً نماز شروع کر دیں تو صف بندی درست نہیں ہو سکتی۔ اور اگر صف بندی کریں تو تکبیر تحریمہ فوت ہو جاتی ہے۔ حالانکہ صف کو سیدھا کرنا اور مل کر کھڑا ہونا سنت مؤکدہ ہے۔ اور تکبیر تحریمہ کا بے شمار ثواب بیان کیا جاتا ہے۔

بس ان فضائل کو جمع کرنے کی صحیح صورت کیا ہو سکتی ہے؟ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قیامِ مذکور کا مسئلہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ لوگ صفیں ٹھیک کئے ہوئے بیٹھے ہوں۔ ورنہ اوب پر عمل کرنے کے لئے سنن مؤکدہ کو چھوڑنا ہرگز درست نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مسئلۂ قیامِ مذکور سے مراد یہ ہے کہ تاخیر قیام کی آخری حد یہ ہے کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہو جائے۔ اس سے قیام کو مؤخر نہ کرے۔ تقدیم سے ممانعت نہیں ہے۔ جیسا کہ تعلیل سے ظاہر ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ۔ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

سہرا باندھنا رسم کفر ہے

زید نے اپنی دختر کا عقد کرنے کے لئے بکر کو اپنے مکان پر بلایا۔ بکر نے اپنے ماتھے پر سہرا باندھا ہوا ہے کیا اس شکل میں مسلمان شرکت عقد کر سکتے ہیں۔ کیا زید کے ہاں کھانا جائز ہے؟

قریشی جنرل سٹورز ضلع ملتان

الجواب

کفایت المفتی، ج ۴، ص ۴۹۔ پر ہے کہ سہرا باندھنا ہندوانی رسم ہے۔ انہیں سے لی گئی ہے اور قابل ترک ہے۔ جس شخص کو یہ علم ہے کہ یہ ہندوانہ رسم ہے اور پھر دیدہ و دانستہ اسے کرتا ہے۔ اس کی تقریب میں شرکت نہیں کرنی چاہئے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تعزیہ بنانا، دیکھنا جائز نہیں اور اسے حاجت روا سمجھنا کفر ہے

مسجد میں تعزیہ، یا تعزیہ کا کوئی حصہ وغیرہ رکھنا شریعت میں جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

اہل السنتہ والجماعت کے نزدیک تعزیہ بنانا اور اسکی تعظیم کرنا اور اس کو یا اس کے کسی حصہ کو مسجد میں رکھنا ناجائز ہے۔ بلکہ تعزیہ کو دیکھنا اگرچہ بنظر تماشا ہی ہو جائز نہیں۔

دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱: حضرت مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتوے۔ ج ۲، ص ۲۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

• روضۂ مقدسہ نبویہ کی صورت یا شبیہہ حصول ثواب کی غرض سے بنانا بدعت اور ناجائز ہے۔ اور اس وجہ سے کہ زمانہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین میں باوجود وقوع ضرورت کے یہ صورت نہیں پائی گئی۔ حالانکہ حضرات صحابہؓ و تابعین روضۂ نبوی کے مشتاق رہتے تھے۔ مگر کسی نے ایسا نہیں کیا کہ آپ کے روضہ کی شبیہہ بنا کر اس سے برکت حاصل کر لیتا۔

اولاً: جب روضہ نبویہ کی شبیہہ بنانا ناجائز ہوا تو حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کا شبیہہ بنانا اور اس کی صورت بنا کر اس سے مرادیں مانگنا کیسے جائز ہو گا۔

ثانیاً: اس وجہ سے کہ کسی متبرک شئے کی صورت اور شبیہہ کو اس شئے کا حکم دے دینا اور حصول ثواب کا طلب کرنا باطل ہے۔ رسالہ اکملی میں ہے۔

من الاوهام تقرير حكم شئ لشبهه وهذا الوهم قد اضل عبدة الاصنام

من طريق الصواب واوقعهم في هاوية الجهالة ۔ انتهى ملخصا ۔

۲ : ص ۲۹۳ ۔ میں ہے ۔ سوال : تعزیہ کو دیکھنا نہ بنظر اعتقاد بلکہ بنظر تماشا جائز ہے یا نہیں ؟
جواب : تعزیہ میں تماشا ہی کیا ہے ۔ اور بدعت کو نہ دیکھنا چاہیئے بلکہ زبان یا ہاتھ سے اس کے دفع کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے ۔ اور اگر یہ نہ کر سکیں تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ضعف ایمان کی دلیل ہے ۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے ۔

سوال : تعزیہ سے مراد چاہنا درست ہے یا نہیں ؟
جواب : نہیں ، کیونکہ نہ وہ سنتا ہے ، نہ دیکھتا ہے اور نہ تم کو کسی شئے سے بے پرواہ کر سکتا ہے ۔ اگر تعزیہ سے مراد چاہنے والا ، یہ سمجھے کہ تعزیہ اس کی مراد پوری کر سکتا ہے تو کافر ہے ۔

(فتاوی مولانا عبدالحی ، ج ۲ ، ص ۲۹۳)

مولانا عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے " تحفہ اثنا عشریہ " میں لکھا ہے ۔

نوده شانزدہم صورت چیزے را حکم آں چیز دادن وایں وہم اکثر راہ بت پرستاں زدہ و آنہا را در ضلالت افگندہ ۔ واطفال خورد سال ہم دریں وہم بسیار گرفتار باشند الخ

ان حوالہ جات سے صاف معلوم ہوا کہ تعزیہ بنانا ناجائز ہے ۔

۳ : اس کی تعظیم کرنا بھی ناجائز ہے ۔

۴ : اس کو مسجد میں تعظیماً رکھنا بھی ناجائز ہے ۔

۵ : یہ اعتقاد رکھنا کہ تعزیہ ہماری مراد پوری کر سکتا ہے یہ کفر ہے ۔ اب شیعہ کی کتابوں سے بھی تعزیہ کا ناجائز ہونا لکھا جاتا ہے ۔ اہلسنت بھائیوں کو غور کرنا چاہیئے کہ یہ ایسی بدعت ہے کہ جو حضرات شیعہ کے نزدیک بھی ناجائز ہے ۔ صرف جاہل شیعوں نے گھڑ رکھا ہے ۔

فی باب النوادر من کتاب من لا یحضره الفقیه عن علی قال من جدد قبرا او مثل مثالا فقد خرج عن ربقة الاسلام

ترجمہ : جس نے کوئی بنادی قبر یا کسی چیز کی شبیہ وغیرہ بنائی تو وہ شخص دائرہ اسلام و ایمان سے خارج ہو جائے گا ۔

شیعہ کی کتابوں سے بہت سی عبارتیں ہیں جو نوحہ و ماتم و سینہ کوبی کی حرمت میں پیش کی جا سکتی ہیں ۔ مگر چونکہ یہ استفتاء اہلسنت کی طرف سے ہے اس لئے پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

محمد عبداللہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : محمد صدیق معین مفتی خیر المدارس ملتان۔

انسدادِ تعزیہ کے لئے کوشش کرنا

تعزیہ کی انسداد کی بابت محکمہ بالا سے فریاد کرنے کا شرعًا کیا حکم ہے؟

۲ : منظور شدہ تعزیۃ الحسین جانب سرکار کو روکنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

۱ : انسدادِ تعزیہ کے لئے آئینی کوشش کرنا ضروری ہے۔ جب کہ اس میں کامیابی کی قوی امید ہو۔

۲ : قانون شکنی درست نہیں البتہ آئین کی حدود میں جتنا احتجاج ہو سکے اس میں کوتاہی نہ کریں۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح : محمد عبداللہ غفرلہٗ

محرم میں سبیل لگانا بدعت ہے

الاستفتاء : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد ہر سال محرم میں سبیل لگاتا ہے۔ قابل دریافت یہ ہے کہ اس شخص کا یہ ہر سال کا عمل سبیل لگانا جائز ہے یا نہ؟

الجواب پانی پلانا کارِ ثواب اور نیکی کا کام ہے لیکن صرف عشرۂ محرم کی تخصیص اور باقی دنوں میں اس عمل کو ترک کرنا ترجیح بلا مرجح اور روافض کا تشبہ ہے اس لئے یہ عمل بدعت اور قابلِ رد ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۰/۱/۱۳۷۷ھ

نمازوں کے بعد مصافحہ شیعوں کا شعار ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ عید کے دن نماز عید سے پہلے یا بعد عید مصافحہ یا معانقہ کی دین میں کیا حیثیت ہے؟ درانحالیکہ اس کو باعثِ قربت ومسقطِ گناہ خیال کیا جاتا ہے اور نہ کرنے والے کو شرعی مجرم گردانا جاتا ہو۔ اور اس کے لئے ہر طرح سے لعن طعن روا رکھیں۔ الحاصل یہ سنت ہے یا بدعت؟ سنت ہے تو اس کا ماخذ کون سی کتب ہیں؟ نمبر صفحات بھی درج فرمادیں تو عین نوازش ہوگی۔

مکتبہ رحیمیہ اکوڑہ خٹک۔

الجواب عیدین یا دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ یا معانقہ کرنا بدعت ہے۔ مصافحہ یا معانقہ کی

سنیت صرف ملاقات اور رخصتی کے وقت ہے اور اسی ملاقات ہی کے مصافحہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ موجبِ تکفیرِ ذنوب وسقوطِ گناہ ہے۔

ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلّم علیہ واخذ بیدہ فصافحہ تناثرت خطایاہ کما تناثر ورق الشجر رواہ الطبرانی شامی ج۵ ص۲۵۲۔

وایضافیہ بعد سطور ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوۃ بکل حال لان الصحابۃ رضی اللہ عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوۃ ولانہا من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر من الشافعیۃ انہا بدعۃ مکروھۃ لا اصل لہا فی الشرع وینبہ فاعلہا اولاً ویعزر ثانیاً ثم قال ابن الحاج من المالکیۃ فی المدخل انہا من البدع وموضع المصافحۃ فی الشرع انما ھو عند لقاء المسلم لاخیہ لا فی ادبار الصلوات فحیث وضعہا الشرع یضعہا فینہی عن ذلک ویزجر فاعلہ لما اتیٰ بہ خلاف السنۃ اھ

الحاصل مصافحہ نماز کے بعد بہرحال مکروہ ہے۔ نیز یہ روافض کا طریقہ ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ۔

بیعتِ طریقت کا ثبوت

پیر آج کل کے دو طرح کے ہیں۔ (۱) جو لوگوں کو اپنے پھندے میں پھنسانے کے لئے دورہ کرتے ہیں اور ان سے ماہانہ وغیرہ بطور قرض وصول کرتے ہیں۔ (۲) دوسرا طریقہ کہ جو عام سلاف میں مروج ہے کہ مرید سے ان شرائط پر بیعت لیتے ہیں جو سورۂ ممتحنہ میں مذکور ہے۔ بیعت کا مقصد یہ ہے کہ اصلاحِ نفس ہو جائے۔ ایسے مرشدین کو مریدین بطور ہدیہ کوئی چیز پیش کرتے ہیں تو وہ مرشد مرید کے خلوص کی وجہ سے اس کو قبول بھی فرما لیتے ہیں۔ اب بات یہ ہے اس قسم ثانی کے مرشدین میں بیعت کا جو طریقہ ہے۔ اس کا ثبوت سنت وغیرہ سے ہے یا نہ۔ اور کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت علی الجهاد کے علاوہ اس قسم کی بیعت لی تھی یا نہ؟

الجواب جہاد کے علاوہ بھی بیعت لینا احادیث سے ثابت ہے۔

۱ : عن ابن عمرؓ کنا نبایع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ ویلقننا فیما استطعتم رواہ ابوداؤد۔

۲ : عن عوف بن مالک الاشجعی قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الا تبایعون رسول اللہ، فرددھا ثلاث مرات فقدمنا ایدینا فبایعناہ فقلنا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بایعناک فعلام؟ قال علی ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا والصلوات الخمس واسر کلمۃ خفیفۃ ان لا تسألوا الناس شیئا الخ رواہ النسائی ج ۱ : ص ۵۴۔

مشائخ طریقت بھی کفر و شرک اور بدعات و معاصی سے توبہ کرتے ہوئے اتباع پر بیعت لیتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۳ / ۷ / ۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد اسحاق مدرسہ خیر المدارس ملتان۔

سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعاء بدعت ہے

آج کل جو طریقہ دیہاتوں میں رائج ہے کہ سنت ونوافل پڑھنے کے بعد لوگ دعا کے لئے بیٹھے رہتے ہیں اور امام صاحب فارغ ہو کر دعا منگواتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ شبیر احمد

الجواب سنن ونوافل کے بعد جو مروجہ طور پر اجتماعی دعاء مانگی جاتی ہے یہ بدعت ہے اور خلاف سنت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ایسا کرنا ثابت نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ سنن اور نوافل گھر جا کر ادا کرتے تھے۔ لہٰذا اجتماعی دعا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱ : عن عبد اللہ بن مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أیما افضل الصلوٰۃ فی البیت أو الصلوٰۃ فی المسجد قال لأن أصلی فی بیتی احب الی من ان اصلی فی المسجد الا ان تکون صلوٰۃ مکتوبۃ اھ ابن ماجہ ترمذی

۲ : عن عبد اللہ بن شقیق قال سألت عائشۃ عن صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت کان یصلی فی بیتی قبل الظہر اربعًا ثم یخرج فیصلی بالناس الظہر ثم یدخل فیصلی رکعتین ثم یخرج فیصلی بالناس

العصر ويصلي بالناس المغرب ثم يدخل فيصلي ركعتين ثم يصلي بالناس العشاء ثم يدخل في بيتي فيصلي ركعتين الحديث مسلم۔ ابوداؤد

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ " النفائس المرغوبہ والصحائف المرفوعہ " مؤلفہ حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ۔ اس میں حضرت رہ نے دلائل واضحہ کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ یہ اجتماعی دعا۔ بدعت ہے۔ اور اس پر وقت کے تمام جید اکابر علماء کرام کی تصدیقات بھی ہیں۔

فان یکفیك ویشفیك ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ؛ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

رجب کے کونڈے بغض صحابہؓ کی دلیل ہیں

یہ جو ہر سال ۲۲ رجب کو کچھ لوگ اپنے گھروں میں حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو ایصالِ ثواب کے لئے کونڈوں کا ختم دلواتے ہیں۔ کیا ۲۲ رجب حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا یومِ پیدائش یا وفات ہے یا کہ نہیں ؟ اور اس روز کو کونڈوں کا ختم کہاں سے جاری ہوا ؟

اگر بفرضِ محال ۲۲ رجب حضرت امام جعفر صادق رح کا یومِ پیدائش یا یومِ وفات نہیں ہے لیکن لوگ تو ان کی روح کو ایصالِ ثواب کی خاطر ہی ختم دلواتے ہیں۔ کیا ایسی رسم کو بُرا کہنا جائز ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب ۲۲ رجب نہ امام جعفر رحمہ اللہ کا یوم ولادت ہے نہ یوم وفات ہے۔ بلکہ یہ دن حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یومِ وفات ہے۔ (طبری۔ استیعاب)۔

اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ یہ رسم رافضیوں کی ایجاد کردہ ہے۔ تقیہ اور جھوٹ ان کا شعار خاص ہے۔ پہلے اس تاریخ کو علانیہ خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ جب سنیوں کا غلبہ ہوا تو عام تقسیم بند کردی اور گھر میں پکا کر رکھ دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو بلا کر کھلاتے ہیں۔ جب یہ متحقق ہوا کہ یہ رسم رافضیوں کی ایجاد ہے تو اس امر کی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ کس سن میں ایجاد ہوئی اور موجد کون ہے سنیوں کو ہرگز اس رسم میں شرکت نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ حتی الوسع اسے مٹانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس دن خیرات نیک مقصد کے تحت کرنیکی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ اس میں تشبہ بالروافض ہے۔ نیز ان کے مکروہ ترین عمل کو تقویت دینا ہے۔ جس عمل کی بنیادی غرض ہی صحابیٔ رسول کی توہین ہو اور

مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنا ہو اسے رسم بد کہنے پر سوال کرنا تعجب ہے۔ فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان

بڑے لوگوں کے دن منانا بدعت ہے

یوم رضا ، یوم شیخ الہند۔ رضا کانفرنس ، شیخ الاسلام کانفرنس ، میلاد کانفرنس ، سیرت کانفرنس ، جشن عید میلاد النبیؐ ، جشن صد سالہ دیوبند قسم کی مجالس منعقد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟
: بزم رضا ، بزم امیر شریعت قسم کی جماعتیں بنانا جائز ہے یا ناجائز ؟

الجواب جب آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی تو چند علماءِ یہود حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر یہود پر نازل ہوتی تو وہ اس کے نزول پر ایک جشن عید مناتے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سوال کیا کہ وہ کون سی آیت ہے تو انہوں نے یہی آیت پڑھ دی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جواب دیا کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس جگہ اور کس دن نازل ہوئی۔ اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ وہ دن ہمارے لئے دوہری عید کا دن تھا۔ ایک عرفہ ، دوسرے جمعہ۔ فاروق اعظمؓ کے اس جواب میں ایک اسلامی اصول کی طرف بھی اشارہ ہے جو تمام دنیا کی اقوام و مذاہب میں صرف اسلام ہی کا طغرائے امتیاز ہے اور وہ یہ کہ ہر قوم اپنے تاریخی واقعات کے دنوں کی یادیں مناتی ہے۔ اور ان ایام کو ان کے ہاں ایک عید یا تہوار کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ کہیں قوم کے بڑے آدمی کی پیدائش یا موت کا یا تخت نشینی کا دن منایا جاتا ہے۔ کہیں کسی خاص ملک یا شہر کی فتح یا اور کسی عظیم تاریخی واقعہ کا جن کا حاصل اشخاصِ خاص کی عزت افزائی کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام اشخاص پرستی کا قائل نہیں اس نے ان تمام رسومِ جاہلیت اور شخصی یادگاروں کو چھوڑ کر اصول و مقاصد کی یادگاریں قائم کرنے کا اصول بنا دیا۔

اسلام میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی موت و حیات یا شخصی حالات کا کوئی دن منانے کے بجائے ان اعمال کے دن منائے گئے جو کسی خاص عبادت سے متعلق ہیں۔ جیسے شبِ برأت ، رمضان المبارک ، شبِ قدر ، یوم عرفہ ، یوم عاشورہ وغیرہ۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس جواب نے بتلا دیا کہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہماری عیدیں تاریخی وقائع کے تابع نہیں۔ جیسا کہ جاہلیت اولیٰ کی رسم تھی۔ بلکہ اسلام میں کسی دن کی عید منانے کے لئے کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت

پیش کرنا ضروری ہے۔

آج کل کی جاہلیت جدیدہ نے تو اس کو بہت پھیلا دیا ہے یہاں تک کہ دوسری قوموں کی نقل کرکے مسلمان بھی اس میں مبتلا ہونے لگے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کی عید منائی۔ ان کو دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم پیدائش کے نام سے ایک عید میلاد بنا دی۔ اسی روز بازاروں میں جلوس نکالنے اور اس میں طرح طرح کی خرافات کو اور رات کو چراغاں کرنے کو عبادت سمجھ کر کرنے لگے۔ جس کی اصل صحابہؓ و تابعینؒ اور اسلاف امت کے عمل میں نہیں ملتی۔

الغرض جو بھی یوم، جلسہ، اور جشن اسی نظریہ جاہلیت کے تحت منایا جائے وہ دوسری اقوام کی نقالی ہوگی اسلام کی کوئی خدمت نہ ہوگی۔ واضح رہے کہ دیوبند کسی آدمی کا نام نہیں جس کی ولادت کا جشن منایا گیا ہو۔ بلکہ یہ ایک مدرسہ کا صد سالہ جلسہ تھا۔ تاریخوں کا تعین حاضرین کی سہولت کے لئے تھا۔ اسے صد سالہ جشن کا نام مدرسہ والوں نے نہیں دیا اور نہ ان کے ذہن میں جشن منانے کے جذبات تھے اور نہ ہی جشن کے لوازمات میں سے کسی عمل کا ارتکاب کیا گیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔ محمد انور عفا اللہ عنہ دارالافتاء خیر المدارس ملتان ۲۰/۶/۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح: عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

غم کے موقع پر اہل میت سے کھانا کھانا مکروہ اور ناجائز ہے

(۱) کیا غم کے موقع پر کھانے کی دعوت کرنا شرعاً جائز ہے

(۲) کیا اس دعوت سے میت کو کوئی فائدہ ہوگا۔

(۳) ایسی دعوت کرنے والے اور شرکت کرنے والے کیا عاصی ہوں گے؟

(۴) کھانے کی دعوت شرعاً کس کس موقع پر جائز ہے؟

الجواب (۱) ایسے موقع پر شریعت نے کھانے وغیرہ کا اہتمام کرنے سے منع کیا ہے بلکہ رشتہ داروں کو کہا گیا ہے کہ اس موقع پر وہ اہل میت کے کھانے کا انتظام کریں۔ خود اہل میت کے اہتمام کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں۔ میت کے پسماندگان میں بعض اوقات یتیم بچے بھی ہوتے ہیں۔ اس طرح کی دعوتوں میں ان کا بھی مال کھایا جاتا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل البیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ وفی البزازیۃ ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی

اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع اھ (شامیہ ج ۱ ص ۶۲۹)۔

۲ : جب اس کا مقصد ہی رسم پوری کرنا ہے تو اس پر کیا ثواب ملے گا ؟

۳ : ناجائز کام کرنے والے معصیت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

۴ : مختلف مواقع ہیں۔ مثلاً ولیمہ وغیرہ۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

طعامِ اہلِ میت بدعت ہے

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضراتِ فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ میت کے گھر کی دعوت وضیافت کھانا جائز نہیں بلکہ اہلِ میت کو کھانا بھیجنا چاہیئے۔ حالانکہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ نمازِ جنازہ سے واپسی پر آپ اور حضرات صحابہ رض میت کے گھر دعوت کھانے کے لئے تشریف لے گئے۔

ولفظه فلما رجع استقبله داعى امرأته فاجاب ونحن معه فجئ بالطعام. فوضع يده ثم وضع القوم فاكلوا۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۴۴)۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے داعی امرأۃ کی تشریح المتوفی سے کی ہے۔ اب اس مسئلہ اور حدیث کی تحقیق مطلوب ہے۔

الجواب

قال فى الفتح يستحب لجيران أهل الميت والاقرباء الاباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله عليه الصلوة والسلام أصنعوا لأل جعفر طعامًا فانه اتاهم ما يشغلهم حسنه الترمذى و صححه الحاكم۔

حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ اہلِ میت کے پڑوسیوں اور بعیدی رشتہ داروں کو حکم ہے کہ وہ اہلِ میت کے لئے صبح وشام کا کھانا تیار کرکے بھیجیں۔ جیسا کہ ابن الہمام نے لکھا ہے۔ ابن الہمام نے مزید لکھا ہے کہ اہلِ میت کی طرف سے کھانے کی دعوت وضیافت کرنا مکروہ ہے۔ کیوں کہ یہ خوشی کے موقعہ پر ہوتی ہے نہ کہ شرور و مصائب پر۔ اور ایسی دعوت بدترین دعوت ہے۔ امام احمد وغیرہ نے صحیح سند سے جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔

كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة

گویا کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عام عرف یہی تھا کہ اہلِ میت کی طرف سے کھانے کی تیاری جائز نہیں۔ بلکہ اس کی حیثیت وہی ہے جو ماتم کرنے والے اور میت پر چیخ چلا کر رونے کی ہے۔ اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم ایسی عورتوں پر لعن فرماتے ہیں جو نوحہ کرتی ہیں ۔ عن ام عطیۃ قالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہانا عن النیاحۃ ۔ وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحۃ والمستمعۃ ۔
ابو داؤد ، ج ۲ ، ص ۴۴۶ ۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے ۔ ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ۔ کھانے کی دعوت پہلے دن تیسرے دن ساتویں دن کے بعد مکروہ ہے ۔ (گویا تیجہ ساتواں سب ناجائز ہیں) احادیث شریفہ اور فقہ حنفی کی تصریحات کے مطابق مذکورہ بالا قسم کی دعوت وضیافت ناجائز ومکروہ ہے ۔ بلکہ علامہ شامی رح کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ اور حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے ۔ (شامیہ ج ۱ ص ۶۲۹) ۔

علامہ ابن امیر الحاج المالکی رح لکھتے ہیں ۔ اما اصلاح اھل المیت طعاما وجمع الناس فلم ینقل فیہ شیئ وھو بدعۃ غیر مستحب (مدخل ، ج ۳ ، ص ۲۷۵) ۔

اور حدیث استقبلہ داعی امرأتہ کے علامہ شامی رح نے تین جوابات دیئے ہیں ۔ جن کا حاصل یہ ہے ۔

۱ ، یہ ایک خاص جزئی واقعہ ہے اور حدیث جریر ایک ضابطہ کلیہ اور تشریع کی حیثیت رکھتی ہے جب جزئی واقعہ اور ضابطہ میں تعارض ہو تو ضابطہ کو ترجیح دی جاتی ہے ۔ اور جزئی واقعہ کی توجیہ کی جاتی ہے ۔ نظیرہ حدیث سلمان رضی اللہ عنہ فی بحث الاستقبال والاستدبار ویعارضہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقضی حاجتہ مستقبل بیت المقدس او کما قال ۔

۲ ، اس میں خصوص سبب کا بھی احتمال ہے ۔

۳ ، ائمہ مجتہدین نے تمام احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے مسائل کا استنباط کیا ہے ۔ اور حدیث کا صحیح محل متعین فرمایا ہے ۔ متأخرین کا مقام صرف یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے علم و اخلاص، دیانت و تقویٰ اور خداداد فہم وتفقہ پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی تحقیقات پر عمل کریں ۔ ورنہ نصوص متعارضہ وغیرہ کے بارے میں گمراہی کا سخت اندیشہ ہے ۔ مثلاً قرآن کریم میں وارد ہے ۔ یاایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ ۔ اے ایمان والو سود کو دوگنا ، چوگنا بڑھا کر کھاؤ ۔ اس آیت کو لے کر کچھ جاہلوں اور گمراہوں نے یہ کہا ہے کہ تھوڑا سود لینا جائز ہے اور دوگنا چوگنا ممنوع ہے حالانکہ ائمہ مجتہدین نے قلیل سود تو ایک طرف ربا شبہ ربوا کو بھی ناجائز قرار دیا ہے ۔ اور صحیح یہی ہے ۔

لقولہ علیہ السلام دعوا الربیبۃ والربوا۔ اور تھوڑے سود کو حلال قرار دینا کھلی گمراہی ہے۔
لیکن یہ قائل بھی قرآن شریف کی آیت پڑھ کر اسے اپنے دعوے کی دلیل بنا رہے ہیں ۔ یہ ائمہ مجتہدین کی تحقیقات سے اعراض کا نتیجہ ہے ۔ یہی حقیقت مسئلہ زیر بحث میں بھی پیش نظر رہنی چاہیے ۔ کہ طعام اہل میت کو حنفیہ، شافعیہ ، اور حنابلہ کے مذاہب حقہ میں ممنوع ومکروہ قرار دیا گیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ کوئی حدیث ناقابل توجیہ اس کے خلاف ہو تو مذاہب ثلاثہ کا اجماع حدیث کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے ۔ ضرور اس حدیث کی کوئی ایسی توجیہ موجود ہے جس کی بنا پر یہ اجماعی مسئلہ متأثر نہیں ہوتا علامہ شامی رح کے مختصر الفاظ یہ ہیں ۔

وبحث هنا فی شرح المنیۃ بمعارضۃ حدیث جریر المار بحدیث اخر فیہ انہ علیہ الصلوۃ والسلام دعتہ امرأۃ رجل میت لما رجع من دفنہ فجاء وجئ بالطعام ۔ اقول وفیہ نظر فانہ واقعۃ حال لا عموم لہا مع احتمال سبب خاص بخلاف ما فی حدیث جریر علی انہ بحث فی المنقول فی مذہبنا ومذہب غیرنا کالشافعیۃ والحنابلۃ استدلالاً بحدیث جریر المذکور علی الکراہۃ (شامی ج ۱، ص ۶۲)۔

اور مذکورہ بالا تین جوابات کے علاوہ ایک تحقیقی جواب یہ ہے ۔ کہ یہ حدیث شارح منیہ اور صاحب معاینجہ نے بحوالہ ابوداؤد شریف وغیرہ نقل کی ہے لیکن ابوداؤد شریف میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ موجود نہیں ۔ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں ۔

قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ ۔ الی ان قال فلما رجع استقبلہ داعی امرأۃ فجاء فجیئ بالطعام الحدیث ۔ (ج ۲ ص ۴۳ اصح المطابع کراچی) نسخہ عون المعبود ج ۳، ص ۲۴۹) دوسرا نسخہ عکس اصح المطابع ج ۲، ص ۵۰، بذل المجہود : ج ۴ ص ۲۳۹)
محقق دوراں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "بذل" میں کہ ۔
ابوداؤد شریف کے جتنے نسخے ہمارے پاس موجود ہیں سب میں ایسے ہی (یعنی امرأۃ بغیر اضافت کے ہے) ولفظ الشریف استقبلہ داعی امرأۃ ہکذا فی جمیع النسخ الموجودۃ عندی من المکتوبۃ والمطبوعۃ وفی نسخۃ مشکوۃ المصابیح داعی امرأتہ ۔

(بذل ، ج ۴، ص ۲۳۹ طبع اوّل)

اور مقدمہ بذل سے معلوم ہوتا ہے کہ تالیف بذل کے دوران مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ، ملکی اور غیر ملکی

تصحیح شدہ مختلف چھ نسخے موجود تھے۔ ابوداؤد شریف کے مندرجہ بالا تمام نسخوں (جن کی تعداد کم از کم دس ہے) سے معلوم ہوا کہ حدیث شریف کے اصل اور صحیح الفاظ " داعی امرأۃ " ہیں پس ان الفاظ صحیحہ کی روشنی میں حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جنازے سے واپسی پر کسی ایک عورت نے آدمی بھیج کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی (مرنے والے کی بیوی نے دعوت نہیں کی) پس ظاہر ہے کہ یہ حدیث حدیث جریر سے معارض ہی نہیں۔ لہذا مسئلہ زیر بحث کا جو حکم حنفیہ و شافعیہ و حنابلہ نے حدیث کی روشنی میں دیا ہے وہ صحیح اور واجب العمل ہے۔ کسی دوسری حدیث سے یہ حکم متاثر نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس کے معارض کوئی دوسری حدیث موجود ہے۔

داعی امرأۃ کے صحیح ہونے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے۔ ابوداؤد شریف کے علاوہ جن کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے سب میں بغیر اضافت کے یہ الفاظ موجود ہیں۔ چنانچہ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۲۴۔ محلی ابن حزم: ج ۷، ص ۱۵۴۔ وغیرہ کتب ملاحظہ فرمائیے۔ نیز شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۲۔ ص ۳۲۰۔ مشکل الآثار للطحاوی: ج ۲: ص ۱۳۲۔ دارقطنی: ج ۲ ص ۵۴۵۔ سنن الکبری: ج ۶ ص ۹۷۔ میں بھی یہ حدیث " امرأۃ " کے لفظ کیساتھ موجود ہے۔ اور تمام کتابوں میں " امرأتہ " کے لفظ موجود نہیں ہیں۔

تنبیہ اول: شارح منیہ نے حدیث جریر کا محمل عام۔ عند الموت کو قرار دینے کی کوشش کی ہے فرماتے ہیں۔ وانما یدل علی کراھتہ ذلک عند الموت فقط (کبیری: ص ۵۶۱)
لیکن یہ محل نظر ہے کیونکہ عند الموت سے اگر مراد عین خروج روح کا وقت ہے تو اس وقت دعوت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ عین موت کے وقت دعوت کی کس کو سوجھتی ہے کون کھاتا ہے اور کون کھلاتا ہے۔ حتیٰ کہ عام عرف کے مطابق گھر والے بھی جنازہ اٹھ جانے کے بعد ہی کھاتے ہیں۔ اور مرد جنازہ سے واپس آنے کے بعد اور اگر موت کے بعد کھانے کا قریب ترین وقت مراد ہے تو قریبی وقت جنازے سے واپسی پر ہی سمجھا جاتا ہے پس حدیث داعی امرأتہ سے بداہتہً معارضہ قائم ہے توجیہ کا کیا فائدہ ہے؟ اور منتقی الاخبار ص ۱۲۲ کے لفظ یہ ہیں۔ وصنعۃ الطعام بعد دفنہ من النیاحۃ الخ معلوم ہوا کہ حدیث جریر کا محمل طعام عند الموت نہیں بلکہ طعام بعد الدفن ہے۔ فتنبہ۔

تنبیہ ثانی: بعض حضرات کراہت تنزیہی کی توجیہ کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی مخدوش ہے کیونکہ جس مقام پر کراہت کا لفظ مطلق ہے اس سے مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ابن الہمام رح دعوت اہل میت پر بھی بدعت کا لفظ استعمال کر رہے ہیں فرماتے ہیں۔ " وہی بدعۃ مستقبحۃ "

پس اسے مکروہ تنزیہی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

الحاصل اہلِ میت کے گھر دعوت و ضیافت مکروہ و بدعت ہے خواہ پہلے دن ہو یا تیسرے دن یا ساتویں دن ملا علی قاری رح نے بھی شرح نقایہ میں اسی کی طرف رجوع فرمایا ہے لکھتے ہیں کہ۔

" میت کے ہاں سے کھانا تناول کرنا مکروہ اور بدعت مستقبحہ ہے " (ترجمہ)

اور یہ مسئلہ اتنا واضح اور بدیہی ہے کہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی بھی اس سے انکار نہیں کر سکے بلکہ بڑے شد و مد سے اصل بدعت کی تردید کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ

" اگر فاضل حلبیؒ اور ملا علی قاری رح ہمارے دیار کا رسم ورواج دیکھتے تو غمی کی ان دعوتوں پر حرمت قطعی کا حکم لگا دیتے اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اس کی اجازت دینے میں شیطان مردود کے لئے ایک دروازہ کھول دینا ہے۔ اور مسلمانوں بالخصوص نادار مسلمانوں کو سخت مصیبت میں ڈال دینا ہے۔ اھ (احکام شریعت ، ص ۱۹۷)

فاضل بریلوی ایک دوسرے سوال کے جواب میں۔ دوسرے ، تیسرے ، چالیسویں دن کے اجتماع اور کھانے پینے کے متعلق لکھتے ہیں۔ " یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ و قبیحہ ہے "

(احکام شریعت ، ص ۱۹۱ و ۱۹۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ۔ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ

اذان کے ساتھ صلوۃ وسلام کب سے شروع ہوا

اذان سے پہلے صلوۃ وسلام پڑھنا شریعت کے لحاظ سے کیسا ہے۔ اس کی ابتدا کب سے ہوئی اور کس نے کی ؟ ایک مسجد والے لوگ بعض کہتے ہیں کہ پڑھا جائے ، بعض کہتے ہیں کہ نہ پڑھا جائے۔ پڑھنے والے ضد پہ ہیں۔ اب مسجد میں پڑھنے اور نہ پڑھنے پر جھگڑا اور فساد ہے کیا کیا جائے ؟

سید محمد انور شاہ مین بازار کوہاٹ۔

الجواب آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان۔ تابعین کے زمانہ میں اذان سے پہلے صلوۃ وسلام بالکل نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے۔ اذان میں سب سے پہلے اہلِ تشیع نے تحریف کی۔ اس کے بعد محتسب قاہرہ صلاح الدین نے بزورِ حکومت اذان کے بعد صلوۃ وسلام کو ضروری قرار دیا۔ اب کچھ لوگوں نے اسے اذان سے پہلے ضروری سمجھ لیا ہے حتیٰ کہ نہ پڑھنے والوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ سب جہالت ہے۔ حق وہی ہے جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام

اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں تھا۔ اسی پر عمل کیا جاوے۔ مخالفت کرنے والوں کو حکمت، و موعظت سے سمجھایا جائے۔ والذی احدث الصلوۃ والسلام عقب الاذان ھو محتسب القاھرہ صلاح الدین بن عبد اللہ البرلسی امر بہ فی مصر۔ اھ (الابداع: ص۱۶۰)۔

نوٹ:۔ زیادہ تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ تحریف الاذان۔ ——— فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ: ۱۴ : ۱۱ : ۱۳۹۹ھ

آٹھویں صدی میں یہ بدعت جاری ہوئی لہذا اس سے احتراز لازم ہے۔

والجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔

انگوٹھے چومنے کی کوئی روایت صحیح نہیں

۱: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان میں کلمہ شہادت سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر لگانا جائز ہے یا نہ؟

۲: کس حدیث سے یہ ثابت ہے اور اس حدیث کو کسی محدث نے صحیح اور درست فرمایا ہے؟

۳: کیا ائمہ اربعہ میں سے کسی امام نے اس عمل کو جائز فرمایا ہے اور اس کے مستحب ہونے کا قول کیا ہے؟

۴: بعض علماء اس کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ کیا حضور علیہ السلام کے کسی قول یا فعل کے ثابت نہ ہونے کی صورت میں کسی عمل کو مستحب کہا جا سکتا ہے؟ کیا یہ بدعت ہے؟

۵: بعض علماء فقہ حنفی کی مستند کتاب رد المحتار شامی کے متعلق فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس عمل کو مستحب فرمایا ہے۔ اسی طرح صاحب مقاصد حسنہ اور صاحب مسند الفردوس کے متعلق کہتے ہیں۔ کیا یہ نسبت صحیح ہے یا غلط؟

الجواب

۱: قرآن کریم، احادیث صحیحہ، اجماع امت، اور ائمہ اربعہ میں سے کسی امام سے اس فعل کا ثبوت نہیں۔ اور لوگ اس کو ضروری اور عملاً واجب سمجھتے ہیں اس کے تارک پر نکیر کی جاتی ہے۔ لہذا موجودہ زمانہ میں جائز قرار دینا قواعد شرعیہ کے خلاف ہے۔ کسی اجماعی امر مستحب کو بھی درجۂ واجب میں پہنچا دیا جائے تو اس کا ترک ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ عوام الناس کا اعتقاد محفوظ رہے۔ حدیث عبد اللہ بن مسعود لا یجعل احدکم نصیبا للشیطان من صلوتہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ کے تحت علماء نے لکھا ہے وفی ھذا الحدیث دلیل علی من اعتقد الوجوب فی امر لیس بواجب شرعا او عمل معاملۃ

الواجب معه یکون هذا احظا من الشیطان وبدعة مذمومة (بذل ج ۲ ص ۱۵۶)

۲ ؛ صحاح ستہ کی کسی حدیث میں بلکہ ان کے علاوہ بھی کسی صحیح مرفوع حدیث میں اس کا ثبوت نہیں ہے
وذکر ذالک الجراحی و اطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل هذا
شیٔ ۔ (شامی ج ۱، ص ۲۹۶)۔

۳ ؛ کسی امام نے اس کے مستحب ہونے کا قول نہیں کیا۔

۴ ؛ ثبوتِ استحباب کے لئے دلیل شرعی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک حکم شرعی ہے۔ بغیر دلیل شرعی کے ثابت نہیں ہوگا۔ علامہ شامی رح نقل فرماتے ہیں والمستحب وهو ماورد به دلیل ندب یخصه کما فی التحریر ؛ ج ۱، ص ۹۶)۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ کسی عالم غیر مجتہد نے غیر دلیل کو دلیل سمجھتے ہوئے کسی فعل کو مستحب کہا ہو۔ جب تحقیق سے اس دلیل کا غیر معتبر ہونا ثابت ہو جائے گا تو فعل مذکور کا مستحب ہونا بھی منتفی ہو جائے گا۔

لبعض علمار کا اسے مستحب کہنا ہو سکتا ہے کہ استحباب لغوی کے قبیل سے ہو۔ نہ کہ استحباب شرعی کے قبیل سے ہو۔ کیونکہ دلیل شرعی مقتضی استحباب موجود نہیں۔ جیسا کہ آگے مذکور ہوتا ہے۔

۵ ؛ علامہ شامی رح نے جس جگہ یہ نقل کیا ہے اس مقام پر یہ بھی نقل کیا ہے ولم یصح من کل هذا شیٔ (ج ۱، ص ۲۹۶) (کہ اس میں کوئی مرفوع صحیح نہیں)۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ اگرچہ اس میں صحیح حدیث نہیں ہے لیکن استدلال کے لئے حدیث حسن بھی کافی ہے۔ جواب یہ ہے کہ حدیث حسن موجود بھی تو ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی حسن بلکہ ضعیف قابلِ عمل حدیث بھی موجود نہیں۔ واضح رہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا تین شرطوں سے جائز ہوتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

۱ ؛ ضعیف شدید نہ ہو۔

۲ ؛ یہ عمل کسی اصل عام کے تحت داخل ہو۔

۳ ؛ اس عمل کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ کیا جائے۔

قال فی الدر المختار شرط العمل بالحدیث الضعیف عدم شدة ضعفه وان یدخل تحت أصل عام وان لا یعتقد سنیة ذالک الحدیث واما الموضوع فلا یجوز العمل به بحال۔ (ج ۱، ص ۱۱۹)۔

اور مسئلہ زیر بحث میں یہ تینوں شرطیں تقریباً مفقود ہیں۔ کیونکہ ایسی روایات میں شدید ضعف ہے۔ بلکہ موضوع ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ الاحادیث التی رویت

فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمۃ الشہادۃ۔ کلہا موضوعات انتہی۔ (تیسیر المقال للسیوطی)۔

اور عوام سنت بلکہ اس سے بڑھ کر سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرتے ہیں الغرض یہ فعل قرآن کریم حدیث پاک، تعامل صحابہ رضؓ، اجماع امت، اقوال ائمہ میں سے کسی دلیل کے ساتھ ثابت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۲ ربیع الاول ۹۴ ۱۳ھ

فرائض کے بعد چیخ چیخ کر کلمہ کا ورد کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہماری مسجد شاہ حسین محلہ کرم پورہ میں ہر نماز کے بعد سلام پھیرنے کے فوراً بعد بعض نمازی بلند آواز سے چیخ چیخ کر کلمہ طیبہ دس پندرہ مرتبہ اس کے بعد "الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" دس پندرہ مرتبہ پڑھتے ہیں۔ جو نمازی بعد میں شامل ہوتے ہیں وہ جب کھڑے ہو کر نماز پوری کرتے ہیں تو شور کی وجہ سے ان کی نماز خراب ہو جاتی ہے اور نمازی اپنے الفاظ بھول جاتا ہے کیا اس طرح ذکر اور صلوۃ وسلام درست ہے۔ مسلک حنفی کے مطابق مسئلہ تحریر فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

مولوی محمد صدیق امام مسجد شاہ حسین محلہ کرم پورہ ملتان۔

الجواب ذکر وصلوۃ وسلام کی جس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ بلا شبہ بدعت، ناجائز، موجب گناہ اور بہت سے ممنوعات شرعیہ پر مشتمل ہے۔

۱: کچھ اذکار وعبادات ایسی ہیں کہ شریعت میں ان کا ایک خاص طریقہ اور وقت مقرر ہے۔ ان عبادات کو اس طریقے یا وقت کی رعایت کے بغیر ادا کیا جائے تو وہ بجائے عبادت وموجب رضاء الٰہی بننے کے ضلالت اور سبب عتاب بن جاتی ہیں۔

کچھ اذکار وعبادات ایسی ہیں کہ شریعت نے ان کے لئے کسی خاص وقت اور طریقے کو ضروری قرار نہیں دیا۔ ان اذکار وعبادات کو ادا کرنے کے لئے اپنی طرف سے کوئی خاص وقت یا کسی ایک طریقے کو لازم قرار دے لینا جہالت و بدعت ہے۔ اور اتباع شریعت کی بجائے اتباع نفس و ہوٰی ہے۔ اور باوجود صد خلوص اور نیت کے صحیح ہونے کے اس عبادت پر کوئی ثواب نہیں ملتا۔ کیونکہ اگر اس عبادت کو ادا کرنے کے لئے یہی طریقہ بہتر ہوتا تو خود شارع علیہ السلام اس طریقے کو متعین فرما دیتے ورنہ تکمیل دین کا دعوٰے بے معنی ہو کر رہ جاتا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے طریقوں سے عشق کی حد تک وابستگی تھی۔ اور دین میں نئی صورتوں سے سخت بیزار تھے۔ ان کے سامنے جب بھی کوئی ایسا نیا طریقہ پیش ہوا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا۔ تو انہوں نے شدت کے ساتھ منع کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ میں کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر زور زور سے کلمۂ طیبہ اور درود پاک کا ورد کر رہے تھے۔ چونکہ یہ ان عبادات سے نہ تھا جنہیں بلند آواز سے اجتماعی طور پر ادا کیا جاتا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شدید نکیر فرمائی حتیٰ کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

(فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ مبتدعین کو مسجد سے بزور نکالنا ضروری ہے۔)

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہ اخرج جماعۃ من المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جھرا وقال لھم ما اراکم الا مبتدعین (شامی ج۵ ص۲۶۳)

کچھ ایسا ہی معاملہ مروجہ و مذکورہ درود وسلام کا ہے جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے آنکھوں سے ضد و تعصب کے پردے ہٹا کر دیکھا جائے تو اس طریقہ پر پڑھنے کا شریعت میں کوئی ایک ضعیف سا ثبوت بھی نہیں ملے گا۔ نہ دورِ نبوی میں، نہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے زمانہ میں، نہ ائمہ کرام کی تعلیمات میں کہیں بھی اس کا یہ طریقہ منقول نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس اس طریقہ پر پڑھنے کی ممانعت منقول ہے۔ جیسا کہ ابھی بحوالۂ ابن مسعود رضی اللہ عنہ گزر چکا ہے۔ پھر بھی اس پر اصرار کرنا شریعت تو نہیں باقی سب کچھ ہے۔

اس نمائشی صلوۃ وسلام کی ممنوعیت کے لئے تو اتنا ہی کافی تھا کہ خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ مگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو اس میں اور بھی کئی ایسی وجوہ ظاہر ہوں گی جن کی وجہ سے یہ طریقہ واجب الترک والاحتراز ہے۔ بدعت کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ بظاہر خوشنما ہوتی ہے مگر اپنے اندر کئی منکرات کو لئے ہوئے ہوتی ہے۔

۲ : اگر اسے عبادت و ذکر کی حیثیت سے پڑھا جاتا ہے۔ تو ذکر کے بارے میں شریعت کی تاکیدات یہ ہیں کہ آہستگی کے ساتھ وقار و احترام کے ساتھ کیا جاوے۔ اونچی آواز سے شور ڈالنا چیخ چیخ کر پڑھنا ادب و احترام کے منافی ہے۔ خود آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک صحابی کو کافی بلند آواز سے ذکر کرتے ہوئے سنا تو انہیں آہستگی کا حکم فرمایا۔

۱ : اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر

من القول - (سورۃ اعراف: پ۹)

۲ : ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ (اعراف)

۳ : حدیث میں ہے - ایہا الناس اربعوا علی انفسکم انکم لیس تدعون أصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعا قریبا وھو معکم ——— (مسلم ج ۲ ص ۳۴۶)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں۔ ففیہ الندب الی خفض الصوت بالذکر اھ

فقہاء تصریح فرماتے ہیں۔ کہ درود شریف بلند آواز سے اعضاء کو ہلا ہلا کر پڑھنا جہالت ہے۔

وازعاج الاعضاء برفع الصوت جھل وانما ھی دعاء اھ (شامی ج ۱ ص ۳۶۴)۔

علامہ حلبی حنفی رح لکھتے ہیں ان رفع الصوت بالذکر بدعۃ مخالف للامر (کبیری ص ۵۶۶)

امام نووی رح فرماتے ہیں - اما الدعاء فیسر بہ بلا خلاف اھ (شرح مسلم ج ۱ ص ۳۱۱)۔

ھل یکرہ رفع الصوت بالذکر والدعاء قیل نعم اھ (شامی ج ۵ ص ۲۶۳)۔

۳ : یہ بلند آوازی اور بے ہنگم شور مسجد میں کیا جائے تو اس کی ممنوعیت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اس میں بے حرمتی مسجد کا گناہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ حاملانِ شریعت نے مسجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے کو صراحۃً منع کیا ہے۔

مشتے نمونہ از خروار

یستحب فی الدعاء الاخفاء ورفع الصوت بدعۃ (سراجیہ ص ۷۲)

قال ابن حجر سئل مالک عن رفع الصوت فی المسجد بالعلم فقال لاخیر فیہ بعلم ولا بغیرہ ولقد ادرکت الناس قدیما یعیبون ذالک علی من یکون بمجلسہ وانا اکرہ ولا ادری فیہ خیرا (اوجز المسالک)

قال النووی یکرہ رفع الصوت فی المسجد بالعلم وغیرہ (اوجز المسالک)

قال القاری اذ مذھب (ابی حنیفۃ) کراھۃ رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر۔

آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام سے جو کبھی کبھار نمازوں کے بعد جہراً دعا مانگنا منقول ہے۔ وہ تعلیم پر محمول ہے۔ حاشیہ بخاری میں حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قال ابن بطال اصحاب المذاھب المتبعۃ وغیرھم متفق بن علی عدم استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر حاشا ابن حزم وحمل الشافعی

هذا الحديث على ان جهر ليعلمهم لا انه كان دائما ۔ (حاشیہ بخاری، ج ۲ ص ۱۰۱)
فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ بلا ضرورت جہر بالدعاء مع الاجتماع بدعت ہے ۔ واذا تعلموا حينئذ يكون جهر القوم بدعة ۔ (ج ۴، ص ۹۲)۔
یہ جہر بالصلوٰۃ والذکر جب ایسے وقت میں کیا جائے کہ کچھ لوگ نماز و تلاوت و عبادت میں مصروف ہوں تو اس کی ممنوعیت میں کچھ کلام باقی نہیں رہ جاتا ہے ۔ ایسی عبادت نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بن جاتی ہے ۔ ایسے وقت میں اونچا پڑھنے کا جواز کسی سے منقول نہیں ۔ امام شعرانی رح فرماتے ہیں کہ اگر ذکر کی وجہ سے نمازی یا سوئے ہوئے کو یا تلاوت کرنے والے کو تشویش ہو تو ذکر درست نہیں ۔
الا ان يشوش جهرهم على نائم او مصل او قارئ ۔ (اوجز المسالک ج ۲ ص ۲۲۷)
شامی، ج ۵، ص ۲۶۳ ۔ پر ہے کہ جہاں ریاء کا خطرہ ہو، یا نمازیوں اور سوئے ہوؤں کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو وہاں اخفا افضل ہے ۔ فالاسرار افضل حيث خيف الرياء او تأذى المصلين او النيام ۔ اھ ۔

حرفِ آخر مذکورہ بالا آیات ، احادیث ، روایات ، اقوالِ ائمہ اور فقہی حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ مروجہ طور پر درود وسلام کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے ۔ اس کے باوجود اس پر اصرار کرنا ، نہ کرنے والوں کو برا کہنا ، اصلاح کی کوشش کرنے والوں کو موردِ طعن بنانا انتہائی مذموم و مبغوض ہے ۔ دل صاف کر کے تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ یہ طریقہ بدعت و ضلالت ہے ۔ وشر الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار ۔
وفقنا الله واياكم اتباع السنة السنية على صاحبها الف الف تحية
ههنا تم منا الكلام ۔ ۔ ۔ وعلى مصطفانا الوف السلام
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفی اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴/۱۱/۱۳۹۹ھ

مروجہ میلاد کب ایجاد ہوا کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مناتے ہیں آیا قرآن و حدیث سے ثابت ہے یا کہ نہیں ۔ ہم تاریخ کے حوالہ سے بتا رہے ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں تشریف لائے تو ابو لہب کو باندی نے آکر خبر دی کہ آپ کے بھائی عبد اللہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے ۔ ابو لہب نے یہ کہا کہ اس خوشی

میں تجھے آزاد کرتا ہوں ۔ توابولہب نے اپنی خوشی منائی کہ باندی کو آزاد کردیا ترخوشی کے باوجود وہ جہنم میں جائے گا ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا توابولہب آپ پر ایمان نہیں لایا۔ اس لئے جہنم میں جائے گا ۔ آپ یہ بتلایئے کہ دعوئے نبوت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حکم کیا ؛ جو آج کل کے لوگ کرتے ہیں ۔ یاصحابۂ کرام علیہم الرضوان نے ایسا کیا ؟ یاکسی بزرگ یا پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ نے کیا ۔ اگر ایسا کام ان میں سے کسی بزرگ نے کیا توآپ اس کا نام لکھ دیں کہ جس نے سارا کام خلافِ سنت کرایا ۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاکہ مسلمان جس قوم کے پیچھے لگ کر اس قوم کا جشن منائیں گے تو قیامت کے دن اسی کے ساتھ اٹھائے جائیں گے ۔ جیسے سجاوٹ میں یہ نقلی روضہ اور مینار مسجد نبوی بنواکر رکھ لیتے ہیں یہ طریقہ لوگوں کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہارِ محبت ہے ۔ یا کہ نبیؐ کی شان میں گستاخی ہے ؟ اس سجاوٹ کو دیکھنے کے لئے عورتیں ، بچے ، مرد بھی آتے ہیں اور اس سجاوٹ کو دیکھنے کے لئے آنے والی عورتوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے اس سے خدا کی پناہ اس کے بارے میں بتلایئے کہ جو لوگ اس میں شامل ہوتے ہیں یہ لوگ اتنے گنہگار ہیں یا کہ اس سے زیادہ وہ لوگ جو دیکھتے ہیں ، آنے والی عورتوں کی عزت و آبرو سے کھیلتے ہیں ۔ اگر ان تمام چیزوں کا کرنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جائز نہیں ہے توآپ فرمائیے وہ ابوجہل جو کہ خانۂ کعبہ کا طواف کیا کرتا تھا اور حاجی صاحبان کو پانی وغیرہ پلاتا تھا ، دیکھنے میں کتنا اچھا کام کرتا تھا اس کے باوجود جہنم میں جائے گا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کی ۔ اور یہ لوگ جو کام پیدائشِ رسولؐ کے سلسلہ میں کرتے ہیں اگر یہ کام اتباعِ رسولؐ ہے تو فرمایئے ؛ اور اگر یہ کام اتباعِ رسولؐ نہیں ہے تو پھر ان لوگوں کا ٹھکانا کہاں ہے ۔ فتویٰ صحیح جاری کیجئے ۔ بینوا توجروا ۔

المستفتی عبداللطیف معاویہ جنرل سٹور لوہاری گیٹ ملتان

الجواب میلاد کے نام پر محفلوں کا انعقاد ۶۰۳ھ سے ہوا ایک معروف بادشاہ مظفرالدین کوکری بن اربل اس کا موجد ہے وہ ان محافل پر بیش بہا رقم خرچ کرتا تھا ۔ موجودہ دور میں ان پر نمائشی جلوسوں کا اضافہ ہوگیا ہے ۔ اور آئندہ خدا معلوم کیا ہوگا ۔ ان جلوسوں میں کیا کچھ ہوتا ہے یہ تو سوال سے ظاہر ہے ۔ عورتوں کو جب نماز جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت نہیں تو ان جلوسوں میں شرکت کرنا کیسے روا ہوسکتا ہے ؛ قطع نظر مذہبی ممانعت کے شرافت اور غیرت گوارا نہیں کرتی کہ بہو بیٹیاں ایسے اجتماعات میں شرکت کریں ۔ جہاں ان کے ساتھ شہری غنڈے نازوا حرکتیں کریں ۔ اور ایسے جلوسوں کا تعاون بھی شرعاً درست نہیں ہے ۔

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ۔ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۵ر۳ر۱۳۹۷ھ

میلاد اور اس میں قیام کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مجلس منعقد کر کے اکثر لوگ ذکر ولادت باسعادت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں۔ اور ایک خاص وقت مقررہ پر سلام پڑھتے ہیں اور فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں ان کا زعم ہوتا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کھڑا نہ ہو تو اس پر طعن و تشنیع کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ کافر تک کہہ دیتے ہیں اور بکتے ہیں کہ یہ اس لئے کھڑا نہیں ہوا کہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا رسول نہیں سمجھتا یعنی محمد رسول اللہ نہیں سمجھتا بلکہ محمد بن عبداللہ مانتا ہے ایسی ایسی باتیں بنا کر قیام نہ کرنے والے پر الزام تراشے جاتے ہیں اس کے پیچھے نماز بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔ تو اس کے متعلق جواب مرحمت فرمائیں کہ حق کیا ہے ؟

الجواب

ذکر ولادت باسعادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب بلکہ ان سے زیادہ افضل ہے لیکن اس ذکر خیر میں اپنی طرف سے خلاف طریقہ سنت، سلف صالحین، صحابہؓ و تابعینؒ کچھ اضافہ کرنا اور غلط طریق اختیار کرنا۔ جو صحابہؓ و تابعین سے ثابت نہ ہو بجائے ثواب ہونے کے الٹا موجب گناہ ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد (مشکوٰۃ شریف)

جو شخص دین نبوی میں ایک ایسی چیز کا احداث کرتا ہے جو قرآن و حدیث، اجماع و قیاس مجتہد سے ثابت نہیں ہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مردود ہے۔

۱ : پس یہ خاص طریقہ کہ ایک وقت مقرر میں لوگوں کو جمع کر کے ان سے سلام پڑھواتے رہنا پھر یکایک دعوے کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں اور لوگوں کو کہنا کہ کھڑے ہو جاؤ اور جو نہ اٹھے اس کو کافر کہنا اور یہ کہنا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں سمجھا۔ نہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت ہے اور نہ تابعین رحؒ سے۔ اور نہ ائمہ مجتہدینؒ سے، اور نہ کسی کتاب فقہ کے اندر مرقوم ہے۔ فقہ کی سینکڑوں کتابیں متقدمین اور متاخرین کی موجود ہیں۔ منیۃ المصلی سے لے کر ہدایہ اور شامی، قاضی خان، عالمگیری وغیرہ کسی حدیث و تفسیر و فقہ کی کتاب تک میں لکھا ہوا نہیں ہے۔

۲ : احادیث نبویہ کے اندر یہ آتا ہے کہ درود شریف جو میرے اوپر لوگ بھیجتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ

نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں وہ تمام عالم میں گشت کرتے رہتے ہیں جہاں بھی لوگ درود پاک پڑھتے ہیں وہ اسے لے کر میرے پاس پہنچا دیتے ہیں اور اگر میری قبر پر درود پاک پڑھا جائے تو میں خود سنتا ہوں۔ لیکن کسی حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہو کہ مجلس میلاد میں "میں خود جاتا ہوں "۔

۳ ۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجالس میلاد میں خود تشریف لے آتے ہیں اسے یا تو حدیث صحیح سے ثابت کرنا چاہیئے ۔ بخاری ، مسلم ، ترمذی وغیرہ کتب حدیث شائع اور مشہور ہیں۔ صفحہ ، سطر کا حوالہ دے دیا جائے ورنہ بغیر ثبوت کے جو شخص آپ کی طرف ایسی بات منسوب کرتا ہے جو آپ نے ارشاد نہ فرمائی ہو تو اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماتے ہیں من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار ۔ ایسے آدمی کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے۔

اگر کسی مجلس میں ذکر خیر ولادت باسعادت ان تمام منکرات سے خالی ہو تو اس میں شامل ہونا عین ایمان اور موجب برکت و ثواب ہے ۔ لیکن اگر موجودہ زمانے کے رسومات اور عقائد شنیعہ کے ساتھ ایک مجلس منعقد کی جائے تو اس سے علیحدہ رہنا ہی موجب ثواب ہے۔

اللہ تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع اور ذکر رسولؐ کے ساتھ فکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے اور اپنانے کی توفیق ہر مسلمان بھائی کو نصیب فرمائے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہ ، خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب حق والحق احق ان یتبع ، خیر محمد مہتم مدرسہ خیر المدارس ملتان ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ

بعد الجنازہ ، بعد الدفن اور عند التعزیت دُعا کی تحقیق

نماز جنازہ پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں ؟ اس کے بعد تین دفعہ یا گیارہ دفعہ قل شریف پڑھ کر امام کے ملک کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ یا خود پڑھ کر بخشنا جائز ہے یا نہیں ؟

۲ ۔ متوفی کو دفن کرنے کے بعد کل آدمیوں کا بمجملہ اکٹھے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں ؟

۳ ۔ متوفی کے گھر پر فاتحہ ہاتھ اٹھا کر کہنا جائز ہے یا نہیں ؟ اور قل خوانی تیسرے دن کرنی درست ہے یا بدعت ؟

الجواب نماز جنازہ کے بعد جمع ہو کر دعا مانگنا بدعت ہے ۔ کتب حنفیہ میں بھی اس کی ممانعت

کی گئی ہے۔ فتاویٰ سراجیہ اص ۲۳ میں ہے اذا فرغ من الصلوۃ لا یقوم بالدعاء ۔ اور خود پڑھ کر بخشنا جائز ہے ۔ امام کی تملیک کا ثبوت نہیں ۔ ہر پڑھنے والے کا ثواب میت کو امام کی تملیک کئے بغیر بھی اللہ تعالیٰ پہنچا دیتے ہیں۔

۲ : قبر تیار ہونے کے بعد میت کے لئے دعاء اور ایصالِ ثواب بغیر ہاتھ اٹھائے کرنا چاہئے اسلئے کہ ہاتھ اٹھانا اس دعاء میں ثابت نہیں ۔

۳ : متوفی کے ایصالِ ثواب کے لئے کسی مکان کی تخصیص نہیں بلکہ جہاں سے چاہیں پڑھ کر بخش دینے سے ثواب پہنچ جاتا ہے ۔ اس لئے میت والے گھر میں آکر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کو لازم کرنا شریعت سے ثابت نہیں ۔

تیسرے روز قل خوانی اور ایسے ہی قبر پر اذان دینا بدعت ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد صدیق معین مفتی خیر المدارس ملتان

(مہر مدرسہ)

الجواب صحیح ، خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان ۲۹/۲/۱۳۷۱ھ

مذکورہ فتوے پر مفتی احمد سعید کاظمی صاحب مدرسہ انوار العلوم کچہری روڈ ملتان نے مندرجہ ذیل جواب مع تبصرہ دیا ۔

۱ : نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لئے دعاءِ مغفرت جائز ہے ۔ مبسوط جلد ثانی ص ۶۷ میں ہے ۔

عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنہما انہما فاتتہما الصلوۃ علی جنازۃ فلما حضرا مازادا علی الاستغفار لہ وعبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فاتتہ الصلوۃ علی جنازۃ عمر فلما حضر قال ان سبقتمونی بالصلوۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ انتہی۔

جن فقہاء نے منع کیا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ ہیئتِ صلوٰۃ باقی رکھتے ہوئے دعاء نہ مانگی جائے جب صفیں ٹوٹ گئیں اور لوگ مستقبل قبلہ ہیئتِ صلوٰۃ پر نہ رہے تو ناجائز نہیں ۔

۲ : نیکی کا ثواب زندہ مردوں کو بخشنا جائز ہے ۔ اگر حاضرین نے تلاوتِ قرآن کریم کا ثواب حاضرین میں سے کسی مردِ صالح کو اس نیت سے بخش دیا کہ یہ اپنا ثواب میت کو پہنچائے گا تو اس کی صالحیت کے باعث قبولیت کی امید قوی ہوگی تو اس کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیلِ شرعی قائم نہیں ۔ جیسا کہ صالحین سے اپنے حق میں دعا کرانا مستحسن ہے ۔ اسی طرح اپنا ثواب صالح متقی کو بخشنا اور اس مردِ صالح کی جانب سے اس کا میت کو پہنچانا بھی مستحسن ہے ۔

۳ : کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ ایصالِ ثواب کسی زمان یا مکان کے ساتھ مخصوص ہے ۔ ہاں زمان

د مکان کی فضیلت سے فضیلت ضرور متعلق ہے۔ مثلاً رمضان المبارک میں ایک نیکی کا ثواب دس
بلکہ اس سے بھی زیادہ ملتا ہے۔ اسی طرح مسجدِ حرام یا مسجدِ نبوی میں نماز کی فضیلت بہت زیادہ
ہے پس اس کے متعلق اگر ایسا ہی عقیدہ ہو تو بالکل صحیح ہے۔

۴: تیسرے دن کی تعزیت مسنون ہے اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے پاس تعزیت کے
لئے آیا اور اس نے میت کے لئے دعاءِ مغفرت مانگی تو ارشاد باری تعالیٰ یقولون ربنا
اغفرلنا ولاخواننا الذین الخ پر عمل کرتا ہے۔ اور دعاء میں رفع یدین سنت ہے اس لئے
ہاتھ اٹھانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ تیسرے روز قل خوانی اور اذان علی القبر کے متعلق کسی مسلمان
کا عقیدہ التزام کا نہیں۔ جو کام ایسا ہو کہ اس کی اصل ثابت فی الدین ہو اگرچہ اس کی ہیئت
کذائیہ قرونِ اولیٰ میں نہ پائی جائے جائز ہے اور حسن نیت کے ساتھ مستحسن ہے۔ کما لا یخفیٰ
علی المتامل واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و احکم۔

دستخط: فقیر احمد سعید کاظمی مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان شہر

تتمہ جوابہائے خیر المدارس

واضح رہے کہ ہم نے اپنے جواب میں لکھا تھا " نمازِ جنازہ کے بعد جمع ہو کر دعاء مانگنا بدعت ہے"
او مفتی احمد سعید صاحب نے جو جواب تحریر فرمایا ہے اس میں لکھتے ہیں۔" نمازِ جنازہ کے بعد میت
کے لئے دعاءِ مغفرت جائز ہے " پھر اس کے ثبوت میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابن عباس رض اور ابن عمر رض
کو ایک جنازہ میں نماز کی شمولیت نہ ہو سکی۔ جب یہ دونوں بزرگ حاضر ہوئے تو انہوں نے استغفار
سے زائد کچھ نہ کیا۔ یعنی دوبارہ جنازہ نہ پڑھا۔ صرف استغفار اور دعائے مغفرت کر دی۔
حضرات اہل علم اور اربابِ انصاف غور فرمائیں کہ کیا اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ جنازہ
میں شامل ہو چکے ہوں وہ مل کر بعد جنازہ دعاءِ مغفرت اجتماعی طور پر کریں۔؟
حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو جنازہ میں شامل نہ ہو سکے تھے اس لئے انہوں
نے دعاءِ استغفار کر لی اور وہ بھی انفراداً کی۔ جسے ہم بھی جائز کہتے ہیں۔ حضرات فقہاء نے جو منع کیا ہے
وہ اجتماعی دعا ہے جیسا کہ آج کل رواج پا چکی ہے۔ اور اس کے نہ کرنے پر سخت اعتراض ہوتا ہے۔
حتیٰ کہ فرض نماز کے تارک پر اتنی ملامت نہیں ہوتی جتنی اس دعاء کے تارک پر انگشت نمائی ہوتی ہے۔ اگر
حضرات مثبتین بہت زور بھی لگا دیں تو درجہ جواز و استحباب سے زائد ثابت نہیں کر سکتے۔ اور موجودہ

رواج جس نے اس کو وجوب تک پہنچا دیا ہے۔ کہاں سے ثابت ہے؟

اسی طرح دوسری روایت جو پیش کی ہے وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے ان کو بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کی شمولیت نہ ہو سکی تھی۔ تو انہوں نے جنازہ دوبارہ نہیں پڑھا۔ صرف دعا مانگ لی۔ اس میں بھی انفرادی دعاء کا ذکر ہے۔ آج کل کی اجتماعی دعاء کا کہاں ثبوت ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ فقہاء احناف رح نے جنازہ کے بعد دعاء مانگنے کو منع کیا ہے۔ چنانچہ عبارتیں ملاحظہ ہوں۔ بحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۷ میں ہے۔

۱: قید بقولہ بعد الثالثہ لانہ لا یدعوا بعد التسلیم کما فی الخلاصۃ۔

۲: فتاوی سراجیہ میں ہے۔ اذا فرغ من الصلوۃ لا یقوم بالدعاء۔

۳: محیط میں ہے لا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فیہا۔

ان روایات میں جنازہ کے بعد دعا مانگنے کو منع کیا گیا ہے۔ اس کی علت یہ ظاہر کی گئی ہے کہ اس سے شبہ زیادتی کا لازم آتا ہے۔ تو شبہ زیادتی کا اجتماعی دعاء میں لازم آتا ہے یا انفرادی دعاء میں؟

اب چند سوال پیش کئے جاتے ہیں جن سے مسئلہ حل ہو جائے۔

۱: صاحب المبسوط نے جو روائتیں عبداللہ بن سلام اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیش کی ہیں وہ جنازہ دوسری مرتبہ نہ پڑھنے کی پیش کی ہیں۔ اور جو شخص جنازہ میں شامل نہ ہوا ہو وہ صرف دعاء پر اکتفاء کرے اس کے لئے پیش کی ہیں۔ یا اس سے مقصد موجودہ اجتماعی دعاء ثابت کرنا ہے جس طرح کہ رواج ہے بعد نماز جنازہ ہاتھ اٹھا کر مل کر دعا مانگتے ہیں؟

۲: فقہاء کرام میں سے کسی کا قول دکھا سکتے ہو جس نے اس طرح موجودہ اجتماعی دعاء کو بعد از جنازہ مستحب کہا ہو؟

۳: حضرت ابن عباس و ابن عمر و ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کسی روایت میں یہ ثابت ہے یا اور کسی صحابی یا تابعی یا ائمہ دین میں سے کسی امام سے بعد از جنازہ اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر متعارف طریقہ سے کسی نے دعاء مانگی ہو؟

نوٹ: بعد از جنازہ بغیر رفع ایدی انفرادی طور پر دعاء مانگنا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ چنانچہ ہمارے جواب میں صاف موجود ہے۔ " جمع ہو کر دعا مانگنا بدعت ہے اور خود پڑھ کر بخشنا جائز ہے"

۴ : مفتی احمد سعید صاحب کاظمی نے جو حدیث پیش کی ہے اگر وہ ان کی دلیل بن سکتی ہے تو انہوں نے کیوں کھلے الفاظ میں یوں تحریر نہیں فرمایا کہ جنازہ کے بعد جمع ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا جائز ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔ تاکہ پتہ چلتا کہ یہ حدیث ان کی کس طرح دلیل بن سکتی ہے صرف یہی لکھا کہ " نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لئے دعاءِ مغفرت جائز ہے " اگر اس کا یہی مطلب ہے جو کہ حدیث سے ثابت ہے کہ اکیلے اکیلے میت کے لئے دعائے مغفرت جائز ہے تو گویا انہوں نے ہماری کہی ہوئی بات کو مان لیا۔

۵ : جو حدیث انہوں نے پیش فرمائی ہے کیا اس بات کا اس میں ثبوت ہے کہ ان صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم نے ہاتھ بھی اٹھائے تھے ؟

۶ : نیز اگر یہ حدیث اس دعاءِ بعد جنازہ کی مستدل ہے تو کیا کسی امام یا مجتہد نے اس کو دلیل قرار دیا ہے یا نہیں ؟ اگر قرار دیا ہے تو تحریر فرمایا جاوے۔

۷ : جن فقہاءؒ نے دعاء بعد نمازِ جنازہ کو منع کیا ہے اور مفتی صاحب نے ان کا مطلب بدلا ہے کیا اس کا ثبوت کسی فقہ کی کتاب میں ملتا ہے ؟

نمبر۲ : اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ زندوں اور مُردوں کو ثواب تملیک کرنا جائز ہے لیکن اس کے لئے کیا ثبوت ہے کہ پڑھنے والے ایک شخص کو تملیک کریں اور وہ شخص پھر اموات کو تملیک کرے ؟ اس امر کے مستحسن ہونے کے لئے فقہ حنفی یا کسی امام سے سند کی ضرورت ہے۔ اگر آپ خود قیاس کریں تو آپ کا قیاس ضروری نہیں کہ ہر مسلمان پر حجت ہو۔ بحیثیت حنفی ہونے کے فقہ حنفی سے اس کے استحسان پر ثبوت پیش کریں ؟

کیا ثواب کی تملیک صرف آیاتِ قرآنی میں ہی مستحسن ہے یا ہر صدقہ و عمل کی تملیک مستحسن ہے ؟ مثلاً ایک شخص حج کرتا ہے اور اس کا ثواب والدین کو بخشنا چاہتا ہے ——— ایک شخص نفلیں پڑھتا ہے ——— مسجد تعمیر کرتا ہے ——— مسافر خانہ تعمیر کرتا ہے ——— کیا ان تمام صورتوں میں تملیک کرنی بھی مستحسن ہے ؟ اگر ان تمام صورتوں میں بھی تملیک مستحسن ہے تو اس کے مستحسن ہونے کا فتویٰ کیوں نہیں دیا جاتا ؟ اور جن صورتوں میں تملیک نہ کرے بلکہ خود ثواب پہنچا دے تو اس پر وہابی ہونے کا فتویٰ کیوں نہیں دیا جاتا ؟ جیسا کہ تملیک ثواب قرآن مجید کے نہ کرنے والے پر ؟

نمبر۳ : رمضان شریف میں نیکی پر دس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں زیادہ اجر ملتا ہے چونکہ احادیث سے ثابت ہے اور وہ فریقین کے نزدیک مسلّم ہیں۔ بعد از دفن کے جو وقت ہو اس

میں دعار مانگنے کے اندر بھی اختلاف نہیں ۔لیکن اس وقت رفع ایدی کے لئے کیا ثبوت ہے ؟ اصل مطالبہ ثبوتِ رفع ایدی کا ہے ؟ اس سے جناب کا بیان خالی ہے ۔اور اس وقت کی فضیلت کے متعلق کوئی حدیث آئی ہو تو بیان کریں ؟ پھر فضیلتِ وقت کی رفع ایدی کے ساتھ کیا مناسبت ہے ؟

نمبر ۱ : تعزیت کے مسنون طریقہ میں کوئی اختلاف نہیں اور دعار مغفرت میں بھی ۔ اصل اختلاف تو اس میں ہے کہ جو چیزیں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور ائمۂ دین ؒ سے ثابت نہیں ، ان کو دین میں داخل کرنا اور ضروری قرار دینا ، اور نہ کرنے والوں پر طعن کرنا ۔

۱ : اجباب کس حدیث سے ثابت فرماتے ہیں کہ ” قل خوانی “ کا اصل احادیث سے ثابت ہے ؟

۲ : اور اب ہیئتِ کذائیہ میں جو تفاوت ہو چکا ہے اس میں اور اصل ثابت شدہ میں کیا فرق ہے ؟

۳ : اذان علی القبر کس روایت سے ثابت ہے ؟

۴ : قل خوانی اور تیجہ وغیرہ اگر اصل ان کا ثابت ہے تو فقہاءِ کرام رح جو کہ احادیث کے ماہر تھے انہوں نے ان رسوم سے منع کیوں فرمایا ہے ؟ حالانکہ انہیں ان امور پہ زور دینا چاہئے تھا جب کہ ان کا ثبوت شرعِ مبارک میں تھا ۔ بطور نمونہ چند عبارتیں درج ہیں ۔

۱ : فتاویٰ بزازیہ ۔

ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القران وجمع الصلحاء والقرأۃ للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القران لاجل الاکل یکرہ ۔

(شامی ج ۱ ، ص ۶۲۹)

۲ قال العلامۃ الشامی واطال فی ذلک فی المعراج وقال ہذہ الافعال کلہا للسمعۃ والریاء فیحترز عنہا لانہم لا یریدون بہا وجہ اللہ تعالیٰ ۔ ج ۱ ص ۶۲۹

۳ وقال ایضا ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وہی بدعۃ مستقبحۃ ۔ (ج ۱ ص ۶۲۹) فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ

۲۴ : ۳ : ۱۳۷۱ھ

ایصالِ ثواب کے لئے خیرات کرنے کا شرعی طریقہ نیز وفات کی دیگر رسوم کی تفصیل

کسی کی وفات پر اہل میت جو جو امور ضروری سمجھتے ہیں ان کے بارے میں زید و بکر میں جھگڑا ہوا بالآخر یہ طے پایا کہ آپ حضرات کی طرف لکھتے ہیں آپ شریعت کی رُو سے تفصیل ذکر فرماویں کہ وفات کے بعد کون کون سے اعمال کئے جاویں اور کن کن اعمال سے بچا جائے۔ نیز اہل بدعت جن امور کو ضروری سمجھتے ہیں ان کے استدلالات کے جواب بھی عنایت فرماویں۔

اَلجواب، زید اور بکر کا اقرار کہ میں شریعت کے تابع ہوں جو حکم دیں گے منظور ہے قابل صد تحسین و آفرین فعل ہے کیا اچھا ہو کہ تمام مسلمان اپنے خیالات و خواہشات کو تابع شریعت بنالیں۔ حضور صلعم اور صحابہؓ کے اسوۂ حسنہ کو قبول کر کے اپنی زندگی اس کے مطابق بنائیں یہ اموات کا سلسلہ حضور صلعم اور صحابہ کرامؓ سے برابر چلا آرہا ہے یہ امر ناممکن ہے کہ جو رسوم موت و غم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئیں وہ مخفی رہ جائیں اور احادیث پاک اور اقوال ائمہ مجتہدین و سلف صالحین میں ان کا ذکر تک نہ آتے خصوصاً جب کہ اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد موجود ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ دین اسلام کے کامل و مکمل ہوتے ہوئے یہ جزو اور حصہ جو رسوم موت کہلاتا ہے تشنہ تکمیل رہ جائے یہ امر بعید از عقل ہے، بناءً علیہ حکم ان رسومات موت کا جو شرع مصطفوی سے ثابت ہیں اور جو شریعت سے ثابت نہیں بعد میں لوگوں کے اندر رواج پا گئی ہیں مفصل تحریر کیا جاتا ہے تاکہ جو حضرات اپنی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقہ پر چلانا چاہتے ہیں اس سے فائدہ اٹھا سکیں، واللہ ہو الموفق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بیان رسومات شرع جو میّت کے بعد کیجائیں "شامی جلد اوّل ص ۶۰۲ میں ہے (۱) میّت کے کفن و دفن میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ (۲) غسل کی جگہ کو پردہ کر کے میّت کو پردہ میں غسل دینا مستحب ہے، سوائے غسل دینے والے اور امداد کرنے والے کے کوئی نہ دیکھے (۳) اگر میّت کے غسل کے وقت اس سے کوئی مکروہ چیز نظر آئے تو اس کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے (۴) اس کو نقل کر کے ایک دو میل تک لے جا کر دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۵) اس کی موت کی خبر اور اطلاع دینا تاکہ اس کے جنازہ میں لوگ جمع ہوں حرج نہیں ہے (۶) کوئی شعر وغیرہ اس قسم کا پڑھنا جس میں اس کی مدح ہو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس میں مبالغہ نہ ہو، خصوصاً اس کے جنازہ اٹھانے کے وقت کوئی شعر وغیرہ نہ پڑھا جائے (اور نہ بطور رسم کے شعر پڑھنے والے کو جنازہ سے آگے آگے مقرر کیا جائے، کیونکہ اس میں ریا اور شہرت ہے، نیز

جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے) (۷) اس میت کے اہل وعیال کو صبر دلانا اور تعزیت کرنا مستحب ہے ۔
(۸) میت کے ساتھ والے ہمسائیوں اور پڑوسیوں اور میت کے اقربار بعید والوں کو مستحب ہے کہ اہل میت
کے لئے صبح اور شام کا کھانا دیں ۔ (۹) اہل میت کے لئے تین دن اپنے کسی مکان یا بیٹھک میں بیٹھنا تاکہ
لوگ تعزیت کے لئے آویں، لاباس بہ یعنی اس بیٹھنے میں حرج نہیں ۔ ردالمحتار میں ہے کہ لاباس اپنے
اصل پر ہے یعنی اس میں حرج نہیں ہے ۔ اگرچہ خلاف اولیٰ ضرور ہے ۔ یہ سب امور شریعت نبوی
علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں ثابت ہیں ۔ حنفی فقہاء کرام نے ان امور کو اپنی کتابوں میں ذکر فرمایا ہے ان
کے ثبوت کے لئے احادیث و اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم موجود ہیں ۔

مسئلہ ایصالِ ثواب

علاوہ ان امور کے جو اوپر مذکور ہیں اہل السنت والجماعت کے نزدیک میت کو اعمال صالحہ کے
ذریعہ سے ثواب بھی پہنچایا جا سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ان شرائط کا لحاظ ضروری ہوگا جو شریعت سے
ثابت ہیں جن کا ذکر آگے ہوگا ایصال ثواب کی چند صورتیں ہیں (۱) میت کے وارثوں یا اعزہ یا دوستوں میں
سے کوئی شخص نفل نماز یا نفل روزہ رکھ کر کے اس کا ثواب میت کو تملیک کرے تو وہ ثواب پہنچ جاتا ہے ۔
یا قرآن مجید پڑھے اور اس کا ثواب تملیک کرے (۲) کوئی رفاہ عام کا کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے پھر
اس کا ثواب میت کے لئے کر دے، مدرسہ دینی جاری کرے یا مسجد تعمیر کرے یا کنواں کھدوائے یا از قسم کوئی
نیک کام کر کے اس کا ثواب میت کو پہنچاتے تو پہنچ جاتا ہے ۔ (۳) کسی مسکین محتاج فقیر پر خیرات از قسم نقدی
یا پارچہ یا غلہ یا کھانا وغیرہ کھلائے تو اس کا ثواب تملیک کرنے سے پہنچ سکتا ہے ۔ ان خیراتوں اور اعمال
صالحہ کے ثواب پہنچانے میں کوئی شرط تیسرے یا چوتھے یا دسویں دن کی نہیں ہے جب بھی کرے تو وہ
ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے ۔

ضروری مسئلہ میت کے لئے ایصال ثواب سے زیادہ ضروری چیز جس کی طرف لوگوں کی
توجہ نہیں ہوتی ۔ ادائے حقوق و دیون ہے ثواب کا پہنچنا تو بعد میں مفید ہوتا
ہے ۔ اولین فریضہ اہل میت پر یہ ہوتا ہے کہ اگر میت پر کسی کا حق آتا ہو تو اس فرض اور حق کو ادا کرنے کی
کوشش کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کا نماز جنازہ بھی نہیں پڑھاتے تھے، جس پر قرض ہوتا
اور اس کا مال اس کی ادائیگی کو مکتفی نہ ہو سکتا بہر حال ایصالِ ثواب کی جو صورتیں اوپر مذکور ہوئیں ان میں سے

لوگوں نے صرف اطعام (یعنی دیگ چڑھاکر) کھانا کھلانا ہی مقصود سمجھ رکھا ہے۔ جس میں کہ نمائش اور ریا اور دکھلاوے کا قوی احتمال ہے اگر ان حضرات کو یہ کہا جاوے کہ یہ رقم جو اس طرح کھانا پکاکر کھلانے میں صرف ہوگی اور اس میں امیر وغریب تھوڑا تھوڑا کھالیں گے اور کسی کا ایک وقت کا بھی گذارہ نہیں ہوگا بجائے اس طرح خرچ کرنے کے مستحقین کو بانٹ دو۔ تاکہ ان کے مختلف ضروریات کا حل ہو جائے اور ان کا چند دن کا گذر اوقات ہو جائے تو ہرگز تیار نہیں ہوتے۔ حالانکہ اس صورت میں میّت کو بوجہ زیادتی ثواب اور اجر کے زیادہ فائدہ ہے فلہذا خیرات کی چند ضروری شرطیں بیان کی جاتی ہیں، تاکہ خیرات میں ثواب کافی ہو۔ اور میّت کو زیادہ سے زیادہ ثواب اور اجر مل سکے۔

شرائطِ خیرات جو قرآن مجید اور احادیث سے ماخوذ ہیں

(۱) خیرات جو بھی کی جائے، اس میں یتیم کا مال نہ ہونا چاہیئے، ورنہ کھانے اور کھلانے والا ہر دو گناہ گار ہونگے جب ان کو گناہ ہوا تو میّت کو کیا ثواب ملے گا۔ لقولہٖ تعالےٰ ان الذین یاکلون اموال الیتٰمیٰ ظلمًا انما یاکلون فی بطونھم نارًا۔ (۲) خیرات مستحقین کو دی جائے، اگر اغنیاء کھاگئے تو میّت کو ثواب نہیں ملے گا۔ لقولہٖ تعالےٰ وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء الآیہ۔ مولانا عبدالحئی صاحب اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔ جو کھانا تصدق کے لئے پکایا جائے تاکہ اس کا ثواب میّت کو پہنچے، اس کا کھانا فقراء کے سوا دوسروں کے لئے ناجائز ہے، کیونکہ تصدق فقراء کے لئے اور ہدیہ اغنیاء کے لئے ہے۔ ص۳۶۶ جلد اول (۳) ریاء اور دکھلاوا مقصود نہ ہو ورنہ ثواب کی بجائے اُلٹا گناہ ہوگا۔ لقولہٖ تعالےٰ یاایھا الذین اٰمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ کالذی ینفق مالہٗ رئاء الناس ولا یؤمن باللہ والیوم الاٰخر الآیہ گناہ ہونے کی صورت میں میّت کو کوئی ثواب نہیں پہنچیگا۔ (۴) اطعام ہو یا کوئی اور وجہ خیر اس کے لئے تعیین یوم کی اس طرح نہ کرے کہ ضرور تیسرے روز ہی کرو، یا ہفتے کے دن یا جمعہ کے دن اور اس کے علاوہ غیر دن میں کرنے سے ثواب کی کمی محسوس کرے، تو ایسا کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس کے لئے کوئی اصل نہیں ہے۔ (۵) اطعام مساکین ایک مستقل عبادت موجب ثواب اور قرأت قرآن یا فاتحہ ایک مستقل عبادت ہے اور موجب ثواب ہے۔ ان دونوں کو جمع کرنا یعنی کھانا سامنے رکھکر فاتحہ پڑھنا بھی ممنوع ہے۔ چنانچہ فتاویٰ مولنا عبدالحئی میں ہے۔

سوال کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھاکر فاتحہ کہنا کیسا ہے۔

الجواب فاتحہ اس خاص طریقہ سے نہ زمانہ نبوی میں تھی نہ زمانہ خلفاء اور نہ قرون ثلاثہ میں اور اب

حرمین شریفین زاد اللہ شرفہما میں خواص کی عادت نہیں ہے صفحہ ۲۶۵ ان شرائط کو مدنظر رکھ کر فتاوی بزازیہ میں کہا گیا ہے۔
وان اتخذوا طعاماً للفقراء کان حسناً، ظاہر بات ہے (ج ۱) کہ اس طرح کوئی وارث یا غیر وارث میت کے اجیہ
واعزہ میں سے خیرات کرے جس میں یتیم کا حق بھی نہ ہو اور باقی شرائط بھی پوری طرح پائی جائیں، تو کسی شخص کو انکار نہ
ہوگا لیکن موجودہ زمانہ میں جو رسوم رواج پاگئی ہیں ان کے متعلق احناف کے اقوال تحریر کیے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم
ہو کہ زمانہ صحابہ و سلف صالحین میں ان کا نام و نشان بھی نہ تھا، بعد میں یہ چیزیں ایجاد ہوئیں اور علماء ہر زمانہ میں ان
کے اوپر نکیر کرتے آئے ہیں۔ واللہ الموفق، علامہ شامیؒ صفحہ ۶۰۲ میں تحریر فرماتے ہیں، وقال ایضاً ویکرہ اتخاذ
الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور وھی بدعۃ مستقبحۃ، اہل
میت سے ضیافت تیار کرانا مکروہ ہے، کیونکہ ضیافت خوشی کے موقع پر کی جاتی ہے، نہ کہ غم کے موقع پر اور یہ
بدعت قبیحہ ہے۔ اس کلام کے قائل علامہ ابن الہمام حنفی ہیں، علامہ شامیؒ نے فتح القدیر سے ان کی اس عبارت
کو نقل فرمایا ہے، اس کے بعد علامہ شامیؒ فرماتے ہیں، روی الامام احمد وابن ماجہ باسناد صحیح
عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام
من النیاحۃ الخ حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام میت کے اہل کی طرف جمع ہوتے اور اہل میت
کے کھانا تیار کرنے کو نیاحۃ شمار کرتے تھے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے گویا کہ یہ سب حضرات صحابہؓ کا متفقہ
فیصلہ ہے کہ یہ عمل نیاحۃ ہے جس کی حدیث میں سخت ممانعت آئی ہے، فتاوی بزازیہ جس کا مستفتی نے
حوالہ دیا ہے کہ اس میں مرقوم ہے، وان اتخذوا طعاماً للفقراء کان حسناً اسی فتاوی بزازیہ میں سے
نقل کرنے والے حضرت علامہ شامیؒ ہیں، جن کا فتاوی تمام احناف کے نزدیک مسلم ہے صفحہ ۶۰۲ وفی البزازیۃ
ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم
واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او
الاخلاص والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ وفیھا
من کتاب الاستحسان وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً، مستفتی نے صرف آخری جملہ فتاوی
بزازیہ سے نقل کر کے باقی تمام عبارت کو حذف کر دیا، پھر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں، واطال ذلک فی المعراج و
قال ھذہ الافعال کلھا للسمعۃ والریاء فیحترز عنھا لانھم لا یریدون بھا وجہ
اللہ تعالی، یہ تمام رسومات مروجہ ریا و شہرت کے لیے ہوا کرتے ہیں ان سے بچنا چاہیے۔

حدیث عاصم بن کلیب کا جواب علامہ شامی کی قلم سے

عاصم بن کلیبؒ کی حدیث جس کو مستفتی نے اپنے استفتاء میں پیش کیا ہے

ان رسوم و بدعات کے لئے دلیل جواز ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی کیونکہ اول تو یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے جس کے متعلق سائل کو خود اقرار ہے اور اہل علم سے مخفی نہیں کہ مشکوٰۃ شریف میں جو احادیث جمع ہیں وہ صاحب مشکوٰۃ نے ابوداؤد شریف اور دیگر کتب احادیث سے اخذ کی ہیں اور انکو اپنی کتاب میں جمع کیا ہے حدیث مذکور کا بھی صاحب مشکوٰۃ نے ابوداؤد شریف کا حوالہ دیا ہے لہذا ابوداؤد کی طرف مراجعت کرنی ضروری ہے ابوداؤد شریف ص ۱۱ ج ۲ میں روایت موجود ہے جس میں یہ الفاظ ہیں، فلما رجع استقبلہ داعی امرأۃ، جب حضور صلعم جنازہ کے دفن سے آئے تو ایک عورت کا داعی آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا نہ کہ اس میت کی بیوہ عورت کا قاصد آیا پس اصل روایت کے دیکھنے سے ثابت ہوا اس حدیث کے نقل میں تصحیف ہوگئی ہے اور ایسا عموماً ہوا کرتا ہے جو کہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے اصول حدیث میں تصحیف راوی کے متعلق مستقل بحث آتی ہے وعلی تقدیر التسلیم، اگر مان لیا جائے کہ اس میت کی عورت کا داعی حاضر ہوا تو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں، اقول فیہ نظر فانہ واقعۃ حال لا عموم لہا، یہ ایک جزئی واقعہ ہے جس سے قاعدہ کلیہ ثابت نہیں ہو سکتا اگر اہل میت کا طعام تیار کرنا امر مسنون ہوتا تو حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ بڑی دھوم دھام سے اس کام کو کرتے اور احادیث میں اس کا مستقل ذکر آتا پھر عورت ہی کا داعی اگر حضور صلعم کے پاس بالفرض آیا تو اس کا آج کل تمام رسوم کیساتھ کچھ بھی تعلق نہیں ہے اس کے بعد علامہ شامیؒ فرماتے ہیں، ولا سیما اذا کان فی الورثۃ صغار او غائب مع قطع النظر عما یحصل عند ذلک غالباً من المنکرات الکثیرۃ کایقاد الشموع والقنادیل التی لا توجد الا فی الافراح وکذلک الطبول والغناء بالاصوات الحسان واجتماع النساء والمردان واخذ الاجرۃ علی الذکر وقرأۃ القراٰن وغیر ذلک مما ہو مشاہد فی ہذا الزمان وما کان کذلک فلا شک فی حرمتہ لبطلان الوصیۃ بہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ حنفی مقلد کے لئے فقہاءؒ کی ان عبارات کے بعد ذرہ بھر گنجائش نہیں کہ وہ عقل سے احادیث کے معانی ایجاد کرے حضرات فقہاءؒ معانی احادیث سے زیادہ واقف ہیں، ناسخ و منسوخ اور دیگر امور حدیث کے زیادہ عارف ہیں،

حدیث اِصنعوا لآلِ جعفر طعاماً جس طرح حدیث سابق میں حضرات فقہاءؒ نے تشریح کر کے اس کو واقعہ جزئیہ بنایا نہ کہ قاعدہ کلیہ اسی طرح اس حدیث کے ماتحت ابن ہمام شارح ہدایہ فرماتے ہیں، ویستحب لجیران اہل المیت والاقرباء والاباعد تھیئۃ طعام لھم یشبعھم لیلھم ونھارھم لقولہ علیہ السلام اصنعوا لآل جعفر طعاماً۔ کہ طعام تیار کرنا اہل میت کے ہمسایوں اور بعید والے اقرباء کے لئے مستحب ہے اور یہ طعام صرف اہل میت کے لئے ہے نہ اس تمام برادری اور مہمانوں کے لئے جو تعزیت کے لئے حاضر ہوتے ہیں، علامہ ابن الہمامؒ کی تشریح سے چند باتیں متفرع ہوتی ہیں (۱) طعام اتنا ہو کہ جو اہل میت کو ایک صبح اور شام کے لئے کفایت

کرے (۲) طعام دینے والے ہمسائے اور بعید والے رشتہ دار ہوں (۳) طعام صرف اہل میت کو دیا جائے نہ تمام برادری اور ان کے مہمانوں کے لئے جیسا کہ لفظ ھم دلالت کرتا ہے ورنہ پھر ضیافت بن جائیگی اور حد کراہت میں داخل ہو جائیگی اس سے معلوم ہوا کہ یہ رسم قدیمانہ ہے۔ اگر عورت فوت ہو جائے تو اہل میت کے گھر تقریباً ایک من آٹا اور ۱ سیر دال نخود عورت کے ماں باپ دیں جو کہ عبارت استفتاء میں مذکور ہے بالکل غلط رواج پا گئی ہے اس سے بچنا ضروری ہے، فتاویٰ عزیزیہ کی عبارت جو سائل نے نقل کی ہے برتقدیر صحت اس کو مفید نہیں کیونکہ اس میں حضرت شاہ صاحب خود راقم ہیں کہ در زمان پیغمبر صلعم و خلفاء راشدین نہ بود اگر کسے ایں طور بکند باک نیست، اس کلام کا مطلب یہ لیا جائیگا کہ نفس ایصال ثواب بغیر رسوم و بدعات کے منع نہیں ورنہ حضرت شاہ صاحب کا کلام تمام فقہاء کے خلاف ہو جائے گا جو ان کی شان علمی کے خلاف ہے اسی طرح حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد ختم کلام اللہ شریف کا ہونا ان منکرات سے خالی ہوتے ہوئے کوئی برا نہیں اس لئے ان عبارات سے مُروجہ رسوم و بدعات کا ثابت کرنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا

واللہ اعلم بالصواب عبد اللہ غفرلہ خیر المدارس ملتان

(ما حقق الفاضل المجیب فهو حق والحق احق ان یتبع)

بطور تتمہ مزید برآں تحریر ہے کہ میت کے لئے ایصال ثواب اور اہل میت کے لئے ہمسایوں یا اقرباء کا ایک دو وقت کھانا پکا کر اصرار سے کھلانا امر مستحسن اور موجب ثواب ہے البتہ دوسری برادری اور محلہ داران کو اس میں شریک ہونا اور مکرر سہ کرر تعزیت کرنا مکروہ ہے اسی طرح انکو رسمی درجہ دیکر التزام مالم یلزم کا مرتکب ہونا بھی شرعاً ممنوع ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں، در وصیت نامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مسطور است دیگر از عادات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتمہائے سوم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالیانہ و ایں ہمہ را در عرف اول وجود نہ بود، مصلحت آنست کہ غیر تعزیۃ وارثان میت تا سہ روز و اطعام ایشاں یک شبانروزے نباشد اھ۔

(رسالہ اثنا عشریہ ص۶۴ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی، مائۃ مسائل ص۴۸ میں تحریر فرماتے ہیں، و نیز در نوادر الفتاویٰ درباب کراہت و استحسان مذکور است اجابت کردن طعام کہ بعد از مردہ ساختہ باشد مکروہ است سہ روزہ و ہفتہ و ماہیانہ و سالانہ و غیر آں ایں طعام مر فضلاء و علماء را کا برا مکروہ است اھ

رہی عاصم بن کلیب والی حدیث جو مشکوٰۃ ص۵۴۴ میں مذکور ہے اس کا اصل ماخذ ابو داؤد ہے یہ حدیث (ابو داؤد مصری ص۹۴ ج ۲) اور مجتبائی ص۱۱۶ ج ۲ میں موجود ہے سب میں داعی امرأۃ اھ ہے کسی میں بھی امرأتہ مضاف بسوئے ضمیر نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایک عورت کا داعی پہنچا اس وقت اس حدیث سے استدلال ہی نہیں ہو سکتا بصورت تنزل اگر صاحب مشکوٰۃ کو کوئی ماخذ ملا ہو تو ایک جواب وہ ہے جو علامہ شامیؒ

سے فاضل مجیب نے جواب میں نقل فرمایا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ قبل نہی کا ہو، تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ نفس بیان جواز کے لئے ہو جو کراہت کے منافی نہیں، چنانچہ بذل المجہود شرح ابوداؤد ص۲۳۹ ج۴ میں ہے۔

استقبله داعی امرأته هكذا فی جميع نسخ ابوداؤد الموجودة عندی من المكتوبة والمطبوعة (الی قوله) فيمكن ان يجاب عنها لو كانت ما فی نسخ المصابيح صحيحاً ان هذه القصة وقعت قبل النهی عنها ويمكن ان يحمل علی بيان الجواز فانها من اهل الميت ليست بمحرمة بل مكروهة اھ۔ والله تعالیٰ اعلم العبد

خیر محمد مہتمم، مدرسہ عربی خیر المدارس، ملتان

جانور اللہ کے نام پر چھوڑنا شریعت میں ثابت نہیں اور مالک کی اجازت کے بغیر اسے کھانا جائز نہیں۔

زید طبابت کا کام کرتا ہے اس کے پاس ایک مریض لایا گیا زید نے مریض کے ورثا سے کہا کہ ایک بکرا یہاں لا کر رات کو شہر کے باہر فی سبیل اللہ کر کے چھوڑ دو انہوں نے ایسا ہی کیا وہ بکرا رات کو چھوڑ دیا۔ بکر نے اس بکرے کو پکڑ لیا اور گھر باندھ لیا صبح مسئلہ پوچھتا ہے کہ اس کے ساتھ اب کیا کیا جائے؟ یہ فعل کرنے والا کرانے اور پکڑنے والا تینوں مسلمان ہیں شرعاً ہر ایک کا حکم بیان فرماویں نیز اب بکرے کا کیا کیا جائے۔

الجواب جانوروں کے نام پر چھوڑنا تو حرام ہے، مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ، الآیۃ اور اللہ کے نام پر چھوڑنا بھی ثابت نہیں۔ کیونکہ اللہ کے نام پر خیرات کرنا ذبح کرنا وقف کرنا وغیرہ تو شریعت میں ثابت ہیں اور مستحسن ہیں اور اللہ کے نام پر زندہ جانور چھوڑ دینا نہ آنحضرت علیہ السلام سے اور نہ صحابہ کرام سے ثابت ہے اور جو کام شریعت میں ثابت نہ ہو اسے دین میں داخل کرنا بدعت ہے لہٰذا یہ جانور چھوڑنا بدعت ہے حکم کرنے والا اور عمل میں لانے والا گناہ گار ہیں ہاں گناہ سے بچنے کی یہ صورت ہے کہ چھوڑنے والا مالک اپنی سابق نیت سے توبہ کر کے جانور کو بدستور اپنے ملک میں لے آئے۔

(۲) اس کو پکڑنے والا اس کا مالک نہیں ہو سکتا اور نہ اسے ذبح کر کے بیچ سکتا ہے اور نہ کھا سکتا ہے فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ میں مرقوم ہے، المختار فی الصيد انه لا يملكه اذا لم يبعه وكذا فی الدابة اذا سيبها كما بسطه الشر نبلالی، در مختار میں ہے ان كان مرسلاً فهو مال الغير فلا يجوز تناوله الا باذن صاحبه اھ لہٰذا صورت مسئولہ میں بکر کو چاہیئے کہ یہ بکرا مالک کو واپس کر دے مالک کو چاہیئے کہ بکرا اپنے ملک میں رکھے یا بیچ کر پیسے اپنے صرف میں لے آئے۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
خیر محمد عفی عنہ	بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
۵/۵/۷۰ھ	۴/۵/۷۰ھ

رسوم مروجہ بعد الموت کے بارے میں اعیانِ اُمّت کی تصریحات

ایک شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کے رشتہ دار و لواحقین کا ارادہ ہے کہ اس کے ایصالِ ثواب کے لئے خیرات و قرآن خوانی کرائیں تو لوگ انہیں مجبور کرتے ہیں کہ قل (سوئم) دسواں، تیسواں، چالیسواں و جمعرات کرو تو آیا یہ رسومات شریعت میں جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز ہیں تو کتب شرعیہ سے دلائل دے کر مطمئن فرماویں۔ اور اگر یہ رسومات شریعت کے مطابق نہیں ہیں تو کیوں؟ اس کے علاوہ کوئی ایسی صورت تحریر فرمائیں کہ خلاف شرع رسومات سے اجتناب بھی ہو جائے اور ایصالِ ثواب بھی ہو جائے مع الدلائل تحریر۔

۲۔ دیگر میت کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی پر اجرت کے طور پر کھانا کھلانا یا پیسے دینا جائز ہے یا نہیں ــــ؟ صحیح جواب سے مطلع فرما کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور رہوں۔

الجواب: بلاشبہ مذکورہ رسومات شرعاً جائز ہیں جن کا مقصد محض ایصالِ ثواب ہے۔ بدنی اور مالی عبادات کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشنا جائز ہے اور سلف صالحین سے یہ بات ثابت ہے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے:

"وتصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز"

اسی طرح اشعۃ ہی میں ہے: ــــ "وبعض روایات آمدہ است کہ روح میت مے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق کنند از وے یا نہ"

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ عزیزیہ میں فرماتے ہیں:

"اگر مالیدہ و شیر برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروح ایشاں پختہ بخورانند جائز است مضائقہ نیست" ــــ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تیجہ ہوا۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں فرمایا ہے:

"روز سوم کثرت ہجوم مردم آں قدر بود کہ بیرون از حساب یک ہشتاد و یکم کلام اللہ بہ شمار آمدہ و زیادہ ہم شدہ باشند و کلمہ را حصر نیست۔"

اور بھی بے شمار دلائل کتب معلولہ میں موجود ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مہر، دارالافتاء ۱۳۹۴ھ | خادم دارالافتاء
مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم۔ ملتان | مدرسہ انوار العلوم ملتان

۱۸ ۲/۶/۹

دارالافتاء خیر المدارس سے یہ جواب دیا گیا ہے

الجواب ومنه الصدق والصواب :

سوال میں جن رسوم کا ذکر ہے یہ بلاشبہ ناجائز ہیں۔ تمام فقہاء اُمت نے ان کے ممنوع و مکروہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ یہ بدعات شکم پرست لوگوں کی ایجاد ہیں۔ شریعت غرّا میں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ مفتی صاحب کا یہ فرمان " اور بھی بے شمار دلائل کتب مطولہ میں موجود ہیں"۔ بالکل خلاف واقع ہے۔ دورِ خیر القرون میں تصانیفِ معتمد علیہا سے ان کی ممانعت تو ملے گی ثبوت ہرگز نہیں مل سکتا —— ومن ادعی فعلیه الدلیل۔

اسی سے اندازہ کیجئے کہ مفتی صاحب نے سوئم چہلم وغیرہ کے ثبوت میں ایک دلیل بھی ذکر نہیں کی، جبکہ سوال بالخصوص انہی کے بارے میں تھا۔ جواب میں جو عبارتیں ذکر کی ہیں ان سے مطلق ایصالِ ثواب کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اس کا کوئی منکر نہیں سوال تو یہ تھا کہ یہ مروجہ سوئم وچہلم وغیرہ جائز ہیں یا نہیں؟ ناظرین انصاف کریں کہ مفتی صاحب نے کوئی ایک حوالہ بھی ان کے جواز کا نقل کیا ہے۔؟ ایسے ہی بے شمار دلائل کتب مطولہ میں ہوں گے۔ ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

ایک عزیز متعلمِ افتاء نے ان بدعات کی تردید میں بہت سے حوالے جمع کئے ہیں جو کہ ساتھ منسلک ہیں۔ یہ بہت ہی قیمتی سواد ہے بالخصوص ان حضرات کی تصریحات دیکھنے کے قابل ہیں جن کا نام لے کر مفتی صاحب نے جواز ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ ایک حوالہ انہی میں سے نقل کیا جاتا ہے شاید مفتی صاحب کی نظر سے بھی گزرا ہو۔

" شریعت میں ثواب پہنچانا ہے۔ دوسرے دن ہو، خواہ تیسرے دن، جب چاہیں کریں انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت و بدعت ہے۔"

(فتاویٰ احمد رضا خان ص ۱۲۱ ج ۴)

۲. عزیز محترم نے تمام سوالات کا مفصل جواب لکھ دیا ہے میں اس کے ساتھ متفق ہوں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

رسومات مسئولہ مذکورہ کا کتب شرعیہ میں بدعت ہونے کے علاوہ اور کچھ ثبوت نہیں۔ حضرت خواجہ معصوم رح لکھتے ہیں :

حاصل سوال ششم آنکہ طعام بروحانیت میت روز سوم یا دہم وگل دادن روز سوم را حکم است ؟

محض و طعام دادن للہ تعالیٰ بے رسم و ریا و ثواب آنرا بمیت گزرانیدن بسیار خوب است و عبادت بزرگ اما تعیین وقت را اصل معتمد ظاہر نمی شود و روز سوم گل دادن در مردان بدعت است آرے در زنان خوشبوئے آوردن روزِ سوم آمده است برائے رفع سوگ کہ خوشبوئے بیارند تا زنان دیگر غیر از منکوحہ میت از سوگ بر آیند"۔

(مکتوبات معصومیہ طبع ترکی ص۲۵)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"و عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند بر سر گور و نہ غیر آن و این مجموع بدعت است نعم برائے تعزیت اہل میت و جمع و تسلیہ و صبر فرمودن ایشان را سنت و مستحب است اما این اجتماع مخصوص روزِ سوم و ارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است و حرام انتہیٰ۔

(مدارج النبوة ص۴۲۱ ج۱ نولکشور)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح لکھتے ہیں:

"دیگر از بدعات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتمہا و سوئم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالینہ و این ہمہ را در عرب اول وجود نبود مصلحت آن است کہ غیر تعزیت وارثان میت تا سہ روز و اطعام شان یک شب و روز رسمے نباشد" (تفہیمات الٰہیہ ص۲۴۴ ج۲ وصیت نامہ حضرت شاہ ولی اللہ رح صاحب ص۱۳)

مولانا لکھنوی رح لکھتے ہیں:

"شیخ عبدالحق محدث دہلوی در جامع البرکات مے نویسد آنکہ بعد سالے یا ششماہی یا چہل روز کہ دریں دیار پزند درمیان برادران بخشش کنند و آں را بجاجی میگویند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آنست کہ نخورند انتہیٰ (مجموعہ فتاویٰ ص۷۹ ج۲) آگے فرماتے ہیں

"مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص و او را ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست صاحب نصاب الاحتساب (مولانا ضیاء الدین عمر بن محمد عوض ستامی الحنفی معاصر حضرت شیخ نظام الدین اولیا رح المتوفی ۷۲۵ھ)

"آں را مکروہ نوشتہ و راہ تخصیص بگذارند و ہر روزیکہ خواہند ثواب بروح میت رسانند"

(مجموعہ فتاویٰ ص۸۸ ج۲)

ولا یباح اتخاذ الطعام ثلاثة ایام کذا فی التتارخانیة

(عالمگیری ص ۱۶۷ ج ۱، تاتارخانیہ ص ۴۸۱ ج ۱)

امام حافظ الدین محمد بن شہاب کردری الحنفی رحمہ لکھتے ہیں :

ویکرہ اتخاذ الضیافة ثلاثة ایام واکلها لانها مشروعة للسرور ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد ونقل الطعام الی المقبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءة سورة الانعام او الاخلاص فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاکل یکرہ (فتاوی بزازیہ ص ۸۱ ج ۴، شامی ص ۸۴۱ ج ۱)

ملا علی قاری رحمہ فرماتے ہیں :

قرر اصحاب مذهبنا من انه یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع (مرقاة ص ۴۸۲ ج ۵)

اگر اب بھی رضوی صاحب یا ان کے کوئی اور ہم مسلک ان رسومات کو شرعاً جائز کہیں تو باعثِ افسوس ہے اور حقیقت سے آنکھیں چرانا ہے ورنہ ان کے بزرگوں کے اقوال اور کتبِ فقہ اور حدیثِ نبویہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ تمام رسومات بدعات ہیں حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ دیگر مسائل تو انہی کتبِ فقہ سے ثابت کئے جاتے ہیں اور مذکورہ رسومات کو شرعاً ثابت کرنے کے لئے ان کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا کیونکہ انہی کتب مثلاً عالمگیری و شامی وغیرہ سے مذکورہ بدعات کی بیخ کنی ہوتی تھی، مزا تو جب ہے کہ آئندہ بھی ان تمام کتب فقہ کے حوالے استعمال کرنے سے گریز کیا جائے ورنہ اب نظر انداز کرنا چہ معنی دارد ؟ رضوی صاحب رسومات کو بلاشبہ جائز قرار دیتے ہوئے تو گاؤ زبان اور ثبوت پیش کرتے ہوئے ریشہ خطمی ہو گئے ۔

اور پھر کسی کو مجبور کر کے تیسواں، چالیسواں یا جمعرات کرانے کے بارے میں بھی یہ لکھنا کہ " شرعاً جائز ہیں " —— شرعاً جائز نہیں، کیونکہ ایصال نیت سے ہوگا اور نیت پر کسی کی قید نہیں پھر بغیر رضا کے کیسے انجام کو پہنچے ؟ دوسرا پہلو نابالغ بچوں کا ہے ۔

مفتی احمد یار صاحب لکھتے ہیں :

" اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہو تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے حصے سے فاتحہ نہ کیجاوے یعنی اولاً مالِ میت تقسیم ہو جائے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ

سے یہ امور خرید کرے ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا ناجائز ہے یہ ضرور خیال رہے ۔" (جاء الحق ص۲۵۶)

اور مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں :

"اگر سب نابالغ ہیں تو ترکہ میت سب ان کی ملک ہوگیا، اس کا صرف کر دینا میت کے ایصالِ ثواب میں جائز نہیں، نہ کپڑا، نہ کھانا، نہ روپیہ نہ پیسہ — فقط تجہیز و تکفین میں جو اُٹھے وہی درست ہے اور بس اور اگر بعضے وارث نابالغ ہیں تب بھی نابالغوں کا حصہ کل اشیاء ترکہ میں مشترک ہے اس کا صرف کرنا بھی ایصال ثواب کے لئے جائز نہیں الخ"

(انوار ساطعہ ص۱۲۵)

احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں :

"غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا اور بچہ نابالغ ہوتا ہے یا بعض ورثاء موجود نہیں ہوتے نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے تب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے ۔" الخ

(احکام شریعت ص۱۹۳ ج۲)

اور ملا علی قاریؒ کا بیان جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ۔

قال الغزالیؒ ویکرہ الاکل منہ قلت ھذا اذا لم یکن من مال الیتیم او الغائب والا فھو حرام بلا خلاف (مرقاۃ ص۱۵۱ ج۱۰)

قاضی خان میں ہے :

وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً اذا کانوا بالغین فان کان فی الورثۃ صغیر لم یتخذ واذلک من الترکۃ (قاضی خان ص۱۸۰ ج۴)

علامہ شامی لکھتے ہیں :

حدیث جریرؓ یدل علی الکراھۃ ولا سیما اذا کان فی الورثۃ صغار او غائب (شامی ص۸۴۱ ج۱۰)

جبکہ رضوی صاحب نے مطلقاً سب کو شرعاً جائز بنا دیا حالانکہ علماء و فقہاء نے اسے ناجائز اور حرام لکھا ہے یہی نہیں بلکہ علم سے حرام لینے کے بعد دعاء کرنے اور آمین کہنے سے دونوں کے کفر کا فتویٰ ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں دیا ہے ۔

ولو علم الفقیر انہ من الحرام و دعا لہ و امن المعطی کفرا (شرح فقہ اکبر ص۲۲۴)

امام نووی رح شرح منہاج میں لکھتے ہیں :

" الاجتماع علی مقبرة فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود والطعام فی الایام المخصوصة کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشہر السادس والسنة بدعة ممنوعة "

(بحوالہ انوارِ ساطعہ صفحہ ۱۰۵)

شیخ الاسلام کشف الغطاء میں لکھتے ہیں :

" آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل میت (مصیبت) طعام را در سوم وقسمت نمودن آں میان اہل تعزیت و اقران غیر مباح و نامشروع است وتصریح کردہ بداں در خزانہ چہ شرعیت دعوت نزد سرور است نہ نزد شرور "

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح لکھتے ہیں :

" بعد مردن من رسوم دینوی مثل دہم وبستم وچہلم وششماہی و برسینی ہیچ نکنند "

(وصیت نامہ مالا بدمنہ صفحہ ۱۰۱)

ملا علی قاری رح نے اپنی آخری تصنیف میں لکھا ہے کہ میت کے ہاں سے کھانا تناول کرنا مکروہ اور بدعت مستقبحہ ہے۔ (شرح نقایہ صفحہ ۱۴۰ ج ۱)

ملا علی قاری رح اور علامہ طیبی رح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث لا یجعل احدکم للشیطان الخ کی شرح میں لکھتے ہیں :

" فکیف من اصر علی بدعة او منکر ھذا محل تذکر الذین یصرون علی الاجتماع فی الیوم الثالث للمیت ویرونہ ارجح من الحضور للجماعة ۔

بریلویوں کے بڑے حضرت احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں ، اگر فاضل حلبی رح اور ملا علی قاری رح ہمارے دیار کا رسم و رواج دیکھتے تو غمی کی ان دعوتوں پر حرمتِ قطعی کا حکم لگاتے اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اسکی اجازت دینے میں شیطان مردود کے لئے ایک دروازہ کھول دینا ہے اور مسلمانوں ، اور بالخصوص نادار مسلمانوں کو سخت مصیبت میں ڈال دینا ہے ——— خدا سے دعا ہے کہ ہم کو صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے ۔ والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و الہ اجمعین ۔ (احکامِ شریعت صفحہ ۱۹۷ ج ۲)

رضوی صاحب کا یہ فرمانا کہ "سلف صالحین سے اس کا ثبوت ہے۔" ان کے ہم مسلک اسلاف کے حوالوں سے غلط ثابت ہوگیا۔ مندرجہ بالا حوالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسئولہ رسومات بدعات ہیں۔ ان کا شریعت مطہرہ میں کوئی وجود نہیں نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ بعد میں دورِ صحابہ تابعین یا تبع تابعین میں۔ اللہ جل جلالہ نے فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (پ۲۱۔ احزاب۔ رکوع ۲)

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم۔
(پ۳۔ آل عمران۔ رکوع ۴)

ان آیات کریمہ سے صاف طور سے پتہ چلتا ہے کہ صرف حضور کی پیروی اور نمونہ ہی راہِ نجات ہے اور بدعات کے بارے میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل بدعۃ ضلالۃ (مسلم صـ۲۸۵ ج۱، مشکوٰۃ صـ۲۷ ج۱)

وکل ضلالۃ فی النار (نسائی صـ۱۹۰ ج۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعۃ حتی یدع بدعۃ (ابن ماجہ صـ۶)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقبل اللہ لصاحب بدعۃ صوماً ولا صلٰوۃً ولا صدقۃً ولا حجاً ولا عمرۃً ولا جھاداً ولا صرفاً ولا عدلاً یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرۃ من العجین (ابن ماجہ صـ۶)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حجب التوبۃ عن کل صاحب بدعۃ (رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجال الصحیح غیر ہارون بن موسیٰ الفروی وہو ثقۃ) (مجمع الزوائد صـ۱۸۹ ج۱۰)

اس لئے فقہاء کرام نے بدعات کو مٹانے کے لئے پوری کوششیں کیں ہیں۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

بل صح عن جریرؓ کنا نعدہ من النیاحۃ وھو ظاھر فی التحریم قال الغزالیؒ ویکرہ الاکل منہ قلت ھذا اذا لم یکن من مال الیتیم او الغائب والا فھو حرام بلاخلاف (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ صـ۱۵ ج۱)

اسی قسم کا مضمون مسندِ احمد۔ ابن ماجہ صـ۱۱۶، منتقی الاخبار صـ۱۲۳ پر بھی موجود ہے۔

علامہ ابن امیر الحاج المالکیؒ المتوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

اما اصلاح اھل المیت طعاماً وجمع الناس فلم ینقل فیہ شیئ

وھو بدعة وغیر مستحب (مدخل ص ج) مما احدثه بعضہم من فعل الثالث للمیت وعملھم الا طعمة حتی صار عندھم کانھم امر معمول (ایضاً)

امام ابن حجر مکی شافعی رح فرماتے ہیں :

عما یعمل یوم الثالث من موته من تھیئة اکل واطعامه للفقراء وغیرھم وعما یعمل یوم السابع الخ...... جمیع ما یفعل مما ذکر فی السوال من البدع المذمومة (فتاوی کبری ص ج ۲)

علامہ محمد بن محمد منبجی حنبلی رح المتوفی ۷۸۵ھ تسلیة المصائب ص ۹۹ میں اور امام شمس الدین بن قدامہ حنبلی رح المتوفی ۶۸۲ھ شرح مقنع للکبیر ص ۴۲۶ ج ۲ میں امام موفق الدین بن قدامہ حنبلی رح المتوفی ۶۲۰ھ مغنی میں لکھتے ہیں :

فاما صنع اھل المیت طعاما للناس فمکروه لان فیه زیادة علی مصیبتھم وشغلا لھم الی شغلھم وتشبھا یصنع اھل الجاھلیه (مغنی ص ۴۱۳ ج ۲)

اور علامہ ابن عابدین شامی رح لکھتے ہیں :

مذھبنا ومذھب غیرنا کالشافعیة والحنابلة الخ (شامی ص ۸۴۱ ج ۱)

فقہائے احناف میں علامہ طاہر بن احمد الحنفی رح لکھتے ہیں :

ولا یباح اتخاذ الضیافة عند ثلاثة ایام لان الضیافة یتخذ عند السرور (خلاصة الفتاوی ص ج ۴) ویکره اتخاذ الضیافة فی ایام المصیبة لانھا ایام تاسف فلا یلیق بھا ما کان للسرور (فتاوی خانیه ص ج ۴ ، فتاوی سراجیه ص ۵)

علامہ قہستانی رح لکھتے ہیں :

ویکره اتخاذ الضیافة فی ھذه الایام وکذا اکلھا (جامع الرموز ص ۲۴۳ ج ۲)

حافظ ابن ہمام رح لکھتے ہیں :

فیکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اھل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعة مستقبحة (فتح القدیر ص ۴۷۳ ج ۱)

ملاحظہ فرمائیے، ان بدعات کی خباثت کہاں تک پہنچی اور پھر مروجہ رسوم میں جو کچھ پکایا یا منگوایا جاتا ہے اس کا اکثر حصہ دوست احباب کی نذر ہو جاتا ہے۔

مولوی محمد صالح صاحب ـــــ مذکورہ جمعرات کے ختم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ رسم سوائے ہندوستان کے اور کسی اسلامی ملک میں رائج نہیں۔" انتہی (تحفۃ الاحباب ص۱۴)

رضوی صاحب ملاحظہ فرمائیں کہ جو رسم ما سوائے ہندوستان کے اور کہیں رائج نہیں اس کے وجود کو بغیر کسی فقہی حوالہ کے شریعت میں بلاشبہ جائز قرار دینا تحریف دین ہے یا نہیں لیجئے اور ملاحظہ فرمائیں:

احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں:

"وقت فاتحہ کھانے کا قاری کے پیش نظر ہونا اگرچہ بیکار بات ہے الخ" (الحجۃ الفاتحہ ص۱۶)

شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن باقی تعین عرفی ہیں جب چاہیں کریں۔

انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے و بدعت (مجموعہ فتاویٰ مؤلفہ احمد رضا صاحب ص۳۱ ج۳)

غور فرمائیے خان صاحب کس چیز کو بیکار جہالت اور بدعت فرما رہے ہیں:

سچ پوچھئے تو یہ سب رسومات شکم پرست جہاں کی ایجاد ہیں شریعت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

علامہ بیرونی متوفی ۴۴۰ھ نے کیا خوب تحقیق سے ان کو بے نقاب کیا ہے ـــــ کہ اہل ہنود کے نزدیک جو حقوق میت کے وارث پر عائد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ضیافت کرنا اور یوم وفات سے گیارہویں اور پندرھویں روز کھانا کھلانا اس میں ہر ماہ کی چھٹی تاریخ کو فضیلت ہے اسی طرح اختتام سال پر بھی کھانا کھلانا ضروری ہے نو دن تک اپنے گھر کے سامنے طعام پختہ و کوزہ آب رکھیں ورنہ میت کی روح ناراض ہوگی اور بھوک و پیاس کی حالت میں گھر کے ارد گرد دھرتی رہے گی پھر عین دسویں دن میت کے نام پر بہت سا کھانا تیار کر کے دیا جائے اور آب خنک دیا جائے اور اسی طرح گیارہویں تاریخ کو بھی .... نیز ماہ پوس میں وہ حلوا پکا کر دیتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ برہمن کے کھانے پینے کے برتن بالکل علیحدہ ہوں (کتاب الہند ص۲۷۶، ۲۸۲ ملخصاً)

اس پر مزید روشنی نو مسلم عالم حضرت مولانا عبید اللہ مالیر کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے ڈالی ہے برہمن کے مرنے کے بعد گیارہواں دن، اور کھتری کے مرنے کے بعد تیرہواں دن اور دیش یعنی بنیئے وغیرہ کے مرنے کے بعد پندرھواں دن یا سولہواں دن اور شودر یعنی باڈلے وغیرہ کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسواں دن مقرر ہے از انجملہ ایک چھ ماہی کا دن ہے یعنی مرنے کے بعد چھ مہینے از ان جملہ برسی کا دن ہے اور اس دن گائے کو بھی کھانا کھلاتے ہیں از ان جملہ ایک دن سدھ کا ہے مردے کے مر جانے سے چار برس پیچھے۔ از ان جملہ اسوج کے مہینے کے نصف اول میں ہر سال اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ لیکن جس تاریخ میں کوئی مرا تاریخ میں ثواب پہنچانا ضرور جانتے ہیں اور کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام سرادھ ہے اور جب سرادھ

کا کھانا تیار ہو جاتا ہے تو اول اس پر پنڈت کو بلا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں جو پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے

وہ ان کی زبان میں ابھشرمن کہلاتا ہے اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں۔ (تحفۃ الہند صـ۹۱)

رضوی صاحب غور فرمائیں کہ یہ مسئولہ رسومات کونسی شریعت سے ماخوذ ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنایا نہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نہ دور تابعین میں ان کا وجود تھا نہ تبع تابعین میں۔ حتیٰ کہ کسی صحیح حدیث یا کتب آثار میں بھی صحیح سند سے موجود نہیں۔ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی نہ کرنے کا حکم فرمایا، وہ جائز نہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے اسی چیز کی تردید میں فرمایا؛

"وہر چیز کہ براں ترغیب صاحب شرع وتعین باشد آں فعل عبث است ومخالف سُنّت خیر الانام ومخالف سُنّت حرام پس ہرگز روا نہ باشد (فتاویٰ عزیزی صـ۹۰ ج ۱)

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس چیز کو جائز سمجھا جائے جس کا ثبوت شریعت مطہرہ میں نہیں۔ سوال کے اس حصہ کا جواب بھی دیا جا چکا ہے کہ یہ رسومات کیوں شریعت کے مطابق نہیں، کیونکہ شریعت میں ثبوت نہ ہونے کے علاوہ بریلوی علماء نے خود انہیں بیکار جہالت وبدعت اور ہندوستان کے سوا کہیں اور رائج نہ ہونے کا اقرار کیا ہے اور اگر کہیں جواز کا اقرار کیا بھی ہو تو وہ ایسا ہے کہ غریب تو غریب بڑے بڑے رئیسوں کو مصیبت پڑ جائے۔ نمونہ ملاحظہ فرمایئے:

مسئلہ: میت کے سوم کا کس قدر وزن ہونا چاہیئے اگر چھواروں پر فاتحہ دلا دی جائے تو ان کا کس قدر وزن ہو؟

جواب: کوئی وزن شرعاً مقرر نہیں اتنے ہوں جس میں ستر ہزار عدد پورا ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (عرفان شریعت صـ۳ ج ۱)

اگر یقین نہ ہو تو حساب کر لیجئے ایک چھوارے کا کم از کم وزن ایک تولہ بھی رکھیں تو ستر ہزار کا وزن اکیس من بنتیس سیر ہوگا اور قیمت کا اندازہ نرخ کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ خود لگا لیجئے۔ خان صاحب نے لکھا ہے کہ وزن شرعاً مقرر نہیں، بھلا کیسے مقرر ہوتا، شریعت میں وزن تو وزن اس رسم کا ہی وجود نہیں۔ اب بھی کسی کو شک ہو کہ یہ رسومات مطابق شریعت نہیں تو خان صاحب کے جواب پر عمل کر دیکھئے شک جلد دُور ہو جائے گا۔

پہلے سوال کے تیسرے جزو کے مطابق جمہور اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ میت کے لئے ایصال ثواب دُرست اور جائز ہے خواہ بدنی ہو یا مالی البتہ عباداتِ بدنیہ میں عدم وصول ثواب کے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ قائل ہیں۔ ثواب الی المیت کے دلائل بکثرت ہیں۔

جاء فی القرآن آیات کثیرۃ متضمنۃ للدعوات للاموات کقولہ سبحانہ (رب ارحمهما كما ربياني صغيرا) وقولہ تعالیٰ (رب اغفرلی ولوالدی ولمن

دخل بیتی مؤمنا وللمؤمنین والمؤمنات) وقولہ تعالیٰ (ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان) و عن سعد بن عبادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال یارسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال علیہ الصلوٰۃ والسلام الماء فحفر بئرًا وقال ھذا لام سعد اخرجہ ابوداؤد والنسائی رحمہما اللہ واما ماذکر فی شرح العقائد من حدیث ان العالم والمتعلم اذا مرا علی قریۃ فان اللہ تعالیٰ یرفع العذاب عن مقبرۃ تلک القریۃ اربعین یوماً فقد صرح الجلال السیوطی انہ لا اصل لہ ... قال القونوی رحمہ اللہ والاصل فی ذلک عند اھل السنۃ ان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃً اوصوماً اوحجاً اوصدقۃً اوغیرھا والشافعی رحمہ اللہ جوز ھذا فی الصدقۃ والعبادۃ المالیۃ وجوزہ فی الحج واذا قرئ علی القبر فللمیت اجر المستمع ومنع وصول ثواب القرآن الی الموتی و ثواب الصلاۃ والصوم وجمیع الطاعات والعبادات غیر المالیۃ وعند ابی حنیفۃ و اصحابہ رحمہم اللہ تعالیٰ یجوز ذلک ویصل ثوابہ الی المیت وتمسک المانع من ذلک بقولہ تعالیٰ وان لیس للانسان الا ما سعی وبقولہ علیہ الصلاۃ والسلام اذا مات ابن آدم انقطع عملہ (الحدیث) والجواب ان الآیۃ حجۃ لنا لان الذی اھدی ثواب عملہ لغیرہ سعی فی ایصال الثواب الی ذلک الغیر فیکون لہ ما سعی بھذہ الآیۃ ولا یکون لہ ما سعی الا بوصول الثواب الیہ فکانت الآیۃ حجۃ لنا لا علینا و اما الحدیث فیدل علی انقطاع عملہ ونحن نقول بہ و انما الکلام فی وصول ثواب غیرہ الیہ والموصل الثواب الی المیت ھو اللہ تعالیٰ سبحانہ لان المیت لا یسمع بنفسہ والقرب والبعد سواءٌ فی قدرۃ الحق سبحانہ (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری صفحہ ۱۱۶ طبع مصر)

ایصالِ ثواب کے لئے اجتماع کا اہتمام، قیود و رسوم اور دعوتیں نہ کی جائیں۔ اپنے طور پر صدقات نافلہ یا تلاوت وغیرہ کا ثواب پہنچا دیجئے۔ یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام الخ (رد المحتار ص ۸۴۲ ج ۱۰)

قال فی الشامیۃ معزیا الی الفتح الخ (رد المحتار ص ۶۶۴ ج ۱۰)

مالی صدقہ میں اخفاء افضل ہے اور مساکین تک پہنچانا ضروری ہے بہتر ہے کہ نقد رقم دے دی جائے تاکہ وہ ضرورت کی دوسری اشیاء بھی خرید سکیں۔ اس کے علاوہ کسی ایسے کام میں صرف کیا جا سکتا ہے جہاں

صدقہ جاریہ ہے۔ اور میت کو ثواب پہنچتا ہے۔

۲۔ دوسرے سوال کے مطابق قرآن کی اُجرت دینا بالکل جائز نہیں حالانکہ رضوی صاحب نے بھی۔ "بلاشبہ جائز لکھ چکے ہیں۔ مروجہ رسوم میں اُجرت پہلے سے مقرر بھی کر لی جاتی ہے اس صورت میں میت کو ثواب پہنچنا تو درکنار خود قاری کو ہی ثواب نہیں ملتا۔ پس ایسے اُجرت کا وصول کر لینے کی صورت میں واپس کرنا ضروری ہے:۔ قال فی رد المحتار ان القاری اذا قرء لاجل المال فلا ثواب له فای شئ یهدیه الی المیت و انما یصل الی المیت العمل الصالح (رد المحتار ص۳۵ ج۲)

وفی شرح التنویر فی بیان الاجارۃ الفاسدۃ (و) لا لاجل الطاعات وقال فی ردالمحتار تحت (قوله ویفتی الیوم) قال تاج الشریعۃ فی شرح الهدایۃ ان القرآن بالاجرۃ لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری وقال العینی فی شرح الهدایۃ ویمنع القاری للدنیا والاخذ والمعطی اثمان فالحاصل ان ما شاع فی زماننا من قرأۃ الاجزاء بالاجرۃ لا یجوز لان فیها الامر بالقرأۃ واعطاء الثواب للامر والقرأۃ لاجل المال فاذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیۃ الصحیحۃ فاین یصل الثواب الی المستأجر ولولا الاجرۃ ما قرأ احد لاحد فی هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا ووسیلۃ الی جمع الدنیا انا للہ وانا الیه راجعون اھ (ردالمحتار ص۳۹ ج۵)

اور آجکل مروجہ رسوم میں کھانا کھلانا بھی دراصل قاری کو اُجرت دینا ہوتا ہے اس لئے یہ بھی جائز نہیں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ متوفی ۷۸۵ھ کے ملفوظات میں ہے۔

"کہ اس زمانہ میں سوئم کے روز میت کی زیارت کے واسطے شربت و برگ و میوہ لے جاتے اور کھاتے ہیں...... صندوق لے جاتے ہیں اور سپارہ خوانی کرتے ہیں یہ مکروہ ہے۔"

(الدر المنظوم ص۵۳۲)

علامہ محی الدین برکلی نقشبندی الحنفی رح متوفی ۹۸۱ھ طریقۃ المحمدیہ کے آخری صفحہ پر لکھتے ہیں:

"کہ ان بدعات میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے دن یا اس کے بعد ضیافت طعام کی وصیت کرنا اور قرآن و کلمہ وغیرہ پڑھنے والوں کو پیسے دینا یا قبر پر چالیس روز تک یا کم و بیش ایام تک آدمی بٹھانا یا قبر پر قبہ بنانے کی وصیت کرنا یہ سب امور منکرہ ہیں۔"

شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

"آنکہ شخصے را برائے ختم نمودن قرآن بمزدوری بگیرند و ثواب آں ختم بمستاجر برسد و ایں صورت نزد حنفیہ جائز نیست الخ (فتاویٰ عزیزی ص۳ ج۱)

تاج الشریعۃ محمود بن احمد الحنفی المتوفی سنہ ۶۷۳ھ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں :

ان القرآن لا یستحق بالاجرۃ الثواب لا للمیت ولا للقاری ۔
(بحوالہ انوار ساطعہ ص۱۰۱)

احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں :

"تلاوت قرآن عظیم پر اجرت لینا دینا حرام ہے اور حرام پر استحقاق عذاب ہے نہ کہ ثواب الخ" (احکام شریعت ج۱ ص۶۳)

علامہ صدر الدین علی بن محمد الاذرعی الدمشقی الحنفی المتوفی سنہ ۷۴۶ھ لکھتے ہیں :

واما استیجار قوم یقرأون القرآن ویھدونہ للمیت فھذا لم یفعلہ احد من السلف ولا امر بہ احد من ائمۃ الدین ولا رخص فیہ والاستیجار عن نفس التلاوۃ غیر جائز بلاخلاف (شرح عقیدۃ الطحاویہ ص۳۸۶ طبع مصر)

اور علامہ عینی الحنفی لکھتے ہیں :

الآخذ والمعطی آثمان فالحاصل ان ما شاع فی زماننا من قراءۃ الاجزاء بالاجرۃ لایجوز (بنایہ شرح ہدایہ) ھذا ما عندی فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب ۔

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۲/۱۳

امور مہمہ دینیہ کیلئے بعد از عشاء اجتماع کا جواز

کیا عہد رسالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام وعظ وتبلیغ یا روانگی وفود وجیوش کے لئے نماز عشاء کے بعد بھی کبھی اجتماع فرمایا ہے یا نہیں ؟

الجواب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت شریفہ نماز عشاء کے بعد آرام فرمانے کی تھی ۔ لیکن کبھی ضرورت ہوتی تو امور دین میں خصوصی احباب سے مشورہ وغیرہ بھی فرمالیا کرتے تھے ۔
حضرت صدیق اکبر و حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بعد از نماز عشاء مشورہ فرمانا ثابت ہے ۔

(ترمذی شریف : ج۱ ص۲۳)

نیز بعض اوقات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو خطاب بھی فرمایا ہے ۔

قال البخاری بسندہ عن قرۃ بن خالد قال انتظرنا الحسن وراث علینا حتی قربنا من وقت قیامہ فجاء فقال دعانا جیراننا ھؤلاء ثم قال قال انس بن مالک نظرنا ای انتظرنا کما ھو فی روایۃ)

النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ حتی کان شطر اللیل یبلغہ فجاء فصلی لنا ثم خطبنا الحدیث (بخاری، ج ۱، ص ۸۴)۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ بوقتِ ضرورت بعد از نمازِ عشاء وعظ کا جواز ثابت ہے لیکن غلو اس میں ممنوع ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان شہر

اس دور میں ترک تقلید گمراہی ہے

ہر ایک کے لئے اگر تقلید ضروری ہے تو حضرات مفسرین و محدثین و مجتہدین مثلاً ابن کثیرؒ، رازیؒ اور امام بخاریؒ و مسلم امام اعظم ابو حنیفہؒ و شافعیؒ وغیرہ کن کے مقلد تھے۔

الجواب: جملہ مفسرین و محدثین و مشائخ عظام ائمہ اربعہؒ میں سے کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے جیسا کہ درج ذیل تفصیل سے معلوم ہوگا ہاں بعض کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کسی امام کے مقلد تھے یا خود مجتہد تھے جیسے امام بخاریؒ کہ بعض نے انہیں شافعی قرار دیا ہے اور بعض نے مجتہد لیکن یہ ان حضرات کی بات ہے جنہوں نے پوری زندگی کتاب اللہ و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل کرنے اور انکی تعلیم و تبلیغ میں صرف کر دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مرتبہ اجتہاد بھی عطا کیا مگر عوام کے لئے سوائے تقلید ائمہ اربعہ کے چارہ نہیں کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ واتبع سبیل من اناب الیّ الایہ ۲۔ یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم الایہ، وغیرہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عامی کے لئے کسی نہ کسی مستند مجتہد کی تقلید کرنا ضروری ہے اور علماء ربانی، سلف صالحین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ائمہ اربعہ چنانچہ ذیل میں ہم معتبر علماء کے اقوال اس بارے میں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ خاتم الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح المبین شرح الاربعین میں فرماتے ہیں:

اما فی زماننا فقال ائمتنا لا یجوز تقلید غیر الائمۃ الاربعۃ الشافعی ومالک وابی حنیفۃ واحمد بن حنبل،

ترجمہ: ہمارے ائمہ نے فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں ائمہ اربعہ کے سوا کسی کی تقلید درست نہیں۔

۲۔ شیخ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

انعقد الاجماع علی عدم العمل بالمذاہب المخالفۃ الائمۃ الاربعۃ۔

ترجمہ:۔ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ ائمہ اربعہ کے مخالف مذاہب پر عمل نہ کیا جائے ۔

۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی عقد الجید ص۳۳ پر فرماتے ہیں :

ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم ۔

ترجمہ : چونکہ بجز مذاہب اربعہ کے دیگر مذاہب حقہ معدوم ہو گئے ہیں لہذا انکی اتباع سوادِ اعظم کی اتباع ہے ۔ والخروج عنها خروجاً عن السواد الاعظم ، اور ان سے خروج سوادِ اعظم سے خروج ہے ۔

۴۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی دوسری کتاب" انصاف کے صفحہ ۶۳" پر لکھتے ہیں :

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سرٌ الهمه الله تعالى العلماء وجمعهم عليه من حيث يشعرون او لا يشعرون ۔ ترجمہ:۔ خلاصہ یہ کہ مجتہدین کے مذاہب پر پابند ہونا سرِ الٰہی ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے علماء کے قلوب میں الہام فرمایا۔

اور ان کو اس پر جمع فرمایا خواہ وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں ۔

۵۔ علامہ جلال الدین سیوطی شرح جمع الجوامع میں فرماتے ہیں ۔

يجب على العامي وغيره ممن لم يبلغ مرتبة الاجتهاد التزام مذهب معين من مذاهب المجتهدين ۔

ترجمہ : عامی اور جو شخص مرتبہ اجتہاد کو نہ پہنچا ہوا ہو اس پر مذاہب میں سے کسی مذہب معین کی تقلید ضروری ہے

۶۔ مولانا سید اسماعیل شہید فرماتے ہیں :

در اعمال اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج در تمام اہل اسلام است بہتر و خوب است (صراطِ مستقیم)

ترجمہ : اعمال میں مذاہب اربعہ کی اتباع کرنا جیسا کہ تمام اہلِ اسلام میں مروج ہے یہی درست اور صحیح ہے۔ عقلی طور پر بھی عامی شخص کیلئے اسکے سوا چارہ کار نہیں اسلئے کہ نہ تو وہ قرآن کا ترجمہ جانتا ہے اور نہ تفسیر، نہ احادیث کا حافظ ہے، نہ صحابہ کے آثار اور فتاویٰ کا، نہ اسے سند یاد ہے نہ احوالِ سند و روات، نہ اسے عربی لغت اور صرف و نحو کا علم نہ ناسخ و منسوخ کا۔ ان امور بالا سے ناواقفیت کی بناء پر وہ صرف موصوف باوصافِ مذکورہ مجتہد کی تقلید ہی کر سکتا ہے ۔

جو علوم مذکورہ سے ناواقف ہے اسے قرآن و حدیث کے تراجم دیدینے اور ترکِ تقلید کا سبق سکھانے سے انکارِ حدیث اور انکار فقہ کے فتنے کو فروغ دینا ہے ۔ ترکِ تقلید کے جو خطرناک نتائج نکلتے ہیں اُن کا اقرار خود ائمہ غیر مقلدین کو بھی ہے ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں تین شہادتیں ذکر کی جاتی ہیں

مولانا محمد حسین بٹالوی غیر مقلد لکھتے ہیں :

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں

(اشاعۃ السنہ ۱۸۸۸ء، صفحہ ۲۰۴ ج ۱۱)

۲ : قاضی عبد الواحد خانپوری غیر مقلد لکھتے ہیں :

پس اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجاء بہ الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوتے ہیں شیعہ و روافض کے

(کتاب التوحید والسنہ صفحہ ۲۶ تا صفحہ ۲۶)

۳ - فرقہ اہل حدیث کے مجدد نواب صدیق حسن خان بھوپالی اپنی جماعت اہل حدیث کے متعلق " الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ " صفحہ ۶۷، صفحہ ۶۸ میں لکھتے ہیں : ——— یعنی اس زمانہ میں ایک فرقہ شہرت پسند اور ریا کار ظہور پذیر ہوا ہے جو باوجود ہر طرح کی خامی کے ..... اپنے لئے قرآن و حدیث پر علم و عمل کا مدعی ہے .... حالانکہ اس کو علم و عمل اور معرفت کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں ۔

مانو ، نہ مانو ، جانِ جہاں اختیار ہے ٭ ہم نیک و بد حضور کو سمجھانے دیتے ہیں

فقط ۔ واللہ اعلم ۔

تم بحمد اللہ تعالیٰ الجزء الاوّل من خیر الفتاویٰ ویتلوہ الجزء الثانی ان شاء اللہ تعالیٰ واوّلہ کتاب الطہارۃ والحمد للہ اوّلاً و آخراً ۝

کتبہٗ قاری سیف اللہ خالد قادری غفر اللہ ذنوبہٗ وستر عیوبہٗ